فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (القرآن)
فانما شفاء العی السؤال (الحدیث)

نجم الفتاوی

جلد خامس

کتاب النکاح (۲)

نکاح کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً آٹھ سو
اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف:
حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دار الافتاء و مہتمم دار العلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن عفی عنہ
نگران شعبہ تصنیف و استاذ دار العلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر
شعبہ نشر و اشاعت دار العلوم یاسین القرآن

Marfat.com

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن) فَاِنَّمَا شِفَآءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحدیث)

نجم الفتاویٰ

جلد خامس

کتاب النکاح

نکاح کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً آٹھ سو
اہم فتاویٰ جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف: حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن
نگران شعبۂ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر
شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

کتاب کا نام : نجم الفتاویٰ

مؤلف : حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب وتبویب : مفتی فرحان حسن عفی عنہ (استاذ دارالعلوم یاسین القرآن)

کمپوزنگ : بھائی شکیل احمد صدیقی صاحب

سن اشاعت : 1437ھ بمطابق 2016ء

مطبع : ادارۂ طباعت 0333-2136180

ناشر : شعبۂ نشرواشاعت دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)
0301-2113944, 0334-3957443

297.35
U 34 N
159203
جلد ۵

ملنے کے پتے:
ملک کے مشہور اسلامی کتب خانوں سے طلب فرمائیں!

اسٹاکسٹ : ادارۃ النور
شاپ نمبر 2، پلاٹ نمبر 4/ G.R.E.672 انورمینشن، بنوری ٹاؤن، کراچی
Ph: +92-21-34914569
Email: idaratunnoor@gmail.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اجمالی فہرست (نجم الفتاوی جلد خامس)

فصل فی أحكام الوليمة والعروس ٢٧

باب في الأولياء ٤٥

فصل فی خيار البلوغ ١٠٥

فصل فی استئذان المرأة قبل النكاح ١١٩

باب فی الوكالة بالنكاح ونكاح الفضولی ١٤٢

باب فی الكفاءة ١٥٦

باب فی المهر ٢٤٣

فصل فی الجهاز وغيره ٣٤٢

باب فی النفقات ٣٦٩

فصل فی حقوق الزوجين والعدل بين الأزواج ٤٣٦

فصل فی المتفرقات ٤٩٦

كتاب الرضاع ٥٦١

Marfat.com

جامعہ دار العلوم یاسین القرآن

PAHLAD
UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

آئینہ عناوین

نجم الفتاوی جلد ۵

کتاب النکاح [۲] یعنی بقیہ کتاب النکاح

	فصل فی أحکام الولیمة والعروس (ولیمہ اور بارات کا بیان)	۲۷
(۴۲۲)	ولیمہ کس دن مسنون ہے؟	۲۷
(۴۲۳)	ولیمہ کتنے دن تک مسنون ہے؟	۲۸
(۴۲۴)	رخصتی سے قبل دعوتِ ولیمہ کرنا	۲۹
(۴۲۵)	شادی کی رات ہمبستری نہ کرسکنے کی صورت میں ولیمہ کا حکم	۳۰
(۴۲۶)	لڑکی کی طرف سے دعوت خلافِ سنت ہے یا نہیں؟	۳۱
(۴۲۷)	شادی کے ایام میں دلہن کی سہیلیوں کا گھر جمع ہونا	۳۲
(۴۲۸)	ولیمہ میں مرد ویٹروں کا کھانا سپلائی کرنا	۳۳
(۴۲۹)	ولیمہ میں بچے کھانے کو فروخت کرنا یا مدارس میں دینا	۳۴
(۴۳۰)	رسالة: کسر الزجاج فی انعقاد الحفلة عند الزواج بارات کا شرعی حکم	۳۵

Marfat.com

--- وراثت کے حق کی شرعی حیثیت	۳۱
--- وراثت میں قرآن و حدیث اور خواتین کی شرکت	۳۲
--- حضرت ... کے نکاح کے وقت کھانے کا اہتمام	۳۳
باب في الأولياء (نکاح کے اولیاء کا بیان)	۳۵
--- نکاح کی ولایت کسے حاصل ہے؟	۳۵
--- کیا ولی نکاح کا اذن ہونا ضروری ہے؟	۳۶
رسالة: استنارة القمرين في جواب السؤال "هل تزويج الولد لازم على الأبوين" --- کیا اولاد کی شادی کرنا والدین کی ذمہ داری ہے؟	۳۷
--- لڑکے کا خود کما کر اپنی شادی کرنا	۵۱
رسالة: القضية الشاملة إذ أنكح الجد في غير الكفوء البالغة --- باپ کی موجودگی میں دادا کا غیر کفو میں نکاح کرانے کا حکم	۵۳
--- باپ کی موجودگی میں دادا کے نکاح کا حکم	۵۸
--- باپ کی موجودگی میں ماں کے کیے نکاح کا حکم	۵۸
--- شوہر کے مرنے کے بعد والدین کی اجازت بغیر اپنی پسند سے شادی کرنے کا حکم	۵۹
--- شریعت نے باپ کو کیا حقوق دیے ہیں؟	۶۰
--- لڑکے کا والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر لینے کا حکم	۶۲
--- لڑکی کی ماں کا باپ کی رضامندی کے خلاف کسی جگہ نکاح کرنا	۶۳
--- من پسند شادی کرنے پر لڑکی سے قطع تعلق کا حکم	۶۵
--- باپ اور دادا اگر دو مختلف جگہ نکاح کی اجازت دیتے ہوں	۶۶

Marfat.com

(۴۴۷)	مرحوم باپ کے کئے نکاح کو بھائیوں کا وعدہ نکاح کہنا	۶۸
(۴۴۸)	عورت مہر مثل سے کم پر نکاح کرلے تو اولیاء کیلئے فسخ کا اختیار	۶۸
(۴۴۹)	بچوں کی شادی کیلئے قرض لینے کا حکم	۶۹
(۴۵۰)	باپ شرابی ہو تو قاضی کے نکاح کرادینے کا حکم	۷۱
	رسالۃ: الجواب المختار فی کفاءۃ الرجل عند سوء الاختیار	۷۳
(۴۵۱)	باپ کا مجبوراً نابالغہ کا نکاح کرنا کالعدم ہے	
(۴۵۲)	مذکورہ بالا معروف بسوء الاختیار کا مسئلہ اور ایک استدراک کا جواب	
(۴۵۳)	نابالغہ بیٹی کے نکاح کا کسی شخص کو وکیل بنانا	۷۹
(۴۵۴)	جوان اولاد کا اپنا نکاح خود کرنے کا حکم	۸۰
(۴۵۵)	کورٹ میرج کے وقت باپ کا خاموش رہنا اور سال بعد انکار کردینا	۸۱
(۴۵۶)	مذکورہ فتوے پر ایک مفتی صاحب کے اشکال کا جواب	۸۲
(۴۵۷)	غیر کفوء میں تجدید نکاح کے لئے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے	۸۴
(۴۵۸)	دو چچا ایک لڑکی کا نکاح مختلف جگہ کردیں تو نکاح کا حکم	۸۵
(۴۵۹)	ماں کی موجودگی میں بہن کا نکاح کروادینے کا حکم	۸۶
(۴۶۰)	دادا کے کئے نکاح پر باپ کی رضامندی کے بعد قسم کھا کر منع کرنے کا حکم	۸۷
(۴۶۱)	بلوغت سے قبل باپ کا کیا ہوا نکاح نافذ ہوجاتا ہے	۸۸
(۴۶۲)	نابالغہ لڑکی کی ماں کا نکاح کیلئے مشروط ہاں کردینے کا حکم	۸۹
(۴۶۳)	نابالغہ سے جبراً نکاح قبول کرانے کا حکم	۹۰
	رسالۃ: الجبیرۃ عن نکاح الصغیرۃ	۹۳
(۴۶۴)	بڑی عمر کے اشخاص کا چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے نکاح کا حکم	
(۴۶۵)	بچپن میں نکاح کرادینے کا حکم	۹۶
(۴۶۶)	چھوٹے بچے کا نکاح پڑھانے والے کو سزا دینا	۹۹

Marfat.com

(۴۶۷	نابالغہ کا کورٹ میرج کرنا	۱۰۰
(۴۶۸	شوہر کے انتقال کے بعد دیور سے شادی کرنا ضروری نہیں	۱۰۱
(۴۶۹	مجنونہ کا نکاح کیسے کرایا جائے	۱۰۱
(۴۷۰	مجنونہ کو نکاح کے بعد جنون سے افاقہ ہو جائے	۱۰۳
	فصل فی خیار البلوغ (خیار بلوغ کا بیان)	۱۰۵
(۴۷۱	لڑکے اور لڑکی کی مدت بلوغ کیا ہے؟	۱۰۵
(۴۷۲	بالغ ہونے کے بعد خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے	۱۰۶
(۴۷۳	خیارِ بلوغ سے فسخِ نکاح کیلئے گواہ ضروری نہیں	۱۰۷
(۴۷۴	والد کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ کا حکم	۱۰۸
(۴۷۵	**رسالة: إعلام الاذكياء بأن عدم استحقاق الفسخ لنكاح الأب ثابت من الاحاديث الصحاح** نابالغہ کا نکاح فسخ نہ کر سکنے کا حدیث سے ثبوت	۱۱۱
(۴۷۶	نابالغی کی حالت میں ماں کے کئے نکاح کو فسخ کرنے کا حکم	۱۱۶
(۴۷۷	نابالغ لڑکا لڑکی کا بغیر اجازت ولی کے اپنا نکاح کرنا	۱۱۶
(۴۷۸	لالچی چچا نابالغہ کا نکاح کرا دے تو اس نکاح کا حکم	۱۱۷
	فصل فی استئذان المرأة قبل النكاح (نکاح سے قبل لڑکی سے اجازت لینے کا بیان)	۱۱۹
(۴۷۹	بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا	۱۱۹
(۴۸۰	نابالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کیا جا سکتا ہے	۱۲۰
(۴۸۱	اجازت لیتے وقت لڑکی کے انکار کر دینے سے نکاح نہیں ہوتا	۱۲۱

Marfat.com

(۴۸۲)	بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح اجازت پر موقوف ہوگا	۱۲۲
	رسالة: الرسالة البيضاء في ردّ الاحتجاج على نقض اجازة المكرهة من حديث خنساء	۱۲۵
(۴۸۳)	لڑکی سے جبراً اجازت لینے سے انعقادِ نکاح پر حدیثِ خنساء سے اشکال اور اس کا جواب	
(۴۸۴)	لڑکی سے زبردستی نکاح نامے پر دستخط کروانا اجازت نہیں	۱۳۱
(۴۸۵)	غیر ولی کی صورت میں لڑکی کا زبانی اجازت دینا ضروری ہے	۱۳۲
(۴۸۶)	قبول کے وقت لڑکی کے خاموش رہنے کا حکم	۱۳۳
(۴۸۷)	لڑکی سے اجازت لینے کو عار سمجھنے والے کا حکم	۱۳۴
(۴۸۸)	رواجاً لڑکی کے خاموش رہنے سے نکاح کا حکم	۱۳۵
(۴۸۹)	لڑکی سے اجازت لیتے وقت اس کا پانچ منٹ بعد انکار کر دینا	۱۳۶
(۴۹۰)	لڑکی سے اجازت لیتے وقت اگر وہ ہنس دے	۱۳۹
(۴۹۱)	نکاح کے معاملے میں ماں باپ کی پسند کا انکار نافرمانی نہیں	۱۳۹
(۴۹۲)	اجازت کیلئے نکاح نامے پر دستخط کرانے کا حکم	۱۴۰
	باب في الوكالة بالنكاح ونكاح الفضولي (نکاح میں وکالت اور فضولی کے نکاح کا بیان)	۱۴۲
(۴۹۳)	نکاح کا وکیل بنانے کیلئے گواہ شرط نہیں	۱۴۲
(۴۹۴)	عاقدین کی طرف سے وکیل بننا نیز وکیل کا موکلہ سے اپنا نکاح کرنے کا حکم	۱۴۳
(۴۹۵)	بھائی کو نکاح کا وکیل بنایا جاسکتا ہے	۱۴۴
(۴۹۶)	لڑکے کے خاندان سے نکاح کا وکیل بنانے کا حکم	۱۴۵
(۴۹۷)	نکاح کا وکیل نامحرم ہوسکتا ہے	۱۴۶
(۴۹۸)	نابالغ کو نکاح کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا	۱۴۷

Marfat.com

(۴۹۹)	لڑکی نے جسے وکیل بنایا فقط وہی نکاح کراسکتا ہے	۱۴۸
(۵۰۰)	مطلق توکیل کو صحت مند عورت سے نکاح پر حمل کیا جائے گا	۱۴۹
(۵۰۱)	وکیل کو صرف کفوء میں نکاح کرانے کا حق ہوگا	۱۵۰
(۵۰۲)	وکیل کے کفوء میں نکاح کرانے کی شرط پر اشکال کا جواب	۱۵۱
(۵۰۳)	وکیل اگر مؤکل کی شرط کی مخالفت کردے تو نکاح کا حکم	۱۵۱
(۵۰۴)	نکاح میں دلہا دلہن کا بھی وکیل بن سکتا ہے	۱۵۲
(۵۰۵)	بدونِ اجازت کئے گئے نکاح کا حکم	۱۵۳
(۵۰۶)	کلما کی قسم کے بعد پسند کا کوئی اعتبار نہیں	۱۵۴
	باب فی الکفاءۃ (کفاءت کا بیان)	۱۵۶
(۵۰۷)	کفاءت کن اشیاء میں معتبر ہے؟	۱۵۶
(۵۰۸)	نسب میں کفاءت کے مسئلہ کی تحقیق	۱۵۸
(۵۰۹)	نسب میں کفاءت کا حکم	۱۵۹
(۵۱۰)	کفاءت میں پیشے سے متعلق برابری پر تحقیقی فتوی	۱۶۰
(۵۱۱)	رسالۃ: أداء الامانۃ ببیان أن الکفاءۃ تعتبر فیھا عند الامام الدیانۃ امام صاحب کے نزدیک کفاءت میں دینداری کے اعتبار سے متعلق تحقیق	۱۶۵
(۵۱۲)	لڑکی میں دین داری کو ترجیح دینے کا مطلب	۱۷۱
(۵۱۳)	غیر کفوء میں نکاح کالعدم ہے	۱۷۲
(۵۱۴)	رسالۃ: الدلیل الجاذب علی أن نکاح المرأۃ فی غیر الکفوء نکاح فاسد غیر کفوء میں نکاح کے فاسد یا باطل ہونے کی تحقیق	۱۷۵
(۵۱۵)	کفوء و غیر کفوء میں کئے ہوئے نکاح کا حکم	۱۸۶

Marfat.com

(۵۱۶)	لڑکا کفوء ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا	۱۸۶
	رسالة: أداء الفريضة ببيان أن مسئلة الكفاءة لا تصادم الشريعة	۱۸۹
(۵۱۷)	کیا مسئلہ کفاءت شریعت سے متصادم ہے؟	
(۵۱۸)	کیا مسئلہ کفاءت لڑکی پر ظلم ہے؟	۱۹۴
	رسالة: ضوء الدار في أن علة الكفاءة هي دفع العار	۱۹۶
(۵۱۹)	کفاءت کی علت دفع عار ہونے پر ایک اشکال اور اس کا مفصل جواب	
(۵۲۰)	لڑکے کا کفو ہونا شرط ہے	۲۰۳
(۵۲۱)	کفاءت کا اعتبار صرف عقد کے وقت ہوتا ہے	۲۰۴
(۵۲۲)	دھوکہ سے غیر کفوء میں نکاح کرانے کا حکم	۲۰۵
(۵۲۳)	باپ کی رضامندی سے غیر کفوء میں نکاح جائز ہے	۲۰۷
(۵۲۴)	بالغہ کا از خود کفوء میں کیا نکاح مناسب نہیں	۲۰۷
(۵۲۵)	کورٹ میرج کرنے والے لڑکے کو قتل کرنے کا حکم	۲۰۹
(۵۲۶)	لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کی صورت میں طلاق کا حکم	۲۱۰
(۵۲۷)	رخصتی سے قبل شوہر کا وطی کرنا	۲۱۲
(۵۲۸)	دیندار لڑکے سے نکاح کے وکیل کا فاسق سے نکاح کرا دینا	۲۱۳
(۵۲۹)	گزشتہ فتوے پر ایک فاضل کے استدراک کا جواب	۲۱۴
(۵۳۰)	حلالہ کرنے والے مرد کا کفوء ہونا	۲۱۶
	رسالة: إعلاء السافل بان العالم العجمي يكون كفوًا للعربي العالم والجاهل	۲۱۹
(۵۳۱)	عالم کے ہر شخص کے کفوء ہونے سے متعلق اشکال کا جواب	
(۵۳۲)	عالم کون ہے؟ مسئلہ کفاءت میں ذکر عالم کے مصداق کا بیان	۲۲۹
(۵۳۳)	کیا نیم پاگل شخص کفوء ہے	۲۳۲

Marfat.com

(۵۳۴)	سید لڑکی کا نکاح غیر سید سے اولیاء کی رضامندی کے ساتھ درست ہے	۲۳۳
(۵۳۵)	شراب نوش اور غیر قانونی اسلحہ رکھنے والا کفوء نہیں	۲۳۴
(۵۳۶)	مختلف فرقوں سے نکاح میں کفاءت کا حکم	۲۳۵
(۵۳۷)	کیا بریلوی لڑکا صحیح العقیدہ لڑکی کا کفوء ہے	۲۳۷
(۵۳۸)	دونو مسلم آپس میں کفوء ہیں	۲۳۸
(۵۳۹)	کسی لڑکی کو اغواء کر کے نکاح کرنے کا حکم	۲۳۹
(۵۴۰)	نکاح کے لئے کن صفات کو ترجیح دینی چاہیئے؟	۲۳۹
(۵۴۱)	ایک بے دین پروفیسر دیندار لڑکی کا کفوء ہے یا نہیں؟	۲۴۰
(۵۴۲)	باپ کا بچی کا نکاح پاگل سے کرادینے کا حکم	۲۴۱
	باب فی المہر (مہر کا بیان)	۲۴۳
(۵۴۳)	نکاح کے وقت مہر کی تعیین صراحۃً کی جائے	۲۴۳
(۵۴۴)	علاقہ والوں کا مہر کی حد مقرر کرنے کا حکم	۲۴۴
(۵۴۵)	مہر مثل کیا ہے؟	۲۴۵
(۵۴۶)	مہر مثل کب واجب ہوتا ہے؟	۲۴۶
(۵۴۷)	مہر مثل کیا ہے؟	۲۴۷
(۵۴۸)	نکاح فاسد میں عورت کیلئے مہر کا حکم	۲۴۸
(۵۴۹)	حلالہ کے نکاح میں بھی مہر لازم ہے	۲۴۹
(۵۵۰)	مہر فاطمی کی صحیح مقدار اور مروجہ کرنسی میں اس کا ریٹ	۲۵۰
(۵۵۱)	مہر فاطمی سے متعلق ایک اشکال کا ازالہ	۲۵۱
(۵۵۲)	شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟	۲۵۴

Marfat.com

(۵۵۳)	نکاح کے بعد زوجین کا آپس میں مہر متعین کرنا	۲۵۶
(۵۵۴)	مہر اور دیگر گفٹ عورت کا حق ہیں	۲۵۷
(۵۵۵)	عورت کو صرف مقرر کردہ مہر کے مطالبے کا حق ہے	۲۵۸
(۵۵۶)	مہر معجّل اور مؤجل کی تعریف	۲۵۹
(۵۵۷)	جس مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کی صراحت نہ ہو	۲۶۰
(۵۵۸)	مہر مؤجل میں مدت غیر متعین ہونے کا حکم	۲۶۱
(۵۵۹)	رسالة: الجواب المفصل لمن سئل عن تعيين مدة المهر المؤجل مہر مؤجل کے مصداق کے تعیّن سے متعلق تفصیلی فتویٰ	۲۶۳
(۵۶۰)	مہر معجّل ادا نہ کرنے پر بیوی کا ہمبستری سے انکار کرنا	۲۸۸
(۵۶۱)	تجدید نکاح میں مہر کا حکم	۲۸۸
(۵۶۲)	نکاح سے قبل خرچ کی گئی رقم کو مہر کہنا	۲۸۹
(۵۶۳)	بغیر رجسٹری کے مکان مہر مقرر کرنے کا حکم	۲۹۰
(۵۶۴)	بیوی کو مہر سے زیادہ دیکر واپسی کا مطالبہ کرنا	۲۹۱
(۵۶۵)	مہر کو قسطوں میں ادا کرنے کا حکم	۲۹۲
(۵۶۶)	بدنامی سے بچنے کیلئے مجمع میں زیادہ مہر کہلوانے کا حکم	۲۹۳
(۵۶۷)	اعلانیہ شہرت کیلئے زیادہ مہر لکھوانے کا حکم	۲۹۴
(۵۶۸)	انچاس دراہم مہر مقرر کرنے کا حکم	۲۹۶
(۵۶۹)	ساس کے قرضے سے بیوی کا مہر منہا کرنا	۲۹۷
(۵۷۰)	نابالغ لڑکے کا مہر ادا کرنا کس پر واجب ہے؟	۲۹۸
(۵۷۱)	رخصتی کے وقت بیوی کو دیئے گئے زیور کا حکم	۲۹۸
(۵۷۲)	شوہر کا بیوی سے مہر واپس لے کر ادا نہ کرنا	۲۹۹

Marfat.com

(۵۷۳)	زیورات کی صورت میں مہر کی ادائیگی	۳۰۰
(۵۷۴)	۱۲ سال بعد بھی مقرر کردہ رقم ہی مہر دینی ہوگی	۳۰۱
(۵۷۵)	۱۹۶۵ء میں مقرر 256 روپے ہی مہر دینا لازم ہے	۳۰۲
(۵۷۶)	لڑکی کی اجازت کے بغیر ولی کیلئے اس کا مہر استعمال کرنا	۳۰۳
(۵۷۷)	مہر کے لئے مال متقوم (جو شرعاً مال ہو) ہونا ضروری ہے	۳۰۴
(۵۷۸)	زنا میں مہر [عقر] کا حکم	۳۰۵
(۵۷۹)	موقوفہ زمین کو مہر بنانا درست نہیں	۳۰۶
(۵۸۰)	وقف زمین مہر رکھنے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی	۳۰۷
(۵۸۱)	حج کرانے کو مہر بنانا	۳۰۸
(۵۸۲)	تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز نہیں	۳۰۹
(۵۸۳)	بچے کے نکاح میں ولی مہر کی ضمانت لے سکتا ہے	۳۱۰
(۵۸۴)	کم مہر والی عورت کا زیادہ بابرکت ہونا	۳۱۱
(۵۸۵)	بیوی کو لاعلم رکھ کر اس کا مہر ادا کرنا	۳۱۱
(۵۸۶)	مہر کا جہیز کے بدلے تبادلہ کرنا	۳۱۳
(۵۸۷)	مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں زیادتی کا حکم	۳۱۴
(۵۸۸)	مہر کی زیادہ مقدار یا مہر مثل مقرر کرنے میں تقابل	۳۱۵
(۵۸۹)	بطورِ مہر ۱۰ تولہ سونے کا مطالبہ کرنا	۳۱۵
(۵۹۰)	کیا عورت کے منہ کا بدبودار ہونا خلوت صحیحہ سے مانع ہے	۳۱۶
(۵۹۱)	مطلقہ مزنیہ کے مہر کا حکم	۳۱۷
(۵۹۲)	ادائیگی مہر میں اختلاف کا حکم	۳۱۸
(۵۹۳)	طلاق کے بعد بھی مہر عورت کا حق ہے	۳۱۹

Marfat.com

(۵۹۴)	رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں کتنا مہر دیا جائے گا؟	۳۲۰
(۵۹۵)	صحبت اور خلوت صحیحہ سے پہلے کتنا مہر دینا لازم ہوگا؟	۳۲۱
(۵۹۶)	بیوی کا مہر اس کے ترکے میں شامل کرنا ہوگا	۳۲۲
(۵۹۷)	مہر وصول کرنے سے قبل عورت کا انتقال ہو جائے	۳۲۳
(۵۹۸)	زوجین کی موت کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا طریقہ کار	۳۲۴
(۵۹۹)	شوہر کی موت کی صورت میں مہر کا حکم	۳۲۵
(۶۰۰)	بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا مہر کو خیرات کرنا	۳۲۶
(۶۰۱)	مطلقہ کیلئے مہر اور عدت کے خرچہ کے مطالبہ کا حق	۳۲۶
(۶۰۲)	بیوی کے خفیۃً مہر معاف کر دینے کے بعد علانیۃً انکار کا حکم	۳۲۷
(۶۰۳)	عورت کے مہر معاف کرنے پر والد کا اعتراض کرنا	۳۲۸
(۶۰۴)	عورت کے باپ کا مہر معاف کر دینے کا حکم	۳۲۹
(۶۰۵)	مرض الموت میں عورت کا مہر معاف کرنا معتبر نہیں	۳۲۹
(۶۰۶)	زبردستی مہر معاف کرانے کا حکم	۳۳۰
(۶۰۷)	شادی کی رات بیوی سے مہر معاف کرانا	۳۳۱
(۶۰۸)	عورت کا ناسمجھی میں مہر معاف کرنے کا حکم	۳۳۲
(۶۰۹)	بیوی اگر مہر معاف کر دے تو علیحدگی کے بعد مطالبہ کا حکم	۳۳۳
(۶۱۰)	مہر لکھ کر معاف کرنے کا حکم	۳۳۴
(۶۱۱)	قبل القبض مہر معاف کرانے کا حکم	۳۳۵
(۶۱۲)	بعد القبض عورت کا مہر کو ہبہ کرنا	۳۳۶
(۶۱۳)	مہر عند الطلب کا حکم	۳۳۶
(۶۱۴)	مہر کیا ہے؟ تحفہ یا حق	۳۳۷

Marfat.com

(۶۱۵)	مہر اور جنازے سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ	۳۳۸
	فصل فی الجھاز وغیرہ (جہیز وغیرہ کا بیان)	۳۴۲
(۶۱۶)	جہیز کی شرعی حیثیت	۳۴۲
(۶۱۷)	شریعت میں جہیز کا تصور اور حکومت کا جہیز پر پابندی لگانا	۳۴۳
(۶۱۸)	لڑکی جو جہیز لاتی ہے وہ کس کی ملک ہوتا ہے؟	۳۴۵
(۶۱۹)	لڑکے کا سسرال والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنے کا حکم	۳۴۶
(۶۲۰)	کیا جہیز کا انتظام کرنا ضروری ہے؟	۳۴۷
(۶۲۱)	جہیز کیلئے قرض لینا	۳۴۹
(۶۲۲)	جہیز کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ لینا	۳۵۰
(۶۲۳)	عورت کا بیٹی کی شادی میں مال خرچ کر کے شوہر سے مطالبہ کرنا	۳۵۲
(۶۲۴)	جہیز کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم	۳۵۳
(۶۲۵)	لڑکی کا جہیز میراث سے مانع نہیں	۳۵۵
(۶۲۶)	لڑکے کا جہیز لینے سے انکار کرنا	۳۵۶
(۶۲۷)	جہیز کیلئے پیسے دے کر رشتے سے انکار کرنا	۳۵۶
(۶۲۸)	جہیز میں موٹر سائیکل دلوانے کی ضمانت لینا	۳۵۷
(۶۲۹)	لڑکی والوں کا جہیز کا سامان واپس مانگنا	۳۵۸
(۶۳۰)	جہیز قبضہ سے قبل باپ کی ملکیت ہے	۳۵۹
(۶۳۱)	لڑکی کی موت کی صورت میں جہیز کا حقدار کون ہوگا؟	۳۶۰
(۶۳۲)	رخصتی سے قبل جہیز باپ کا ترکہ ہوگا	۳۶۱
(۶۳۳)	نابالغہ کا جہیز ترکہ میں شمار نہیں ہوگا	۳۶۲

Marfat.com

(۶۳۴)	شادی کے موقع پر دیئے جانے والے تحائف کا حکم	۳۶۳
(۶۳۵)	بری کا سامان کس کی ملکیت ہے؟	۳۶۴
(۶۳۶)	شادی میں تحفۃً دیئے گئے سونے کا حکم	۳۶۵
(۶۳۷)	عورت کی منہ دکھائی کس کی ملکیت ہے؟	۳۶۶
(۶۳۸)	مطلقہ عورت کو متعہ (کپڑے کا جوڑا) دینا	۳۶۷
	باب فی النفقات (نفقہ کا بیان)	۳۶۹
(۶۳۹)	مرد پر بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ واجب ہے	۳۶۹
(۶۴۰)	مالدار بیوی کو کیسا نفقہ دینا واجب ہے	۳۷۰
(۶۴۱)	بیوی کا الگ گھر کے مطالبہ کا حکم	۳۷۲
(۶۴۲)	بیوی کو رہائش دینا واجب ہے	۳۷۴
(۶۴۳)	عورت کا سوکن کے ساتھ ایک گھر میں رہنے سے انکار کرنا	۳۷۵
(۶۴۴)	ایک گھر کے ہوتے ہوئے دوسرے گھر کا مطالبہ جائز نہیں	۳۷۶
(۶۴۵)	عورت کا الگ پورشن اور کچن کا مطالبہ کرنا	۳۷۷
(۶۴۶)	بیوی کیلئے سال میں کتنی مرتبہ کپڑے بنانا ضروری ہے؟	۳۸۰
	رسالۃ: القول بالمساواۃ فی أن الفتوی علی ظاھر الروایۃ فی نفقۃ الزوجات	۳۸۱
(۶۴۷)	متعدد بیویوں کے درمیان مساوات قرآن وحدیث سے ثابت ہے	
(۶۴۸)	مذکورہ فتوے پر ایک استدراک اور بیویوں کے نفقہ میں تساوی سے متعلق تفصیلی فتوی	۳۸۳
(۶۴۹)	کیا بیوی کو جیب خرچ دینا ضروری ہے؟	۴۰۳
(۶۵۰)	بچے کی پیدائش کا خرچ کس پر ہے؟	۴۰۴

Marfat.com

(۶۵۱)	بیوی کا نوکرانی کا مطالبہ کرنا	۴۰۵
(۶۵۲)	بیوی کا علاج معالجہ اور تجہیز وتکفین شوہر پر لازم ہے	۴۰۶
(۶۵۳)	بیوی کی تجہیز وتکفین اور دیگر رسوم کا خرچہ	۴۰۸
(۶۵۴)	قبل از رخصتی نفقہ کا حکم	۴۱۰
(۶۵۵)	بیوی کا بلا اجازت شوہر کی رقم استعمال کرنا	۴۱۱
(۶۵۶)	بوقتِ عقد شہر میں گھر بنانے کی شرط لگانا درست ہے	۴۱۲
(۶۵۷)	نافرمان عورت کو نفقہ مانگنے کا حق نہیں	۴۱۳
(۶۵۸)	شوہر کی اجازت کے بغیر میکے جانے سے نفقہ کا حکم	۴۱۴
(۶۵۹)	بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے بچے کے نفقہ کا حکم	۴۱۵
(۶۶۰)	عورت کا محض میکہ میں رہنے سے نفقہ ساقط نہ ہوگا	۴۱۶
(۶۶۱)	عورت پر باپ کی بات ماننا مقدم ہے یا شوہر کی؟	۴۱۷
(۶۶۲)	عدتِ وفات کے بعد عورت کا سسرال میں رہنا	۴۲۱
(۶۶۳)	شوہر کا بیوی بچوں کو طعنے دینا	۴۲۲
(۶۶۴)	نامرد پر بھی بیوی کا نفقہ واجب ہے	۴۲۳
(۶۶۵)	والد کا نفقہ اور انہیں جیب خرچی دینے کا حکم	۴۲۴
(۶۶۶)	اولاد کا نفقہ والد پر کب واجب ہوتا ہے	۴۲۵
(۶۶۷)	ماں کا اپنے بیٹے سے نفقہ لینا	۴۲۶
(۶۶۸)	بڑوں کی خدمت وغیرہ کس پر لازم ہے؟	۴۲۷
(۶۶۹)	ماں کی تیمارداری بیٹوں پر ہے یا بیٹیوں پر؟	۴۲۹
(۶۷۰)	باپ کے انتقال کے بعد مطلقہ ماں کو واپس لانا	۴۳۰
(۶۷۱)	والدین کے ہوتے ہوئے نانا کا کفالت کرنا	۴۳۱

Marfat.com

...پ نہ ہو تو بہنوں کا خرچہ کس پر ہے؟	۴۳۱
...دی سے پہلے لڑکی کا نفقہ باپ پر واجب ہے	۴۳۴
...ئیوں کے مشترکہ کاروبار میں بہنوں کا حق	۴۳۵
فصل فی حقوق الزوجین والعدل بین الأزواج (زوجین کے حقوق اور ایک سے زائد بیویوں میں عدل کا بیان)	۴۳۶
...ہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق	۴۳۶
رسالة: فلاح الدارین فی حقوق الزوجین ...ں بیوی کے حقوق	۴۳۹
...ت پر خاوند کی اطاعت ضروری ہے	۴۴۶
...ں کیلئے چپل اور کپڑے بنانے کا حکم	۴۴۷
...ں کتنے دنوں میں ہمبستری کا مطالبہ کرسکتی ہے؟	۴۴۷
...ر کے چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت	۴۴۸
...ر ساس سسر کی خدمت کرنا	۴۴۹
...ر کے گھر کے کام کاج کا حکم	۴۵۱
...ر بیوی کو کب مار سکتا ہے؟	۴۵۲
...ر کا چار ماہ سے زائد سفر پر جانے کا حکم	۴۵۴
...کسب معاش یا کسی ادارے میں ملازمت کیلئے باہر رہنا	۴۵۶
...کتنا عرصہ ٹریننگ پر جاسکتا ہے؟	۴۵۸

Marfat.com

(۶۹۰)	بیوی کو والدین سے ملنے سے منع کرنا	۴۶۴
(۶۹۱)	بے پردگی والے میکے میں بیوی کو جانے سے منع کرنا	۴۶۵
(۶۹۲)	ماں کے حکم پر بیوی کے حقوق اداء نہ کرنا	۴۶۶
(۶۹۳)	شوہر کا ڈیوٹی پر تالہ لگا کر جانا	۴۶۸
(۶۹۴)	جماع کے وقت دعا پڑھنے کا حکم	۴۶۹
(۶۹۵)	خاوند کو معصیت سے بچانے کیلئے بیوی کا دور رہنا	۴۷۰
(۶۹۶)	عورت کا بغیر کسی وجہ کے شوہر کے پاس نہ رہنا	۴۷۱
(۶۹۷)	نافرمان بیوی کو گھر پر بند کرنا	۴۷۲
(۶۹۸)	حالت حمل میں ہمبستری کرنے کا حکم	۴۷۴
(۶۹۹)	برہنہ جماع کرنے کا حکم	۴۷۵
(۷۰۰)	بیوی کے پستان چوسنے کا حکم	۴۷۶
	رسالة: أقوال الفقهاء فی استمتاع الزوجین عن فرج الآخر عند الجماع	۴۷۹
(۷۰۱)	زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع	
(۷۰۲)	شوہر کا ناجائز طریقوں سے بیوی کو تنگ کرنے کا حکم	۴۸۴
(۷۰۳)	دو بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے بنیادی حقوق	۴۸۷
(۷۰۴)	شہری اور دیہاتی بیوی میں عدل کا حکم	۴۸۸
(۷۰۵)	سفر کے دن بیوی کی باری میں شمار نہ ہوں گے	۴۸۹
(۷۰۶)	کیا ہمبستری میں بھی مساوات ضروری ہے؟	۴۹۰
(۷۰۷)	ایک بیوی کا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا	۴۹۱
(۷۰۸)	بیوی کا اپنے حق سے دستبردار ہونے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا	۴۹۲
(۷۰۹)	رات ڈیوٹی کرنے والے شخص کیلئے رات گزارنے میں برابری کا حکم	۴۹۲

Marfat.com

(۷۲۹)	عورت جنت میں کون سے شوہر کے ساتھ ہوگی	۵۱۴
(۷۳۰)	ہر سال یا ہر مہینے تجدید نکاح کرنے کا حکم	۵۱۵
(۷۳۱)	تنہا خاتون کا بے دین گھرانے سے الگ رہنے کا حکم	۵۱۶
(۷۳۲)	ایک ہی کمرے میں بیوی اور بچوں کے ساتھ سونے کا حکم	۵۱۷
(۷۳۳)	گھر دامادی کی شرط کی شرعی حیثیت	۵۱۸
(۷۳۴)	قرآن کریم کے قریب ہمبستری کرنا	۵۱۹
(۷۳۵)	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ جس عورت پر پڑ جائے اس کے شوہر پر اُسے طلاق دینا واجب ہو جاتا تھا، کیا یہ درست ہے؟	۵۲۰
(۷۳۶)	عیدین کے درمیان نکاح کا حکم	۵۲۱
(۷۳۷)	یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بی بی زلیخا سے نکاح	۵۲۲
(۷۳۸)	نکاح میں ایجاب وقبول کتنی مرتبہ ضروری ہے؟	۵۲۳
(۷۳۹)	منہ بولے بیٹے کے احکام	۵۲۳
(۷۴۰)	منہ بولے بیٹے کی ولدیت میں حقیقی باپ کا نام لکھنا ضروری ہے	۵۲۴
	رسالۃ: بیان المعانی فی الزواج الثانی	۵۲۷
(۷۴۱)	بشرط مساوات دوسری شادی کا حکم	
(۷۴۲)	آٹھ بچوں والے کیلئے دوسری شادی کرنے کا حکم	۵۳۴
(۷۴۳)	چار سے زائد شادیوں کا پچھلی امتوں میں حکم	۵۳۵
(۷۴۴)	اسقاط حمل کا حکم	۵۳۶
(۷۴۵)	اولاد کے اخراجات کے ڈر سے اسقاطِ حمل حرام ہے	۵۳۸
(۷۴۶)	ناجائز حمل کے اسقاط کا حکم	۵۴۰
(۷۴۷)	ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے استقرارِ حمل کا حکم	۵۴۱

Marfat.com

(۷۴۸)	ٹیسٹ ٹیوب وغیرہ سے لعان اور تعزیر	۵۴۴
(۷۴۹)	ضبطِ تولید کا حکم	۵۴۶
(۷۵۰)	بوجہ عذر تولیدی صلاحیت ختم کرانے کا حکم	۵۴۷
(۷۵۱)	خاندانی منصوبہ بندی کا شرعی حکم	۵۴۹
(۷۵۲)	عارضی مانع حمل طریقے اختیار کرنے کا حکم	۵۵۰
(۷۵۳)	کنڈوم، ٹیکے اور گولیوں کا استعمال	۵۵۲
(۷۵۴)	نکاح کیلئے کنواری لڑکی کو ترجیح دی جائے یا بیوہ کو؟	۵۵۴
(۷۵۵)	دو بھائیوں یا بہنوں کا ایک ساتھ نکاح کرنے کا حکم	۵۵۵
(۷۵۶)	حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے پیغام نکاح	۵۵۶
(۷۵۷)	قادیانی لڑکی سے نکاح میں اولاد کی دعا کرنا	۵۵۷
(۷۵۸)	"لم تر للمتحابین مثل النکاح" اس حدیث کا مطلب	۵۵۷
(۷۵۹)	یتیم بچوں کی شادی کیلئے سود پر رقم رکھنا	۵۵۹
(۷۶۰)	غیر شرعی شادی میں عدم شرکت پر ناراضگی	۵۵۹
	کتاب الرضاع (رضاعت کے مسائل کا بیان)	۵۶۱
(۷۶۱)	شرعاً مدت رضاعت کتنی ہے؟	۵۶۱
(۷۶۲)	رضاعت ثابت ہونے کیلئے شرعاً دو گواہ ضروری ہیں	۵۶۲
(۷۶۳)	شک کی بنا پر رضاعت کا حکم	۵۶۴
(۷۶۴)	دو سال کے بعد تک بچے کو دودھ پلانے کا حکم	۵۶۴
(۷۶۵)	عذر کی وجہ سے دو سال سے قبل دودھ چھڑانے کا حکم	۵۶۶
(۷۶۶)	شوہر کی اجازت کے بغیر کسی بچے کو دودھ پلانا	۵۶۷

Marfat.com

(۷۶۷)	دودھ پیتے بچے کی خاطر مانع حمل ادویات استعمال کرنا	۵۶۷
(۷۶۸)	عورت کا دودھ کھانے میں ملا کر دینے سے رضاعت کا حکم	۵۶۹
(۷۶۹)	کسی عورت کا دودھ پیالے میں پی لینے سے حرمت کا حکم	۵۶۹
(۷۷۰)	دودھ کے ساتھ کچھ ملا دیا گیا ہو تو اعتبار اغلب کا ہوگا	۵۷۰
(۷۷۱)	مخلوط دودھ میں اغلب اور خالص میں ایک قطرے سے رضاعت پر شبہ کا جواب	۵۷۱
(۷۷۲)	بوڑھی عورتوں کا پستان بچے کے منہ سے لگانے اور دودھ کا علم نہ ہو تو رضاعت کا حکم	۵۷۲
(۷۷۳)	چھاتی سے نکلتے پانی سے رضاعت کا حکم	۵۷۳
(۷۷۴)	عورت اور بکری کا ملا دودھ پینے سے حرمت رضاعت	۵۷۴
(۷۷۵)	دولہا اور دلہن کے ایک ہی گلاس میں دودھ پینے سے نکاح کا حکم	۵۷۴
(۷۷۶)	نکاح کے بعد والدہ کا یہ دعوی کہ لڑکی اس کی دودھ شریک بہن ہے	۵۷۵
(۷۷۷)	دو عورتوں کا مخلوط دودھ پینے سے حرمت رضاعت کا حکم	۵۷۶
(۷۷۸)	بڑی بہن کا اپنے سگے بھائی کو دودھ پلانے کا حکم	۵۷۷
(۷۷۹)	نند کو دودھ پلانے سے کیا وہ رضاعی بیٹی بن جائے گی؟	۵۷۷
(۷۸۰)	کافرہ عورت سے بچے کو دودھ پلوانے کا حکم	۵۷۸
(۷۸۱)	رضاعت کے ثبوت میں دودھ کی رنگت کے اعتبار کا حکم	۵۷۹
(۷۸۲)	کنواری لڑکی کا پستان بچے کے منہ میں دینے سے رضاعت کا حکم	۵۸۰
(۷۸۳)	بچے کا سوتی عورت کے پستان سے دودھ پی لینے کا حکم	۵۸۱
(۷۸۴)	مرد کے منہ میں عورت کا دودھ چلے جانے سے نکاح کا حکم	۵۸۱
(۷۸۵)	رضاعت سے حرمتِ نکاح کی تفصیل	۵۸۲
(۷۸۶)	نسبی بہن کی رضاعی بہن سے نکاح کا حکم	۵۸۳
(۷۸۷)	رضیع کے بھائی پر مرضعہ کے اصول و فروع حرام نہیں	۵۸۴

۱۵۹۳۰۳
Marfat.com

(۷۸۸)	ایک عورت کا دودھ پینے سے اس کی تمام اولاد سے نکاح حرام ہوگا	۵۸۵
(۷۸۹)	بہن نے بیوی کا دودھ پیا ہو تو اس کے بیٹے کا اپنی بیٹی سے نکاح کا حکم	۵۸۵
(۷۹۰)	خالہ نے بہن اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا ہو تو ان کی بیٹی سے نکاح کا حکم	۵۸۶

Marfat.com

PANJAB
UNIVERSITY
LIBRARY

Marfat.com

کِتَابُ النِّکَاحِ [۲]

Marfat.com

Marfat.com

فصل فی أحکام الولیمة والعروس

(ولیمہ اور بارات کا بیان)

(۴۲۲) ولیمہ کس دن مسنون ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ولیمہ زفاف کے بعد اوّل دن میں مسنون ہے اور دوسرے اور تیسرے دن مستحب ہے یا تینوں دنوں میں کسی بھی دن اداء کیا جائے مسنون ہی ادا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ولیمہ مسنون عمل ہے رخصتی کے بعد پہلے، دوسرے یا تیسرے میں سے کسی بھی دن ولیمہ کرنا مسنون ہے۔ اگر علاقے والوں کا عرف ایک ہی بار میں شرکاء کو کھلانے کا ہے تو تین دنوں میں سے کسی بھی دن یہ تقریب منعقد کی جاسکتی ہے اور اگر عرف متفرق طور پر بایں معنی کہ جو آتا جائے اس کے لئے انتظام کر دیا جاتا ہو جیسا کہ بہت سے علاقوں میں رواج ہے تو اس طرح تین دنوں تک مسلسل بھی ولیمہ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ریاکاری اور اسراف نہ ہو۔

شریعت کا مزاج شادی کے معاملے میں سادگی اور سہولت کا ہے کیونکہ یہ ہر شخص کا تقاضہ اور ضرورت ہے اگر اسے مشکل بنادیا گیا تو معاشرہ میں اعتدال نہیں رہ پائے گا لہٰذا جتنا ممکن ہو سادگی سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔ اگر کسی وجہ سے رخصتی والے دن جماع نہ ہو سکے تب بھی ولیمہ مسنون ادا ہو جائے گا کیونکہ ولیمہ نعمت کا شکرانہ ہے اور وہ نعمت یعنی بیوی آپ کو حاصل ہو چکی ہے لہٰذا رخصتی کے بعد تین دنوں میں سے کسی بھی دن ولیمہ کرنا سنت ہے۔

لما فی اعلاء السنن (۱۳/۱۱) باب جواز الولیمة الی أیام ان لم یکن فخرا: عن أنس رضی اللہ عنہ قال تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفیة وجعل عتقها صداقها وجعل الولیمة ثلثة أیام أخرجه أبو یعلی بسند حسن۔ (فتح الباری ۲۱۰/۹)

وفی البیهقی (۶۰/۱۱) کتاب الصداق، باب وقت الولیمة: سمعت أنس بن مالك یقول بنی رسول

Marfat.com

الله صلى الله عليه وسلم بامرأة فأرسلني فدعوت رجالا إلى الطعام رواه البخاري في الصحيح۔

وفي الهندية (٣٤٣/٥) كتاب الكراهية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة ---- ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة كذا في الظهيرية۔

وفي الموسوعة الفقهية (٢٤٩/٤٥) ثانيا : وقت الوليمة : اختلف الفقهاء في وقت الوليمة : فذهب الحنفية والمالكية في المشهور وابن تيمية إلى أن الوليمة تكون بعد الدخول ---- ويرى بعض الحنفية أن وليمة العرس تكون عند العقد وعند الدخول---- وصرح الحنفية بأنه إذا بنى الرجل بامرأته ينبغي أن يدعو الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما، وإذا اتخذ وليمة ينبغي لهم أن يجيبوا، ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة۔

(۴۲۳) ولیمہ کتنے دن تک مسنون ہے؟

سؤال

ولیمہ شادی کے کتنے دن تک مسنون ہے؟ کیا ایک ماہ کے بعد بھی ولیمہ کیا جانا مسنون ہوگا یا صرف ضیافت ہوگی جیسا کہ عام طور پر ہوتی ہے اس لئے کہ ولیمہ شادی کی خوشی ہے جو کہ زوجین کے ایک ہونے سے حاصل ہوتی ہے وہ تو چند دن تک ہوتی ہے پھر آدمی ان خوشیوں کو بھول جاتا ہے براہ کرم شریعت کی روشنی میں ولیمہ کی سنیت اور اس کے لئے مقررہ وقت بیان فرمادیں اور یہ بھی بتادیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولیمے کئے وہ کتنے دن تک کئے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی میں ولیمہ مسنون ہے رخصتی کے بعد پہلے، دوسرے یا تیسرے دن میں سے کسی بھی دن ولیمہ کا انعقاد مسنون ہے اگر کسی مقام کا عرف ایک ہی دفعہ انعقاد کر کے مہمانوں کو بلانے کے بجائے یکے بعد دیگرے مہمان آتے ہوں اور کھا کر چلے جاتے ہوں اگر کہیں ایسا عرف ہے تو مستقلاً تین دن تک بھی ولیمہ کا کھانا کھلایا جاسکتا ہے البتہ تیسرے دن کے بعد ولیمہ کرنا فقط ضیافت شمار ہوگی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں اسی طرح تین دنوں تک ولیمہ فرمایا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اعلیٰ ولیمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح میں تھا جس میں ایک بکری ذبح کی گئی اور ایک زوجہ مطہرہ کا ولیمہ تو ایسے بھی ہوا کہ لوگوں میں اعلان کردیا گیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے دسترخوان پر بیٹھ کر کھالیا گیا۔

الغرض ولیمہ ایک دن میں کردیا جائے یا عرف کے مطابق مسلسل تین دنوں تک اس میں یہ شرط ملحوظ رہے کہ اس میں دکھلاوا یا

Marfat.com

اسراف نہ ہو بلکہ حسب استطاعت سنت کے مطابق اداء کی نیت سے اس معاملے کو انجام دیا جائے۔

لما فی صحیح البخاری (٢/٧٧٦): أصبح النبي صلى الله عليه وسلم بها عروسا، فدعا القوم فأصابوا من الطعام، ثم خرجوا وبقي رهط منهم عند النبي صلى الله عليه وسلم، فأطالوا المكث۔ الخ۔

وفی اعلاء السنن (١١/١٣) باب جواز الوليمة الى ايام ان لم يكن فخرا: عن أنس رضي الله عنه قال تزوج النبی صلى الله عليه وسلم صفية وجعل عتقها صداقها وجعل الوليمة ثلثة أيام أخرجه أبو يعلى بسند حسن۔

وفيه أيضاً (١١/١٩): ان النبی قال: الوليمة أول يوم حق والثانی معروف واليوم الثالث سمعة ورياء۔

قال الشيخ ظفر احمد عثمانی رحمه الله فی اعلاء السنن تحته: قال العمرانی: انما تكره اذا كان المدعو فی الثالث هو المدعو فی الأول وكذا صوره الرويانی واستبعده بعض المتأخرين وليس ببعيد لأن اطلاق كونه رياء وسمعة يشعر بأن ذلك صنع للمباهاة واذا كثر الناس فدعا فی كل يوم فرقة لم يكن فی ذلك مباهاة غالبا اھ۔

وفی الخانية (٣/٣٦٥): ولا بأس بأن يدعو لذلك اليوم وغدا وبعد غد ثم ينقطع العرس والوليمة۔

وفی الهندية (٥/٣٤٣) كتاب الكراهية: وليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة ۔۔۔ ولا بأس بأن يدعو يومئذ من الغد وبعد الغد ثم ينقطع العرس والوليمة كذا فی الظهيرية۔

(۴۲۴) رخصتی سے قبل دعوتِ ولیمہ کرنا

سؤال

دعوتِ ولیمہ رخصتی سے قبل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بعض علاقوں میں رخصتی سے قبل بڑی دعوت کی جاتی ہے اور یہ دعوت لڑکے والوں کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ اس کے بعد اور دعوت نہیں ہوتی تو کیا اس دعوت کو ولیمہ شمار کیا جاسکتا ہے؟ دعوتِ ولیمہ کا صحیح وقت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ولیمہ کا انعقاد مسنون عمل ہے لیکن ولیمہ یہ حصولِ نعمت کا شکرانہ ہے اور نعمت کا حصول رخصتی کے بعد ہوتا ہے رخصتی سے قبل لڑکے کی طرف سے دعوت مسنون ولیمہ نہیں بن سکتی۔ ولیمہ کا مسنون وقت رخصتی کے بعد پہلے دوسرے یا تیسرے دن تک ہے۔ ان میں سے کسی بھی دن ولیمہ کا انعقاد مسنون ہے۔ ولیمہ میں کوئی خاص کھانا کھلانا ضروری نہیں حسبِ استطاعت جو ممکن ہو کھلا سکتے ہیں نیز اس میں

Marfat.com

شرع کے خلاف کاموں سے اجتناب کیا جائے اور اسراف وریاکاری سے بھی ازحد اجتناب ضروری ہے۔ الغرض رخصتی سے قبل ولیمہ مسنون ادا نہ ہوگا۔

لما فی عمدة القاری (۸۸/۴): ومنها أن فيه دلالة على مطلوبية الوليمة للعرس وأنها بعد الدخول وقال الثوري ويجوز قبله وبعده والمشهور عندنا أنها سنة وقيل واجبة وعندنا إجابة الدعوة سنة سواء كانت وليمة أو غيرها--- والوليمة عبارة عن الطعام المتخذ للعرس مشتقة من الولم وهو الجمع لأن الزوجين يجتمعان فتكون الوليمة خاصة بطعام العرس لأنه طعام الزفاف والوكيرة طعام البناء --- ويستجب لأصحاب الزوج وجيرانه مساعدته في الوليمة بطعام من عندهم ومنها أن فيه الوليمة تحصل بأي طعام كان ولا تتوقف على شاة والسنة تقوم بغير لحم والله سبحانه وتعالى أعلم۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته(۱۲۵/۷): الوليمة (وهي طعام العرس أو كل طعام صنع لدعوة وغيرها): وهي سنة مستحبة مؤكدة عند جماهير العلماء--- وقد اختلف السلف في وقت الوليمة، هل هو عند العقد، أوعقبه، أوعند الدخول أو عقبه أو من ابتداء العقد إلى انتهاء الدخول؟

(۴۲۵) شادی کی رات ہمبستری نہ کر سکنے کی صورت میں ولیمہ کا حکم

سؤال

اگر شادی والی رات مرد ہمبستری نہیں کرتا ہے اور اگلے دن اس کا ولیمہ ہے تو کیا اس کا ولیمہ جائز ہوگا، بغیر ہمبستری کے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر شادی کی رات ہمبستری نہ ہو سکے اور اگلے دن ولیمہ کی تقریب ہو تو یہ دعوت بھی مسنون ولیمہ شمار ہوگی، رخصتی کے بعد لڑکے کی طرف سے دی جانے والی دعوت مسنون ولیمہ ہے۔

لما فی اعلاء السنن (۱۱/۱۱): (قوله أنس الخ) قال المؤلف فی فتح الباری (۱۹۹/۹) عن ابن السبکی عن أبيه والمنقول من فعل النبی ﷺ أنها بعد الدخول كأنه يشير الى قصة زينب بنت جحش وقد ترجم عليه البيهقی وقت الوليمة۔

وفی الهندية (۳۴۳/۵): ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بامرأته ينبغي أن يدعو الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاما۔

Marfat.com

(۴۲۶) لڑکی کی طرف سے دعوت خلافِ سنت ہے یا نہیں؟

سؤال

لڑکی والوں کی طرف سے شادی میں دعوتِ ولیمہ سنت ہے یا نہیں؟ میرے ایک دوست کا خیال ہے ولیمہ لڑکی کی طرف سے بھی سنت ہے اور تائید میں یہ حوالے پیش کرتا ہے۔

حوالۂ اوّل:...... حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ زرقانی (۲۲۱/۳) کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایجاب وقبول کے بعد ایک گائے ذبح کی اور لوگوں کی بھی دعوت کی گئی۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۳/ ۲۰۰)

حوالۂ دوم:...... حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت ایک بکرا ذبح کر کے مہاجرین و انصار کو دعوت دی تھی اور فرمایا کہ اس طرح کی حدیث مصنف ابن ابی شیبہ (۸۹/۵۔۴۸۶) میں مفصل مذکور ہے۔ (کتاب الفتاوی ۴/ ۲۱۷)

ان دو حوالوں کے پیشِ نظر یہ کہنا کہ لڑکی کی طرف سے بھی دعوت ولیمہ سنت ہے کس حد تک درست ہے؟ اور اگر درست نہیں تو خلافِ سنت ہونے کی وجوہات ذکر کردیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

ولیمہ کھانے کی وہ دعوت ہے جو مرد شبِ زفاف کے بعد کرتا ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے:

"رجل بنى بامرأة قالوا ينبغي أن يتخذ وليمة و يدعو الجيران و الأقرباء و الأصدقاء و يصنع لهم طعاما و يذبح لقوله عليه الصلاة و السلام أولم ولو بشاة" (خانیه ۳۶۵/۴)

"فقہاء فرماتے ہیں ایک شخص شب زفاف منائے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ ولیمہ کی دعوت کرے پڑوسیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو بلائے اور ان کے لئے کھانا تیار کرے اور جانور ذبح کرے اس لئے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ولیمہ کرو اگرچہ بکری ذبح کر کے۔"

ولیمہ صرف لڑکے کی طرف سے سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نکاح کی جو روایات ذکر کیں ان سے صرف ایسے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے ضیافت کا ثبوت ملتا ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس میں کوئی جبر و اکراہ نہ ہو نیز حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نکاح کی روایت پر محدثین نے کلام بھی کیا ہے نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں تلاشِ بسیار کے باوجود ہمیں یہ روایت نہ ملی البتہ مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت موجود ہے۔ آپ نے جو کتاب الفتاویٰ کا حوالہ نقل کیا ہے اس جلد کے اسی صفحے پر یہ بات موجود ہے کہ ولیمہ لڑکی کی طرف سے سنت نہیں۔ اقتباس پیش خدمت ہے:

Marfat.com

"اصل میں تو نکاح میں مسنون دعوت ولیمہ (وہ) ہے جو مرد کو کرنی ہے اور جو میاں بیوی کی یکجائی کے بعد ہے لیکن نکاح کے موقع پر بغیر کسی جبر واکراہ کے لڑکی والوں کی طرف سے بھی ضیافت کی گنجائش ہے...... پس یہ دعوتِ طعام سنت تو نہیں ہے نہ عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس کا عمومی رواج تھا اس لئے اس کو رواج دینا بھی مناسب نہیں البتہ اس کی گنجائش ہے۔"

(کتاب الفتاویٰ ۴/ ۴۱۷)

پس آپ کے دوست کا یہ کہنا کہ "ولیمہ لڑکی کی طرف سے سنت ہے" درست نہیں۔

(۴۲۷) شادی کے ایام میں دلہن کی سہیلیوں کا گھر جمع ہونا

سؤال

کیا رخصتی کے دن دلہن کی سہیلیاں اور اس کی رشتہ دار خواتین کا دلہن کے گھر جمع ہونا درست ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دورِ مبارک میں عورتیں جمع ہوتی تھیں؟ اگر دلہن کی دلجوئی کیلئے جمع ہو جائیں تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

دلہن کی سہیلیاں اور اس کی رشتہ دار خواتین کا دلہن کے گھر جمع ہونا ثابت ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں عورتیں دلہن کے ہاں جمع ہوتی تھیں، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ اجتماع کسی دینی مفسدے پر مشتمل نہ ہو مثلاً یہ کہ اس موقع پر عورتیں جمع ہو کر گانے وغیرہ سنتی ہیں، نماز نہیں پڑھتیں اور غیر محرم مردوں سے پردہ نہیں کرتیں اگر اس قسم کے امور سے پرہیز کریں جو کہ شرعاً ناجائز ہیں تو پھر نفس اجتماع میں کوئی حرج نہیں۔

لما في نيل الاوطار (۳۱۰/۳): وعن عائشة رضي الله عنها "أنها زفت امرأة الى رجل من الأنصار فقال النبي صلى الله عليه وسلم يا عائشة ما كان معكم من لهو فان الأنصار يعجبهم اللهو" رواه البخاري۔

وفيه أيضاً (۳۱۱/۳): وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال "أنكحت عائشة ذات قرابة لها من الأنصار فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أهديتكم الفتاة قالوا: نعم، قال: أرسلتم معها من يغنّي؟ قالت: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الأنصار قوم فيها غزل فلو بعثتم معها من يقول أتيناكم أتيناكم فحيانا وحياكم"

وفي اعلاء السنن (۱۰/۱۱): وكل ذلك مقيد بأن لايشتمل على مفسدة دينية وقلما يخلو اجتماع النساء منها، فتراهن في الولائم لا يصلين الصلوات لأوقاتها ولا يحتجبن من الأجانب ولا يراعين آداب الاجتماع في المجالس، والى الله المشتكى، والفقيه من وقف على أحوال زمانه۔

Marfat.com

وفي الدر المختار (۹/۳): وهل يكره الزفاف، المختار لا، اذا لم يشتمل على مفسدة دينية۔

وفي الرد تحته: قوله (وهل يكره الزفاف) هو بالكسر ككتاب إهداء المرأة إلى زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لأنه لازم له عرفا أفاده الرحمتي۔

(۴۲۸) ولیمہ میں مرد ویٹروں کا کھانا سپلائی کرنا

سوال

شادیوں میں آجکل عموماً مرد ویٹر ہوتے ہیں، بظاہر seperate شادی ہالوں میں بھی عورتوں کے پارٹیشن میں مرد ویٹر کھانا کھلا رہے ہوتے ہیں ایسی شادی میں شرکت کرنا جائز ہے؟ اگر اپنے گھر کی خواتین کو پردے میں لے جایا جائے تو جائز ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

دعوتِ ولیمہ مسنون عمل ہے لیکن جب تک اسے سنت اور شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر کیا جائے تو یہ باعثِ برکت اور موجب ثواب ہے اور اگر منکرات کا ارتکاب، بے پردگی اور گانا بجانا وغیرہ جیسے غیر شرعی امور کو اس میں شامل کرلیا جائے تو اس تقریب کا جواز بھی مشکوک ہوجاتا ہے اور اس میں شرکت بھی محل نظر بن جاتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں خواتین کا تو عام حالات میں بھی نامحرم سے پردہ ہے چہ جائیکہ زیب وزینت اور خوشنما لباس میں کسی غیر شخص کے سامنے آنا تو زیادہ موجبِ وبال ہے۔ میزبان کو چاہیئے کہ عورتوں والے حصے میں عورت ویٹر کا بندوبست کرے (آجکل یہ انتظام قطعاً مشکل نہیں) اور اللہ کے عذاب کو براہِ راست دعوت دینے والے امور سے اجتناب کرے۔ ایسی شادیوں میں جہاں معلوم ہوجائے کہ کھانا مرد ویٹر سپلائی کریں گے اولاً تو شریک ہی نہ ہونا چاہیئے (تاکہ میزبان کو بھی تنبیہ ہو) البتہ اگر بہت ہی قریبی تعلق والے کی شادی ہو اور پردے کے اہتمام کے ساتھ کسی الگ جگہ میں بیٹھنے کی گنجائش ہو تو خواتین سمیت شریک ہوسکتا ہے۔

لما في القرآن الكريم (النور ۳۰): قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔

وفي المشكوة (۲۷۸): وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا دعي أحدكم إلى الوليمة فليأتها". متفق عليه.

وفي حاشية المشكوة: (فليأتها) قيل اجابة الوليمة مستحبة وقيل واجبة ---- ويسقط الاجابة بأعذار نحو كون الشبهة في الطعام وكون المنكر هناك مثل الغناء۔

Marfat.com

(۴۲۹) ولیمہ میں بچے کھانے کو فروخت کرنا یا مدارس میں دینا

سؤال

ولیمہ میں عموماً بہت سا کھانا بچ جاتا ہے کچھ تو جھوٹا بچا ہوتا ہے اور کچھ کھلنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عام طور پر پیک کر کے مہمانوں کو ساتھ دیا جاتا ہے میرے ایک عزیز کی شادی میں یہ نوبت آئی اور تقریباً ۳ دیگ تو بریانی کی بچ گئیں انہوں نے کچھ الگ فیصلہ کیا وہ یہ کہ وہ یہ کھانا ہوٹل والے سے کچھ کم قیمت پر فروخت کرآئے۔ ہمیں بڑا تردد ہوا کہ عجیب انسان ہے ولیمہ کا کھانا تو شرکاء کیلئے ہوتا ہے اسے بیچ کر پیسے کھانا درست ہے؟ نیز یہ بچا کھانا مدارس میں دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ولیمہ کا کھانا ولیمہ کرنے والے کی ذاتی ملکیت ہے شرکاء کیلئے جو کھانا لگایا جاتا ہے وہ بطورِ اباحت کے اس کی طرف سے ہوتا ہے باقی بچا کھانا ولیمہ کرنے والے کی ملک ہے وہ اسے ہدیہ بھی کرسکتا ہے صدقہ بھی کرسکتا ہے اور اگر چاہے تو فروخت بھی کرسکتا ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔

البتہ جہاں تک تعلق ہے مدارس میں اس کھانے کو دینے کا تو اس بارے میں یہ ذہن نشین رہے کہ مدارس میں جو طلبہ پڑھتے ہیں وہ مہمانِ رسول اور لائقِ صد اعزاز و اکرام ہیں۔ انہیں بچا کچا کھانا کھلانے کے بجائے شادی کے وقت الگ سے اہتمام کر کے مستقلاً کھلانا چاہیئے، اس طرح بچا کھانا رات گئے مدارس پہنچانا مناسب نہیں البتہ اگر کہیں مجبوری ہو اور رات گئے یہ صورت حال پیش آجائے تو اس کھانے کو فروخت کرنے یا ان مہمانوں کو ہدیہ کرنے سے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ویلفیئر ٹرسٹ یا مستحق طلبہ والے مدرسے میں اسے پہنچا دیا جائے۔

لما فی المشکوۃ (۲۷۷): عن أنس رضي الله عنه ۔۔۔ قال صلى الله عليه وسلم: "بارك الله لك أولم ولو بشاة"

وعنه رضي الله عنه قال: ما أولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على أحد من نسائه ما أولم على زينب أولم بشاة۔

Marfat.com

رسالة

کسر الزجاج

فی

انعقاد الحفلة عند الزواج

رخصتی کیلئے بارات لے جانا، اس میں کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنا

اور مسئلہ ھذا سے متعلق دیگر اہم امور پر مدلل فتوی

Marfat.com

(۴۳۰) بارات کا شرعی حکم

سؤال

میرے ایک دوست ہیں جو بہت ہی نیک اور پابند صوم وصلوۃ ہیں ان کی خواہش رہتی ہے کہ ہر کام سنت کے مطابق کرنا چاہیئے عنقریب ان کی شادی ہے وہ مصر ہیں کہ شادی میں بارات وغیرہ نہیں جائے گی لیکن گھر والے کہتے ہیں کہ بارات ہال میں جائے گی اور وہیں سے لڑکی کو لائیں گے لڑکا کہتا ہے میں اکیلا جا کر لڑکی کو لے آؤں گا۔ آپ حضرات سے ان سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) شادی میں رخصتی کیلئے بارات لے جانا مسنون ہے یا اکیلے دولہا جا کر دلہن کو لائے؟

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس سلسلے میں کیا معمول تھا؟

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلہن کے گھر بارات لے جانا ثابت ہے اگر ثابت ہے تو کیا دولہا کے خاندان والے بھی دلہن کو لینے گئے تھے اور اس موقع پر لڑکی والوں نے کھانا کھلایا ہو؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ نے شادی کے معاملے کو انتہائی سادگی سے انجام دینے کا درس دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

"ان أعظم النکاح برکة أیسره مؤنة" (مشکوۃ ۲۶۸)

"سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو"

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول اس سلسلے میں نہایت سادگی کا تھا حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ: أن النبی صلی اللہ علیه وسلم رأی علی عبد الرحمن بن عوف أثر صفرة فقال: "ما هذا؟" قال: إنی تزوجت امرأة علی وزن نواة من ذهب قال: "بارك الله لك أولم ولو بشاة"

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زرد رنگ کے آثار دیکھے (جو کہ شادی کی علامت ہوتے ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے ایک عورت سے سونے کے ٹکڑے کے عوض شادی کر لی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بارک اللہ" اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے۔ (مشکوۃ ص ۲۷۷)

اس واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دورِ نبوی میں شادی کرنا کتنا آسان تھا دونوں جہانوں کے سردار اور النبی الخاتم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی

Marfat.com

اپنے حد درجے قریب (عشرہ مبشرہ) میں سے ایک صحابی کے نکاح کی اطلاع نہ تھی نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر برا منانے کے بجائے برکت کی دعا دی اس سے شریعت کا اصل مزاج سمجھنا آسان ہے۔

شادی کے اندر صرف دعوتِ ولیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

قال: "إذا دعی أحدکم إلی الولیمة فلیأتها" (مشکوۃ ص۲۷۸)

"تم میں سے کسی کو اگر ولیمہ کا دعوت نامہ ملے تو اسے چاہیئے کہ شرکت کرے"

نیز ایک اور حدیث میں ہے:

"وعن أنس رضی اللہ عنہ قال: ما أولم رسول الله صلی الله علیه وسلم علی أحد من نسائه ما أولم علی زینب أولم بشاة۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کا ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے ذریعہ دعوت ولیمہ کی۔" (مشکوۃ ص ۲۷۸)

لہذا ولیمہ کی دعوت تو مسنون عمل ہے البتہ جہاں تک تعلق ہے شادی میں بارات کا، تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔ بعض روایات سے جزوی طور پر رخصتی کے وقت (لڑکی والوں کی طرف سے) کھانا کھلانا ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ ان روایات پر کلام ہے اور بعض روات کو ضعیف قرار دیا گیا ہے چنانچہ ان روایات سے سنیت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا لہذا رخصتی کے وقت لڑکی والوں کی طرف سے شرکاء کو کھانا کھلانا وغیرہ اسے سنت قرار نہیں دیا جائے گا۔ نیز بعض صحیح احادیث سے رخصتی کے وقت لڑکی کے گھر کی خواتین اور بچوں کا جانا بھی ثابت ہوتا ہے۔ احادیث یہ ہیں:

(۱) مصنف عبدالرزاق میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا واقعہ ایک تفصیلی حدیث میں ذکر ہے ان کی رخصتی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

"فقال یا بلال إنی زوجت ابنتی ابن عمی وأنا أحب أن یکون من سنة أمتی إطعام الطعام عند النکاح فأت الغنم فخذ شاة۔۔۔ فاجعل لی قصعة لعلی أجمع علیها المهاجرین والأنصار"

(مصنف عبدالرزاق ۵/۴۸۷)

"اے بلال! میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے چچازاد سے کر دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری امت کا نکاح کے وقت کھانا کھلانے کا طریقہ کار ہو۔ جاؤ اور بکری لے کر آؤ...... اور ایک برتن میں میرے لئے بناؤ (کھانا تیار کرو) تاکہ میں مہاجرین اور انصار کو جمع کر (کے ان کی دعوت کر) سکوں۔"

اس روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کھانے کا انتظام کرنے کا ذکر ہے۔

(۲) بخاری شریف میں امام بخاری نے باب قائم فرمایا ہے "باب ذهاب النساء والصبیان الی العرس" (یہ باب ہے

Marfat.com

عورتوں اور بچوں کے رخصتی کے لئے جانے کے بیان میں) اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں:

"عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: أبصر النبي صلى الله عليه وسلم نساء وصبيانا مقبلين من عرس، فقام ممتنا، فقال: اللهم أنتم من أحب الناس إلي."

(صحیح البخاری ۲/۷۷۸)

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو دلہن کو رخصت کر کے آتے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ مسرت سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: تم لوگ مجھے اور آدمیوں سے زیادہ محبوب ہو۔"

(۳) مستدرک حاکم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے نکاح کا تفصیلی واقعہ ذکر ہے ابتداء اسلام میں ہی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حبشہ ہجرت فرما گئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ میں ہی انہیں پیغام نکاح بھیجا اور شاہِ حبشہ نجاشی نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا خطبہ پڑھا اور یہ نکاح منعقد کیا گیا خطبہ نکاح کے بعد کے الفاظ روایت میں اس طرح منقول ہیں:

"ثم أرادوا أن يقوموا فقال اجلسوا فإن سنة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا"

(مستدرك على الصحيحين ۴/۲۳)

"پھر حاضرین مجلس نے (نکاح کے بعد) اٹھنے کا ارادہ کیا تو نجاشی نے کہا: بیٹھو انبیاء کا طریقہ ہے کہ جب وہ شادی کرتے ہیں تو کھانا کھلایا جاتا ہے پھر نجاشی نے کھانا منگوایا حاضرین نے تناول کیا اور واپس لوٹ گئے"

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن میں اس حدیث سے متعلق تصریح کی ہے کہ نجاشی کا کھانا کھلانا بطور ولیمہ نہ تھا بلکہ یہ شادی (نکاح) کا کھانا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:

"وليس ذلك بوليمة بل هو طعام التزويج" (اعلاء السنن ۱۱/۱۶)

"یہ (نجاشی کا کھلانا) ولیمے کے طور پر نہ تھا بلکہ یہ نکاح کا کھانا تھا۔"

(۴) سیر اعلام النبلاء میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کا واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے:

"روى هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: تزوجني رسول الله -صلى الله عليه وسلم- متوفى خديجة، وأنا ابنة ست، وأدخلت عليه وأنا ابنة تسع، جاءني نسوة وأنا ألعب على أرجوحة، وأنا مجممة، فهيأنني، وصنعنني، ثم أتين بي إليه -صلى الله عليه وسلم-."

(سير اعلام النبلاء ۲/۱۲۹)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد مجھ سے نکاح کیا اس وقت میں چھ سال کی تھی اور مجھے ۹ سال کی عمر میں رخصت کر دیا گیا اس کا واقعہ کچھ یوں ہوا کہ کچھ عورتیں میرے پاس آئیں اور

Marfat.com

میں جھولے پر جھول رہی تھی اور بال بکھرے ہوئے تھے انہوں نے مجھے تیار کیا اور پھر مجھے آپ ﷺ کے پاس لے آئیں"۔

اس روایت سے عورتوں کا دلہن کو رخصتی کیلئے لے جانا ثابت ہوتا ہے۔ نیز درمختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وهل يكره الزفاف المختار لا إذا لم يشتمل على مفسدة دينية" (الدر المختار ۹/۳)

"کیا زفاف مکروہ ہے؟ مختار قول یہ ہے کہ نہیں اگر کوئی دینی مفسدہ نہ پایا جائے"۔

درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کے تحت رقمطراز ہیں:

"(قوله: وهل يكره الزفاف) هو بالكسر ككتاب اهداء المرأة إلى زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لانه لازم له عرفا"

"(مصنف کا قول: کیا زفاف مکروہ ہے؟) اس میں زفاف کا لفظ زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے جیسے کتاب کا لفظ ہے اور زفاف کہتے ہیں عورت کو شوہر کے سپرد کرنا، قاموس، اور یہاں مراد اس رخصت کرنے کیلئے عورتوں کا جمع ہونا ہے کیونکہ (رخصتی کے وقت عورتوں کا) یہ جمع ہونا عرفاً لازمی امر ہے"۔ (ردالمحتار ۹/۳)

لہٰذا درج بالا روایات اور فقہی نصوص کی روشنی میں لڑکی کی رخصتی کے وقت لڑکی کے گھر پر جمع ہونے اور لڑکی والوں کی طرف سے کھانے وغیرہ کا انتظام کرنے کا جزوی طور پر ثبوت ہوتا ہے نیز اس کے لئے لڑکے والوں کی طرف سے چند افراد کا آ کر لڑکی کو لے جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (البتہ اصل یہی ہے کہ لڑکی کے سرپرست خود لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچا دیں)۔ یہ بات مدِنظر رہے کہ بارات کی مروجہ صورت کا دورِ نبوی میں رواج نہ تھا بلکہ لڑکی کے سرپرست اور گھر کی خواتین خود ہی لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچا دیتے تھے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بارات سے متعلق چند باتیں ذہن نشین رہیں:

(۱) یہ کہ شادی میں صرف دعوتِ ولیمہ مستقل سنت ہے۔

(۲) اگر کسی کے پاس مال وافر مقدار میں موجود ہے لیکن وہ پھر بھی اپنی بیٹی کو خود لڑکے کے گھر رخصت کر آتا ہے تو یہ انتہائی قابلِ تعریف اور معاشرے میں شادی کے معاملے کو آسان بنانے میں بہت مدد ہوگا البتہ اگر لڑکے والوں کی طرف سے، کچھ افراد آ کر لڑکی کو رخصت کر کے لے جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔

(۳) لیکن اس موقع پر خلافِ شرع کاموں (تصویر کھنچوانا، گانا بجانا وغیرہ) نیز مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(۴) یہ بات ملحوظ رہے کہ رخصتی کے لئے بارات لے جانا شرعاً ضروری نہیں اگر لڑکی والے خود لڑکی کو پہنچانے کا کہیں تو بارات پر اصرار نہ کیا جائے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے دوست کو چاہیئے کہ اپنے گھر والوں کو خوش اسلوبی سے سمجھائے کہ اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کے سرپرست خود آ کر چھوڑ جائیں اگر گھر والے سمجھ جاتے ہیں تو ٹھیک ورنہ ایک ایسے معاملے میں جس میں شرعاً گنجائش ہے، جھگڑے

Marfat.com

اور تلخ کلامی کا ماحول پیدا نہ کرے بلکہ چند افراد کے ساتھ جا کر لڑکی کو رخصت کر کے لے آئے البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس میں دیگر منکرات گانے بجانا، تصویریں کھینچنا وغیرہ نہ پائے جائیں۔

Marfat.com

(۴۳۱) بارات کے کھانے کی شرعی حیثیت

سؤال

شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے یہ کھانا کھلانا شرعاً درست ہے؟ سنتِ نبوی میں اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کے نصوص کے مطابق فقہ حنفی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی بیاہ میں ولیمہ کا کھانا کھلانا لڑکے والوں کی طرف سے سنت ہے بشرطیکہ اس میں اسراف نہ ہو اور نہ اس کے لئے ادھار کا بوجھ سر لیا جائے۔ ولیمہ کے علاوہ کوئی کھانا شادی کے معاملے میں سنت نہیں۔ البتہ لڑکی کی رخصتی کے دن جمع شرکاء کو لڑکی والوں کی طرف سے بطور ضیافت کھلا دینے کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا شادی میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا اہتمام سنت تو نہیں لیکن بطورِ ضیافت اگر شرکاء کو کچھ کھلایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اسے شادی کا جزء لازم نہ سمجھا جائے اور اگر کوئی کھانے وغیرہ کا اہتمام نہیں کرے تو اسے طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بنایا جائے۔

لمافی المشكوة (ص۲۶۸): وعن عائشة رضی الله عنها قالت : قال النبي صلى الله عليه وسلم : "إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة"

وفيه أيضاً(ص۲۷۸): وعن عبد الله بن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : "إذا دعي أحدكم إلى الوليمة فليأتها" . متفق عليه .

وفی المصنف لعبد الرزاق (۴۸۷/۵):"فقال يا بلال إني زوجت ابنتي ابن عمي وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح فأت الغنم فخذ شاة ـــــ فاجعل لي قصعة لعلي أجمع عليها المهاجرين والأنصار"

وفی المستدرك على الصحيحين (۲۲/۴):"ثم أرادوا أن يقوموا فقال اجلسوا فإن سنة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا"

وفی الدر المختار(۹/۳): وهل يكره الزفاف المختار لا إذا لم يشتمل على مفسدة دينية۔

وفی الردالمحتار :(قوله: وهل يكره الزفاف) هو بالكسر ككتاب اهداء المرأة إلى زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لانه لازم له عرفا۔

Marfat.com

(۴۳۲) بارات میں افراد کی تعداد اور خواتین کی شرکت

سؤال

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بارات میں تین افراد کی شرکت مسنون ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد شادیوں میں باراتیوں کی تعداد کیا تھی؟ نیز خواتین کا بارات میں جانا عہد نبوی سے ثابت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

تلاشِ بسیار کے بعد بھی بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ "بارات میں تین افراد کی شرکت مسنون ہے" نہ مل سکا۔ دراصل شادی کے معاملے میں شرعاً بارات کی کوئی حقیقت نہیں۔ دورِ نبوی میں لڑکی کے سرپرست خود لڑکی کو لڑکے کے گھر رخصت کرآتے اور پھر لڑکے کی طرف سے مسنون دعوتِ ولیمہ ہوجاتی۔ بارات لے جانے کا رواج بعد میں ہوا ہے یہ مسنون نہیں البتہ اگر دیگر مفاسد نہ ہوں تو بارات لے جانے کی گنجائش ہے اور اس میں افراد کی تعداد کی کوئی تعیین نہیں دونوں فریق آپس میں طے کرسکتے ہیں۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۸/۲) (باب ذهاب النساء والصبيان الى العرس): عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: أبصر النبي صلى الله عليه وسلم نساء وصبيانا مقبلين من عرس، فقام ممتنا، فقال: اللهم أنتم من أحب الناس إلي۔

وفی سیر اعلام النبلاء (۱۹۰/۱): (زواجه صلى الله عليه وسلم بعائشة وسودة أمي المؤمنين): "روى هشام، عن أبيه، عن عائشة رضى الله عنها قالت: تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم متوفى خديجة، وأنا ابنة ست، وأدخلت عليه وأنا ابنة تسع، جاءني نسوة وأنا ألعب على أرجوحة، وأنا مجممة، فهيأنني، وصنعنني، ثم أتين بي إليه صلى الله عليه وسلم، قال عروه ومكثت عنده تسع سنين، وهذا حديث صحيح۔"

(۴۳۳) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت کھانے کا اہتمام

سؤال

میں نے ایک کتاب میں مستدرک حاکم (۲۱/۴) کے حوالے سے پڑھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں آنے والے شرکاء کو کھانا کھلایا۔ ہمارے پٹھانوں کے ہاں رواج ہے کہ نکاح کے دن دولہا کھانا کھلاتا ہے۔ مفتی صاحب کیا اس

Marfat.com

حدیث سے اس کا اثبات نہیں ہوتا اور کیا بارات کے کھانے پر اس حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں؟؟؟ سرحد والوں کا کھانا تو بہر حال ثابت ہوتا ہے؟؟ تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً تو یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق نجاشی حبشہ نے کھانے کیلئے شرکاء کو روکا تھا، کیونکہ یہ نکاح حبشہ میں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں موجود نہ تھے۔ نیز اس حدیث کے بعض رواۃ پر کلام ہے، اگرچہ اعلاء السنن میں اسے روایت کیا گیا ہے۔ لہٰذا چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) فقط ولیمہ کی دعوت شادی میں مستقل سنت ہے جو رخصتی کے بعد مسنون ہے۔

(۲) نکاح کے دن یا نکاح سے پہلے کسی علاقے میں دعوت کا رواج ہو اور رخصتی کے بعد دعوت نہ ہوتی ہو تو یہ رواج درست نہیں۔ لڑکے کو رخصتی سے اگلے دن حسب استطاعت بطور ولیمہ، دعوت کا انعقاد کرنا چاہیئے۔

(۳) اگر کوئی شخص ولیمہ بھی کرتا ہے اور نکاح کے دن اسکی طرف سے یا لڑکی والوں کی طرف سے کسی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے تو اسکی گنجائش ہے۔ بعض روایات سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت ہے:

"فقال يا بلال إني زوجت ابنتي ابن عمي وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح فأت الغنم فخذ شاة .... فاجعل لي قصعة لعلي أجمع عليها المهاجرين والأنصار"

''اے بلال! میں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح اپنے چچازاد سے کردیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ میری امت کا نکاح کے وقت کھانا کھلانے کا طریقہ کار ہو، جاؤ اور بکری لے کر آؤ اور ایک برتن میں میرے لئے بناؤ (کھانا تیار کرو) تاکہ میں مہاجرین اور انصار جمع کر (کے ان کی دعوت کر) سکوں۔'' (مصنف عبدالرزاق ۵/۴۸۷)

اس روایت میں بھی کھانے کی یہ زیادتی صرف عبدالرزاق کی روایت میں ہی ہے اور اسکے بعض رواۃ پر بھی کلام ہے۔ لہٰذا ان روایات سے سنیت تو ثابت نہیں کی جاسکتی البتہ یہ اور اسی طرح کی دیگر روایات سے رخصتی کے وقت کھانے کے بطور ضیافت پیش کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے نیز بطور ولیمہ رخصتی کے بعد بھی ضیافت کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ رخصتی سے پہلے ضیافت ولیمہ نہیں۔

لما في البخاري (۲/۷۷۸): عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: أبصر النبي صلى الله عليه وسلم نساء وصبيانا مقبلين من عرس، فقام ممتنا، فقال: اللهم أنتم من أحب الناس إلي۔

وفي المستدرك على الصحيحين (۴/۲۳): ثم أرادوا أن يقوموا فقال اجلسوا فإن سنة الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إذا تزوجوا أن يؤكل الطعام على التزويج فدعا بطعام فأكلوا ثم تفرقوا۔

Marfat.com

وفی الدر المختار (۹/۳): وهل یکره الزفاف المختار لا إذا لم یشتمل علی مفسدة دینیة"

وفی الردتحته :(قوله: وهل یکره الزفاف) هو بالکسر ککتاب اهداء المرأة إلی زوجها قاموس والمراد به هنا اجتماع النساء لذلك لانه لازم له عرفا۔

Marfat.com

باب فی الأولیاء

(نکاح کے اولیاء کا بیان)

(۴۳۴) نکاح کی ولایت کسے حاصل ہے؟

سؤال

ولی ورثاء میں سے ہوتا ہے یا غیر وارث بھی نکاح کا ولی ہوتا ہے نیز ولی کے لئے عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں اور اگر کوئی بچہ اپنی بہن کا نکاح کروادے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ کا تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

نکاح میں ولی "عصبہ" ہوتا ہے اور عصبہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جن کا وراثت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا، بلکہ حصے والے کے حصے ادا کرنے کے بعد جو مال باقی رہ جاتا ہے وہ ان کو دے دیا جاتا ہے اور یہ عصبات علی الترتیب چار ہیں۔

(۱) فروع یعنی بیٹا، پوتا نیچے تک (۲) اصول یعنی باپ، دادا، اوپر تک

(۳) باپ کی اولاد یعنی بھائی اور بھتیجے وغیرہ (۴) دادا کی اولاد یعنی چچا وغیرہ

اس ترتیب پر نکاح میں ولایت کا حق حاصل ہوگا اگر مذکورہ عصبات نہ ہوں تو پھر اس کے قرابت دار (ذوی الارحام) وراثت کی ترتیب پر ولایت کے مستحق ہوں گے۔ الغرض نکاح میں ولی ورثاء میں سے ہوگا ان کی موجودگی میں غیر وارث کو ولایت کا حق حاصل نہ ہوگا البتہ جب ورثاء اولیاء نہ ہوں تو سلطان، حاکم یا قاضی قائم مقام ولی بن سکتا ہے اور ولی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو لہٰذا اگر کسی نابالغ بچہ نے اپنی بہن کا نکاح کرادیا تو درست نہ ہوگا۔

لمافی القدوری (ص ۴۷۵): والولی هو العصبة ـــ ولا ولایة لعبد ولا لصغیر ولا لمجنون ولا لكافر علی مسلمة۔ وقال ابو حنیفه رحمه الله یجوز لغیر العصبات من الأقارب التزویج مثل الأخت والأم والخالة۔

وفی التاتارخانیة (۱۹/۳) کتاب النکاح: یجب أن یعلم بأن الولی من کان من أهل المیراث

Marfat.com

وهو عاقل بالغ حتى لا تثبت الولا يه للصبى والمجنون --- وفى جامع الجوامع: كل قريب يرث منها له أن يزوجها اذا لم يكن أقرب منه عنده۔

وفى الهندية(١/٢٨٣): وأقرب الأولياء إلى المرأة الابن ثم ابن الابن وإن سفل ثم الأب --- ثم مولى العتاقة يستوي فيه الذكر والأنثى ثم عصبة المولى كذا في التبيين وعند عدم العصبة كل قريب يرث الصغير والصغيرة من ذوي الأرحام يملك تزويجهما في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى ---ثم مولى الموالاة ثم السلطان ثم القاضي ومن نصبه القاضي كذا في المحيط القاضي۔

وفى الدرالمختار(٣/٧٦): (الوالي في النكاح) لا المال (العصبة بنفسه) وهو من يتصل بالميت حتى المعتقة (بلا توسطة أنثى) بيان لما قبله (على ترتيب الإرث والحجب) ---(بشرط حرية وتكليف وإسلام) --- (فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم --- (ثم لذوي الأرحام) --- (ثم للسلطان ثم لقاض نص له عليه في منشوره)۔

(۴۳۵) کیا ولی نکاح کا عادل ہونا ضروری ہے؟

سؤال

ولایت کے لئے عدالت ضروری ہے یا نہیں؟ فاسق آدمی اپنے چھوٹے بیٹے یا بیٹی کا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ولایت کیلئے عدالت شرط نہیں ہے لہذا فاسق باپ اپنے بیٹے بیٹی کا نکاح کرسکتا ہے جبکہ باپ بالکل لاپرواہ نہ ہو یا باپ کے نکاح میں عدم شفقت بالکل ظاہر نہ ہو اور اگر عدم شفقت ظاہر ہو مثلاً مجبوراً نکاح کیا ہے تو یہ نکاح غیر کفوء میں تو منعقد ہی نہ ہوگا۔

لمافی الهندية ، كتاب النكاح (١/٢٨٤): والفسق لايمنع الولاية كذا فى فتاوىٰ قاضى خان۔

وفى الدرالمختار (٣/٥٤): باب الولي (هو) لغة خلاف العدو وعرفا العارف بالله تعالى وشرعا (البالغ العاقل الوارث) ولو فاسقا على المذهب ما لم يكن متهتكا۔

وفى الرد تحته: وحاصله أن الفسق وإن كان لا يسلب الأهلية عندنا لكن إذا كان الأب متهتكا لا ينفذ تزويجه إلا بشرط المصلحة --- وبه ظهر أن الفاسق المتهتك وهو بمعنى سيء الاختيار لا تسقط ولايته مطلقا لأنه لو زوج من كفء بمهر المثل صح كما سيأتي بيانه۔

Marfat.com

رسالة

استنارة القمرین

فی

جواب السؤال "ھل تزویج الولد لازم علی الأبوین"

اولاد کی شادی کرانا والدین کے ذمے ہے

یا والد کے یا لڑکا خود ذمہ دار ہے؟

مسئلہ ھذا سے متعلق امور پر مفصل تحقیقی فتوی

Marfat.com

(۴۳۶) کیااولاد کی شادی کراناوالدین کی ذمہ داری ہے؟

سؤال

زید کا ایک لڑکا ہے عمر تقریباً ۲۲ سال ہے بیٹا بار بار کہتا ہے کہ میری شادی میں جلدی کرو ورنہ فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا لیکن زید کے پاس اتنی رقم نہیں کہ شادی کر سکے قرض دینے کیلئے کوئی تیار نہیں اب پوچھنا یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ اگر والدین اپنی اولاد کی شادی میں تاخیر کر دیں دریں اثناء بچے سے جو گناہ سرزد ہو جائے اس میں والدین کا بھی حصہ ہے، کیا یہ درست ہے؟ اگر ہے تو زید اپنے بیٹے کی شادی میں تاخیر سے گناہ گار ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

والدین کے ذمہ لازم ہے وہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کریں اور انہیں اپنی زندگی دین کے مطابق گزارنے کی ترغیب دیں اور بچوں کے بالغ ہو جانے کے بعد جیسے ہی ممکن ہو مناسب رشتہ نظر آتے ہی ان کی شادی کرا دیں۔ کنز العمال میں حدیث مبارک ہے:

"حق الولد علی والدہ أن یحسن اسمه ویزوجه اذا أدرك ویعلمه الكتاب"

"باپ پر بچے کا یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور بالغ ہونے کے بعد اس کی شادی کرائے اور اسے قرآن کا علم سکھائے۔"

(کنز العمال ۱۶/۴۱۷)

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ والد کی ذمہ داری فقط اتنی ہے جو اوپر ذکر کی گئی اس سے آگے (ولیمے کا خرچہ، مہر، نفقہ وغیرہ غرض) ہر قسم کا مالی خرچ لڑکے کے اپنے اوپر ہے یہ باپ کی ذمہ داری نہیں کہ لڑکے کی شادی میں اپنے پیسے خرچ کرے بالغ ہو جانے کے بعد یہ تمام ذمہ داریاں لڑکے کے اپنے اوپر عائد ہوتی ہیں کہ کمائے اور اپنی شادی کیلئے پیسوں کا بندوبست کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو یہ لڑکے کی ذمہ داری ہے کہ اتنا قرض کہیں سے حاصل کرے کہ اس کی شادی میں مہر اور دیگر شرعی امور انجام پا سکیں نیز لڑکے کو ایسی ملازمت وغیرہ بھی اختیار کرنا ضروری ہے جس سے اس کے گھر کا نفقہ وغیرہ چل سکے۔

اگر لڑکا یہ تمام مذکورہ بالا وسائل مہیا کر لیتا ہے اور مالی اعتبار سے کوئی مانع باقی نہ رہے نیز باپ کو اچھا رشتہ بھی نظر آ جائے لیکن اب اگر باپ تاخیر کرے اور لڑکا بلوغت سے کہولت (ادھیڑ عمری) کی عمر کی طرف منتقل ہونے لگے تو اب لڑکے سے سرزد گناہ کا باپ بھی ذمہ دار ہوگا۔ باپ کی یہ ذمہ داری تھی کہ جب لڑکا مالی اعتبار سے بے غم ہے تو بلوغت کے بعد جلد از جلد اس کی شادی کر دے اور اس فرض

Marfat.com

سے سبکدوش ہوجائے۔ یہ ایک وبا ہے جو ہمارے معاشرے میں پھیلتی جارہی ہے کہ والدین اپنی اغراض کی وجہ سے، اولاد کے نکاح میں تاخیر کرتے جاتے ہیں اور اولاد ناجائز ذرائع استعمال کرنے لگتی ہے ایسے والدین کو متنبہ ہونا چاہیئے کہ کل بروزِ قیامت، اولاد کے گناہوں کا سوال ان سے بھی ہوگا۔

البتہ اگر لڑکے کے پاس پیسے نہ ہوں اور نہ وہ قرض لے سکتا ہو تو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے اور روزوں کے ذریعے اپنی شہوت کو مٹائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء"

''جو تم میں سے نکاح (اور اس کے حقوق اداء کرنے کی) طاقت رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ شادی کرے کیونکہ اس سے نظر کی حفاظت اور شرمگاہ کے لئے عفت کا حصول ہوتا ہے اور جو طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ روزے ہی اس کے لئے شہوت کو توڑنے والی چیز ہیں۔'' (مشکوۃ ص ۲۶۷)

لہٰذا گھریلو حالات اگر شادی کی اجازت نہ دیتے ہوں تو باپ کو چاہیئے کہ بیٹے کو بتادے کہ شریعت میں آپ کے مسئلے کا یہ حل ہے کہ آپ روزے رکھیں نیز اگر والد کے پاس مال وافر مقدار میں موجود ہے اور لڑکا فی الحال شادی سے قبل اتنا مال حاصل کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور باپ اپنی خوشی سے (بغیر کسی ادھار کا بوجھ اٹھائے) خرچ کردیتا ہے تو امید ہے کہ عند اللہ ماجور ہوگا لیکن باپ کا یہ خرچ کرنا تبرعا ہوگا نہ یہ کہ اسے والد کی ذمہ داری سمجھا جائے۔

یہ تفصیل جو ذکر کی گئی لڑکے کی شادی کے بارے میں ہے۔ لڑکی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کی شادی بلوغ کے بعد جلد از جلد کفوء (دینداری، مال اور پیشہ کے اعتبار سے برابر) میں رشتہ میسر آتے ہی کرادینا والد کی ذمہ داری ہے البتہ لڑکی کا نفقہ والد پر شادی تک ہے (جب کہ لڑکے کا نفقہ صرف بلوغ تک ہے بالغ ہونے کے بعد باپ لڑکے پر خرچ کرنے میں متبرع ہے) اور شادی کے بعد لڑکی کا نفقہ اس کے شوہر کے ذمے ہوتا ہے باپ کی ذمہ داری فقط اتنی ہے کہ بلوغ کے بعد اچھا رشتہ میسر آتے ہی لڑکی کا نکاح کردے، اور بقدرِ استطاعت جو جہیز دے سکتا ہے دے دے (آج کل مروّج جہیز جس میں مکمل فرنیچر وغیرہ داخل ہوتا ہے باپ کی ذمہ داری نہیں بلکہ معاشرے میں پھیلتا ہوا ناسور ہے)۔ اگر باپ بلوغ کے بعد رشتہ میسر آجانے پر لڑکی کی شادی کے فرض سے سبکدوش نہیں ہوتا اور لڑکی کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے تو اس کا ذمہ دار باپ بھی ہوگا۔

اس لئے صورتِ مسئولہ میں دو باتوں میں فرق کو ذہن نشین رکھیے وہ یہ کہ ایک ہے بچوں کی اچھی تربیت (چاہے لڑکا ہو یا لڑکی) اور بلوغ کے بعد اچھا رشتہ میسر آجانے پر بلا تاخیر ان کی بات پکی کراکے شادی کرادینا یہ والد کی ذمہ داری ہے اس میں تاخیر باعثِ پکڑ ہے لیکن دوسری طرف لڑکے کی شادی میں مہر، نفقہ اور دیگر خرچ وغیرہ یہ باپ کے ذمے نہیں ان سب کے بندوبست کیلئے نوکری کرنا، قرض لینا یہ سب لڑکے کے اپنے ذمے ہے اگر باپ کردیتا ہے تو یہ باپ کا احسان ہے فرض نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

Marfat.com

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :" من ولد له ولد فلیحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فلیزوجه فإن بلغ ولم یزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه علی أبیه"

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو، اسے چاہیئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرا دے اگر وہ بالغ ہو گیا اور باپ نے شادی نہ کرائی پھر کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔" (مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۱)

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سوال یہ نہیں کہ زید (باپ) کے پاس لڑکے کی شادی کی رقم ہے یا نہیں بلکہ اصل یہ دیکھا جائے کہ لڑکے کے پاس مہر وغیرہ کی رقم ہے یا نہیں نیز وہ اتنا برسرِ روزگار ہے کہ گھر کا خرچ چلا سکے یا نہیں؟ اگر لڑکے کے پاس اتنی رقم نہیں تو قرض لے اور قرض نہ لے سکتا ہو تو روزے رکھے۔ اگر لڑکا اتنی رقم کا مالک ہے نیز اچھا رشتہ بھی میسر ہے پھر باپ تاخیر کر رہا ہے تو باپ زید کی پکڑ عند اللہ ہوگی اسے چاہیئے کہ اپنے لڑکے کا رشتہ جلد از جلد مکمل کر کے اس ذمہ داری کو اپنے کاندھوں سے اتار دے۔

لمافی اعلاء السنن (۴/۱۱): الحدیث ورد فی باب من تاقت نفسه الی النکاح فاما أن ینکح ان قدر علی مؤنة واما أن یصوم ان لم یقدر علیها۔

وفی الدرالمختار (۶/۳): (ویکون واجبا عند التوقان) فإن تیقن الزنا إلا به فرض نهایة وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بترکه بدائع ـــ ویندب إعلانه وتقدیم خطبة وکونه في مسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشهود عدول والاستدانة له۔

Marfat.com

(۴۳۷) لڑکے کا خود کمانا اور خود شادی کرنا

سؤال

ایک شخص اپنے لڑکوں سے کہتا ہے کہ تم خود کماؤ اور اپنی شادی خود کرو اور شادی کیلئے لڑکیاں بھی خود تلاش کرو میری کوئی ذمہ داری نہیں آپ حضرات سے یہ معلوم کرنا ہے:

(۱) لڑکے کیلئے رشتہ ڈھونڈنا کیا باپ کے ذمہ نہیں؟

(۲) باپ کا یہ کہنا "خود کماؤ اور اپنی شادی خود کرو" کیا یہ بات شریعت کے مطابق ہے؟

از راہِ کرم محقق جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جب اولاد بالغ ہو جائے تو ان کا رشتہ ڈھونڈنا اور مناسب رشتہ میسر آجانے پر اپنی لڑکی یا لڑکے کا رشتہ کر دینا یہ والد کی ذمہ داری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

"من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه"

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے گھر بچہ پیدا ہو اسے چاہیئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے اور جب وہ بچہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرا دے اگر وہ بالغ ہو گیا اور باپ نے شادی نہ کرائی پھر کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔" (مشکوۃ ص ۲۷۱)

البتہ لڑکے کی شادی میں مال خرچ کرنا نیز شادی کے بعد لڑکے کی بیوی کا کسی قسم کا بھی خرچ باپ کے ذمے نہیں۔ مال کا بندوبست کرنا لڑکے کی اپنی ذمہ داری ہے، ملازمت کرے یا قرض لے اور اگر کچھ ممکن نہ ہو تو شادی کے بجائے روزے رکھے باپ کے ذمے بچے کی شادی میں پیسے خرچ کرنا ضروری نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ کی شق نمبر (۱) کا جواب واضح ہے کہ لڑکے کا رشتہ ڈھونڈنا باپ کے ذمے ہے یہ بے حیائی کی بات ہے کہ لڑکا اپنے لئے خود لڑکی ڈھونڈتا پھرے۔

(۲) دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ اگر باپ اس معنی میں یہ بات کہہ رہا ہے کہ مہر اور شادی میں خرچ کے مناسب پیسے جمع کرلو اور شادی کے بعد بیوی کے نفقہ وغیرہ کیلئے ملازمت تلاش کرلو تو باپ کا یہ کہنا درست ہے البتہ اگر بچوں کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ وہ سادگی سے شریعت کے مطابق شادی کر کے اپنی بیوی کا خرچہ برداشت کرسکیں اور والد آج کل کی مروّج لاکھوں کی شادی کے مطابق پیسے

Marfat.com

جمع کرنے پر بچوں کو لگا رہا ہو تو یہ درست نہیں اس صورت میں نکاح میں تاخیر کرنا باپ کیلئے باعث پکڑ ہوگا۔ باپ کو چاہیئے اگر بچے اتنا مال رکھتے ہوں کہ سادگی سے ان کی شادی کردی جائے اور وہ بیوی کا خرچہ چلا سکیں تو مناسب رشتہ ڈھونڈ کر جلد از جلد ان کی شادی کرادے۔

لما في المشكوة (ص۲۶۷): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض". رواه الترمذي

وفي اعلاء السنن (۴/۱۱): الحديث ورد في باب من تاقت نفسه إلى النكاح فإما أن ينكح إن قدر على مؤنة وإما أن يصوم إن لم يقدر عليها۔

وفي مرقاة المفاتيح (۲۵۰/۶): تحت حديث المشكوة "ان أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة" [أيسره] أي أقله أو أسهله [مؤنة] أي من المهر والنفقة للدلالة على القناعة التي هي كنز لا ينفد ولا يفنى۔

وفي الدر المختار (۳/۶): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه بدائع۔

Marfat.com

رسالۃ

القضیۃ السالبۃ

اذا أنکح الجدُّ فی غیر الکفوء البالغۃ

بالغہ لڑکی کا از خود غیر کفوء میں کیا نکاح روایت حسنؒ کے مطابق فاسد ہے

البتہ ولی کی اجازت سے غیر کفوء میں نکاح ہو سکتا ہے لیکن باپ کی موجودگی میں دادا بھی ولی (اقرب) شمار ہوگا؟

اور کیا دادا کی اجازت سے یہ نکاح باپ کی موجودگی میں جائز ہے؟

نیز نابالغہ کے نکاح کرانے میں مسئلہ خیار بلوغ میں باپ اور دادا دونوں کا حکم یکساں ہے

یعنی نابالغہ کو خیار نہ ملے گا یہ مسئلہ بھی مطلق ہے یا باپ کے نہ ہونے کے وقت دادا کا یہ حکم ہے؟

مسئلہ ھذا پر مفصل ومدلل فتویٰ

Marfat.com

(۴۳۸) باپ کی موجودگی میں دادا کا غیر کفوء میں نکاح کرانے کا حکم

سؤال

ہمارے یہاں ایک لڑکی (جس کا باپ زندہ ہے) کے دادا نے مختلف مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک موچی کے بیٹے سے نکاح کر دیا۔لڑکا بالکل جاہل سا ہے، حالانکہ لڑکی B.A پاس اور خوبصورت ہے اور لڑکی کا باپ فوج میں ملازم ہے۔لڑکی کا باپ والد کے احترام میں خاموش ہے، نہ اجازت دیتا ہے نہ انکار کرتا ہے تو آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ کیونکہ والد نے الگ مجلس میں اپنے انکار کا اظہار کیا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں جواب سے قبل چند باتیں بطورِ تمہید ملحوظ رہیں:

۱)...... بالغہ لڑکی کفوء میں اپنا نکاح کرانے کے معاملہ میں خود مختار ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کا نکاح نہیں کرا سکتا اور کفوء میں بغیر کسی کی اجازت کے وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے (البتہ مناسب یہ ہے کہ اپنے نکاح کے معاملے کو اپنے سرپرستوں کے حوالے کر دے کیونکہ شرفاء کا طریقہ یہی ہے)۔

۲)...... بالغہ لڑکی غیر کفوء میں نکاح کرنے کے بارے میں خود مختار نہیں بالغہ لڑکی اگر اپنے غیر کفوء (یعنی مال، پیشہ، دینداری وغیرہ کے اعتبار سے کمتر) سے نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح ظاہر الروایۃ کے مطابق اولیاء کو فسخ کرانے کا حق اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کے مطابق کالعدم یعنی فاسد ہے[1] البتہ پہلی روایت کے مطابق نکاح منعقد ہو جائیگا لیکن ولی کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا اور دوسری روایت کے مطابق یہ نکاح سرے سے کالعدم ہو جائے گا۔

۳)...... تیسری بات یہ ملحوظ رہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا ولی ابعد ہے، جیسا کہ درج ذیل حوالوں سے واضح ہے۔شامیہ میں ہے:

"يقدم الأب ثم أبوه ثم الأخ الشقيق ثم الأب وذكر الكرخي أن تقديم الجد على الأخ قول

---

[1] حسن بن زیادؒ کی روایت کے مطابق یہ نکاح فاسد ہے باطل نہیں۔"فلا ینعقد أصلا" کے الفاظ سے بعض حضرات کو اشتباہ ہو گیا کہ یہ نکاح باطل ہے، اس مسئلہ کی مکمل تفصیل کے لئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی "الدليل الجاذب على أن نكاح المرأة في غير الكفوء نكاح فاسد" کو ملاحظہ کیا جائے۔از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

الإمام وعندهما يشتركان والأصح أنه قول الكل"

"اولاً باپ مقدم ہوگا پھر دادا پھر سگا بھائی پھر باپ شریک بھائی اور کرخی نے ذکر کیا ہے کہ دادا کو بھائی پر مقدم کرنا صرف امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں مشترک ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ دادا کی تقدیم کا قول سب کا ہے۔" (شامیہ:۳/۷۶)

۴)......نیز نابالغہ کے باپ یا دادا کے نکاح کو بلوغ کے بعد فسخ کرنے کا اختیار نہ ملنا اس صورت میں ہے جبکہ دادا ہی ولی ہو اور باپ موجود نہ ہو ورنہ اگر باپ موجود ہو تو دادا کے کیے نکاح میں بھی خیار بلوغ ملتا ہے، جیسا کہ شامیہ کی درج ذیل عبارت ہے:

"وصح إنكاح الأب والجد الصغير والصغيرة بغبن فاحش ومن غير كفء لا غيرهما وقال في شرحه أي لو فعل الأب أو الجد عند عدم الأب لا يكون للصغير والصغيرة حق الفسخ بعد البلوغ" (الشامية،۳/۶۸)

"باپ اور دادا کا نکاح کرانا نابالغ بچے یا بچی کا چاہے غبن فاحش اور غیر کفء میں ہو یہ صحیح ہے اور شرح میں لکھا ہے کہ اگر باپ ایسا کرے یا دادا باپ کی عدم موجودگی میں یہ نکاح کرے تو صغیر اور صغیرہ کو بلوغ کے بعد نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں"

شامیہ کی یہ عبارت نصِ صریح ہے کہ دادا کے کئے نکاح میں، جبکہ باپ موجود ہو، خیارِ بلوغ ملے گا [او الجد عند عدم الاب]۔

نیز بدائع میں ہے:

"إنما تستحي من الأولياء لا من الأجانب والأبعد عند قيام الأقرب وحضوره أجنبي"

(بدائع ۳/۳۶۰)

"لڑکی اولیاء سے شرماتی ہے اجنبیوں سے نہیں اور ابعد، اقرب کی موجودگی میں اور ابعد کا حاضر ہونا اجنبی شخص کی طرح ہے۔"

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ دادا باپ کی موجودگی میں ولی ابعد ہے۔

۵)......پانچویں بات یہ ملحوظ رہے کہ بالغہ لڑکی کا از خود غیر کفوء میں نکاح کرنا جس طرح ظاہر الروایہ کے مطابق ولی (اقرب) کو فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے ویسے ہی ولی ابعد کا لڑکی کی رضامندی سے غیر کفوء میں نکاح کرانا بھی ولی اقرب کو فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے۔

ہندیہ میں ہے:

"وإذا زوجت نفسها من غير كفء ورضي به أحد الأولياء لم يكن لهذا الولي ولا لمن مثله أو دونه في الولاية حق الفسخ ويكون ذلك لمن فوقه كذا في فتاوى قاضي خان و كذا إذا زوجها أحد الأولياء برضاها كذا في المحيط" (الهندية:۱/۲۹۳)

"اگر ایک لڑکی از خود غیر کفوء میں نکاح کرلے اور اس کا کوئی ایک ولی اس نکاح پر راضی ہو جائے تو اس ولی اور درجے میں اس کے برابر یا کمتر ولی کیلئے فسخ کا حق نہ رہے گا لیکن اس سے اوپر (یعنی اقرب) والے کیلئے یہ حق اب بھی محفوظ رہے گا

Marfat.com

قاضیخان میں ایسا ہی ہے اور اسی طرح اگر کوئی ایک ولی لڑکی کا نکاح کرادے (تو مذکورہ بالا مسئلے کی طرح ولی اقرب کو فسخ کا حق رہے گا) محیط میں ایسا ہی ہے۔"

اسی طرح البحر الرائق میں ہے:

"قيدنا بالاستواء احترازا عما إذا رضى الأبعد فإن للأقرب الاعتراض كذا فى فتح القدير وغيره" (البحر الرائق ۲۲۷/۳)

"ہم نے (مسئلے میں) استواء کی قید لگائی تاکہ اس سے احتراز ہو جائے کہ اگر ولی ابعد راضی ہو گیا تو اقرب بہر حال اعتراض کر سکتا ہے۔"

اسی طرح درمختار میں ہے:

" (و) بناء (على الأول) وهو ظاهر الرواية (فرضا البعض) من الأولياء قبل العقد أو بعده (كالكل)...(لو استووا فى الدرجة وإلا فللأقرب) منهم (حق الفسخ)" (الدر المختار، ۵۷/۳)

"پہلی روایت کے مطابق جو کہ ظاہر الروایۃ ہے بعض کی رضامندی اولیاء میں سے چاہے عقد سے قبل ہو یا بعد تمام کی رضامندی کی طرح ہے اگر درجے میں برابر ہوں ورنہ اقرب کیلئے حق فسخ ہوگا۔"

مذکورہ بالا عبارات میں لڑکی کے غیر کفوء میں نکاح کرنے کی صورت میں کسی ایک ولی کی رضامندی سے کئے نکاح کو ولی اقرب کی رضامندی پر موقوف رکھا گیا ہے یعنی نکاح تو منعقد ہے لیکن ولی اقرب اسے فسخ کرا سکتا ہے لہٰذا دادا اگر غیر کفوء میں باپ کی موجودگی میں نکاح کراتا ہے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق باپ اس نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے۔

۶)......چھٹی بات یہ ملحوظ رہے کہ اوپر ذکر کردہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ لڑکی کے غیر کفوء میں نکاح کی صورت میں ولی اقرب کو حقِ فسخ ظاہر الروایۃ کے مطابق باقی رہتا ہے اسی طرح ولی ابعد کے نکاح کرانے کی صورت میں بھی ولی اقرب فسخ کرا سکتا ہے، جس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شریعت میں ولی اقرب کی عار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کی قوت ولی ابعد سے زیادہ ہے۔

لیکن یہ سارا مسئلہ ظاہر الروایہ کے مطابق تھا اور کتب فقہ میں مسائل کفوء کی تشریح ظاہر الروایۃ کے مطابق کی جاتی ہے اس لئے دوسری روایت جو کہ غیر ظاہر الروایۃ ہے (حسن بن زیاد سے منقول) اس کے مطابق اتنی تفصیل تو ملتی ہے کہ لڑکی کے از خود نکاح کی صورت میں یہ نکاح کالعدم ہوگا لیکن ولی ابعد نکاح کرا دے تو روایت حسن کے مطابق اس کا جواب کتب میں تحریر نہیں جبکہ مسئلہ کفوء میں فتویٰ ظاہر الروایۃ کے بجائے روایت حسن پر ہے۔

چنانچہ مسئلہ زیر بحث میں لڑکی جب از خود غیر کفوء میں نکاح کرلے تو حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ولی کی اجازت کے بغیر لڑکی کا از خود نکاح کالعدم ہوتا ہے نیز ولی ابعد کے غیر کفوء میں نکاح کرانے کی صورت میں ظاہر الروایۃ کے مطابق، ولی اقرب کو فسخ کرنے کا حق دیا جاتا ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے حسن بن زیادؒ کی روایت کے مطابق ولی ابعد کا لڑکی کا نکاح غیر کفوء میں پڑھانا کالعدم

Marfat.com

ہوگا۔ولی اقرب کی رضامندی قبل از نکاح ضروری ہوگی اور جس طرح عام اوقات میں لڑکی اگر خود غیر کفوء میں نکاح کرتی ہے تو ظاہر الروایۃ کے بجائے حسن بن زیاد کی روایت کو مفتی بہ قرار دیا جاتا ہے ویسے ہی ولی البعد کے نکاح کرانے کی صورت میں بھی حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق ولی اقرب کی رضامندی کے بغیر کئے گئے ایسے نکاح کو کالعدم قرار دیا جائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں دادا چونکہ باپ کی موجودگی میں ولی البعد ہے اور یہ لڑکی کا نکاح غیر کفوء میں کرا رہا ہے نیز باپ نے اجازت نہیں دی ہے لہٰذا دادا کا غیر کفوء میں کرایا یہ نکاح کالعدم ہے۔

لمافی التاتارخانیة(٣/٤٤):اعلم بأن السكوت من البكر البالغة جعل رضا بالنكاح سواء استأذنها الولى قبل النكاح أو زوجها الولى قبل الاستيمار فسكتت انما جعل السكوت من البكر البالغة اذنا اذا كان المستأمر وليا أما اذا لم يكن وليا كالأجنبى أو كان وليا الا أن هناك وليا آخر أقرب الى المرأة من هذا الولى المستأمر كالجد مع الأب فالسكوت لا يكون رضا واذنا فى حق الولى المستأمر الا كان المستأمر رسول الولى۔

وفى الشامية(٣/٨٢):ذكر في أنفع الوسائل عن المنتقى إذا كان للصغيرة أب امتنع عن تزويجها لا تنتقل الولاية إلى الجد بل يزوجها القاضي ونقل مثله ابن الشحنة عن الغاية عن روضة الناطفي وكذا المقدسي عن الغاية والنهر عن المحيط والفيض عن المنتقى وأشار إليه الزيلعي حيث قال في مسألة تزويج الأبعد بغيبة الأقرب وقال الشافعي بل يزوجها الحاكم اعتبارا بعضله وكذا قال في البدائع إن نقل الولاية إلى السلطان أي حال غيبة الأقرب باطل لأنه ولي من لا ولي له وههنا لها ولي أو وليان فلا تثبت الولاية للسلطان إلا عند العضل من الولي ولم يوجد۔

وفى المفصل فى احكام المرأة والبيت المسلم(٦/٤٠٠):فدل هذا على عدم الولاية لغير الأب على الصغيرة ،لأن استئمارها لا يكون الا بعد بلوغها،والجدّ كالأب عند عدمه۔

Marfat.com

(۴۳۹) باپ کی موجودگی میں دادا کے نکاح کا حکم

سؤال

ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح دادا نے کردیا چند دن گزرنے کے بعد لڑکی کا باپ نکاح کو رد کرتا ہے۔ آیا باپ کو رد کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نابالغہ لڑکی کا جو نکاح دادا نے کیا ہے، اگر باپ کی اجازت کے بغیر کیا ہو تو یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور باپ کو رد کرنے کا اختیار رہوگا البتہ اگر باپ غائب ہو اور اس سے رابطے کی کوئی صورت نہ ہو تو دادا کا کیا نکاح صحیح ہو جائے گا۔

لمافی الهندية (۱/۲۸۵): وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضرا وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته۔ الخ۔

وفي الدرالمختار (۳/۸۱): (وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب) فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته۔

وفي الرد تحته: قوله (توقف على إجارته) تقدم أن البالغة لو زوجت نفسها غير كفء فللولي الاعتراض ما لم يرض صريحا أو دلالة كقبض المهر ونحوه فلم يجعلوا سكوته إجازة والظاهر أن سكوته هنا كذلك فلا يكون سكوته إجازة لنكاح الأبعد وإن كان حاضرا في مجلس العقد ما لم يرض صريحا أو دلالة تأمل۔

(۴۴۰) باپ کی موجودگی میں ماں کے کئے نکاح کا حکم

سؤال

ماں نے صغیرہ کے باپ اور دوسرے عصبات سے مشورہ واجازت کے بغیر اپنی نابالغہ بیٹی کا عقد نکاح ایک اجنبی لڑکے کے ساتھ کردیا تو یہ نکاح شرعاً جائز ونافذ ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

باپ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہے پس اس کا کیا ہوا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ومعلق رہے گا اگر باپ نے نکاح کی

Marfat.com

اجازت دے دی تو یہ نکاح منعقد ہوگا ورنہ ماں کا کرایا نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لمافی الدرالمختار(٨١/٣):(وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب) فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته ولو تحولت الولاية إليه لم يجز إلا بإجازته بعد التحول قهستاني وظهيرية۔

(٤٤١) شادی کے معاملے میں والدین کی اطاعت نیز اپنی من پسند شادی کرنے کا حکم

سؤال

والدین کہیں شادی کروانا چاہتے ہیں اور لڑکا راضی نہیں ہے، تو والدین کی اطاعت اس پر واجب ہے یا نہیں؟ آجکل مرضی کی شادیوں کا رواج بڑھ رہا ہے......؟

الجواب بعون الملک الوھاب

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ ہر حال میں واجب ہے، ہر مباح کام میں جو شرع کے مخالف نہ ہو، اس میں والدین کی اطاعت ضروری ہے اور جس طرح والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اولاد کی صحیح پرورش کریں اس کی اچھی تربیت کا انتظام کریں، اسی طرح لڑکی لڑکے کے نکاح کی ذمہ داری بھی والدین پر ہوتی ہے، کہ ان کے جوڑ کا رشتہ تلاش کریں۔

لہذا اگر والدین ایسا رشتہ تلاش کریں کہ جس میں شرعاً کوئی خرابی نہ ہو تو ہر عاقل بالغ سمجھدار لڑکی لڑکے کو اس رشتہ پر دل سے رضامند ہو جانا چاہیئے کیونکہ والدین میں اپنی اولاد کیلئے اتم درجہ کی شفقت ہوتی ہے اور وہ اولاد کی بہتری سوچتے ہیں ان کیلئے برا نہیں سوچتے۔ آجکل گھر والوں کی اجازت کے بغیر اپنی من پسند شادیاں کرلی جاتی ہیں جو کہ عارضی وجوہات کی بناء پر ہوتی ہیں لہذا ان میں توافق اور دوام مشکل ہو جاتا ہے۔ نیز مصالح نکاح بھی بدرجہ اتم حاصل نہیں ہو پاتے چنانچہ ایسے نکاح برقرار رہنے کے بجائے زوال کا شکار ہو جاتے ہیں لہذا اسطرح نکاح سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

نکاح کا معاملہ والدین کے سپرد کر دینا ہی مناسب ہے البتہ اگر لڑکے یا لڑکی کو یقین ہو جائے کہ والدین کا دیکھا رشتہ جوڑ کا نہیں اور وہ یہ سمجھیں کہ ہمارا نباہ نہیں ہو سکے گا اس صورت میں بھی والدین کو ناراض نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ادب اور نرمی کے ساتھ عذر کرلیا جائے اور اگر عاقل بالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر کرا دیا جائے چاہے والدین ہی کرائیں، ایسا نکاح منعقد نہ ہوگا، ان کی اجازت ضروری ہے۔

لمافی التفسير المظهری (٢٥٦/٧):(مسئلة) لا يجوز إطاعة الوالدين إذا أمرا بترك فريضة أو إتيان مكروه تحريما لأن ترك الامتثال لامر الله والامتثال لامر غيره اشراك معنى ولما

Marfat.com

• روينا من قوله عليه السلام لا طاعة للمخلوق فى معصية الخالق ويجب إطاعتهما إذا امرا بشئ مباح لا يمنعه العقل والشرع وهل يجب إطاعتهما ان امرا بترك إكثار الذكر والنوافل وكسب الأموال فوق الحاجة ونحو ذلك والظاهر عندى انه لا يجب ذلك لأن الله سبحانه امر باتباع سبيل من أناب إليه وإكثار النوافل وترك ما لا يعنيه وترك الدنيا والتبتل إلى الله سبيل المنيبين لا محالة۔

وفى المشكوة (٢٧١): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " اليتيمة تستأمر في نفسها فإن صمتت فهو إذنها وإن أبت فلا جواز عليها ". رواه الترمذي وأبو داوٗد والنسائي۔

وفى الشامية (٥٨/٣): قوله (ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ والمكاتب والمكاتبة ولو صغيرين ح عن القهستاني قوله (البكر) أطلقها فشمل ما إذا كانت تزوجت قبل ذلك وطلقت قبل زوال البكارة فتزوج كما تزوج الأبكار نص عليه في الأصل بحر قوله (وهو السنة) بأن يقول لها قبل النكاح فلان يخطبك أو يذكرك فسكتت وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة وتوقف على رضاها بحر عن المحيط۔

(۴۴۲) شریعت نے باپ کو کیا حقوق دیے ہیں؟

سوال

میری ازدواجی زندگی میں بیوی سے علیحدگی ہوگئی ہے میں نے اسے طلاق دے دی تھی (بیٹی ۱۸ سال، بیٹا ۱۳ سال اور بیٹا ۶ سال) تین اولاد ہیں۔ گزارش یہ ہے کہ قرآن وشریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ

(۱) اولاد کیلئے باپ سے ملنا چھوڑ دینا گویا کہ باپ مر چکا ہو کیا یہ جائز ہے؟

(۲) اولاد پر باپ کا کتنا حق ہوتا ہے بیوی کہتی ہے کہ اگر بچے میرے پاس رہیں گے تو تم ان کے لئے مر چکے ہو۔

(۳) اسلامی احکام کے مطابق بچے اگر ماں کے پاس ہوں تو بچوں کی پرورش کو دیکھنا باپ کے ذمہ ہے یا نہیں؟

(۴) اولاد کے عمل کا باپ جوابدہ ہے اپنے رب کے پاس جبکہ بچے ماں کے پاس ہیں۔

(۵) باپ اپنی اولاد سے مل سکتا ہے شریعت کیا کہتی ہے؟ جبراً باپ کو روکنا کیسا ہے؟

(۶) میرا بیٹا ۶ سال کا ہے پیدائش سے قبل میں نے اسے حافظ بنانے کی منت مانی تھی کہ اللہ اگر تو بیٹا عطا کریگا تو اسے حافظ

Marfat.com

بناؤں گا اب جب داخلے کا وقت آیا ہے تو بیوی کہتی ہے کہ ملا بنا کر کیا کرو گے سخت مخالفت کرتی ہے اور بچے کو اسکول میں ڈال دیا ہے منت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور جو منت میں نے مانی تھی اس کا حساب مجھے دینا پڑے گا؟

(۷) بچی کا رشتہ طے کرنے اور جانچ پڑتال کرنے میں باپ کا عمل دخل ہے شریعت اجازت دیتی ہے یا باپ کو جبراً روکا جاسکتا ہے؟ برائے مہربانی شریعت کے مطابق ان سوالوں کے جوابات مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

بچے کی عمر سات سال ہوجائے اور بچی کی عمر ۹ سال ہوجائے تو ماں کا حق پرورش ختم ہوجاتا ہے اور اس کے بعد حق پرورش باپ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے البتہ بچے کی عمر اگر سات سال سے کم ہے تو اس کا حق پرورش ماں کو حاصل ہے لیکن اگر ماں فاسقہ ہو تو اس صورت میں یہ قوی یقین ہونے کی وجہ سے کہ یہ سات سال کی عمر تک پہنچنے تک بچے کی صحیح تربیت نہیں کرسکے گی اور اسے غلط عادات کا خوگر بنادے گی یا عورت بچے کے نامحرم سے نکاح کرلے تو ان دونوں صورتوں میں سات سال سے چھوٹے بچے کا حقِ پرورش بھی باپ کو حاصل ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ کی (۱، ۲، ۳، ۴، ۵) میں ۱۸ سال کی بیٹی اور ۱۳ سال کے بیٹے کا حق پرورش تو باپ کو ہے اور ۶ سالہ بیٹے کا حق پرورش ماں کو ہے اگر وہ فاسقہ نہ ہو اور بچے کے نامحرم سے نکاح نہ کرلیا ہو۔ بصورتِ دیگر اس کا حق پرورش بھی باپ (یعنی آپ کو) ہے لہٰذا جس صورت میں بچہ ماں کے پاس ہو اس میں بھی بچے کو ماں باپ سے حسن سلوک کا حکم ہے لہٰذا اولاد کو باپ سے میل جول ترک نہیں کرنا چاہیئے نیز باپ کو جبراً اپنے بچوں سے ملنے سے منع کرنا بھی جائز نہیں اور بیوی کا یہ کہنا کہ "اگر بچے میرے پاس رہیں گے تو تم ان کے لئے مرگئے" یہ درست نہیں۔ اولاد کیلئے باپ سے کلیۃً میل جول ترک کردینا جائز نہیں۔

(۶) شرعاً نذر کے وجوب کیلئے فقہاء کرام نے چند شرائط ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی جارہی ہے اس کا مثل کوئی واجب موجود ہو ورنہ اس نذر کو پورا کرنا ضروری نہ ہوگا۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کام کے ہونے پر روزہ رکھنے کی نذر مانے تو یہ روزہ رکھنا واجب ہوگا کیونکہ اس کا مثل رمضان کے واجب (فرض) روزے موجود ہیں تو یہ نذر کا روزہ بھی ضروری ہوگا البتہ اگر کوئی یہ نذر مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں مثلاً پل بناؤں گا تو اس پر پل بنانا ضروری نہ ہوگا اور یہ نذر واجب نہ ہوگی کیونکہ خارج میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے (یعنی یہ واجب کی جنس میں سے نہیں ہے) لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ بچے کو حافظِ قرآن بنانا واجب نہیں تو اسکی نذر ماننے سے بھی یہ نذر واجب نہ ہوگی البتہ اگر تبرعاً پورا کرلیں تو اچھی بات ہے کیونکہ یہ بہت اونچا مرتبہ ہے اور خوش قسمتی کی واضح علامت ہے اور حافظ بچے کے والدین کے لئے بھی احادیث میں بہت سی بشارتیں ذکر ہوئی ہیں۔

(۷) ساتویں نمبر میں بچی اگر نابالغہ ہو تو اس کے نکاح کا حق خالصۃً باپ کو ہوتا ہے ماں کا اس میں کوئی دخل نہیں لیکن اگر لڑکی بالغہ ہو تو وہ اپنے نکاح کے معاملے میں خود مختار ہے جہاں چاہے خود اپنا نکاح کرسکتی ہے البتہ بالغہ لڑکی کیلئے مستحب یہ ہے کہ اپنے نکاح کے

Marfat.com

معاملے کو اپنے ولی کے سپرد کر دے یہی شرفاء کا طریقہ ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ بالغہ لڑکی کفوء میں نکاح کرنے میں خود مختار ہے غیر کفوء (دین، مال، پیشہ وغیرہ میں کم تر) سے نکاح باپ کی اجازت کے بغیر مفتی بہ قول کے مطابق منعقد نہ ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۳):وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔

(الاسراء: ۲۳):وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا۔

(النساء: ۳۴): الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَّبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ ۔الآية۔

وفی الدرالمختار(۵۶۶،۵۶۷/۳): (والحاضنة) أما أو غيرها(أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساءوقدر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب --- (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية --- (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقا زيلعي (وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة كذلك) وبه يفتى لكثرة الفساد زيلعي۔

وفی الشامية (۷۳۶/۳):قوله (وهذا هو الضابط) الإشارة إلى ما ذكره من أن ما ليس من جنسه فرض لا يلزم وعبارة الدرر المنذور إذا كان له أصل في الفروض لزم الناذر كالصوم والصلاة والصدقة والاعتكاف وما لا أصل له في الفروض فلا يلزم الناذر كعبادة المريض وتشييع الجنازة ودخول المسجد وبناء القنطرة والرباط والسقاية ونحوها وهذا هو الأصل الكلي۔

(۴۴۳) لڑکے کا والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر لینے کا حکم

سؤال

لڑکے کا رشتہ اس کے گھر والوں نے لگا دیا ہے مگر وہ وہاں شادی نہیں کرنا چاہتا ہے لڑکا اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا ہے جس سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ لڑکی بھی راضی ہے اس کے گھر والے بھی راضی ہیں لڑکے کے گھر والے راضی نہیں اگر لڑکا زبردستی شادی کرنا چاہے تو شادی درست ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا جواب دیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

والدین ہمیشہ اپنی اولاد کی بہتری اور بھلائی کیلئے سوچتے ہیں، اس لئے نکاح کرنے میں بھی ان کی رائے کو مقدم رکھنا چاہیئے، لیکن اگر کوئی عاقل بالغ آدمی اپنا نکاح خود کرنا چاہے، تو شریعت نے اس کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر لڑکا عاقل بالغ ہے تو وہ اپنا نکاح خود کر سکتا ہے البتہ مذکورہ لڑکے کیلئے زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ وہ اپنے والدین کی رائے کو ترجیح دے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۳): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفی صحیح البخاری (۷۷۱/۲): باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا :عن أبي سلمة، أن أبا هريرة رضی اللہ عنہ حدثهم: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن قالوا: يا رسول الله، وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت۔

وفی الدر المختار (۵۶/۳): والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا۔

وفی الشامیة تحته: (والأصل الخ) عبارة البحر والأصل هنا أن كل من يجوز تصرفه في ماله بولاية نفسه الخ فإنه يخرج الصبي المأذون فإنه وإن جاز تصرفه في ماله لكن لا بولاية نفسه لكن يرد على العكس المحجورة فإنها تملك النكاح وإن لم تملك التصرف في مالها على قولهما بالحجر على الحر فالأصل مبني على قول الإمام تأمل۔

(۴۴۴) بالغہ لڑکی کی ماں کا باپ کی رضامندی کے خلاف کسی جگہ نکاح کرنا

سوال

ایک عورت بریرہ کو شوہر نے گھر سے تین مرتبہ الگ الگ ٹائم پر نکال دیا یعنی ایک بار نکالنے کے بعد پھر گاؤں والوں نے فیصلہ کیا پھر گھر میں رکھ لیا پھر کچھ عرصے بعد پھر نکال دیا پھر فیصلہ ہوا پھر نکال دیا پھر اس عورت بریرہ کے والدین اور بھائیوں کو گاؤں والوں نے بولا کہ یہ آدمی بہت ظالم ہے اپنی بیٹی کو طلاق دلواؤ، اُس عورت بریرہ کے والدین اور گاؤں کا خان اور گاؤں والوں نے یہی فیصلہ کیا لیکن اس عورت بریرہ کو یہ فیصلہ منظور نہیں تھا اور وہ بولتی کہ کوئی بات نہیں ہے وہ اگر مجھ کو اپنے گھر میں نہیں رکھتا تو میں اپنے والدین کے گھر رہ لوں گی لیکن طلاق نہیں دلواؤ، میں اسی کے نام پر ساری زندگی گزار دوں گی ابھی آٹھ سال ہوئے ہیں کہ یہ عورت بریرہ اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہے اس سب واقعے میں غلطی لڑکی کی نہیں ہے گاؤں والے گاؤں کے خان اور معزز لوگوں نے لڑکے کو تین بار ملامت کیا ہے لیکن لڑکے نے کسی کی نہیں سنی اور دوسری شادی کر لی کچھ عرصے کے بعد تیسری شادی کر لی۔

Marfat.com

اب سوال یہ ہے کہ اس عورت بریرہ کے دو بیٹے ہیں جو نابالغ ہیں اور ایک بچی یعنی لڑکی جمیلہ ہے جس کی عمر تقریباً ۱۴ سال ہے، لڑکی جمیلہ کی منگنی تقریباً تین سال پہلے ہوگئی ہے جبکہ ان کے باپ دادا کو یہ منگنی منظور نہیں تھی اور اب لڑکی جمیلہ کی شادی ہورہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ شادی میں باپ یا دادا ولی بنتا ہے چونکہ باپ دادا کو شادی نامنظور ہے اور وہ ادھر کراچی میں بھی نہیں۔ کیا اس صورت میں لڑکی جمیلہ کی ماں بریرہ کا باپ یعنی لڑکی کا نانا ولی بن سکتا ہے؟ اس کے ولی بننے سے نکاح ہوگا؟ برائے مہربانی اس الجھن سے نکال دیجئے اور لڑکی لڑکا شکل وصورت، اخلاق اور دینداری اور حیثیت میں بالکل برابر ہیں صرف لڑکا سید اور لڑکی غیر سید ہے۔ ایک اور بات جس لڑکی جمیلہ کی شادی لڑکے حارث سے ہورہی ہے اس کے بدلے میں لڑکے حارث نے اپنی بھتیجی لڑکی جمیلہ کے بھائی کو دی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کے نکاح کرانے کا اختیار باپ یا دادا کو ہوتا ہے اگرچہ بالغ لڑکی اپنا نکاح اپنی مرضی سے کرسکتی ہے لیکن جو نکاح (ولی) باپ اور دادا کے مشورہ اور اجازت سے ہوتا ہے اس میں زیادہ خیر وبرکت ہوتی ہے۔ ہاں اگر باپ ظالم ہو اور معلوم ہو کہ وہ لڑکی کا نکاح کہیں اچھی جگہ نہیں کرے گا تو پھر دادا کے مشورہ سے نکاح کرنا چاہیئے لیکن اگر بالفرض بالغہ لڑکی کا نکاح لڑکی کا نانا یا والدہ کرادیں تو وہ نکاح منعقد ہوجائے گا، باپ، دادا اس کو فسخ نہیں کرسکتے، لیکن اگر غیر کفوء میں نکاح کرائیں تو نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا غیر کفوء میں نکاح کرنے کیلئے باپ اور اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا[1] کی اجازت کا حصول ضروری ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ مذکورہ لڑکا لڑکی کے کفوء سے بڑھ کر ہے اور مذکورہ لڑکی بالغہ بھی ہے اس وجہ سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور باپ دادا کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

(۲) ادلے بدلے کے ساتھ جو نکاح کئے جاتے ہیں وہ منعقد ہوجاتے ہیں بشرطیکہ مہر متعین ہو۔

لمافی البخاری (۲/۷۶۶): عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشغار والشغار أن يزوج الرجل ابنته على أن يزوجه الآخر ابنته، ليس بينهما صداق۔

وفی البخاری (۲/۷۶۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك "

وفی الدرالمختار (۳/۵۵): (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي) والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (وله) أي للولي ـــ (الاعتراض في غير الكفء) فيفسخه القاضي ويتجدد بتجدد النكاح ـــ (ويفتى) في غير الكفء بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى

[1] مسئلہ کی مدلل وضاحت کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد میں فتوی بنام "القضية السالبة اذا أنكح الجدُّ فی غير الكفوء البالغة" ملاحظہ ہو، اس میں مسئلے کی مکمل وضاحت موجود ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

(لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولي بعد معرفته إياه فليحفظ۔

وفي الشامية (۸۴/۳): قوله (من جانبه الخ) أي يعتبر أن يكون الرجل مكافئا لها في الأوصاف الآتية بأن لا يكون دونها فيها ولا تعتبر من جانبها بأن تكون مكافئة له فيها بل يجوز أن تكون دونه فيها ۔۔۔ فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مكافئة له أو لا فإنه صحيح لازم۔

(۴۴۵) من پسند شادی کرنے پر لڑکی سے قطع تعلق کا حکم

سؤال

ہمارے علاقے میں ایک لڑکی کا رشتہ اس کے سرپرست چچازاد سے کرنا چاہتے تھے لڑکی ناسمجھ اور کسی غیر برادری کے لڑکے پر عاشق تھی سرپرستوں نے جب زیادہ سختی کی تو ایک شام وہ لڑکی بغیر بتائے اس لڑکے کے ساتھ کورٹ میرج کے لئے نکل گئی۔ کورٹ میرج کے بعد اب لڑکی کے بھائی اس سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔ جینا مرنا الگ کر لیا ہے؟ مفتی صاحب آپ سے مسئلے کا حل دریافت کرنا ہے، کیا بھائیوں کا جینا مرنا ختم کر دینا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی اور لڑکے کی شادی کے معاملات کو جس احسن اور اکمل طریقے سے والدین اور سرپرست انجام دے سکتے ہیں یہ محال ہے کہ وہ لڑکا یا لڑکی خود اس طرح کا عقد کر سکیں۔ شریعت نے شادی کے معاملے کو اولیاء کے سپرد کرنے کی ترغیب دی ہے، علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"فیستحب فی حقھا تفویض الأمر الی ولیھا کیلا تنسب الی الوقاحة"

(الطحطاوی علی الدر المختار ۲۶/۲)

"عورت کیلئے بہتر یہ ہے کہ اپنے نکاح کے معاملے کو ولی کے سپرد کر دے تاکہ بے حیائی کا عیب نہ لگایا جائے۔"

آج کل موبائل فون اور دیگر جدید ذرائع نے جہاں اور بہت سے تشویشناک مسائل کھڑے کر دیئے ہیں وہاں نوجوانوں کے استعمال میں ان چیزوں کا آنا اور روابط کا پیدا ہونا بھی ان میں سے ایک ہے اور پھر بالآخر نوبت سرپرستوں کی رسوائی اور کورٹ میرج تک پہنچ جاتی ہے جو زندگیوں میں ایسی دراڑ لگا دیتی ہے جس کا ازالہ تاحیات مشکل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اولاً اولیاء کو چاہیئے کہ اپنے بچوں خاص طور پر لڑکیوں کی صحیح اسلامی نقوش پر تربیت کریں ان کے رہن سہن، تعلیم گاہوں اور

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

... قال: الأيم أحق بنفسها من وليها والبكر تستأذن في نفسها وإذنها صماتها

وفي ... قوله ﷺ: "لا تنكح البكر حتى تستأذن" ... على أن البكر ... لا يجبرها أبوها ولا غيره

وفي مشكوة المصابيح ... عن أبي أيوب الأنصاري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا وخيرهما الذي يبدأ بالسلام" متفق عليه

وفي الدر المختار ... ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان

(۲۲۰) باپ اور دادا اگر نابالغہ کے نکاح کی اجازت نہ دیتے ہوں

سوال

[illegible] ... لڑکی ... اپنے بھتیجے کے

لڑکے سے کرنا چاہتی ہے۔لڑکی نابالغہ ہے۔اب لڑکی کا باپ اور دادا کہتے ہیں نکاح کرنا ہے تو کردو لیکن ہماری اجازت نہیں، نہ ہم آئینگے۔مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے یہ بتایا ہے کہ بغیر باپ اور دادا کی اجازت کے یہ نکاح کا لعدم ہوگا۔باپ اور دادا تو اجازت دے نہیں رہے لہذا مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ کیا نکاح کرادیا جائے اور باپ دادا کچھ نہ کہیں تو یہ عملاً اجازت نہ کہلائے گی؟ صرف منہ سے کہتے رہنا اجازت نہیں دیتا کیا یہ عدم اجازت شمار ہوگی؟ تقریباً کئی سالوں سے باپ دادا بچی سے نہیں ملے۔بس اب نکاح کے وقت یہ کہہ رہے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بہتر یہ ہے کہ لڑکی کے بالغ ہونے کا انتظار کرلیا جائے اور بالغ ہونے کے بعد اس کی مرضی سے اس کا رشتہ طے کرلیا جائے۔ یہی اس مسئلے کا آسان حل ہے بلوغت سے پہلے نکاح مفاسد سے خالی نہیں ہوتا لہذا اس سے پرہیز کریں۔

لما فی الهندیة(۱/۲۸۵): باب الاولیاء الخ: وأجمعوا أن الأقرب إذا عضل تنتقل الولاية إلى الأبعد كذا في الخلاصة غاب الولي أو عضل أو كان الأب أو الجد فاسقا فللقاضي أن يزوجها من كفء كذا في الوجيز للكردري --- وإن زوج الصغير أو الصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضرا وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته وإن لم يكن من أهل الولاية بأن كان صغيرا أو كان كبيرا مجنونا جاز۔

وفی الشامیة(۳/۸۲): ذكر في أنفع الوسائل عن المنتقى إذا كان للصغيرة أب امتنع عن تزويجها لا تنتقل الولاية إلى الجد بل يزوجها القاضي ونقل مثله ابن الشحنة عن الغاية عن روضة الناطفي وكذا المقدسي عن الغاية والنهر عن المحيط والفيض عن المنتقى وأشار إليه الزيلعي حيث قال في مسألة تزويج الأبعد بغيبة الأقرب وقال الشافعي بل يزوجها الحاكم اعتبارا بعضله وكذا قال في البدائع إن نقل الولاية إلى السلطان أي حال غيبة الأقرب باطل لأنه ولي من لا ولي له وها هنا لها ولي أو وليان فلا تثبت الولاية للسلطان إلا عند العضل من الولي ولم يوجد وكذا فرق في التسهيل بين الغيبة والعضل بأن العاضل ظالم بالامتناع فقام السلطان مقامه في دفع الظلم بخلاف الغائب خصوصا للحج ونحوه في شرح المجمع الملكي وبه أفتى العلامة ابن الشلبي فهذه النقول تفيد الاتفاق عندنا على ثبوتها بعضل الأقرب للقاضي فقط۔ وأما ما في الخلاصة والبزازية من أنها تنتقل إلى الأبعد بعضل الأقرب إجماعا فالمراد بالأبعد القاضي لأنه آخر الأولياء فالتفضيل على بابه وحمله في البحر على الأبعد من الأولياء ثم ناقض نفسه بعد

Marfat.com

سطرين بقوله قالوا وإذا خطبها كفء وعضلها الولي تثبت الولاية للقاضي نيابة عن العاضل فله التزويج وإن لم يكن في منشوره اھ۔

(۴۴۷)مرحوم باپ کے کئے نکاح کو بھائیوں کا وعدہ نکاح کہنا

سؤال

اگر باپ نے اپنی چھوٹی بچی کا نکاح کسی لڑکے سے کر دیا ہو، اور باپ کے مرنے کے بعد اس لڑکی کے بھائی یہ کہیں کہ ہمارے باپ نے صرف وعدہ کیا تھا کہ میں فلاں لڑکے کو اپنی بیٹی دوں گا نہ کہ یہ کہا تھا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح فلاں لڑکے سے کر دیا ہے، کیا ان بھائیوں کا یہ کہنا صحیح سمجھا جائے گا اور ان کی بات مانی جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب باپ اپنی چھوٹی بچی کا نکاح گواہوں کی موجودگی میں کر دے تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور سن بلوغت کے بعد بھی بچی کو نکاح کے فسخ کا اختیار نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر باپ نے گواہوں کی موجودگی میں اپنی چھوٹی بچی کا نکاح کر دیا تھا تو نکاح کے صحیح ہونے کی وجہ سے بھائیوں کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا لیکن اگر نکاح پر کوئی دلیل یا گواہوں کی شہادت موجود نہیں ہے تو بھائیوں کی بات کا اعتبار ہوگا۔

لمافی الهندية (۲۸۵/۱): فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار العتق كذا في الهداية۔

وفی الدرالمختار(۲۷/۳):(ولو بعث) مريد النكاح (أقواما للخطبة فزوجها الأب) أو الولي (بحضرتهم صح) فيجعل المتكلم فقط خاطبا والباقي شهودا به يفتى فتح۔

وفی الشامية (۶۵/۳):قوله (إنكاح الصغير والصغيرة) قيد بالإنكاح لأن إقراره به عليهما لا يصح إلا بشهود أو بتصديقهما بعد البلوغ۔

(۴۴۸)عورت مہر مثل سے کم پر نکاح کر لے تو اولیاء کیلئے فسخ کا اختیار

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے ایک آدمی سے مہر مثل سے کم پر نکاح کیا

Marfat.com

تو کیا اولیاء کو فسخ کا اختیار ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر وہ مرد کفوء نہیں تو نکاح ہی کالعدم ہے اور اگر وہ شخص لڑکی کا کفوء ہے تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے یا تو مہر مثل کو پورا کرے یا نکاح فسخ کروالیا جائے۔ نکاح کو قاضی یا جج فسخ کرے گا۔

لمافی الدرالمختار (۹۴/۳): (ولو نكحت بأقل من مهرها فللولي) العصبة (الاعتراض حتى يتم) مهر مثلها (أو يفرق) القاضي بينهما دفعا للعار۔

وفی الشامية تحته: قوله (بأقل الخ) أي بحيث لا يتغابن فيه وقدمنا تفسيره في الباب السابق قوله (فللولي العصبة) أي لا غيره من الأقارب ولا القاضي ـــ قوله (دفعا للعار) أشار إلى الجواب عن قولهما ليس للولي الاعتراض لأن ما زاد على عشرة دراهم حقها ومن أسقط حقه لا يعترض عليه ولأبي حنيفة أن الأولياء يفتخرون بغلاء المهور ويتعيرون بنقصانها فأشبه الكفاءة بحر والمتون على قول الإمام۔

(۴۴۹) بچوں کی شادی کیلئے قرض لینے کا حکم

سؤال

لڑکا اور لڑکی بالغ اور شادی کے قابل ہو گئے مگر باپ اتنا باحیثیت نہیں تو کیا قرض لے کر شادی کر سکتا ہے؟ یا اتنا پیسہ آجانے تک بچے کی شادی کو مؤخر کرے اور مال آنے کے بعد شادی کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو چکے ہیں تو باپ کو مالداری کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ مال کا آنا ہی اولاً ایک موہوم امر ہے، ثانیاً یہ باپ کے ذمے نہیں کہ لڑکے کی شادی میں پیسوں کا بندوبست کرے بلکہ یہ لڑکے کی ذمہ داری ہے یا پھر شریعت کے مطابق سادگی سے شادی میں مہر، ولیمہ وغیرہ کے خرچے کا قرض لے (بشرطیکہ لڑکے کو اپنے پر غالب گمان ہو کہ شادی کے بعد تنخواہ وغیرہ کے پیسوں سے یہ قرض چکادوں گا) لیکن لڑکا اگر قرض بھی نہ لے سکتا ہو تو روزے رکھے اور اپنی شہوت کو دبائے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں لڑکا اگر برسرِ روزگار ہے تو باپ کو سادگی سے اس کی شادی کر کے عہدہ برآ ہو جانا چاہیئے ورنہ لڑکے سے کہے کہ کہیں سے اپنی شادی میں مہر وغیرہ کے خرچ کا بندوبست کرو البتہ باپ کو قرض لینے کی ضرورت نہیں۔ نیز شادی کا معاملہ خود ایسا ہے کہ خالقِ دو جہاں نے وعدہ فرمایا ہے کہ شادی کرلو اگر فقیر ہو گئے تو (اس نکاح کی برکت سے) اللہ تمہیں مال دے، گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد

Marfat.com

ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ. (سورة النور:٣٢)

"اور نکاح کردو اپنے میں سے بے نکاحوں کا اور اپنے نیکوکار غلام اور باندیوں کا اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کردے گا۔"

لہٰذا پیسوں کی فراوانی کے انتظار میں شادی میں تاخیر کرنا درست نہیں۔

لمافي المشكوة (ص:٢٦٧): عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء "

وفيه أيضاً(ص٦١): عن علي رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " يا علي ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا أتت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفؤا ". رواه الترمذي

وفيه أيضاً(ص٢٦٧): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض ". رواه الترمذي۔

وفيه أيضا(ص٢٦٧): عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " ثلاثة حق على الله عونهم: المكاتب الذي يريد الأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله ". رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه۔

وعن عائشة قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: " إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة ". رواهما البيهقي في شعب الإيمان۔

وفي مرقاة المفاتيح (٢٥٠/٦): [أيسره] أي أقله أو أسهله [مؤنة] أي من المهر والنفقة للدلالة على القناعة التي هي كنز لا ينفد ولا يفنى۔

وفي الشامية (٦/٣): قوله (وهذا إن ملك المهر والنفقة) هذا الشرط راجع إلى القسمين أعني الواجب والفرض ــ قلت ومقتضاه الكراهة أيضا عند عدم ملك المهر والنفقة لأنهما حق العبد أيضا وإن خاف الزنا لكن يأتي أنه يندب الاستدانة له قال في البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف اهـ ــ وينبغي حمل ما ذكر من ندب الاستدانة على ما ذكرنا من ظنه القدرة على الوفاء۔

Marfat.com

(۴۵۰) باپ شرابی ہو تو قاضی کے نکاح کرا دینے کا حکم

سؤال

ایک شخص شرابی ہے اور دوسرے برے کاموں میں مبتلا ہے اس کی ایک بچی ہے جو اس وقت تقریباً ۹ سال کی ہے وہ اپنی بیٹی کا نکاح ایک ایسے شخص سے کرنا چاہتا ہے جو اس سے بھی زیادہ فاسق وفاجر ہے۔ جب اس شخص کے بھائیوں کو علم ہوتا ہے تو وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے اور فیصلہ کو عدالت میں لے جاتے ہیں اور قاضی اس بچی کا نکاح ان بھائیوں کے ایک لڑکے سے کر دیتا ہے اور والد اس نکاح پر راضی نہیں ہے آیا اس طرح قاضی کا نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورتِ مسئولہ میں (جبکہ ایک شرابی شخص اپنی نابالغہ بچی کو اپنے ہی جیسے ایک فاسق وفاجر شرابی کے نکاح میں دینا چاہتا ہے تو) قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس بچی کا نکاح اس کے کفوء میں مہر مثل یا اس سے کچھ زیادہ میں کرا دے۔ قاضی نے اس بچی کا نکاح چونکہ اس کے چچازاد بھائی سے کر دیا ہے لہٰذا یہ نکاح درست اور منعقد ہے۔

لمافی المحیط البرهانی (۵۶/۴): (کتاب النکاح الفصل التاسع فی معرفة الاولیاء): وفي المنتقى قال محمد رحمه الله: إن كان للصغيرة والد أو جد لم يزوجهما القاضي، وإن كان الجد أو الأب فاسقاً ينبغي للقاضي أن يزوجهما من الكفء۔

وفی الهندية (۲۹۴/۱)(النکاح، باب الخامس فی الاکفاء): ولو زوج ولده الصغير من غير كفء بأن زوج ابنه أمة أو ابنته عبدا أو زوج بغبن فاحش بأن زوج البنت ونقص من مهرها أو زوج ابنه وزاد على مهر امرأته جاز وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في التبيين وعندهما لا تجوز الزيادة والحط إلا بما يتغابن الناس فيه قال بعضهم فأما أصل النكاح فصحيح والأصح أن النكاح باطل عندهما هكذا في الكافي والصحيح قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ـــ والخلاف فيما إذا لم يعرف سوء اختيار الأب مجانة أو فسقا أما إذا عرف ذلك منه فالنكاح باطل إجماعا وكذا إذا كان سكران لا يصح تزويجه لها إجماعا كذا في السراج الوهاج۔

وفی الشامية (۶۷/۳): قلت ومقتضى التعليل أن السكران أو المعروف بسوء الاختيار لو زوجها من كفء بمهر المثل صح لعدم الضرر المحض ومعنى قوله والظاهر من حال الصاحي أنه يتأمل أي أنه لوفور شفقته بالأبوة لا يزوج بنته من غير كفء أو بغبن فاحش إلا لمصلحة يزيد على

Marfat.com

هذا الضرر كعلمه بحسن العشرة معها وقلة الأذى ونحو ذلك وهذا مفقود في السكران وسيء الاختيار إذا خالف لظهور عدم رأيه وسوء اختياره في ذلك ـ

Marfat.com

رسالۃ

الجواب المختار

فی

کفاءۃ الرجل عند سوء الاختیار

باپ کا سوءِ اختیار واضح ہوجائے

لیکن لڑکا، لڑکی کا کفوء ہو تو اس صورت میں نکاح کا حکم

Marfat.com

(۴۵۱) باپ کا مجبوراً نابالغہ کا نکاح کرنا کالعدم ہے

سؤال

زیدرات کے وقت عشاء کے قریب بکر کے گھر میں گیا کسی کام سے، بکر کے رشتہ دار نے گھر میں جا کر زید کو پکڑ لیا اور شور کر دیا کہ زید بکر کی والدہ سے زنا کر رہا تھا جبکہ زید اور بکر کی والدہ اس بات کا انکار کر رہے ہیں، اگر شرعی گواہ بھی موجود ہوں یا گواہ تو نہیں ہیں مگر واقع میں زنا ہوا ہو تو اس جرم پر علاقہ کے سردار اور محلہ والے جمع ہو کر زید کے بھائی سے کہتے ہیں کہ اپنی لڑکی جو کہ چھوٹی ہے یعنی نابالغہ ہے اس کا نکاح بکر کے کسی بھی رشتہ دار یا شخص معین کے ساتھ کر دو وگرنا ہم دونوں عورت اور مرد کو گولی مار دیتے ہیں یا مرد کو یعنی زید کو گولی مارتے ہیں۔ زید کے رشتہ دار زید کے بھائی پر زبردستی کرتے ہیں کہ آپ لڑکی کا نکاح کر دو تا کہ یہ لڑائی ختم ہو جائے وگرنا بہت خون خرابہ ہوگا۔ زید کا بھائی اپنی نابالغہ لڑکی کا رشتہ بکر کے رشتہ دار سے کر دیتا ہے کیا یہ نکاح شرعاً درست ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

لڑکی کے والد نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنے بھائی کی ذاتی غرض کیلئے اور لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کیا ہے لڑکی پر عدم شفقت ظاہر اور متیقن ہونے کی وجہ سے لڑکی کیلئے خالص ضرر و نقصان ہے اور اس طرح بغیر کسی جائز مصلحت کے نکاح کر دینے کی وجہ سے اس کے ساتھ سوء اختیار معروف وغیر مشتبہ ہو گیا ہے اس لئے اس کا کیا ہوا نکاح باطل ہوگا۔

لمافی الفتاویٰ الخیریة (ص۲۳): لو زوج بنته من فقیر أو محترف حرفة دنیئة ولم یکن کفؤا فالعقد باطل فقصر المحقق ابن الھمام کلامھم علی الفاسق ممالا ینبغی وقد وقع فی أکثر الفتاویٰ فی ھذه المسئلة أن النکاح باطل فظاھره أنه لم ینعقدوفی الظھیریة یفرق بینھماولم یقل انه باطل وھو الحق ولذا قال فی الذخیرة فی قولھم فالنکاح باطل أی یبطل۔

وفی الشامیة (۳/۶۶): قوله (مجانة وفسقا) نصب علی التمییزوفي المغرب الماجن الذي لا یبالي ما یصنع وما قیل له ومصدره المجون والمجانة اسم منه والفعل من باب طلب اھ وفي شرح المجمع حتی لو عرف من الأب سوءالاختیار لسفھه أو لطمعه لا یجوز عقده إجماعا اھ۔

Marfat.com

(۴۵۲) مذکورہ بالا معروف بسوء الاختیار کا مسئلہ اور ایک استدراک کا جواب

سوال

مفتی صاحب! مجھے آپ سے ملحقہ فتویٰ سے متعلق چند تحفظات کا اظہار کرنا ہے:

(۱) فتوے میں لڑکے کا پتہ نہیں کہ صالح ہے یا بے دین؟ کفوء ہے یا عدم کفوء پھر اسے کس قانون کے تحت غیر کفوء قرار دے کر خیریہ کا غیر کفوء کا حوالہ درج کیا گیا ہے؟

(۲) اگر لڑکا صورت مسئولہ میں حقیقتاً کفوء ہو تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

(۳) ولی اگر غیر کفوء میں نابالغہ کا نکاح کر دے تو یہ نکاح منعقد کہا جاتا ہے جبکہ یہاں فتاویٰ خیریہ کے حوالے سے تو یہ نکاح باطل معلوم ہوتا ہے کیا یہ تضاد نہیں؟

(۴) فقہ میں تو مشہور اصطلاح معروف بسوء الاختیار ہونے کی ہے اور معروف تو دو یا تین بار کے بعد ہونا چاہیے تو آیا پہلی بار میں ہی اسے معروف قرار دینا درست ہے؟ کیا قاعدہ ہے؟ تفصیلاً ذکر کر دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ صورت درحقیقت نکاح ہی نہیں بلکہ یہ ایک طرح کی خرید و فروخت ہے جس میں کسی قسم کی شفقت اور مصلحت کو مدنظر نہیں رکھا گیا بلکہ معصوم بچی کو اپنے مقاصد کی بھینٹ چڑھایا گیا ہے جو کہ انتہائی خطرناک اور خدا کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے باپ یا دیگر کوئی ولی اس طرح ذاتی غرض کیلئے نابالغہ کا نکاح غیر کفوء یا مہر مثل سے کم پر کر دے تو یہ نکاح باطل ہوتا ہے اور کفوء میں بھی کرے تو نابالغہ کو خیارِ بلوغ ملتا ہے۔

(۱) عام طور پر ایسے مواقع پر لڑکا غیر کفوء ہی ہوتا ہے جو کہ بعد میں لڑکی کو مستقل ضرر اور خریدی ہوئی چیز سمجھ کر لعن طعن کا نشانہ بناتا ہے اسی بنیاد پر مذکورہ فتوے میں نکاح کو باطل قرار دیا گیا ہے اور باطل قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ایک ایسا شنیع فعل ہے جو معاشرے میں بہت سی برائیوں اور جھگڑوں کے پیدا کرنے کا سبب ہے بظاہر تو یہ عمل جھگڑا ختم کرتا ہے لیکن حقیقتاً اس میں ایک لڑکی کی زندگی داؤ پر لگا دی جاتی ہے جو کہ ظلم کی انتہاء ہے لہٰذا اس معاملے میں کوئی لچک دکھانا درست نہیں لگتا بلکہ جن علاقوں میں یہ قبیح حرکت رواج بن چکی ہے ادھر ایسے نکاح سے متعلق (باطل کو بمعنی فاسد لینے کے بجائے) مطلقاً باطل قرار دینا اور ممکن ہو تو ایسے افراد کو قانون کے ہاتھوں سزا دلوانا ضروری ہے۔ شرعاً ایک شخص زنا کرے تو سزا کسی اور کو نہیں ملتی، اسی طرح قصاص میں فقط قاتل کو قتل کیا جا سکتا ہے لیکن یہ ایک ایسا بھیانک رواج ہے جہاں جرم کی سزا مجرم کے بجائے کسی عاقل بالغ انسان کو بھی نہیں بلکہ ایک معصوم سی بچی کو اس سزا کی بھینٹ میں حوالے کر دیا جاتا ہے۔ یہ دین و دنیا کے ہر قانون سے ہٹ کر ایک بدترین اور غیر فطری حرکت ہے جس سے مکمل اجتناب ضروری

Marfat.com

ہے۔

(۲) باپ یا دادا اگر نابالغہ کا نکاح غیر کفوء میں عام حالات میں کردیں تو یہ نکاح منعقد ہوتا ہے اور اسے ہی عام طور پر منعقد کہا جاتا ہے باقی خیریہ میں ایسے لالچی اور مفاد پرست ولی (باپ وغیرہ) کا ذکر ہے جو اپنی غرض کیلئے نابالغہ کو حوالے کردیں اور بظاہر نکاح کردیا جائے جبکہ حقیقتاً اپنے جرم کی سزا بچی کو دی جارہی ہو ایسے باپ کا نکاح باطل ہے لہٰذا کوئی تضاد نہیں۔

(۳) سوء اختیار کا معروف ہونا کئی مرتبہ ایسی قبیح حرکت کرنے کا متقاضی نہیں بلکہ ایک مرتبہ بھی طمعِ زر یا ذاتی لالچ کیلئے ایسا نکاح کرنے سے باپ خود ہی معروف بسوء الاختیار ہو جائے گا۔ فقہاء کی عبارات میں اس عمل کا معروف ہونا مراد ہے نہ کہ اس شخص کا معروف ہونا۔ الغرض بعض علاقوں میں یہ ایسی قبیح رسم کی شکل اختیار کر چکی ہے کہ وہاں یہ کہنا کہ ایک لڑکی کا اس طرح نکاح معاف ہوگا پھر دوسری لڑکی کا اسطرح نکاح کرانے کے بعد ایسا باپ معروف بسوء الاختیار قرار دیا جائے گا یہ بعید از عقل اور اس شنیع رسم کو اور تقویت دینا ہے البتہ اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں اس رسم کا رواج [چچا وغیرہ کے کئے گناہ میں چھوٹی بھتیجی کو عوض میں دیا جانا] نہ ہو اور وہاں ایسی صورت پیش آجائے اور باپ کا شریف اور اچھا انسان ہونا معروف ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ پہلی بار یہ عمل مفعوعنہ ہے دوسری بار میں نکاح باطل ہوگا۔

بہر حال یہاں ایسے رواج کے پائے جانے کے وقت زنا اور قتل کے عوض میں نابالغہ بیٹی کو حوالے کرنا کسی طرح جائز نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ اس بچی کی پوری زندگی داؤ پر لگائی جارہی ہے، اسے پوری زندگی زنا کے عوض یا قتل کے بدلے حاصل لڑکی کے طعن سننے ہوں گے لہٰذا یہ نکاح قطعاً باطل ہے۔ بعض فقہاء نے ایک سے زائد مرتبہ ایسی حرکت کرنا معروف بسوء الاختیار ہونے کیلئے شرط قرار دیا ہے جو کہ محلِ نظر ہے۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"باپ کا سوء اختیار ایسا واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیار ہونے میں بھی ایسا یقین نہیں ہوسکتا اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار ہونے کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے یہ حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے بوجھتے ہوئے اس کے مصالح کے خلاف کر چکا ہو پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہو گیا کیونکہ اس وقت وہ سوء اختیار میں مشہور نہیں تھا دوسری لڑکی کا اس طرح نکاح کردے گا تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہوگا یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محلِ نظر ہے۔"

(منقول از احسن الفتاویٰ، ۵/۱۰۹)

اس سے آگے صفحے پر مسئلہ ہذا پر مزید بحث کرنے کے بعد فتاویٰ خیریہ کی تفصیلی عبارت نقل کر کے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"عبارتِ مذکورہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترکِ شفقت اور مسامحت یقینی ہو جائے تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی لازم نہ ہوگا خصوصاً فتح القدیر کے حوالے سے یہ جو لکھا گیا ہے لان ترك النظر ههنا مقطوع به، اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو یا دوسری مرتبہ، فقط ترکِ شفقت کا قطعی بلا اشتباہ ہونا کافی قرار دیا

Marfat.com

ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ فتح القدیر کی جو بحث علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے وہ محض ایک بحث ہی ہے ابن ہمام کا فتویٰ اور فیصلہ نہیں ہے۔"

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ "احسن الفتاویٰ" میں مفصل تحقیق فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"(۶) بطلانِ نکاح کی علت عدم النظر کا تیقن ہے جس کے لئے سوء اختیار کا محض تحقق و تیقن کافی ہے پس شہرت کی قید کی کیا ضرورت ہے؟

(۷) معروف بسوء الاختیار کو اس میں منحصر کرنا کہ باپ پہلے بھی ایسا کوئی عقد کر چکا ہو نہ کہیں منقول ہے اور نہ معقول

(۸) تزویج بالغبن الفاحش اور بغیر الکفء ولو کان فاسقا کو علی الاطلاق سوء اختیار قرار دینا صحیح نہیں بلکہ یہ صرف اس صورت میں سوء اختیار ہوگا جبکہ باپ کی طمع یا سفہ وغیرہ ظاہر ہو۔" (احسن الفتاویٰ ۵/۱۱۷)

آخر میں حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اب اس تحریر سے یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہوگیا کہ سیئی الاختیار باپ کا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔"

لہٰذا صورت مسئولہ میں منسلکہ فتوے میں اس خطرناک رسم اور کسی اور کے جرم کے عوض معصوم لڑکی کو حوالے کرنے پر یہ دیکھنا کہ لڑکا کفوء ہے یا نہیں بے معنی تھا لہٰذا علی الاطلاق نکاح کے بطلان کا حکم لگا دیا گیا۔

لما فی الهداية (۳۲۸/۲): (ويجوز نكاح الصغير والصغيرة إذا زوجهما بكرا كانت الصغيرة أو ثيبا) ـــ فإن زوجهما الأب أو الجد ـــ (فلا خيار لهما بعد بلوغهما) لأنهما كاملا الرأي وافرا الشفقة فيلزم العقد كما إذا باشراها برضاهما بعد البلوغ۔

وفی منحة الخالق (۲۳۶/۳): قوله (يعنى لو زوج الأب الصاحى) قال الرملى: لو زاد على هذا الذى لم يعرف بسوء الاختيار لكان أولى ـــ وما هنا فى نفى الجواز عند فقد الشرط المذكور ومقتضاه أنه لو كان معروفا بسوء الاختيار فزوج من كفوء بمهر المثل يصح إذ لم يظهر منه ما ينافى الشفقة الخ۔

وفی الفتاوىٰ الخيرية (ص۲۲) باب الأولياء والأكفاء: (سئل) فى الأب إذ اعلم منه سوء الاختيار وعدم النظر فى العواقب إذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخير والشر بغير كفؤهل يصح ام لا (اجاب) قال ابن فرشته فى شرح المجمع لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه او لطمعه لا يجوز عقده اتفاقا ومثله فى الدرر والغرر وقال فى البحر فى شرح قول الكنز ولو زوج طفله غير كفوء أو بغبن فاحش صح ولم يجز ذلك لغير الاب والجد اطلق فى الأب والجد وقيده الشارحون وغيرهم بأن لايكون الأب معروفا بسوء الاختيار حتى لو كان معروفا بذلك مجانا أو

Marfat.com

فسقا فالعقد باطل على الصحيح۔

وفی الشامية (۳/۶٦): قوله (مجانة وفسقا) نصب على التمييز وفي المغرب الماجن الذي لا يبالي ما يصنع وما قيل له ومصدره المجون والمجانة اسم منه والفعل من باب طلب اھ وفي شرح المجمع حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده إجماعا اھ۔

Marfat.com

(۴۵۳) نابالغہ بیٹی کے نکاح کا کسی شخص کو وکیل بنانا

سؤال

ہمارے علاقے میں ایک صاحب ہیں ان کی ایک بچی ہے انہوں نے اپنی ۷ سال کی بچی کا نکاح کرانے کا وکیل ایک علاقے کے عالم کو بنا دیا وہ صاحب خود دعوت وتبلیغ سے منسلک ہیں۔ علاقے کے لوگوں میں تنفر پایا جاتا ہے کہ جب خود موجود ہے تو دوسرے کو وکیل بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ ان کا دعوت وتبلیغ کا کام بھی متاثر ہو رہا ہے۔ آپ حضرات سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا اس شخص کا عمل درست ہے اور اس پر ان سے قطع کلامی کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب "ہدایۃ" میں مصنف علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"كل عقد جاز أن يعقده الإنسان بنفسه جاز أن يوكل به غيره لأن الإنسان قد يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الأحوال فيحتاج إلى أن يوكل غيره"

"ہر وہ عقد جسے انسان خود انجام دے سکتا ہو اس کا وکیل بنانا بھی درست ہے کیونکہ بعض اوقات انسان ایک کام خود کرنے سے عاجز ہوتا ہے تو اسے کسی شخص کو وکیل بنانے (اور اس کی خدمات حاصل کرنے) کی ضرورت پڑتی ہے۔"

(ہدایۃ: ۳/۱۸۵)

لہٰذا ۷ سال کی بچی کا نکاح کرانا جب خود باپ کیلئے جائز ہے تو وہ کسی بھی شخص کو اس کا وکیل بنا سکتا ہے عین ممکن ہے کہ بوجوہ باپ خود اس کاروائی کو انجام تک پہنچانے کی پوزیشن میں نہ ہو، لہٰذا صرف اس بات پر کہ "خود موجود ہوتے ہوئے اس نے کسی شخص کو اپنی بچی کے نکاح کا وکیل کیوں بنایا" اس شخص سے قطع کلامی کرنا جائز نہیں۔

البتہ مسئلے کا ایک دوسرا رخ ہے وہ یہ کہ اتنی چھوٹی بچی جو بلوغت کی عمر تک نہیں پہنچی ہو اس کا نکاح کرا دینا بسا اوقات بلوغت کے بعد بہت سے مسائل کھڑے کر دیتا ہے مثلاً لڑکے، لڑکی کی پسند بدل جانا، باپ کی رائے تبدیل ہو جانا، خاندانی جھگڑے وغیرہ عوارض ہیں جو پیش آسکتے ہیں لہٰذا باپ کو چاہیئے کہ چند سال اور انتظار کرے اور لڑکی کو بلوغ اور شعورِ کامل کی عمر تک پہنچنے دے پھر کسی شخص کو نکاح کا وکیل بنا دے تو یہ زیادہ مناسب ہے تاکہ بعد میں کسی کشیدگی کا سامنا نہ کرنا پڑے البتہ ۷ سال کی عمر میں جو وکیل بنایا ہے وہ بھی شرعاً درست ہے، وکیل اگر نکاح پڑھا دیتا ہے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا اور علاقے والوں کو خواہ مخواہ ناراض نہ ہونا چاہیئے۔

لما في مشكوة المصابيح(ص۴۲۷): عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا يحل للرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا وخيرهما الذي يبدأ

Marfat.com

بالسلام". متفق عليه

وفی الشامية (۲۴/۳): الوكيل في النكاح سفير ومعبر ينقل عبارة الموكل فإذا كان الموكل حاضرا كان مباشرا لأن العبارة تنتقل إليه وهو في المجلس وليس المباشر سوی هذا۔

(۴۵۴) جوان اولاد کا اپنا نکاح خود کرنے کا حکم

سوال

اولاد جب جوان ہوجائے تو کیا وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا انکا کیا ہوا نکاح والدین کی اجازت پر موقوف رہے گا یا نہیں؟ ہمارے علاقے میں بعض لوگوں کا رواج ہے کہ والدین لڑکا اور لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کردیتے ہیں حالانکہ وہ اس پر راضی نہیں ہوتے اور لڑکا تو بسا اوقات صاف انکار بھی کردیتا ہے مگر لڑکی بیچاری والدین کی عزت کا خیال کرتے ہوئے انکار تو نہیں کرتی، اور دلی طور پر راضی بھی نہیں ہوتی ہاں اگر لڑکی بھی انکار کردے تو کیا والدین اپنے کئے ہوئے نکاح پر ان کو مجبور کرسکتے ہیں؟ نیز کورٹ میرج میں کیا ہوا نکاح بھی والدین کی اجازت پر موقوف رہے گا یا نہیں جبکہ نکاح بھی کفوء میں کیا گیا ہو؟

الجواب بعون الملک الوهاب

بالغ اولاد کا نکاح والدین کی اجازت کے بغیر منعقد ہوجاتا ہے ان کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا، البتہ اولاد کو شادی بیاہ کے معاملہ میں والدین کی رضامندی وچاہت کا خیال رکھنا چاہیئے۔ چونکہ والدین اپنی اولاد کے لئے خیر کے فیصلے ہی فرماتے ہیں اور والدین کو بھی بالغ اولاد کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیئے اور ان کی پسند وناپسند کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے تاکہ بعد میں پریشانی وپچھتاوے کا باعث نہ بنے اگر والدین بالغ اولاد کا نکاح ان سے پوچھے بغیر کردیں تو وہ اولاد کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اجازت دیدی تو ہوجائے گا ورنہ نہیں، اور والدین اپنے کئے ہوئے نکاح پر ان کو مجبور بھی نہیں کرسکتے۔

کورٹ میرج (نکاح) اگر شرعی طریقہ کے مطابق کفوء (مال وپیشہ میں برابری) میں کیا گیا ہو تو بلا اجازت والدین منعقد ہوجائے گا البتہ اگر لڑکی کورٹ میرج کرے تو پھر لڑکے کا کفوء ہونا بھی ضروری ہے ورنہ ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا بہرحال علی الاعلان برادری کے سامنے نکاح کرنا شریعت میں پسندیدہ ہے۔

لمافی الهندية (۲۸۷/۱): نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى في ظاهر الرواية كذا في التبيين ـ ـ ـ لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكرا كانت أو ثيبا فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردته بطل۔

Marfat.com

وفی الدرالمختار(۳/۵۵): (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي) والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (وله) أي للولي ـــ (الاعتراض في غير الكفء) فيفسخه القاضي ويتجدد بتجدد النكاح ـــ (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) ـــ (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ۔

وفی الشامیة (۳/۸۶): ونظم العلامة الحموي ما تعتبر فيه الكفاءة فقال:

إن الكفاءة في النكاح تكون في ست
لها بيت بديع قد ضبط
نسب وإسلام كذلك حرفة
حرية وديانة مال فقط

(۴۵۵) کورٹ میرج کے وقت باپ کا خاموش رہنا اور سال بعد انکار کر دینا

سؤال

ایک عورت نے غیر کفوء میں نکاح کیا اور اس کے ولی نے کوئی اعتراض نہ کیا یہاں تک کہ اس عورت کا ایک بچہ بھی ہوگیا۔ پھر بچہ کے پیدا ہونے کے بعد ولی کہتا ہے کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتا ہوں آیا اس طرح نکاح فسخ ہوگا اور جب ولی نے سکوت اختیار کیا تو یہ اسکے راضی ہونے کی دلیل تھی یا نہیں؟ اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ ولی کو حق فسخ نکاح حاصل تھا لیکن ولی نے علم ہونے کے باوجود سکوت اختیار کیا۔ یہاں تک کہ عورت کا بچہ پیدا ہوا تو اب اگر چہ ولی نے صراحتاً اجازت نہیں دی ہے لیکن ولی کی طرف سے اتنی تاخیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی دلالۃً راضی ہے اب اس کو حق فسخ نکاح حاصل نہیں ہے لہذا نکاح منعقد ہوگا اور بچہ ثابت النسب ہوگا۔

لمافی الدرالمختار، باب الولی (۳/۵۶): (وله) أي للولي ـــ (الاعتراض في غير الكفء) ـــ (ما لم) يسكت حتى (تلد منه) لئلا يضيع الولد وينبغي إلحاق الحبل الظاهر به (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)۔

وفی الشامیة تحته: قوله (ما لم يسكت حتى تلد) زاد لفظ يسكت للإشارة إلى أن سكوته قبل الولادة لا يكون رضا وأن هذه ليست من المسائل التي نزل فيها السكوت منزلة القول كما

Marfat.com

ستأتي الإشارة إليها ويفهم منه أنه لو لم يسكت بل خاصم حين علم فكذلك بالأولى فافهم لكن يبقى الكلام فيما لو لم يعلم أصلا حتى ولدت فهل له حق الاعتراض ظاهر المتن لا وظاهر الشرح نعم تأمل قوله (لئلا يضيع الولد) أي بالتفريق بين أبويه فإن بقاءهما مجتمعين على تربيته أحفظ له بلا شبهة فافهم۔

(۴۵۶) مذکورہ فتوے پر ایک مفتی صاحب کے اشکال کا جواب

سؤال

مفتی صاحب! آپ کے دارالافتاء کا مذکورہ مسئلہ مجھے موصول ہوا سوال میں ذکر تھا کہ لڑکا غیر کفوء ہے اور جہاں تک میری معلومات ہیں (میں ایک مدرسے کا فاضل ہوں اور کتب فقہ میں یہ مسئلہ پڑھا ہے) کہ غیر کفوء میں تو عندالحنفیہ نکاح کالعدم ہوتا ہے جبکہ فاضل مفتی صاحب نے نکاح کو منعقد ہی نہیں بلکہ بعد از ولادت لڑکی کے باپ کے حق فسخ کو بھی ختم کر دیا ہے جو کہ بندے کو درست معلوم نہیں ہوتا اس طرح تو بہت سے مفاسد کھڑے ہوجائیں گے آپ حضرات بڑے ہیں اور صاحب فتوی ہیں اس لئے آپ کی خدمت میں یہ استفتاء پیش کر رہا ہوں از راہِ کرم کتب فقہ کی روشنی میں اس مسئلے کو حل فرمائیں اور مسئلہ ہذا سے متعلق تفصیل کو منقح فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ ذیل میں (یعنی لڑکی کا بغیر رضامندی ولی کے غیر کفوء میں نکاح سے متعلق) دو طرح کی روایتیں ہیں۔

(۱) پہلی روایت یہ ہے کہ نکاح صحیح اور منعقد ہے البتہ ولی کو اعتراض کر کے قاضی کے ذریعے یہ نکاح فسخ کرانے کا حق ہے یہ ظاہر الروایۃ ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

"ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غير كفوء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وهو قول أبي يوسف آخراوهو قول محمد آخراً أيضاً ...... ولكن للأولياء حق الاعتراض" (التاتارخانية، ۳/۶۴)

"عورت اگر غیر کفوء میں خود نکاح کرلے تو یہ نکاح امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ظاہر الروایۃ کے مطابق درست ہے یہی امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کا آخری قول ہے...... لیکن اولیاء کو اعتراض کرنے کا حق محفوظ رہے گا"۔

(۲) دوسری روایت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں یہ ہے کہ یہ نکاح سرے سے غیر منعقد ہے اور اسے فسخ وغیرہ کرانے کی ضرورت ہی نہیں اسے حسن ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ تاتارخانیہ میں ہی ہے "وروى الحسن عن ابي حنيفة أن النكاح لاينعقد" (تاتارخانیہ ۳/۶۴) حسن رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا

Marfat.com

ہے کہ یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

عام اوقات میں اگر لڑکی کورٹ میرج وغیرہ کرلے تو اسی دوسری روایت پر فتویٰ دیا جاتا ہے کتب فقہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں اور ساتھ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ زمانہ رفتہ رفتہ فساد کی طرف بڑھتا جارہا ہے اس لئے یہ دوسری روایت (جس کے مطابق لڑکی کا ازخود غیر کفوء میں نکاح کالعدم ہے) ہی فتوے کیلئے متعین ہے۔ درمختار میں ہے:

"(ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوی (لفساد الزمان)"

(الدر المختار ۵۶/۳)

"غیر کفوء میں (لڑکی کے ازخود نکاح کی صورت میں) سرے سے عدم انعقاد پر فتویٰ دیا جائے گا اور یہی فتوے کیلئے پسندیدہ (قول) ہے زمانہ میں پیدا شدہ فساد کی وجہ سے۔"

اس قول پر فتویٰ دینے میں یہ مصلحت بھی ہوتی ہے کہ اگر نکاح کو قول اول (ظاہر الروایۃ) کے مطابق منعقد کر کے اولیاء کو حق فسخ دیا جائے تو اس میں بہت سے ولی عدالت تک رسائی حاصل کرنا نہیں جانتے اور ہر جج انصاف نہیں کرتا اور اگر ولی بھی ہوشیار ہو اور جج بھی عادل مل جائے تو بسا اوقات عدالتوں کے چکر لگانے سے ایک طبعی ناگواری بھی اولیاء کو مانع بن جاتی ہے، ان تمام مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سد اللباب (فحاشی کا دروازہ سرے سے بند کرنے کیلئے) فقہاء نے حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کو مفتی بہ قرار دے کر ایسے نکاح کو سرے سے کالعدم قرار دیا ہے۔

لیکن ہمارا فتویٰ (جس پر سائل کو اشکال ہوا) عام اوقات سے متعلق نہیں ہمارے مسئلے میں اس عورت کا ایک بچہ بھی ہو چکا ہے اور ولی بچہ ہونے تک خاموش رہا ہے اور اب بعد از ولادت فسخ کرانا چاہتا ہے اس لئے مخصوص حالات میں حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت (جو کہ ظاہر الروایۃ نہیں) کے بجائے اگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ظاہر الروایۃ جو کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا بھی مذہب آخر ہے کے مطابق فتویٰ دے کر اس نکاح کو منعقد قرار دے دیا جائے اور بعد از ولادت حق اعتراض کے ختم کا حکم لگایا جائے تو یہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ شامیہ میں ظاہر الروایۃ سے متعلق یہ عبارت ہے:

قال الحصکفی: "(مالم) یسکت حتی (تلد منه) لئلا یضیع الولد وینبغی إلحاق الحبل الظاھر به۔"

وقال ابن عابدین تحت قوله: "(لئلا یضیع الولد) أی بالتفریق بین أبویه فإن بقاءھما مجتمعین علی تربیته أحفظ له بلا شبهة فافھم" (شامیة ۵۶/۳)

"درمختار میں ہے: (ولی کو حق اعتراض رہے گا) جب تک کہ ولادت تک خاموش نہ رہے (اس کے بعد حق اعتراض ختم ہو جائے گا ایسا) اس لئے کہ وہ بچہ ضائع نہ ہو جائے۔ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ درمختار کے قول (لئلا یضیع الولد) سے متعلق فرماتے ہیں: یعنی ان کے والدین کے درمیان تفریق (بچے کے ضیاع کا سبب بنے گی) ان دونوں کا یکجا رہنا اور بچے کی تربیت کرنا بچے کیلئے زیادہ بہتر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔"

Marfat.com

اس عبارت میں والدین کی خاموشی کو بعد از ولادت رضامندی شمار کرنے پر یہ دلیل دی گئی ہے کہ ولی کا بعد از ولادت اعتراض بچے کے حق میں مضر ہے کیونکہ ہمارے مسلک میں اس نکاح کو کالعدم قرار دینا (روایت حسن کے مطابق) بچے کے ضیاع کا سبب بنے گا کیونکہ وہ زوجین میں تفریق کرائی جائے گی۔ ان مذکورہ بالا تفصیلات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس صورت میں ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیا گیا تو بہتر معلوم ہوتا ہے یعنی ایسی صورتوں میں جب بچہ پیدا ہو جائے تو ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح کو منعقد قرار دیا جاوے اور بچے کے نسب کی حفاظت کی جائے زوجین کا مستقبل میں ایک مجتہد ثانی مفتی یہ ہونا چاہئے کیونکہ متاخرین کا حضرت حسن کی زیادہ تر تعبیر کی روایت پر فتویٰ دینا محض حفاظت فروج ان ہے جو خود بتاتا ہے کہ وہ ایک تعدد احتیاط کا فتویٰ ہے جو یہ کہ حلت و حرمت اور نسب کے تحفظ و فروعی مجبوری پر فتویٰ دیا جائے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی (۵/۱۹۲) اور حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد المفتین (۲/۵۲۸) میں بعض مصالح کو بنیاد بنا کر ہی ظاہر الروایہ کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے ایسے نکاح کو منعقد قرار دیا ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس سے متعلق دیگر اہل فتاویٰ سے بھی رجوع کر لیا جائے۔

(۲۵۷) غیر کفوء میں تجدید نکاح کے لئے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے

سوال

ایک شخص نے بغیر والدین کے نکاح کیا وہ شخص اس لڑکی کا کفوء نہیں تھا مگر Love Marriage ہوگئی لڑکی کے ماں باپ بھی بعد میں راضی ہو گئے اور اجازت دے دی تین سال بعد لڑکے نے ایک طلاق بائن دے دی جس سے نکاح ختم ہو گیا اب وہ دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن مسئلہ یہ ہو رہا ہے کہ مولوی صاحب نکاح نہیں پڑھا رہے ان کا کہنا ہے کہ یہ لڑکا کفوء نہیں تو والدین کی اجازت ضروری ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں پہلے نکاح میں اجازت تو دی تھی اب بار بار کیوں اجازت لیں۔ مفتی صاحب یہ لڑکا لڑکی جانتے ہیں کہ لڑکی کے والدین اب اجازت نہیں دیں گے پوچھنا یہ ہے کہ کیا دوبارہ غیر کفوء میں والدین کی اجازت ضروری ہے یا پہلی اجازت کافی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ بالغہ لڑکی اگر کفوء میں اپنا نکاح خود کرتی ہے تو اسے کسی دوسرے شخص کی اجازت کی ضرورت نہیں وہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے لیکن اگر بالغہ غیر کفوء میں نکاح کرتی ہے تو وہ اس میں خود مختار نہیں بلکہ اسے ولی کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

اگر ولی عقد پر راضی ہے تو یہ رضامندی اس کی عقد پر ہے نہ کہ اس شخص پر اگر فی الوقت حالات کے پیش نظر باوجود عار کے ولی غیر کفوء میں نکاح پر راضی ہو جاتا ہے تب بھی اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس شخص کو اپنا داماد بنانے پر راضی ہے لہذا اگر

Marfat.com

طلاق بائن سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو لازماً ان دونوں کو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا اور یہ اصول ہے کہ عقد نکاح جب بھی پایا جائے گا تو اس میں نکاح کی تمام شرائط گواہ، مہر، ایجاب وقبول، لڑکی کی اجازت وغیرہ سب لازم ہوں گے۔ تو جس طرح یہ تمام شرائط ہیں ویسے ہی غیر کفوء میں نکاح کے لئے ولی کی اجازت بھی شرط ہے، اس کا پایا جانا بھی لامحالہ ضروری ہوگا۔ جس طرح پہلے عقد کے گواہ، مہر، لڑکی کی اجازت دوبارہ نکاح میں کافی نہیں ہوتے اسی طرح پہلے عقد میں ولی کی رضامندی اس دوسرے عقد میں کیسے کافی ہوسکتی ہے!!!

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر یہ لڑکا اور لڑکی دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں تو اس نکاح میں دیگر شرائط کے ساتھ لڑکی کے ولی سے دوبارہ اجازت کا حصول بھی ضروری ہوگا۔ وہ پہلی اجازت کافی نہ ہوگی۔ اگر بغیر اجازت لئے دوبارہ غیر کفوء میں نکاح کیا گیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لمافی فتح القدیر (۳/۲۹۴) (کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة)(ط دار الفکر): ولو زوجها الولي بإذنها من غير كفء فطلقها ثم زوجت نفسها منه ثانيا كان لذلك الولي التفريق ولا يكون الرضا بالأول رضا بالثاني لأن الإنسان لا يبعد رجوعه عن خلة دنية۔

وفی الشامیة (۳/۵۶) کتاب النکاح، باب الولی: قوله (في غير الكفء) أي في تزويجها نفسها من غير كفء ... قوله (ويتجدد) أي اعتراض الولي بتجدد النكاح كما لو زوجها الولي بإذنها من غير كفء فطلقها ثم زوجت نفسها منه ثانيا كان لذلك الولي التفريق ولا يكون الرضا بالأول رضا بالثاني فتح وقيد بتجديد النكاح لأنه لو طلقها رجعيا ثم راجعها في العدة ليس للولي الاعتراض كما ذكره في الذخيرة۔

(۴۵۸) دو چچا ایک لڑکی کا نکاح مختلف جگہ کردیں تو نکاح کا حکم

سؤال

ایک لڑکی کے والد کا انتقال ہوچکا ہے اس کے دو چچا زندہ ہیں ایک چچا نے اس لڑکی کا نکاح اپنے پوتے سے کردیا یہ لڑکی نابالغہ ہے لیکن دوسرے چچا نے اپنے بیٹے سے اس لڑکی کا نکاح کردیا اب ان میں سے کون سا نکاح درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب ایک چچا نابالغہ کا نکاح اپنے پوتے سے کردے تو یہ نکاح درست ہوگیا۔ اب دوسرا چچا اس لڑکی کا نکاح اپنے بیٹے وغیرہ سے نہیں کرسکتا کیونکہ جب پہلے والا نکاح نافذ ہوگیا تو دوسرا نکاح باطل ہے۔ فقہاء کرام کی تصریحات موجود ہیں کہ جب برابر کے اولیاء میں سے کسی ایک نے نابالغہ کا نکاح کسی لڑکے سے کردیا تو دوسرے کا اختیار ختم ہوجاتا ہے وہ دوسرا راضی ہو یا نہ ہو البتہ صورت مسؤلہ میں

Marfat.com

لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ ملے گا۔

لمافی البحرالرائق(۱۱۹/۳): إذا اجتمع في الصغير والصغيرة وليان في الدرجة على السواء فزوج أحدهما جاز أجاز الأول أو فسخ بخلاف الجارية إذا كانت بين اثنين فزوجها أحدهما لا يجوز إلا بإجازة الآخر۔

وفی الدرالمختار(۵۷/۳):(و) بناء (على الأول) وهو ظاهر الرواية (فرضا البعض) من الأولياء قبل العقد أو بعده (كالكل) لثبوته لكل كملا كولاية أمان وقود وسنحققه في الوقف (لو استووا في الدرجة وإلا فللأقرب)۔

وفی الرد تحته: قوله (لثبوته لكل كملا) لأنه حق واحد لا يتجزأ لأنه ثبت بسبب لا يتجزأ۔

وفی الشامية(۵۹/۳): قوله (فلو تعدد المزوج الخ) عبارة البحر ولو زوجها وليان متساويان كل واحد منهما من رجل فأجازتهما معا بطلا لعدم الأولوية وإن سكتت بقيا موقوفين حتى تجيز أحدهما بالقول أو بالفعل وهو ظاهر الجواب كما في البدائع اهـ

(۴۵۹) ماں کی موجودگی میں بہن کا نکاح کروادینے کا حکم

سؤال

ماں کی موجودگی میں بہن اپنی صغیرہ بہن کا نکاح کرواسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کروادے اور ماں خوش نہ ہو تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اولاً لڑکی کے عصبہ یعنی باپ پھر دادا وغیرہ بالترتیب نکاح کے ولی ہوتے ہیں اور اگر عصبہ موجود نہ ہوں تو نکاح کی ولایت ماں کو حاصل ہوتی ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں اگر لڑکی کا کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو اس کی ماں ولی ہے ماں کی موجودگی میں بہن اپنی صغیرہ بہن کا نکاح ماں کی اجازت سے کرواسکتی ہے، البتہ اگر بہن نے نکاح کروادیا اور ماں راضی نہیں تو نکاح نہیں ہوگا۔

لمافی الهندية(۲۸۳/۱): كتاب النكاح، الباب الرابع فی الاولیاء: وعند عدم العصبة كل قريب يرث الصغير والصغيرة من ذوي الأرحام يملك تزويجهما في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وقال محمد رحمه الله تعالى لا ولاية لذوي الأرحام وقول أبي يوسف رحمه الله تعالى مضطرب والأقرب عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى الأم ثم البنت ثم بنت الابن ثم بنت البنت ثم بنت ابن الابن ثم بنت بنت البنت ثم الأخت لأب وأم ثم الأخت لأب ثم الأخ

Marfat.com

والأخت لأم۔ الخ۔

وفيه أيضاً(۱/۲۸۵): ولو زوجها الأبعد حل قيام الأقرب حتى توقف على إجازة الأقرب۔

وفي الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي (۷۸/۳): (فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم ثم لأم الأب وفي القنية عكسه ثم للبنت ثم لبنت الابن ثم لبنت البنت ثم لبنت ابن الابن ثم لبنت بنت البنت وهكذا ثم للجد الفاسد (ثم للأخت لأب وأم ثم للأخت لأب ثم لولد الأم) الذكر والأنثى سواء۔

(۴۶۰) دادا کے کئے نکاح پر باپ کی رضامندی کے بعد قسم کھا کر منع کرنے کا حکم

سؤال

ہمارے گاؤں میں دادا نے اپنی ایک پوتی کا نکاح دوسرے پوتے سے کرادیا یعنی اس طرح بات کی افشاء کرائی کہ یہ لڑکی میں نے فلاں لڑکے کو دے دی۔ لڑکی کے والدین بھی اس بات پر راضی تھے اور انہوں نے بھی اس بات کو لوگوں میں مشہور کرادیا کہ ہمارے والد صاحب نے یہ لڑکی فلاں لڑکے کو دی۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد کسی گھریلو جھگڑے واختلاف کی وجہ سے لڑکی کے والد نے قسم اٹھائی اور کہا کہ اگر یہ لڑکی میں فلاں لڑکے کو دوں تو میرے اوپر بیوی طلاق۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب اگر اس لڑکی کی اسی لڑکے کے ساتھ رخصتی ہوجاتی ہے تو اس شخص پر بیوی طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟ نیز طلاق کی صورت میں اگر کوئی حیلہ ہو کہ بیوی کو طلاق نہ ہو تو ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

اگر مذکورہ لڑکی کا نکاح دادا نے شرعی اصولوں کے مطابق دو عاقل، بالغ، مسلمان، آزاد، آدمیوں کی موجودگی میں کرایا تھا تو اب اگر لڑکی کا والد مذکورہ لڑکے کے ساتھ مذکورہ لڑکی کی رخصتی کردے گا تو لڑکی کی والدہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی اور اگر مذکورہ لڑکی کا باقاعدہ نکاح نہیں ہوا تھا، صرف بات پکی ہوگئی تھی تو اب اگر مذکورہ لڑکی کا والد اپنی لڑکی کا نکاح مذکورہ لڑکے کے ساتھ کروائے گا تو نکاح کے ہوتے ہی لڑکی کی والدہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی۔ پھر لڑکی کے والد کو عدت کے اندر نکاحِ جدید کے بغیر، اور عدت گزرنے کے بعد نکاحِ جدید کے ساتھ رجوع کا اختیار ہوگا، البتہ ایک طلاق رجعی کے بعد اب لڑکی کے والد کے پاس صرف دو طلاق کا اختیار رہ جائے گا۔

لما في الهندية (۱/۴۱۵): إذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لأنها تقتضي العموم والتكرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده۔

Marfat.com

وفی الدرالمختار (۲/۳۵۵) كتاب الطلاق، باب التعليق: (وتنحل) اليمين (بعد) وجود (الشرط مطلقا) لكن إن وجد في الملك طلقت وعتق وإلا لا۔

وفی الشامیة (۳۵۵/۲): وفيها تنحل اليمين إذا وجد الشرط مرة لأن المقصود هنالك الانحلال بمرة في غير كلما وهنا مجرد الانحلال اھ۔

(۴۶۱) بلوغت سے قبل باپ کا کیا ہوا نکاح نافذ ہو جاتا ہے

سؤال

میرے بہنوئی حبیب الرحمن اور میری حقیقی بہن نے مجھ سے اپنی بچی یعنی میری بھانجی کیلئے میرے بیٹے کا رشتہ مانگا مگر میں خاموش رہا، لیکن ان کے تیسری مرتبہ اصرار پر چند آدمی لے کر ان کے گھر پر گیا مجلس نکاح منعقد ہوئی لڑکی کی عمر اس وقت آٹھ سال تھی اور لڑکے کی عمر گیارہ سال تھی اور روبرو جرگہ (پنچائیت) کے حبیب الرحمن نے رشتے کا اختیار اپنے بڑے بھائی کو دیا انہوں نے آگے اپنے دادا کے بھائی کو وکیل بنایا محمد سلمان نے بعوض پندرہ ہزار مہر کے لڑکی والوں کی طرف سے رشتہ قبول کیا اور روبرو جرگہ کے مولوی غلام نبی صاحب نے نکاح پڑھوایا۔ جرگہ کے گواہان مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) سیدخان، (۲) صابر، (۳) نذیر۔ نکاح کے کچھ عرصہ کے بعد حبیب الرحمن انتقال کر گیا اس کے بعد اب میری بہن بچی کا رشتہ دینے سے انکار کر رہی ہے بچی کے بالغہ ہونے کے ایک سال بعد اس کے باپ کا انتقال ہوا ہے میری بہن کے انکار کرنے کے باوجود یہ نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اس بارے میں ہماری شرعی راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عقد نکاح منعقد ہو چکا ہے اور لڑکی کی والدہ کا انکار نکاح کو ختم نہیں کر سکتا، بلکہ عقد نکاح تا حال برقرار ہے۔

لما في القرآن الكريم (النور: ۳۲): وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

وفی المصنف عبدالرزاق (۱۶۴/۶): عبدالرزاق عن معمر عن الحسن، والزهری، وقتادة، قالوا: اذا أنكح الصغار آباؤهم جاز نكاحهم۔ قال عبدالرزاق وبه نأخذ۔

وفی الشامیة (۶۸/۳): وأما إنكاح الأب والجد الصغير الصغيرة فالكفاءة فيه ليست بشرط عند أبي حنيفة لصدوره ممن له كمال النظر لكمال الشفقة۔

وفيه أيضاً (۶۸/۳): وقال في شرحه أي لو فعل الأب أو الجد عند عدم الأب لا يكون للصغير

Marfat.com

والصغيرة حق الفسخ بعد البلوغ۔

(۴۶۲)نابالغہ لڑکی کی ماں کا نکاح کیلئے مشروط ہاں کردینے کا حکم

سوال

آج سے تقریباً نوسال پہلے ہماری خالہ زاد بہن (مرحومہ) جو پنڈی میں رہائش پذیر ہیں، میری چھوٹی بہن اختر النساء کے رشتے کیلئے آئیں۔ہم ان کے ماحول اورطور اطوار سے بالکل ناواقف تھے۔لڑکے والوں نے ہمیں بتایا کہ لڑکے کا اپنا گاڑیوں کا کاروبار ہے، ذاتی مکان ہے اور لڑکا گریجویٹ اور عمر میں لڑکی کا ہم جوڑ ہے۔لڑکی کی ماں نے مشروط ہاں کردی اس موقع پر لڑکے والوں نے ایک عدد سونے کی انگوٹھی،سوٹ اور مٹھائی تحفۃً دی اور چند لوگوں کے درمیان منگنی کی رسم ادا کی گئی اور کسی قسم کی کوئی کاغذی کارروائی نہیں ہوئی۔ ایک سال بعد جب لڑکی کی والدہ نے پنڈی جاکر دیکھا تو وہاں کے حقائق بتائے پس منظر سے بالکل الگ تھے، نہ تو لڑکا برسر روزگار تھا نہ ہی اپنا ذاتی گھر تھا، نیز وہ انگوٹھا چھاپ تھا۔لڑکی اور لڑکے کی عمروں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔لڑکے کے والد محمد ایوب جس نے دوسری شادی کرلی تھی سے پوچھا تو لڑکے کے باپ نے کہا کہ یہ خودسر لڑکا ہے میں اس کی ذمہ داری نہیں لیتا۔اس واقعہ کے ایک سال بعد لڑکی کے والدین لڑکے کے خالو کے پاس گئے تو انہوں نے بھی ذمہ داری اٹھانے سے منع کردیا کہ اگر یہ لڑکا اچھا ہوتا تو میں اپنی بیٹی اسے دے دیتا۔لڑکے کی والدہ، بہن، نانی، خالہ اور خالو (خطیب عزیز الرحمٰن) کو ایک جگہ اکٹھا کرکے اس رشتہ سے انکار کردیا گیا۔اس بات کو ختم ہوئے چھ سال سے زائد عرصہ ہوگیا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

(۱)......لڑکی نابالغہ تھی،صرف والدہ کی اس طرح زبان دینے سے نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

(۲)......رشتہ توڑنے کے اتنے عرصے بعد لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے یا پہلے والی جگہ پر نکاح مانا جائے گا؟

(۳)......اگر ہم دوسری جگہ لڑکی کا نکاح کردیں تو پہلی مرتبہ جہاں رشتہ ہوا تھا ان کو کوئی رقم یا سامان وغیرہ دینا ہوگا یا نہیں؟

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا شرعی حل تفصیلاً بتایئے۔

لڑکی کی والدہ نے لڑکے کی والدہ اور بہن سے کہا تھا کہ اگر آپ لوگ ہمارے معیار پر پورا اترے تو ہم رشتہ کریں گے ورنہ ختم کردیں گے۔اس واقعہ کے بعد میری والدہ پنڈی گئیں وہاں کا ماحول اور لڑکے کا چال چلن دیکھ کر رشتہ ختم کرکے آگئیں اس واقعہ کو چھ سال گزر چکے ہیں۔اس واقعہ کے چار سال بعد لڑکے کی والدہ فوت ہوگئیں۔اب لڑکا اور اس کی بہن اور ماموں ہم سے سوا دو لاکھ (2,25,000) روپے کا مطالبہ کررہے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ صرف لڑکی کی والدہ کا لڑکے کی والدہ اور بہن کو ہاں کردینے سے نکاح نہیں ہوا، اولاً اس لئے کہ لڑکی کے باپ یا

Marfat.com

دادا وغیرہ کی موجودگی میں ماں نکاح کی ولی نہیں لہٰذا اگر باپ، دادا یا دیگر کوئی بھی عصبہ موجود ہو تو وہ نکاح کا ولی ہے البتہ اگر کوئی موجود نہ ہو تو ماں نکاح کی ولی ہوگی لیکن تب بھی یہ نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ نکاح کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول پایا جائے۔ نابالغ لڑکی کی والدہ نے جو مشروط ہاں کی تھی کہ اگر وہ لڑکا ہمارے معیار پر اترا تو ہم رشتہ کریں گے ورنہ ختم کردیں گے یہ وعدہ نکاح تھا جب وہ لڑکا معیار پر نہیں اترا تو اس وعدہ کا پورا کرنا بھی ضروری نہیں۔

(٢)......لڑکی کا کسی دوسری جگہ پر نکاح ہوسکتا ہے۔

(٣)......لڑکے والوں نے منگنی کے وقت جو چیزیں دیں تھیں ان چیزوں کا واپس کرنا ضروری ہے۔ اس سے زیادہ کا اگر وہ مطالبہ کرتے ہیں تو ان کا مطالبہ شرعاً واخلاقاً ناجائز ہے جس کا پورا کرنا ضروری نہیں۔

لما في القرآن الكريم (النساء:٥٨): إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ إِلَىٰ اَهْلِهَا ...الآية.

وفي المشكوة (ص٤١٦): وعن زيد بن أرقم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي له فلم يف ولم يجئ للميعاد فلا إثم عليه " . رواه أبو داود والترمذي۔

وفي البحر الرائق (٣/٧٨): وركنه الإيجاب والقبول حقيقة أو حكما كاللفظ القائم مقامهما من متولي الطرفين شرعا۔

وفي الشامية(٣/١١): هب ابنتك لفلان أو لابني أو أعطها مثلا لأنه ظاهر في الطلب وأنه مستقبل لم يرد به الحال والتحقيق فلم يتم له العقد بخلاف زوجني ابنتك بكذا بعد الخطبة ونحوها فإنه ظاهر في التحقيق والإثبات الذي هو معنى الإيجاب اه فتأمل --- قال في شرح الطحاوي لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح اه۔

(٤٦٣) نابالغہ سے جبراً نکاح قبول کرانے کا حکم

سوال

ایک ایسی لڑکی ہے کہ جو بالغہ ہونے کے قریب ہے ابھی تک بالغہ نہیں ہوئی تو اس لڑکی کا ولی کون ہوسکتا ہے؟ آیا اس لڑکی پر جبر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا نکاح کرادیا جائے اور وہ اس کی اجازت نہ دے یعنی راضی نہ ہو تو نکاح کا کیا حکم ہے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوهاب

نابالغہ لڑکی جو قریب البلوغ ہو، اس کا ولی باپ یا باپ نہ ہو تو دادا ہوتا ہے اگر یہ نہ ہوں تو پھر اس کے بھائی یا چچا وغیرہ ولی ہوتے ہیں۔

(۲) نابالغہ لڑکی پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے یعنی ولی جبراً نکاح کرا سکتا ہے۔ اگر لڑکی اس پر راضی نہ ہو تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا نکاح کون سے ولی نے کرایا تھا اگر باپ یا دادا نے اپنی ولایت میں کرایا تھا تو نکاح ہو گیا۔ اب بالغہ ہونے کے بعد یہ اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی۔ اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کرایا تو اگر یہ نکاح غیر کفوء میں یا مہر میں بہت زیادہ کمی کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا البتہ اگر کفوء میں اور معمول کے مطابق مہر وغیرہ کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن بالغہ ہونے کے بعد اس کو نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا مگر اس [فسخ کے حق] میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر حالتِ صغر میں وہ جانتی تھی کہ اس کا نکاح ہوا ہے تو جیسے ہی بالغہ ہوگی اسی وقت اگر انکار کر دے تو نکاح رد ہو جائے گا۔ اگر تاخیر کی تو پھر نکاح رد کرنے کا اختیار نہ ہوگا اور اگر حالتِ صغر میں وہ یہ نہ جانتی ہو کہ اس کا نکاح ہوا ہے تو اب بالغہ ہونے کے بعد جیسے ہی اس کو علم ہوگا کہ میرا تو نکاح ہوا تھا تو اب اگر انکار کیا تو نکاح رد ہو جائے گا۔ اگر اس میں بھی تاخیر کی تو یہ اختیار ختم ہو جائیگی اور اسمیں ایک شرط یہ بھی ہے کہ قاضی فسخ کرے گا تو نکاح فسخ ہوگا۔

لمافی صحیح البخاری (۷۷۱/۲)، باب انکاح الرجل ولده الصغار: عن عائشة رضي الله عنها: أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين، وأدخلت عليه وهي بنت تسع، ومكثت عنده تسعا۔

وفی فتح الباری (۱۵۶/۹) :(قوله: لقول الله تعالى واللائي لم يحضن) فجعل عدتها ثلاثة اشهر قبل البلوغ أي فدل على أن نكاحها قبل البلوغ جائز وهو استنباط حسن ـ۔۔ قال المهلب أجمعوا أنه يجوز للأب تزويج ابنته الصغيرة البكر ولو كانت لا يوطأ مثلها۔الخ۔

وفی الهندية (۲۸۵/۱):فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار العتق كذا في الهداية۔

وفی الدرالمختار(۵۵/۳) باب الولی: وولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيبا ومعتوهة ومرقوقة الخ۔

وفی (ص۶۵):(وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة)جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه ومجنون شهرا (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها وزيادة مهره (أو) زوجها (بغير كفء إن

Marfat.com

كان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أبا أو جدا) وكذا المولى وابن المجنونة (لم يعرف منهما سوء الاختيار) مجانة وفسقا (وإن عرف لا) يصح النكاح اتفاقا --- (وإن كان المزوج غيرهما) --- (لا يصح) النكاح (من غير كفء أو بغبن فاحش) أصلا) وما في صدر الشريعة صح ولهما فسخه وهم (وإن كان من كفء وبمهر المثل صح و) لكن (لهما) أي لصغير وصغيرة وملحق بهما (خيار الفسخ) ولو بعد الدخول (بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده) لقصور الشفقة--- (بشرط القضاء) للفسخ۔

وفي الشامية(٣/٦٩): قوله (بالبلوغ) أي إذا علما قبله أو عنده قهستاني --- قوله (لقصور الشفقة) أي ولقصور الرأي في الأم وهذا جواب عن قول أبي يوسف إنه لا خيار لهما اعتبارا بما لو زوجهما الأب أو الجد۔

Marfat.com

رسالة

الجبیرة

عن

نكاح الصغیرة

بچپن میں اولاد کا نکاح کرادینے اور بعض بڑی عمر کے اشخاص کا

چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے نکاح کی قباحت اور مخدوش استدلال کے جواب

Marfat.com

(۴۶۴) بڑی عمر کے اشخاص کا چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے نکاح کا حکم

سؤال

ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح بڑی عمر کے آدمی سے کردیتا ہے مثلاً آج کل کے بعض مہتمم حضرات اپنے سے انتہائی چھوٹی عمر کی لڑکی سے شادی کرلیتے ہیں۔جبکہ لڑکی کا باپ تبرکاً نکاح کردیتا ہے، لیکن لڑکی کا مستقبل تباہ ہوجاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ کیا بڑے حضرات کا چھوٹی عمر کی لڑکی سے نکاح جائز ہے؟ ہم نے سنا تھا کہ فقہاء نے منع کیا ہے کہ باپ، چھوٹی عمر کی لڑکی کا بوڑھے شخص سے نکاح نہیں کراسکتا۔کیا یہ درست ہے؟ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھوٹی عمر میں نکاح ہوا ہے۔اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

فقہاء کرام نے کفاءت میں جن چیزوں کا اعتبار کیا ہے اس میں عمر کی برابری کا ذکر نہیں لہٰذا اصولی طور پر کفاءت میں عمر کی برابری ضروری نہیں البتہ بعض احادیث اور فقہی نصوص سے نکاح کے وقت عمر میں برابری کا لحاظ رکھنا قرین مصلحت اور مصالح نکاح کے حصول میں معاون ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً شیخین رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا تھا، جسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان الفاظ میں منع فرمادیا:

وعن بريدة رضي الله عنه قال: خطب أبو بكر وعمر رضي الله عنهما فاطمة رضي الله عنها، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنها صغيرة" ثم خطبها علي فزوجها منه. رواه النسائي۔

"حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ چھوٹی ہے۔پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ان سے کرادی۔" (مشکوۃ ۲/۵۶۵)

اس حدیث کے تحت محدثین نے یہ تصریح فرمائی ہے:

"أو المراد أنها صغيرة بالنسبة إليهما لكبر سنهما وزوّجها من علي لمناسبة سنّه لها"

"اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنسبت حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے چھوٹی تھیں کیونکہ ان دونوں حضرات کی عمر زیادہ تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رشتہ طے فرمادینے کی وجہ یہی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مناسب تھی۔" (مرقاۃ ۱۱/۲۵۹)

Marfat.com

اسکے علاوہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر واضح الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ولا یزوج ابنته الشابة شیخا کبیرا ولا رجلا دمیما ویزوجها کفؤا" (شامیة ۹/۴)

''اور اپنی جوان بیٹی کا نکاح بوڑھے شخص سے یا گھٹیا انسان سے نہ کرائے اور شادی کیلئے کفو کا رشتہ منتخب کرے''

اسی طرح علامہ وھبہ زحیلی اپنی کتاب الفقہ الاسلامی میں تحریر فرماتے ہیں:

"لکن الاولی مراعاة التقارب بین هذه الأوصاف وبخاصة السنّ والثقافة لان وجودهما أدعی لتحقیق الوفاق والوئام بین الزوجین وعدمها یحدث بلبلة واختلافا مستحصیا"

(الفقه الاسلامی وادلته ۷/۲۴۷)

''بہتر یہ ہے کہ ان اوصاف میں برابری کا لحاظ رکھا جائے، خصوصا عمر اور ثقافت کے معاملے میں کیونکہ ان دونوں میں برابری زوجین میں اتفاق اور محبت کے پیدا کرنے میں زیادہ کارگر ہوگی اور ان میں برابری کا لحاظ نہ رکھنا پیچیدہ جھگڑوں اور اختلافات کو جنم دے گا''

اسکے علاوہ عقلی طور پر بھی دیکھا جائے تو اس میں بہت سے مفاسد ہیں:

(۱) بوڑھا شخص جلدی وفات پا جائیگا لڑکی تنہا بیوگی کی زندگی گزارے گی۔

(۲) بوڑھا شخص چند سالوں میں ہی جوان لڑکی کی خواہش پورا کرنے کے قابل نہ رہے گا۔ ایسی لڑکی کے فتنے میں مبتلا ہونے کے قوی امکانات پیدا ہو جائیں گے۔

(۳) بوڑھے عمر کے شخص کے اگر بچے پیدا ہوتے ہیں تو باپ اور بچوں میں فحش تفاوت تربیت کے معاملے میں اثر انداز ہوگا۔

(۴) سب سے بڑا مفسدہ تو یہی ہے کہ نکاح کا اصل مقصد (جو کہ معاشرتی زندگی میں سکون کا حصول اور دوام ہے وہ) اور دیگر مصالح نکاح کا حصول اس نکاح میں بعید ہے بلکہ یہ نکاح بعد میں مشکلات کا سبب بنے گا۔

اس لئے نکاح میں زوجین کی عمر میں تناسب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہمارا یہ مقصد نہیں کہ دونوں کی عمریں بالکل برابر ہوں بلکہ لڑکے کی عمر اگر آٹھ، دس سال تک زیادہ ہو تب بھی کوئی بات نہیں لیکن لڑکے کا لڑکی سے عمر میں دگنا تفاوت مضر ہے مثلا لڑکی بیس سال اور لڑکا چالیس سال یا پچاس سال کا ہے تو یہ تفاوت بعد میں مصالح نکاح کے حصول میں مانع بنے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹی عمر میں نکاح بیان جواز پر محمول ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم مصالح نکاح برقرار رکھنے کی صلاحیت تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح فرمایا لہذا صورت مسئولہ میں بڑی عمر کا شخص (چاہے وہ جو بھی ہو) اگر شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ بیوہ یا اپنے سے قریب عمر کی عورت سے شادی کرے۔ چھوٹی عمر کی لڑکیوں سے شادی کر کے ان لڑکیوں کو مشکلات میں نہ ڈالیں اور ایسی لڑکیوں کے والدین کو بھی اپنی بچیوں کے بارے میں اور ان کے مستقبل کے بارے میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

لما فی سنن النسائی (۲/٦۹):(تزوج المرأة مثلها فی السن)عن عبد الله بن بریدة عن أبیه رضی اللہ عنہ قال : خطب أبو بکر وعمر رضي الله عنهما فاطمة رضی الله عنها فقال رسول الله ﷺ: إنها صغیرة فخطبها علي فزوجها منه۔

وفی فتح البا ری (۹/۱۰۱):تزویج الصغار با لکبا ر :قال ابن بطال:یجوز تزویج الصغیرة بالکبیر إجماعا ولو کانت في المهد لکن لا یمکّن منها حتی تصلح للوطء۔

وفی بذل المجهود(۳/۲۴٦):حکی ابن حزم عن ابن شبرمة مطلقا أن الأب لا یزوج بنته البکر الصغیرة حتی تبلغ وتأذن وزعم أن تزویج النبي ﷺ عائشة رضی الله عنهاوهي بنت ست سنین کان من خصائصه۔

وفی الشامیة(۳/٦۸): وأما إنکاح الأب والجد الصغیر الصغیرة فالکفاءة فیه لیست بشرط عند أبي حنیفة رحمه الله لصدوره ممن له کمال النظر لکمال الشفقة۔

(۴٦۵) بچپن میں نکاح کرادینے کا حکم

سؤال

ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ بچے اور بچی کا نکاح انتہائی کم ۲ یا ۳ سال کی عمر میں پڑھادیتے ہیں پھر جب بچے بالغ ہوجائیں تو یہ نکاح منعقد کردیئے جاتے ہیں یعنی رخصتی وغیرہ ہوجاتی ہے پوچھنا یہ ہے کہ شرعاً یہ جائز ہے یا بلوغت کے بعد دوبارہ نکاح پڑھانا پڑے گا؟ ازراہِ کرم جلدازجلد جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعتِ مطہرہ میں بچے اور بچی کے نکاح کی کوئی خاص عمر متعین نہیں۔ شرعاً غیر شعوری عمر میں بھی بچے کا نکاح ان کے سرپرست کردیں تو وہ منعقد ہوجاتا ہے البتہ اگر کوئی خاص مجبوری نہ ہو تو بچے اور بچی کا نکاح بالغ ہوجانے کے بعد ہی کرنا چاہیئے یہ ہی بہتر اور قرینِ مصلحت ہے۔ قرآنِ پاک کی آیت اس پر دلالت کرتی ہے:

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء:٦)

"اور تم یتیموں کو آزمالیا کرو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) تک پہنچ جائیں"

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"(نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں) یعنی بالغ ہوجائیں کیونکہ نکاح کی قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے"

Marfat.com

نیز بچپن میں کئے گئے نکاح میں بہت سے مفاسد کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) لڑکے اور لڑکی کی بلوغ کی عمر تک پہنچ جانے کے بعد ان کی ترجیحات کا بدل جانا۔

(۲) سرپرستوں کی رائے تبدیل ہو جانا۔

(۳) خاندان کے آپس کے جھگڑے بعد میں اس نکاح پر بھی اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔

(۴) لڑکا آوارہ نکل جائے یا لڑکی کے رہن سہن سے لڑکے والے مطمئن نہ ہوں۔

دیگر بھی بہت سے مفاسد ہیں جو بلوغ کی عمر تک پہنچنے میں ظاہر ہوتے ہیں، لیکن اس وقت پھر طلاق کے علاوہ کوئی راستہ موجود نہیں ہوتا لہذا بہتر اور حکمت کے عین مطابق یہ ہے کہ بچوں کے بالغ ہو جانے کے بعد اچھی طرح دیکھ بھال کر زندگی کے اس اہم معاملے کا فیصلہ کیا جائے اور اس وقت لڑکے اور لڑکی کی رائے کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیئے البتہ اگر کوئی مجبوری ہو یا اولیاء اسی کو زیادہ قرینِ مصلحت سمجھیں کہ چھوٹی عمر میں نکاح کر دیا جائے تو یہ نکاح بہرحال منعقد ہو جائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے علاقے کا یہ رواج درست معلوم نہیں ہوتا۔ علاقے کے بااثر لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے بجائے بچوں کا نکاح بعد از بلوغ جلد از جلد کرانے کا رواج ڈالیں کیونکہ یہ شریعت کے تقاضوں سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ البتہ اگر شاذ و نادر مجبوری کی وجہ سے بچپن میں نکاح کا انعقاد کیا جائے تو وہ نکاح منعقد ہوگا، معمول اور رواج بنانے سے پرہیز کریں۔

لما فی مشکوۃ المصابیح(ص۲۷۰): وعن عائشة رضی الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت سبع سنين وزفت إليه وهي بنت تسع سنين ولعبها معها ومات عنها وهي بنت ثماني عشرة. رواه مسلم

وفيه أيضاً(ص۲۷۱): وعن أبي سعيد وابن عباس رضی الله عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه "

وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالك رضي الله عنهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "في التوراة مكتوب: من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فأصابت إثما فإثم ذلك عليه". رواهما البيهقي في "شعب الإيمان"

وفی المفصل فی احکام المرأة والبيت المسلم:(۶/۳۹۱):الأولى عدم تزويج الصغار الا لمصلحة: ومع جواز تزويج الصغير والصغيرة، ولكن الأولى عدم تزويجهما ان لم تكن هنالك مصلحة ظاهرة فی التعجيل فی تزويجهما وهما صغيران، لأن تزويجهما غير واجب وانما هو جائز، ولأن الزواج تتعلق به حقوق وواجبات، كما أننا لا ندری مايؤول اليه هذا النكاح بعد أن

Marfat.com

تبلغ الصغيرة ويبلغ الصغير، وقد يكون لكل منهما رأى فيه يؤثر فى بقاء النكاح ، وقد يعجل فى زواله وانقطاعه.

Marfat.com

(۴۶۶) چھوٹے بچے کا نکاح پڑھانے والے کو سزا دینا

سؤال

اگر ایک قاضی دو یا تین سال کے بچے کا نکاح پڑھا دے تو اس قاضی کو زد و کوب کرنا یا عدالت سے سزا دلوانے کی کوشش کرنا کیسا ہے؟ ہمارے علاقے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا تو یہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا ہے۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بچے کا ولی کسی بھی عمر میں بچے کا نکاح کرا سکتا ہے چاہے بچہ بالغ ہو یا نابالغ۔ جس طرح باپ نکاح کرا سکتا ہے اسی طرح اس نکاح کا وکیل بھی کسی دوسرے شخص کو بنا سکتا ہے اور کسی قاضی کو اس نکاح پڑھانے کا اختیار بھی دے سکتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جس قاضی نے دو یا تین سال کے بچے کا نکاح پڑھایا ہے تو اگر باپ کی اجازت سے پڑھایا ہو تو یہ نکاح منعقد ہے اور اس پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار ایک نامعقول حرکت ہے کیونکہ ذمہ دار باپ ہے نہ کہ قاضی صاحب۔

البتہ باپ کو اتنی چھوٹی عمر میں اپنی بچی کا نکاح کرا دینا مناسب نہیں شرعاً اگرچہ نکاح کی کوئی خاص عمر متعین نہیں لیکن قرآن و حدیث کے نصوص میں ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح بلوغت کے بعد کرنا ہی اصل ہے اس سے بچے یا بچی کی پسند اور ناپسند کا بھی صحیح ادراک ہو جاتا ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:٦): وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۷۱): وعن أبي سعيد وابن عباس رضی الله عنهم قالا : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه "

وفيه ايضاً(ص۲٦۷): عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : " ثلاثة حق على الله عونهم : المكاتب الذي يريد الأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل الله " . رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه۔

وفی الدرالمختار(٣/٦٥،٦٦):(وللولی) الآتی بیانه (انکاح الصغير والصغيرة) جبرا ---- (ولزم النكاح)۔

Marfat.com

(۴۶۷) نابالغہ کا کورٹ میرج کرنا

سؤال

ایک بچی نے جس کی عمر ساڑھے تیرہ سال ہے ایک جوان سے والدین سے پوچھے بغیر نکاح کیا ہے۔ نکاح نامہ میں اس کی عمر اٹھارہ سال لکھوائی گئی ہے کچھ وقت تک والدین کو بھی خبر نہیں تھی دو یا ڈھائی سال بعد لڑکا لڑکی کو بھگا کر لے گیا۔ والدین ناراض ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ والدین کو فسخ نکاح کا حق ہے یا نہیں؟ جبکہ بچی اس وقت تک حائضہ نہیں ہوئی تھی۔ خاندان کے اعتبار سے بھی وہ لوگ مالدار ہیں اور شریف ہیں جبکہ لڑکے والے چور اُچکے ہیں۔ والدین کو حق فسخ اس صورت میں ہے کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نابالغہ لڑکی کو ولی (باپ، دادا) کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کا حق حاصل نہیں اگر وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوا، اس لئے مذکورہ لڑکی کے والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو واپس لے آئیں اور جہاں نکاح کرنا چاہیں وہاں کر سکتے ہیں البتہ اگر مذکورہ لڑکے نے لڑکی کے ساتھ حق زوجیت ادا کیا ہے تو لڑکے کو پورا مہر بھی دینا ہوگا۔

لمافی مشکوۃ المصابیح(ص۲۷۰): عن أبي موسی رضي الله عنه عن النبي صلی الله علیه وسلم قال : "لا نكاح إلا بولي" . رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي۔

وعن عائشة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : " أیما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له " . رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي۔

وفی مرقاة المفاتیح (۲۶۹/۶): قلت: المراد منه النکاح الذی لایصح الا بعقد ولی بالاجماع کعقد نکاح الصغیرة والمجنونة۔ وفی (ص۲۷۱) (بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل) ـــ وفی شرح جمع الجوامع حمله الحنفية على الصغيرة والأمة والمكاتبة۔

وفی الدرالمختار(۵۵/۳):(وهو) أي الولي (شرط) صحة (نكاح صغير ومجنون ورقيق) لا مكلفة (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي)۔

وفی الرد تحته: قوله (فنفذ الخ) ـــ واحترز بالحرة عن المرقوقة ولو مكاتبة أو أم ولد وبالمكلفة

Marfat.com

عن الصغيرة والمجنونة فلا يصح إلا بولي كما قدمه۔

(۴۶۸) شوہر کے انتقال کے بعد دیور سے شادی کرنا ضروری نہیں

سؤال

ایک عورت کا خاوند مر گیا اور اس شخص کا بھائی مرحوم کی بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے حالانکہ عورت اس کے ساتھ نکاح کرنے پر راضی نہیں ہے۔ گاؤں کے بڑے بڑے لوگ (جن کو عرف میں حاکمین کہتے ہیں) نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس عورت نے نکاح کرنا ہے تو اس شخص (مرحوم کے بھائی) سے نکاح کرے گی ورنہ یہ عورت گھر ہی پر رہے گی۔ اب عورت نکاح کی بھی خواہش رکھتی ہے لیکن اس فیصلے کی وجہ سے نکاح نہیں کر سکتی لہذا اس فیصلے اور فیصلہ کرنے والوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

یہ فیصلہ کرنا درست نہیں اس لئے کہ عاقلہ بالغہ عورت نکاح میں خود مختار ہے لہٰذا گاؤں کے بڑے لوگ یا دیگر حضرات حتیٰ کہ ولی بھی عورت کی رضا کے بغیر زبردستی نکاح نہیں کر سکتے، لہٰذا اس طرح فیصلہ کرنا شریعت کے احکامات کو پامال کرنے کے مترادف ہے اور یہ فیصلہ کرنے والے عنداللہ مجرم اور گناہ گار ہوں گے، یہ عورت جہاں چاہے اپنی مرضی سے شرعاً نکاح کر سکتی ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة :۲۳۲): وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ۔

وفي الهداية (ص۳۱۳): ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح --- ولنا أنها حرة فلا يكون للغير عليها ولاية الاجبار۔

وفي الدر المختار (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ۔

(۴۶۹) مجنونہ کا نکاح کیسے کرایا جائے

سؤال

میری ایک لڑکی ہے جس کی عمر اکیس (۲۱) برس ہے اس کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے اس سے کوئی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا ایک غریب شخص جس کو کسی جگہ سے رشتہ نہیں مل رہا تھا وہ اس سے نکاح کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اس لڑکی کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے، اجازت وغیرہ کا کچھ پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہی ہے اور اب لڑکی کا نکاح کر رہے ہیں تو اس کے نکاح کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟ اور اس کی

Marfat.com

اجازت کا شرعاً کیسے اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صغیر، صغیرہ اور مجنونہ پر ولی اقرب یعنی باپ، دادا وغیرہ کو ولایتِ اجبار حاصل ہے یعنی اگر یہ حضرات نکاح کرا دیں تو ان کا نکاح منعقد ہو جائے گا اور ان حضرات کا نکاح کرانا ایسا ہی ہے جیسا کہ مجنونہ وغیرہ کی رضا سے ہو رہا ہو اور مجنونہ وغیرہ کو بعد میں خیار بھی حاصل نہیں ہوگا پس صورت مسئولہ میں جیسا کہ واضح ہے کہ لڑکی کا باپ نکاح کرا رہا ہے تو نکاح صحیح ہوگا اور منعقد ہو جائے گا اور اس صورت میں ولی کی اجازت اس کی اجازت کے قائم مقام ہوگی ہاں اگر ولی ابعد جیسے بھائی وغیرہ نکاح کرائے تب بھی نکاح تو منعقد ہو جائے گا البتہ مجنونہ کو افاقے کے بعد خیار حاصل ہوگا۔

لما فی ملتقى الأبحر(١/٢٤٤): وللولى إنكاح المجنونة والصغير والصغيرة ولو ثيبا فإن كان أبا أوجدا لزم۔

وفى الدر المختار(٣/٥٥): وولاية إجبار على الصغيرة ولو ثيبا ومعتوهة ومرقوقة كما أفاده بقوله (وهو) أي الولي (شرط) صحة (نكاح صغير ومجنون ورقيق) لا مكلفة (فنفذ نكاح حرة مكلفة)۔

وفيه أيضا(٣/٦٦): (إنكاح الصغير والصغيرة)جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه ومجنون شهرا (ولزم النكاح)۔

وفى الرد تحته: وللولي إنكاح غير المكلف والرقيق لشمل المعتوه ونحوه ۔۔۔ فإن علة الإجبار عنده البكارة وعندنا العجز بعدم العقل أو نقصانه وتوضيحه في كتب الأصول قوله (كمعتوه و مجنون) أي ولو كبيرين والمراد كشخص معتوه الخ فيشمل الذكر والأنثى ۔۔۔ وفي منية المفتي بلغ مجنونا أو معتوها تبقى ولاية الأب كما كانت فلو جن أو عته بعد البلوغ تعود في الأصح وفي الخانية زوج ابنه البالغ بلا إذنه فجن قالوا ينبغي للأب أن يقول أجزت النكاح على ابني لأنه يملك إنشاءه بعد الجنون قوله (ولزم النكاح) أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في تزويج الأب والجد والمولى وكذا الابن على ما يأتي ۔

Marfat.com

(۴۷۰) مجنونہ کو نکاح کے بعد جنون سے افاقہ ہو جائے

سؤال

ایک شخص نے اپنی بالغہ مجنونہ بچی کا نکاح ایک مجنون لڑکے سے کر دیا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ لڑکی خدا کی شان صحیح ہوگئی اور جب اس کو پتہ چلا کہ میرا نکاح فلاں مجنون شخص سے ہوا ہے تو اس نے اس نکاح کا انکار کر دیا تو مفتی صاحب کیا اس عورت کا نکاح جو اس کے والد نے اس کے مجنونہ ہونے کی حالت میں کیا تھا درست ہے یا نہیں اور لڑکی کو اس نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

مجنونہ بالغہ لڑکی کا نکاح ان کے اولیاء کرائیں تو یہ نکاح درست ہے نیز وہ نکاح اگر باپ یا دادا نے کرایا تھا تو اس کو فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا البتہ باپ یا دادا کے علاوہ دیگر کوئی شخص اگر ولی ہو اور وہ یہ نکاح کرائے تو مجنونہ کو افاقے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار ملتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نکاح درست ہوگیا ہے اور اس نکاح کے صحیح ہونے کے بعد اب اس لڑکی کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اس کا نکاح اس کے باپ نے کروایا ہے لہٰذا اس نکاح کو یہ لڑکی فسخ نہیں کرسکتی البتہ اگر یہ لڑکی قاضی کی عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک مجنون ہونا ثابت کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے، اگر صحیح ثابت ہو تو مجنون کو علاج کیلئے ایک سال کی مہلت دیدے، اور بعد اختتام سال اگر زوجہ پھر درخواست کرے اور شوہر کا مرض جنون موجود ہو تو عورت کو اختیار دیدیا جائے اور اگر عورت اسی مجلس تخییر میں فرقت طلب کرے اور قاضی تفریق بھی کردے تو یہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔

لمافي الهندية (١/٢٨٥): المعتوه والمعتوهة والمجنون والمجنونة كالصغير والصغيرة فللولي إنكاحهما إذا كان الجنون مطبقا۔

وفيه أيضا (١/٥٢٦) باب العنين: إذا كان بالزوجة عيب فلا خيار للزوج وإذا كان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلا خيار لها كذا في الكافي قال محمد رحمه الله تعالى إن كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ وإن كان مطبقا فهو كالجب وبه نأخذ۔

وفي الشامية (٣/٦٦): قوله (كمعتوه ومجنون) أي ولو كبيرين والمراد كشخص معتوه الخ فيشمل الذكر والأنثى قال في النهر فللولي إنكاحهما إذا كان الجنون مطبقا وهو شهر على ما عليه الفتوى۔

Marfat.com

وفيه أيضا (٢/٢٩٧): قوله (ولا عبرة بتأجيله غير قاضي البلدة) لأن هذا مقدمة أمر لا يكون إلا عند القاضي وهو الفرقة فكذا مقدمته ولواحقه.

Marfat.com

فصل فی خیار البلوغ

(خیار بلوغ کا بیان)

(۴۷۱) لڑکے اور لڑکی کی مدت بلوغ کیا ہے؟

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ لڑکا اور لڑکی کب بالغ ہوتے ہیں؟ مفتی بہ قول سے مستفید فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکے کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو احتلام یا انزال ہونے لگے شرعاً ایسی حالت کے بعد اس کو بالغ تصور کیا جائے گا اور لڑکی کے بالغ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو احتلام ہونا یا حیض آنا شروع ہو جائیں ایسی صورت میں لڑکی کو شرعاً بالغہ تصور کیا جائے گا البتہ اگر لڑکے کو احتلام یا انزال نہ ہوتا ہو اور لڑکی کو حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، ایسی صورت میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں جب پندرہ سال کی عمر تک پہنچ جائیں تو اس وقت دونوں کو شرعاً بالغ شمار کیا جائے گا۔

لمافی الهندية (۶۱/۵): الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الإنزال والجارية بالاحتلام أو الحيض أو الحبل كذا في المختار والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعليه الفتوى۔

وفی الدرالمختار(۱۵۳/۶):(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها(فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) لقصر أعمار أهل زماننا۔

Marfat.com

(۲۷۴) بالغ ہونے کے بعد خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے

سؤال

ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً چار یا پانچ سال تھی۔ اس لڑکی کی والدہ نے ایک دس سال کے لڑکے سے اس کا نکاح کردیا لڑکی کا والد ملک سے باہر کاروبار کے سلسلے میں گیا ہوا تھا، وہ تقریب نکاح میں موجود نہیں تھا اب لڑکی جوان ہوگئی ہے تو کیا لڑکی پر اس نکاح کو برقرار رکھنا لازم ہے یا اس کو اختیار حاصل ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات واضح رہے کہ نابالغ بچے یا بچی کا نکاح اگر اس کے والد یا والد نہ ہو تو دادا کردیں اس صورت میں بلوغ کے بعد کسی قسم کا خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوتا[1] نیز اگر کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر نابالغ کا نکاح کرادے اور پھر یہ اجازت دے دیں تب بھی یہی حکم ہے البتہ والد اور دادا کے علاوہ کوئی شخص نابالغ کا نکاح کرائے (چاہے وہ شخص ولی بھی ہو) تو بلوغ کے بعد نکاح کو "فسخ" کرنے کا اختیار ملتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں نابالغہ کا نکاح چونکہ والدہ نے کرایا ہے لہٰذا اگر باپ نے اس نکاح کی اجازت دیدی ہو (بذریعہ ٹیلیفون یا دیگر کسی بھی ذریعے سے) تو بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو خیارِ بلوغ نہ ملے گا لیکن اگر باپ سے کوئی رابطہ نہ ہو، اور اس نے اجازت نہ دی ہو تو پھر بلوغ کے بعد لڑکی کو یہ اختیار ملے گا کہ وہ والدہ کے کئے نکاح کو "فسخ" کردے البتہ یہ یاد رہے کہ بالغ ہونے کے فوراً بعد اس خیار کو استعمال کرنا ضروری ہے اگر ذرا بھی تاخیر کی گئی تو یہ خیار باطل ہوجائے گا۔

لما في التاتارخانية (۲۶/۳): واذا زوج الصغير أو الصغيرة غير الأب والجد ثم بلغا فلهما الخيار عند أبي حنيفة ومحمد ولو زوجتها أمها فبلغت فلها الخيار عند أبي حنيفة رحمه الله خلافا لهما۔

وفي الدر المختار (۴۳/۲): (وبطل خيار البكر بالسكوت) لو مختارة (عالمة ب) أصل (النكاح) فلو سألت عن قدر المهر قبل الخلوة أو عن الزوج أو سلمت على الشهود لم يبطل خيارها نهر بحثا (ولا يمتد إلى آخر المجلس) لأنه كالشفعة۔

وفيه أيضا: (۴۸/۳) فإن لم يكن عصبة فالولاية للأم ثم لأم الأب وفي القنية عكسه ثم للبنت

---

[1] خیارِ بلوغ سے متعلق یہی بات محقق اور مدلل ہے کہ نابالغی میں دادا کے کئے نکاح کو بعد البلوغ فسخ نہ کرسکنے کا حکم اس وقت ہے جب دادا نے باپ کی غیر موجودگی میں نابالغ کا نکاح کرایا ہو ورنہ دادا کے کئے نکاح میں بھی بعد البلوغ خیار ہوگا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل اور حوالہ جات کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد خامس میں فتوی "القضية السالبة اذا أنكح الجد في غير الكفوء البالغة" کو ملاحظہ کیا جائے۔ از مرتب فرحان حسن

Marfat.com

ثم لبنت الابن ثم لبنت البنت ثم لبنت ابن الابن ثم لبنت بنت البنت وهكذا ثم للجد الفاسد ثم للأخت ۔۔۔ الخ

(۴۷۳) خیارِ بلوغ سے فسخ نکاح کیلئے گواہ ضروری نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کسی لڑکی کا ولی ابعد نے حالت نابالغی میں غیر کفوء سے نکاح کرادیا اب لڑکی کہتی ہے کہ اس نکاح کو عدم کفاءت کی بناء پر میں نے بالغہ ہونے کے ساتھ ہی رد کردیا ہے لیکن لڑکی نے اس پر کوئی گواہ قائم نہیں کیا لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں بغیر گواہ صرف لڑکی سے حلف لے کر قاضی نکاح کو فسخ کرسکتا ہے یا نہیں، اگر فسخ کردے تو یہ فسخ شرعاً معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر لڑکی بالغہ ہوتے ہی نکاح کو رد کردے اور گواہ نہیں ہوں تو اس صورت میں عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ قاضی یہ نکاح فسخ کرسکتا ہے۔

لمافي الهندية (۲۸۵/۱): فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار العتق كذا في الهداية۔

وفيه أيضا(۲۸۶/۱): ويبطل هذا الخيار في جانبها بالسكوت إذا كانت بكرا ولا يمتد إلى آخر المجلس حتى لو سكتت كما بلغت وهي بكر بطل الخيار ۔۔۔ الخ۔

وفي الدرالمختار(۶۴/۳): (قال) الزوج للبكر البالغة (بلغك النكاح فسكت وقالت رددت) النكاح (ولا بينة لهما) على ذلك (ولم يكن دخل بها طوعا) في الأصح (فالقول قولها) بيمينها على المفتى به وتقبيل بينته على سكوتها لأنه وجودي بضم الشفتين ولو برهنا فبينتها أولى إلا أن يبرهن على رضاها أو إجازتها۔

Marfat.com

(۴۷۴) والد کے کئے ہوئے نکاح میں خیارِ بلوغ کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ "بشریٰ" کا نکاح اُس کے والد زید نے ساڑھے چھ سال کی عمر میں بکر سے کر دیا تھا۔ اس وقت بکر بھی بچہ تھا۔ دونوں کی طرف سے ایجاب وقبول دونوں کے والد نے کیا۔ پھر جب یہ دونوں بڑے ہو گئے تو رخصتی سے پہلے پہلے دونوں خاندانوں کے درمیان ناچاقی ہو گئی جس کے بعد لڑکی والوں کی طرف سے عدالت سے رجوع کیا گیا تو عدالت نے فیصلہ دیا کہ یہ نکاح ہوا ہی نہیں لہٰذا دوسری جگہ نکاح کر دیا جائے۔ اَب سوال یہ ہے کہ آیا وہ نکاح جو دونوں کے والد نے باہمی رضامندی سے کیا تھا جبکہ بچے دونوں نابالغ تھے اور انہوں نے خود ایجاب قبول نہیں کیا تو کیا وہ نکاح ہو گیا یا نہیں ہوا؟

(۲) عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے کہ یہ نکاح ہوا ہی نہیں تو کیا عدالت کے فیصلہ کی روشنی میں یہ نکاح نہیں سمجھا جائے گا یا نکاح اب بھی قائم ہے؟ برائے مہربانی شرعی نقطہ نظر سے ہماری راہنمائی فرمائیں تا کہ ہم کوئی صحیح فیصلہ کر سکیں۔

(نوٹ: لڑکی کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ دونوں آپس میں دور کے رشتہ دار بھی ہیں۔)

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں والد کو اپنی نابالغ اولاد کا بچپن میں نکاح کر دینے کا حق حاصل ہے، لہٰذا اگر والدین اپنی نابالغ اولاد کا نکاح شرعی ایجاب وقبول اور گواہوں کے ساتھ کر دیں تو یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد جب تک خاوند طلاق نہ دے یا عورت خاوند کی رضامندی سے خلع نہ لے تو یہ نکاح ختم نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں "بشریٰ" کا نکاح چونکہ بکر کے ساتھ ان کے والدین کے ایجاب وقبول کرنے کی وجہ سے منعقد ہو چکا تھا لہٰذا جب تک "بشریٰ" کے خاوند "بکر" سے طلاق نہ لی جائے یا خاوند کی رضامندی سے خلع نہ لیا جائے اس وقت تک یہ نکاح ختم نہیں ہو سکتا نیز طلاق کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا بھی جائز نہیں اور اس بارے میں عدالت کا فیصلہ شریعت کے خلاف ہے لہٰذا یہ فیصلہ قابلِ عمل نہیں ہے۔

لمافی مشکوۃ المصابیح (ص۲۷۰): عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " لا نكاح إلا بولي ". رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي۔

وفی البحرالرائق (۲۰۸/۳): قوله (وللولي انكاح الصغير والصغيرة والولي العصبة بترتيب الإرث)

---- وفی (۲۰۸/۳): ولهما خيار الفسخ بالبلوغ فی غير الأب والجد بشرط القضاء۔

وفيه أيضا (۴۲۶/۳): ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ لصدوره من أهله۔

وفی الدرالمختار (۶۵/۳): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة)جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه

Marfat.com

ومجنون شهرا (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش) بنقص مهرها وزيادة مهره (أو) زوجها (بغير كفء إن كان الولي) المزوج بنفسه بغبن (أبا أو جدا)۔

وفي الرد تحته(٣/٦٧): ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفء إن كان الولي أبا أو جدا۔

وفيه ايضاً(٣/٥١٦): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لكونها زنا كما في القنية وغيرها اه

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

إعلام الاذكياء

بأن عدم استحقاق الفسخ لنكاح الأب

ثابت من الأحاديث الصحاح

"نابالغہ لڑکی کا باپ اگر اس کا نکاح کر دے تو نابالغہ بعد از بلوغ اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی"

اس حکم کا احادیث سے ثبوت اور بعض حضرات کے شبہات کا ازالہ،

مسئلہ ھذا پر مفصل تحقیق

Marfat.com

(۴۷۵) نابالغہ کا نکاح فسخ نہ کرسکنے کا حدیث سے ثبوت

سؤال

اگر کوئی آدمی اپنی چھوٹی بچی کا نکاح بچپن میں کر دیتا ہے تو بالغہ ہونے کے بعد اس لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا یہ کس حدیث سے ثابت ہے؟ حالانکہ حدیث میں تو یہ آتا ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے اختیار ہے پھر نابالغہ کو اختیار نہ دینے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

" عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا نكاح إلا بولي". رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي" (مشكوة ص۲۷۰)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ولی کے بغیر نکاح کالعدم ہے"

اسی طرح ایک اور حدیث میں نہایت واضح الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

وعن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل"

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس عورت نے بھی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔''

یہ اور ان جیسی دیگر احادیث کا تقاضہ تو یہ ہے کہ لڑکی چاہے بالغہ ہو یا نابالغہ اس کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کالعدم قرار دیا جائے اور بہت سے فقہاء کی یہی رائے ہے کہ بغیر اجازت ولی کے باکرہ عورت مطلقاً اپنا نکاح نہیں کرسکتی البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قرآن وحدیث کے مختلف نصوص کی دلالت کی وجہ سے اس عموم سے بالغہ کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

ان نصوص میں سب سے پہلے تو قرآنِ پاک کی آیت ہے:

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرة:۲۳۴)

Marfat.com

پھر جب وہ اپنی میعاد ختم کرلیں تو تم کو کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کیلئے کچھ کارروائی کریں قاعدے کے موافق۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کیلئے اپنی ذات کے بارے میں کسی بھی فیصلے کو عورت کی طرف ہی منسوب کیا ہے نہ کہ یہ شرط لگائی ہے کہ ولی بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ (البقرة:۲۳۰)

یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند سے نکاح کرلے۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

اس آیت میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بالغہ عورت اپنا نکاح کرنے میں خود مختار ہے۔ (حاشیہ مشکوۃ ص ۲۷۰)

نیز سوال میں ذکر کردہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح خود کرسکتی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں مکمل حدیث یوں منقول ہے:

"عن أبي سلمة بن عبد الرحمن قال كانت امرأة من الأنصار تحت رجل من الأنصار فقتل عنها يوم أحد وله منها ولد فخطبها عم ولدها ورجل إلى أبيها فأنكح الرجل وترك عم ولدها فأتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت أنكحني أبي رجلا لا أريده وترك عم ولدي فيؤخذ مني ولدي فدعا النبي صلى الله عليه وسلم أباها فقال أنكحت فلانا فلانة قال نعم قال أنت الذي لا نكاح لك اذهبي فانكحي عم ولدك"

"حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت کا نکاح ایک انصاری مرد سے ہوا تھا وہ انصاری احد کے دن شہید ہوگئے ان سے اس عورت کا ایک بچہ تھا اس عورت کے باپ کے پاس سابقہ شوہر کے بھائی اور ایک اور شخص دونوں نے پیغام نکاح بھیجا باپ نے اس دوسرے شخص سے نکاح کردیا اور اس عورت کے دیور کو منع کردیا وہ عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا میرے والد نے میرا نکاح ایک ایسے شخص سے کرادیا جس سے میں نکاح نہیں کرنا چاہتی اور میرے بچے کے چچا کا رشتہ منع کردیا (جس کے نتیجے میں پہلے شوہر سے میرے بچے کو بھی مجھ سے جدا کردیا جائے گا) آپ ﷺ نے اس عورت کے باپ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: تم نے فلاں کا فلانہ سے نکاح کیا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں نکاح کرانے کا حق نہیں اس عورت سے فرمایا جاؤ اور اپنے بچے کے چچا سے نکاح کرلو۔"

اس حدیث میں "لا أريده" کے الفاظ آئے ہیں یعنی میں اس شخص سے نکاح نہیں کرنا چاہتی اور کسی چیز کو پسند یا ناپسند کرنا بالغہ کی صفات میں سے ہے اسی طرح کی ایک اور حدیث بخاری شریف میں ہے کہ ایک عورت کا نکاح اس عورت کے باپ نے کرادیا "فكرهت" اس عورت کو وہ نکاح ناپسند تھا لہٰذا آپ ﷺ نے اس نکاح کو کالعدم قرار دے دیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث

Marfat.com

پر باب باندھا ہے "باب اذا زوج الرجل ابنته وھی کارھة فنکاحھا مردود" (یہ باب ہے اس شخص کے بیان میں جو اپنی بچی کا نکاح کر دے درآنحالیکہ وہ بچی اس نکاح کو ناپسند کرتی ہو تو وہ نکاح ردّ ہوگا)۔

اس کے تحت شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المراد بنته البالغة یدل علیه قوله وھی کارھة لأن ھذہ الصفة للبالغات"

حدیث میں بنت سے مراد بالغہ لڑکی ہے اس پر یہ قول "وھی کارھة" کہ وہ ناپسند کرتی تھی دلالت کرتا ہے کیونکہ کسی چیز کو پسند یا ناپسند کرنا بالغہ عورت کی صفات میں سے ہے۔ (عمدۃ القاری علی صحیح البخاری ۲۰/۱۲۹)

اس کے علاوہ مشکوۃ شریف میں حدیث ہے:

عن أبی ھریرة قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "لا تنکح الأیم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن". قالوا: یارسول اللہ وکیف إذنھا؟ قال: "أن تسکت"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بالغہ ثیبہ) عورت کا نکاح اس کی زبانی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا اور (باکرہ بالغہ) لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا کہ اس (بالغہ کنواری لڑکی) کی اجازت کیسے معلوم ہو؟ ارشاد فرمایا: وہ خاموش رہے (تو یہ بھی اجازت ہے)۔

اس حدیث کے ذیل میں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

"(حتی تستأذن) وھذا باطلاقه حجة لأبی حنیفة فی عدم جوازہ اجبار البکر البالغة"

"(لڑکی سے اجازت لی جائے) حدیث کے یہ الفاظ اپنے عموم کے ساتھ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہیں کہ ان کا مذہب ہے کہ بالغہ باکرہ لڑکی پر نکاح کے معاملہ میں جبر نہیں کیا جاسکتا۔"

لہٰذا مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اصلاً تو لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر منعقد ہی نہیں ہونا چاہیئے البتہ ان دیگر نصوص کی موجودگی میں بالغہ لڑکی کو مستثنیٰ کرنا ضروری تھا لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح کے معاملے میں خودمختار ہوگی۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ بالغہ بھی اپنا معاملہ ولی کے سپرد کر دے تاکہ معاشرے میں بدنامی اور عیب کا سبب نہ ہو نیز نابالغہ لڑکی تو اصل کے مطابق ولی کے تابع ہے اس کے تمام معاملات ولی کے سپرد ہیں۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ نابالغہ کے ساتھ یہ معاملہ اس وقت ہے جبکہ اس کا نکاح باپ یا دادا (باپ کی عدم موجودگی میں) کرائیں لیکن اگر نکاح کا ولی ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہو اور وہ نابالغہ کا نکاح کراتا ہے تو جواب یہ نہ ہوگا بلکہ دیکھا جائے گا اگر باپ یا دادا کے علاوہ نے غیر کفوء میں نکاح کرایا ہو تو یہ نکاح کالعدم ہوگا اور اگر کفوء میں کیا ہو تو بلوغ کے بعد لڑکی کو اختیار ملے گا چاہے نکاح کو باقی رکھے یا رد کر دے کیونکہ باپ یا دادا کے علاوہ کوئی بھی ولی ہو اس کی شفقت تام نہیں، چاہے وہ ماں ہی کیوں نہ ہو ماں کی شفقت تام نہ ہونا یہ ہے کہ اس کی سوچ اور قوت فیصلہ ناقص ہے لہٰذا نابالغہ لڑکی کو اختیار نہ ملنا باپ اور دادا کے نکاح کی صورت میں ہے۔ غیر باپ دادا کی صورت

Marfat.com

میں خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے اور یہ فرق حدیث سے بھی ثابت ہے:

"وفی الحدیث أن قدامة بن مظعون زوج بنت أخیه عثمان ابن مظعون من ابن عمر فردها صلی الله علیه وسلم وقال إنها یتیمة ... [قال ابن الهمام:] تأویله أنه خیرها صلی الله علیه وسلم فاختارت الفسخ ألا تری إلا ما ماروی عن ابن عمر أنه قال والله لقد انتزعت منی بعد أن ملکتها۔" (فتح القدیر، ۲۷۵/۳)

"حدیث میں قدامہ بن مظعون کا واقعہ ذکر ہے انہوں نے اپنی بھتیجی (عثمان بن مظعون کی بیٹی) کا نکاح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کر دیا لیکن آپ ﷺ نے اس نکاح کو رد کر دیا.......... ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دیا اور اس لڑکی نے فسخ نکاح کو اختیار کر لیا۔ اس بات پر یہ دلیل ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا وہ لڑکی مجھ سے بعد اس کے کہ میں اس کا مالک بن گیا تھا جدا ہو گئی"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باپ یا دادا کے علاوہ کا کیا ہوا نکاح لڑکی بعد از بلوغ فسخ کر سکتی ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سائل کا اشکال خلافِ حقیقت ہے قرآن وحدیث کے نصوص کی روشنی میں جو تفصیل مسئلہ کی تھی وہ تحریر کر دی گئی لہٰذا یہ کہنا کہ "نابالغہ کو اختیار نہ دینے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی" درست نہیں بلکہ اصل یہی ہے کہ کسی بھی لڑکی کو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا اختیار نہ ہو البتہ بالغہ کو دیگر نصوص کی وجہ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

لمافی عمدة القاری (۱۲۹/۲۰): وقد احتج أصحابنا بحدیث الباب وبهذه الأحادیث علی أنه لیس للولي إجبار البکر البالغة علی النکاح۔

وفی اعلاء السنن (۶۹/۱۱): ومنها مافی زیلعی وعن مستدرك حاکم مرفوعا لانکاح الا بولی فهذا الحدیث محمول علی نکاح الصغیرة والأمة۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۵۷۸/۹): ودلیل أبي حنیفة ومحمد: ما روي أن قدامة بن مظعون زوّج بنت أخیه: عثمان بن مظعون، من عبد الله بن عمر رضي الله عنه، فخیرها رسول الله صلّی الله علیه وسلم بعد البلوغ، فاختارت نفسها، حتی روي أن ابن عمر قال: إنما انتزعت مني بعد ما ملکتها۔

Marfat.com

(۴۷۶)نابالغی کی حالت میں ماں کے کئے نکاح کو فسخ کرنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی کی شادی نابالغی میں اس کی ماں نے اپنی مرضی سے کردی تھی اب لڑکی بالغہ ہے رخصتی نہیں ہوئی تھی اور اب وہ شوہر کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر ماں کے علاوہ دوسرا کوئی ولی عصبہ نہ تھا تو ماں کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے لیکن لڑکی کو بالغہ ہونے کے ساتھ اختیار ملتا ہے کہ نکاح قائم رکھے یا فسخ کردے۔ اگر لڑکی نے بالغہ ہوتے ہی نکاح کا انکار کیا یا بالغہ ہونے کے وقت اسے نکاح کا علم ہی نہ ہو اور پھر جس مجلس میں نکاح کی خبر ملی ہو اسی مجلس میں نکاح کا انکار کردیا تو نکاح قاضی کے فیصلے کے ذریعے فسخ کرایا جاسکتا ہے بصورت دیگر نکاح منعقد ہے۔

لمافی الهندية (۲۸۵/۱): وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ --- ويبطل هذا الخيار في جانبها بالسكوت إذا كانت بكرا۔

وفی الدر المختار (۶۷/۳): (وإن كان المزوج غيرهما) أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي --- (وإن كان من كفء وبمهر المثل صح و) لكن (لهما) أي لصغير وصغيرة وملحق بهما (خيار الفسخ) ولو بعد الدخول (بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده) لقصور الشفقة --- (بشرط القضاء) للفسخ۔

وفی الرد تحته(۶۹/۳): قوله (لقصور الشفقة) أي ولقصور الرأي في الأم --- (۷۰/۳): وحاصله أنه إذا كان المزوج للصغير والصغيرة غير الأب والجد فلهما الخيار بالبلوغ أو العلم به فإن اختار الفسخ لا يثبت الفسخ إلا بشرط القضاء۔

(۴۷۷)نابالغ لڑکا لڑکی کا بغیر اجازت ولی کے اپنا نکاح کرنا

سؤال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

Marfat.com

(۱)......اگرلڑکے اورلڑکی میں علامات بلوغ نہ پائی جائیں توشرعاً کس عمر میں ان کو بالغ شمار کیا جائے گا؟

(۲)......نیز اگر علامات بلوغ کے پائے جانے میں اختلاف ہو،لڑکی اورلڑکا اقرار کرتے ہیں اوراس کے والدین انکاری ہیں توکس کا قول معتبر ہے؟ مثلاً تیرہ برس کی عمر میں اپنا نکاح خودکیاتولڑکا اورلڑکی بلوغ کا اعتراف کرتے ہیں اوروالدین منکر ہیں توکس کا قول معتبر ہے؟

(۳)......صغیروصغیرہ اپنا نکاح بغیر اپنے ولی کی اجازت کے خودکرسکتے ہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

(۱)......شرعاً کسی لڑکے کواس وقت سے بالغ اور مکلف سمجھا جاتا ہے جب اس کو احتلام یا انزال ہوجائے اسی طرح اگرلڑکی کوحیض آجائے یا حاملہ ہوجائے یا احتلام ہوجائے تووہ شرعاً بالغہ سمجھی جاتی ہے البتہ اگرلڑکے،لڑکی میں مذکورہ علامات بلوغ نہ پائی جائیں تو بنابرقول اصح پندرہ سال کی عمر میں ان کوشرعاً بالغ تصور کیا جائے گا۔

(۲)......علامات بلوغ کے پائے جانے میں اختلاف واقع ہوجائے تولڑکے،لڑکی کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ ان کی عمراتنی ہوجس میں علامات بلوغ پائی جانے کا امکان ہو،اوروہ لڑکے کے حق میں بارہ سال اورلڑکی کے حق میں نوسال ہے۔

(۳)......صغیراورصغیرہ کا نکاح بغیرولی کے انعقاد کے صحیح نہیں ہے۔

لمافي الهندية (۵/٦١): الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ: بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الإنزال والجارية بالاحتلام أو الحيض أو الحبل كذا في المختار والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعليه الفتوى --- وأدنى مدة البلوغ بالاحتلام ونحوه في حق الغلام اثنتا عشرة سنة وفي الجارية تسع سنين --- فإن أخبرا به ولم يكذبهما الظاهر قبل قولهما كما قبل قول المرأة في الحيض۔

وفي الدرالمختار(۳/۵۵):(وهو) أي الولي (شرط) صحة (نكاح صغير ومجنون ورقيق) لا مكلفة (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي)۔

(۴۷۸)لالچی چچانابالغہ کا نکاح کرادے تواس نکاح کاحکم

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگرولی باپ،دادا کے علاوہ چچاہواوراس نے نابالغہ بچی کا

Marfat.com

نکاح طمع ولالچ میں کہیں کردیا اور اس کا طمع ولالچ یقینی ہو، اس کے اعمال سابقہ سے اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہو تو یہ عقد نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کسی نابالغ بچہ و بچی کا نکاح باپ دادا کے سوا دوسرا ولی مثلاً چچا وغیرہ کرائے تو اگر ولی نے غیر کفوء میں نکاح کیا ہے تو وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا اور اگر کفوء (مال اور پیشے وغیرہ کے اعتبار سے برابر میں) کرائے تو بلوغت کے بعد نابالغ کو اختیار ہے، چاہے نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کرے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ بچی کا نکاح اگر غیر کفوء میں ہوا ہے تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا اور اگر کفوء میں ہوا ہے تو بعد از بلوغت اس کو اختیار ہے چاہے نکاح کو برقرار رکھے یا عدالت کے ذریعہ اپنے نکاح کو ختم کرائے۔

لما فی الهندية (١/٢٨٥): فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى ويشترط فيه القضاء بخلاف خيار العتق كذا في الهداية۔

وفی الدر المختار (٣/٦٧) باب الولی: (وإن كان المزوج غيرهما) أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي --- (لا يصح) النكاح (من غير كفء أو بغبن فاحش) أصلا --- (وإن كان من كفء وبمهر المثل صح و) لكن (لهما) أي لصغير وصغيرة وملحق بهما (خيار الفسخ) ولو بعد الدخول (بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده) لقصور الشفقة --- (بشرط القضاء) للفسخ۔

وفی الشامية (٣/٦٨): نعم رأيت في البدائع مثل ما في الكنز حيث قال وأما إنكاح الأب والجد الصغير والصغيرة فالكفاءة فيه ليست بشرط --- بخلاف إنكاح الأخ والعم من غير كفء فإنه لا يجوز بالإجماع لأنه ضرر محض اهـ۔

Marfat.com

فصل فی استئذان المرأة قبل النکاح

(نکاح سے قبل لڑکی سے اجازت لینے کا بیان)

(۴۷۹) بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہیں ہوسکتا

سؤال

محترم مفتی صاحب! چند مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں:

(۱) وٹہ سٹہ کے نکاح والدین نے کردیئے ایک لڑکی ابھی ۵ سال کی تھی جبکہ دوسری طرف والی لڑکی کی رخصتی کردی گئی اس شادی کو ۱۵ سال گزر چکے، اب یہ دوسری لڑکی بھی شادی کی عمر کو پہنچ گئی ہے لیکن لڑکی کہتی ہے کہ میں اس جگہ شادی نہیں کروں گی لڑکی کا باپ سختی کررہا ہے، عزت کا مسئلہ ہے، لڑکی کے سسرال والے کہتے ہیں اگر تم رشتہ نہیں دیتے تو ہم اپنی بیٹی کو واپس لے جارہے ہیں اس مسئلہ کا حل بتائیں۔

(۲) ایک لڑکا ہے اس کی شادی کو تقریباً ۶، ۷ سال گزر چکے ہیں دو تین سال کے بعد بیوی سے جھگڑا ہوگیا پوری دنیا سے کہتا ہے میں نے بیوی کو چھوڑ دیا۔ ایک دو دفعہ راضی ہوگئے تھے پھر دوبارہ وہی لڑائی ہوگئی اب لڑکی اپنی ماں کے ساتھ ہے۔ لڑکے نے دوسری شادی کرلی لیکن وہ لڑکی بھاگ گئی۔ اب وہ پہلی بیوی کو لانا چاہتا ہے۔ لڑکی واپس نہیں جانا چاہتی اس کا حل بتادیں۔

(۳) ایک لڑکے کی شادی کو ۳ سال گزر چکے ہیں لڑکی والوں نے لڑکے کو کچھ نہیں بتایا۔ لڑکی کو مرگی کی بیماری تھی۔ لڑکی میاں کی بات نہ سنتی تھی۔ کام کچھ نہیں کرتی تھی۔ میاں کو بہن سے کھانا منگوانا پڑتا کپڑے بھی بہن دھوتی۔ بیوی نے دوسری یا تیسری رات حق مہر معاف کردیا۔ خاوند بہت پریشان ہے۔ اس کا حل بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ کی (۱) پہلی صورت میں بالغہ لڑکی کا نکاح بغیر اس کی رضامندی کے کرنا شرعاً صحیح نہیں ہے بلکہ نکاح کیلئے بالغہ کی رضامندی ضروری ہے البتہ اگر سسرال والے اس پر اصرار کریں تو انہیں آرام سے سمجھادیں کہ شرعاً بغیر رضامندی کے نکاح کرنا صحیح نہیں ہے چنانچہ بلا ضرورت اصرار نہ کریں لہذا فی الوقت نکاح نہیں ہوسکتا۔ صرف اس وجہ سے اپنی بیٹی کو گھر لیجانا اور طلاق دلوادینا کہ

Marfat.com

آپ نے ہمیں اپنی بیٹی نہیں دی شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ طلاق مبغوض ترین چیز ہے جو صرف ضرورت کے موقع پر ہی دی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر ان کے ماں باپ نے وٹہ سٹہ کے طور پر رشتہ طے کرتے وقت ہی انکا ایجاب وقبول کرلیا ہو، باقاعدہ نکاح ہوگیا ہو اور لڑکی اس وقت نابالغہ تھی تو اب بالغہ ہونے کے بعد اپنے باپ کا کیا ہوا نکاح توڑنے کا اس کو شرعاً اختیار نہیں ہے۔

(۲) دوسری صورت میں اگر اس لڑکے نے تین مرتبہ لفظ "چھوڑ دیا" کہا ہو تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اب اس لڑکی کا بغیر حلالۂ شرعی کے اپنے اس شوہر کے ساتھ رہنا شرعاً جائز نہیں ہے اور اگر اس نے ایک یا دو مرتبہ لفظ "چھوڑ دیا" کہا ہو تو یہ طلاق رجعی ہے عدتِ طلاق کے اندر رجوع کرسکتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد طلاق بائن ہوجائے گی۔ اب نئے سرے سے نکاح کئے بغیر وہ لڑکی اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ نکاح جدید کیلئے لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔

(۳) تیسری صورت میں اگر آپس میں نباہ مشکل ہو تو طلاق کی گنجائش ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ وہ لڑکا دوسری شادی کرلے اور اس بیوی کو بھی ساتھ رکھے۔

لما فی الدر المختار (۳/۵۸): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة (فسكتت) عن رده مختارة (أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت) فلو بصوت لم يكن إذنا۔

وفيه أيضا (۳/۶۵-۶۶): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة) جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه ومجنون شهرا (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش)۔

وفي الرد تحته: قوله (ولزم النكاح) أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في تزويج الأب والجد والمولى وكذا الابن على ما يأتي۔

وفي الشامية (۳/۲۹۹): فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق۔

(۴۸۰) نابالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کیا جاسکتا ہے

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بشریٰ کی عمر ۹ سال ہے ابھی وہ بالغہ نہیں ہوئی۔ اس کے ایک سرپرست نے اس کا نکاح کرادیا۔ بشریٰ کو سمجھ بوجھ ہے لیکن اس سے کچھ پوچھا نہیں گیا بشریٰ کی ماں بھی نکاح پر راضی نہیں اور

Marfat.com

مستقبل میں بشریٰ کی رضامندی بھی مشکل لگتی ہے اس طرح لڑکی اور اس کی ماں کی ناراضگی کے ساتھ نابالغہ کا نکاح پڑھادینا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حدِ بلوغ (لڑکی کو حیض آنا وغیرہ) تک پہنچنے سے پہلے لڑکی کا نکاح بغیر اسکی رضامندی کے اس کے ولی کرا سکتے ہیں لیکن باپ، دادا اور دیگر اولیاء میں کچھ فرق ہے وہ تحریر کیا جارہا ہے۔

(۱) اگر باپ، دادا [باپ کی عدم موجودگی میں] نابالغہ لڑکی کا نکاح کرواتے ہیں تو بلوغ کے بعد لڑکی کو کسی قسم کا اختیار نہ ملے گا اور یہ نکاح فی الحال لازم ہوجائے گا۔

(۲) اگر باپ، دادا کے علاوہ کوئی دیگر ولی (چاہے باپ، دادا زندہ ہوں یا نہ ہوں) نابالغہ لڑکی کا نکاح کرا دیتا ہے تب بھی یہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے لیکن لڑکی کو بالغہ ہوتے ہی خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے یا کالعدم قرار دیدے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بشریٰ کے سرپرست کا ذکر نہیں کیا گیا اگر وہ باپ یا دادا ہیں تو یہ نکاح لازم ہے لڑکی اور اس کی ماں کی ناراضگی کا اعتبار نہیں لیکن اگر یہ نکاح باپ، دادا کے علاوہ مثلاً چچا یا بھائی وغیرہ نے کرایا ہے تو پھر بشریٰ کو بالغہ ہونے کے بعد خیارِ بلوغ ملے گا وہ چاہے تو اس نکاح کو برقرار رکھے یا چاہے کالعدم کردے۔

لمافي القدوري (ص۱۷۴): ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة العاقلة ـــ واذا استأذنها الولي فسكتت أوضحكت أو بكت بغير صوت فذلك اذن منها وان أبت لم يزوجها۔

وفي الدرالمختار (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البكر على النكاح) لانقطاع الولاية بالبلوغ (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة۔

وفيه أيضا (۶۵/۳): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة) جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه ومجنون شهرا (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش)۔

وفي الرد تحته: قوله (ولزم النكاح) أي بلا توقف على إجازة أحد وبلا ثبوت خيار في تزويج الأب والجد والمولى وكذا الابن على ما يأتي۔

(۴۸۱) اجازت لیتے وقت لڑکی کے انکار کردینے سے نکاح نہیں ہوتا

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً ۱۹ سال ہوگی اس کی شادی ایک ۳۵ سال سے زیادہ عمر کے شخص سے ہوئی اس شخص کی پہلی بیوی سے بھی اولاد تھی جو اس لڑکی سے بھی زیادہ عمر کی تھی نکاح کے وقت جب

Marfat.com

لڑکی سے اجازت نامہ پر دستخط کروانے گئے تو اس نے انکار کر دیا کیونکہ لڑکی اس شادی پر تیار نہ تھی وہ مسلسل رو رو کر انکار کر رہی تھی اور روتے روتے بیہوش ہوگئی اور بیہوشی کی حالت میں اجازت نامہ پر انگوٹھا لگوایا گیا یعنی گواہوں نے ہاتھ پکڑ کر لگایا۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ نکاح ہو گیا؟ اگر نہیں تو ان کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر منعقد نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں جب اس لڑکی نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا پھر زبردستی اجازت نامہ پر اس کا انگوٹھا لگوایا گیا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، پس اس آدمی کیلئے اس لڑکی کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ لڑکی اپنی رضامندی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

لما فی الھندیة (۲۸۷/۱): لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنھا بکرا کانت أو ثیبا فإن فعل ذلك فالنکاح موقوف علی إجازتھا فإن أجازته جاز وإن ردته بطل۔

وفی الدرالمختار (۵۸/۳): (ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح) لانقطاع الولایة بالبلوغ (فإن استأذنھا ھو) أي الولي وھو السنة۔

(۴۸۲) بالغہ کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح اجازت پر موقوف ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص باکرہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرادے تو کیا یہ نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ اگر لڑکی اجازت دیدے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اگر یہ درست ہے تو کیا اجازت لینے کی کوئی مدت متعین ہے یا نہیں؟ اگر دو تین مہینوں بعد اس سے اجازت لی جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کسی شخص نے بالغہ باکرہ عورت کا نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کرا دیا تو یہ نکاح اس باکرہ بالغہ عورت کی اجازت پر موقوف ہے اگر اجازت دے تو نکاح نافذ ہو جائے گا اور اگر اجازت نہیں دیتی تو نکاح باطل ہو جائے گا۔ باکرہ بالغہ عورت سے اجازت لینے کیلئے کوئی مدت متعین نہیں البتہ جب باکرہ بالغہ عورت کو نکاح کا علم ہو جائے تو فی الفور (اسی وقت) اجازت یا عدم اجازت کا اعتبار ہوگا اگر اسی وقت اجازت دے تو نکاح نافذ ہو جائے گا اور اگر اسی وقت اجازت نہ دے تو نکاح کالعدم ہو جائے گا لیکن نکاح کا معاملہ بہت ہی نازک ہے، اس میں مذاق اور سنجیدگی دونوں برابر ہیں لہذا لڑکی کو چاہیئے کہ اگر اس کے نکاح کا کوئی معاملہ اس کے

Marfat.com

سامنے آئے تو سوچ سمجھ کر فوراً فیصلہ کرے۔

لمافی الهندية (۲۶۹/۱): ووقت حضور الشهود وقت الإيجاب والقبول لا وقت الإجازة حتى لو كان العقد موقوفا على الإجازة ولم يحضرا عند العقد لم يجز هكذا في البدائع۔

وفی الشامية (۲۵/۳): قوله (وإلا لا) أي لم تكن حاضرة لا يكون العقد نافذا بل موقوفا على إجازتها كما في الحموي لأنه لا يكون أدنى حالا من الفضولي وعقد الفضولي ليس بباطل ط عن أبي السعود۔

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

الرسالة البيضاء

فی ردّ الاحتجاج

علی نقض إجازة المكرهة من حديث خنساء

بالغہ لڑکی سے اگر زبردستی نکاح کی اجازت لی جائے

اور وہ زبانی اجازت دیدے تو اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

اس کے برخلاف بعض حضرات کا اس اجازت کو کالعدم قرار دینا

اور اس پر حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے مخدوش استدلال،

اس استدلال کا رد اور بیان محمل، الغرض مسئلہ ہذا پر مبسوط اور مدلل جامع فتوی

Marfat.com

(۴۸۳) لڑکی سے جبراً اجازت لینے سے انعقادِ نکاح پر حدیثِ خنساء سے اشکال اوراس کا جواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر لڑکی سے جبراً ایجاب کرایا گیا تو اس کی رضامندی کے بغیر فقط منہ سے بول دینے سے آپ ایجاب مان لیتے ہیں لیکن وہ تو دل سے راضی نہیں ہے یہ کیسی رضا ہے؟ جبکہ کفر وایمان میں دل کا اعتبار ہوتا ہے نیز سب سے بڑا سوال تو اس حدیث پر اٹھتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ کے پڑھائے نکاح کو "فرد نکاحھا" ردّ کر دیا، اور اس عورت کے کہنے پر نکاح کو فسخ اور کالعدم قرار دیدیا۔ ظاہر ہے ایجاب وقبول تو ہوا ہوگا پھر اس حدیث کا کیا جواب ہے؟ ہم جبراً پڑھائے ہوئے نکاح کو فقط زبان سے لڑکی اجازت دیدے جبکہ دل انکاری ہو، نافذ کہتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ واضح فرمائیں رضامندی سے متعلق ان امور کی ایسی تشریح فرمائیں کہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ ایک ہے دلی رضامندی اور ایک ہے زبانی کلام۔ دلی رضامندی ایک غیر محسوس چیز ہے جس کا پتہ لگانے کا سوائے زبانی کلام کے کوئی ذریعہ نہیں لہذا شریعت زبانی کلام کا اعتبار کرتی ہے اور ظاہر کے مطابق کوئی شخص زبان سے جو بول رہا ہے اس کے مطابق حکم لگا دیتی ہے، دلی رضامندی کے موجود ہونے یا نہ ہونے پر شریعت کے احکام کا مدار نہیں۔

اس اصول کا تقاضہ تو یہ تھا کہ نکاح، طلاق، قسم وغیرہ تمام معاملات کی طرح جبراً کلمات کفر نکالنے سے بھی بندہ کافر ہوجائے لیکن کفر وایمان کا مسئلہ خلاف قیاس کلام پاک کے نص کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔ وہ نص یہ ہے:

مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّ ۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ (النحل:۱۰۶)

اس آیت میں کفریہ کلمات جبراً زبان سے اداء کردینے بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو تو اسے اللہ کے غضب سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اس خلافِ قیاس نص اور چونکہ کفر سے حبطِ اعمال یعنی تمام اعمال کا ضیاع لازم آتا ہے نیز اگر حالتِ ارتداد میں العیاذ باللہ موت آگئی تو اخروی عقاب الغرض ان تمام وجوہ کی بناء پر جبراً کلماتِ کفر کہنے سے وہ شخص کافر نہ ہوگا۔

Marfat.com

اب آجائیں نکاح کے معاملے کی طرف۔ نکاح میں بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کوئی شخص نہیں کرا سکتا۔ لڑکی کی اجازت از حد ضروری ہے نیز ولی کو بالغہ لڑکی پر جبر کرنے کا اختیار نہیں اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بالغہ کو اپنے معاملہ کا ذمہ دار خود قرار دیا ہے البتہ اگر جبراً بالغہ لڑکی سے اجازت لے لی گئی اور اس نے زبانی اجازت یا عملاً اجازت دے دی (مثلاً مہر کا مطالبہ کیا یا شوہر کو اپنے اوپر قدرت دیدی وغیرہ) تو پھر شرعاً یہ اجازت شمار ہوگی اور ولی اس کا نکاح کرا سکتا ہے خواہ یہ اجازت جبراً لی گئی ہو۔ یہاں نکاح کا انعقاد جبر کی وجہ سے نہیں ہو رہا بلکہ عورت کی زبانی اجازت کی وجہ سے ہو رہا ہے جو ظاہر ہے اس نے خود دی ہے۔

سوال میں آپ نے حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی اس پر استدلال کرنے کی کوشش کی ہے کہ زبانی اجازت اگر جبراً لڑکی سے لے لی جائے تو بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے اور لڑکی کا نکاح منعقد نہ ہو۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی مکمل حدیث یوں ہے:

" وعن خنساء بنت خذام: أن أباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها. رواه البخاري"

"حضرت خنساء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کرا دیا جبکہ وہ ثیبہ تھیں اور انہیں یہ نکاح ناپسند تھا وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئیں (اور واقعہ ذکر کیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو رد فرما دیا۔

(مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۰)

اس حدیث سے اس بات پر استدلال کہ لڑکی جبراً زبانی اجازت بھی دے دے تب بھی نکاح رد ہو سکتا ہے، یہ استدلال درست نہیں بلکہ اس حدیث کی شرح میں محدثین اور شراح حدیث میں سے کسی نے بھی اس طرف اشارہ نہیں کیا البتہ اس کے برخلاف تصریحات موجود ہیں۔ مشکوۃ کے شارح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"أن أباها زوجها وهي ثيب أي ولم يستأذنها وهي بالغة فكرهت ذلك أي العقد أو ذلك الرجل فأتت رسول الله فرد نكاحه أي تزويج الأب أو تزوج الزوج ---- وفيه دليل على أنه لا يجوز تزويج الثيب بغير إذنها" (مرقاة المفاتيح ٢٦٨/٦)

"(ان کے والد نے ان کا نکاح کرا دیا جبکہ وہ ثیبہ تھیں) یعنی باوجود بالغہ ہونے کے ان سے اجازت نہ لی (اور انہیں یہ نکاح پسند نہ تھا) یعنی یہ عقد پسند نہ تھا یا وہ شخص پسند نہ تھا (وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو رد فرما دیا) یعنی باپ کے کئے نکاح کو یا اس شخص کے نکاح کرنے کو رد فرما دیا......... اس میں دلیل ہے کہ ثیبہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔"

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرما دی کہ اس عورت سے نکاح کی اجازت لئے بغیر ہی اس کا نکاح باپ نے کر دیا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رد کر دیا اور اس کے سب ہی قائل ہیں کہ عورت کی اجازت کے بغیر کیا گیا نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر وہ اجازت دیدے تو صحیح ورنہ رد ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اس حدیث میں "فرد نکاحھا" (یعنی آپ ﷺ نے وہ نکاح رد فرمادیا) کے الفاظ سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ اس عورت کے عقد میں ایجاب وقبول ہوا تھا تب ہی تو اسے نکاح کہا ہے اور پھر اس کو رد کیا گیا ہے، اگر قبول تھا ہی نہیں تو پھر تو نکاح ہی نہ تھا اور جب نکاح ہی نہ ہو تو پھر رد کیسا؟............ یہ بات ایک عقلی استدلال سے زیادہ نہیں اس کے مقابلے میں جب شراح نے تصریح کردی کہ اس عقد میں لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی تھی تو پھر اس طرح کے عقلی استدلال کی حاجت نہیں، ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ذکر کردیا گیا۔ عمدۃ القاری سے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح وغیرہ بھی ذکر کریں گے۔ یہاں صرف اس عقلی استدلال کا جواب دینا مقصود ہے۔

اس عقلی استدلال کا جواب واضح ہے کہ یہاں نکاح اور اس کے رد کا ذکر مجازاً ہے در حقیقت تو نکاح ہوا ہی نہیں لیکن کبھی مجازاً اس طرح ایک شئ کا اگرچہ وجود نہ ہوا سے اس شئ کا نام دیدیا جاتا ہے اور یہ کلامِ عرب میں شائع وذائع ہے جیسا کہ قاضی اگر غیر مذہب پر حکم جاری کردے تو کہا جاتا ہے اس کا فیصلہ منقوض ہے جبکہ درحقیقت نقض تو اس فیصلہ کا ہوتا ہے جو موجود تو ہو اور غیر مذہب پر قاضی کا فیصلہ درحقیقت کالعدم ہے لیکن مجازاً اسے موجود کے حکم میں لے کر کہہ دیا جاتا ہے کہ قاضی کا یہ فیصلہ منقوض ہے۔ اسی طرح یہاں درحقیقت نکاح ہوا ہی نہیں لیکن مجازاً اسے نکاح کا نام دے کر اس پر رد کا حکم جاری کردیا گیا۔

نیز اگر لڑکی سے اجازت لئے بغیر ہی زبردستی باپ اس کا نکاح کرادے تو اسے آج بھی اس حدیث کے موافق غیر منعقد موقوف علی الاجازۃ قرار دیا جاتا ہے۔ صحیح بخاری میں جہاں یہ حدیث خنساء ذکر ہے وہاں بخاری کے عظیم شارح علامہ ابن حجر فتح الباری میں چند اور احادیث اسی سیاق میں لائے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

"أخرج النسائي من طريق الأوزاعي عن عطاء عن جابر أن رجلا زوج ابنته وهي بكر من غير أمرها فاتت النبي صلى الله عليه وسلم ففرق بينهما"

"نسائی نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے عطاء بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی باکرہ بیٹی کا نکاح اس سے اجازت لئے بغیر کردیا وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی (اور شکایت کی) آپ ﷺ نے ان میں تفریق کردی۔"

یہاں الفاظِ متن میں ہی "من غير أمرها" لڑکی کی اجازت نہ ہونے کی تصریح ہے۔ اسی طرح مشکوۃ شریف کی ایک اور حدیث میں جو کہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کے واقعے کی طرح کے ایک واقعے پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں:

" عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : إن جارية بكرا أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت أن أباها زوجها وهي كارها فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم . رواه أبو داود "(مشكوة ، ص ۲۷۱)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک باکرہ لڑکی آپ ﷺ کے پاس آئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس کے والد نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کا نکاح کردیا ہے آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (چاہے قبول کرلے اور چاہے تو منع کردے)۔"

اس حدیث میں ایک کنواری لڑکی کے باپ کا اس کی اجازت کے بغیر کئے نکاح میں اختیار دینے کا ذکر ہے کیونکہ یہ فضولی کا

Marfat.com

نکاح ہے جولڑکی کی بلا اجازت ہوا ہے لہٰذا لڑکی کی اجازت پر مدار ہے چاہے تو قبول کر لے چاہے تو رد کر دے۔

آخر میں حدیثِ خنساء پر عمدۃ القاری میں عمدۃ المحققین علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تفصیل نقل کی ہے اس کی چند سطور کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ دراصل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فضولی کے نکاح کے قائل نہیں بلکہ بلا اجازتِ بالغہ اس کا نکاح اگر کوئی بھی شخص کرتا ہے تو وہ اس نکاح کو موقوف علی الاجازۃ (حنفیہ وغیرہ کی طرح) نہیں مانتے بلکہ مطلقاً باطل اور لغو حرکت قرار دیتے ہیں اور وہ اپنے اس مذہب پر حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ہی استدلال کرتے ہیں لہٰذا حضرت خنساء کی حدیث سے فضولی کے بطلان پر استدلال اس بات پر واضح دلیل ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث خنساء میں حضرت خنساء کی اجازت کے بغیر ہی باپ کا نکاح مراد لیا ہے ورنہ باپ فضولی نہ بنے گا۔ عمدۃ القاری کی عبارت یوں ہے:

"وقال الشافعي وأحمد وأبو ثور إذا زوجها بغير إذنها فالنكاح باطل وإن رضيته لأنه رد نكاح خنساء ولم يقل إلا أن تجيزه واستدل به الشافعي على إبطال النكاح الموقوف على إجازة من له الإجازة"

"امام شافعی، احمد اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں اگر لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر کرا دی جائے تو یہ نکاح باطل ہوگا اگرچہ بعد میں لڑکی رضامندی کا اظہار بھی کر دے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا نکاح رد کر دیا اور یہ نہیں کہا کہ اگر خنساء رضی اللہ عنہا اجازت دے دے تو منعقد ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ نے حدیث خنساء رضی اللہ عنہا (کے اس نکتے) سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اجازت پر موقوف نکاح باطل ہے۔" (عمدۃ القاری ۲۰/۱۳۰، دار احیاء التراث)

الغرض حدیثِ خنساء سے متعلق تحقیق (جس میں اولاً ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسے بغیر اجازت نکاح پر محمول کرنا، پھر حدیثِ خنساء سے ایک عقلی استدلال کا جواب اور پھر فتح الباری سے ایک اور صریح حدیث جس میں بغیر اجازت نکاح کی صراحت متن حدیث میں ہے اور پھر مشکوۃ سے حدیثِ خنساء میں عمدۃ القاری کے حوالے سے امام شافعی کا فضولی کے نکاح کے بطلان پر استدلال) یہ مکمل تحقیق یہ نتیجہ دیتی ہے کہ حدیث خنساء میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا سے اجازت لئے بغیر ہی وہ نکاح کر دیا گیا تھا اور اسے رد کرنے کے الفاظ صرف صورۃً آئے ہیں جیسا کہ قاضی کے غیر مذہب پر فیصلے کو منقوض کہا جاتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر لڑکی زبانی اجازت دے دے تو اس کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے پھر اسے کوئی رد نہیں کر سکتا وہ زبانی اجازت اگرچہ جبراً ہی کیوں نہ لی گئی ہو، حدیث خنساء میں نکاح کا رد اجازت پر کراہت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کی وجہ عدمِ اجازت تھی نیز یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ خنساء میں نکاح اس لئے رد فرما دیا کیونکہ اس عورت کا شکایت لے کر آنا اور اس انداز میں اسے بیان کرنا کہ جس سے اس کا نکاح سے بیزار ہونا معلوم ہو رہا تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دینے کے بجائے براہِ راست نکاح کو رد کر دیا لہٰذا حدیث خنساء سے امام شافعیؒ کا یہ استدلال کرنا کہ موقوف نکاح باطل اور کالعدم ہے لڑکی کی اجازت سے بھی منعقد نہ ہوگا، یہ استدلال محل نظر ہے بلکہ مشکوۃ کی ہی دوسری کنواری لڑکی والی حدیث جس میں "فخیرھا

Marfat.com

النبی ﷺ" آپ ﷺ کے اختیار دینے کا ذکر ہے وہ حدیث ہم ذکر کر چکے ہیں وہ اس معاملے میں صریح ہے۔ اسی طرح دیگر نصوص بھی یہ واضح کرتے ہیں کہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح غیر منعقد موقوف علی الاجازۃ ہوگا البتہ اگر لڑکی اجازت دے دیتی ہے تو وہ اجازت چاہے جبراً ہی کیوں نہ لی گئی ہو اس کا نکاح منعقد ہوگا۔ امید ہے درج بالا تفصیلات سے عورت کی رضامندی سے متعلق امور کی قدرِ تفصیلی وضاحت ہوگئی ہے۔

Marfat.com

(۴۸۴) لڑکی سے زبردستی نکاح نامے پر دستخط کروانا، اجازت نہیں

سؤال

ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی رہتی ہے ابھی چند دنوں پہلے اس کا نکاح ہوا ہے اور اگلے ہفتے کو اس کی رخصتی ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جب نکاح ہو رہا تھا تو لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں تھی لیکن لڑکی کے باپ نے زبردستی اس سے نکاح نامہ پر دستخط کروالئے۔ اب آپ بتائیں مفتی صاحب آیا یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

الجواب بعون الملک الوهاب

عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب مذکورہ لڑکی یہ نکاح کرنے پر راضی نہیں تھی اور اس سے زبردستی کر کے بغیر زبانی اقرار کے نکاح نامہ پر دستخط کروالئے گئے تو اس سے یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الهندية (۳۵/۵): وإن حصل الإكراه بالحبس والتقييد على فعل من الأفعال فلا حكم له فيجعل كأنه فعل ذلك الفعل بغير إكراه ومتى حصل الإكراه بالحبس والتقييد على قول إن كان قولا لا يستوي فيه الجد والهزل فحكمه فساد ذلك القول وإن كان قولا يستوي فيه الجد والهزل فلا حكم له فيجعل كأن المكره باشر ذلك القول باختياره كذا في النهاية۔

وفی الشامية (۵۸/۳): قوله (ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ والمكاتب والمكاتبة ولو صغيرين ح عن القهستاني قوله (البكر) أطلقها فشمل ما إذا كانت تزوجت قبل ذلك وطلقت قبل زوال البكارة فتزوج كما تزوج الأبكار نص عليه في الأصل بحر قوله (وهو السنة) بأن يقول لها قبل النكاح فلان يخطبك أو يذكرك فسكتت وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة وتوقف على رضاها۔

وفيه أيضا (۲۱/۳): وأما ما ذكر من أن نكاح المكره صحيح إن كان هو الرجل وإن كان و المرأة فهو فاسد فلم أر من ذكره وإن أوهم كلام القهستاني السابق ذلك بل عبارتهم مطلقة في أن نكاح المكره صحيح كطلاقه وعتقه مما يصح مع الهزل ولفظ المكره شامل للرجل والمرأة فمن ادعى التخصيص فعليه إثباته بالنقل الصريح۔

Marfat.com

(۴۸۵) غیر ولی کی صورت میں لڑکی کا زبانی اجازت دینا ضروری ہے

سؤال

ہمارے خاندان میں شادی کے موقع پر یہ رسم ہے کہ دلہن کو دولہا کے گھر لا کر پھر نکاح پڑھا جاتا ہے کیا شرعاً دلہن کے گھر سے ہی نکاح پڑھ کر دلہن لانا چاہیئے یا چاہے دلہن کے گھر سے نکاح پڑھ کر لائیں یا دولہا کے گھر لا کر پڑھیں دونوں درست ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ نیز لڑکی سے اجازت نکاح لڑکے والے لیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

بہتر تو یہی ہے کہ دلہن کے گھر نکاح پڑھ لیا جائے اگر دلہن کو دولہا کے گھر لا کر بعد میں نکاح پڑھا گیا تو یہ بھی جائز ہے البتہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ دلہن سے نکاح کی اجازت لینے والا دلہن کا ذی رحم محرم ہو۔ تاہم اگر ولی کے علاوہ کوئی اجازت لیتا ہے تو اس صورت میں دلہن کا محض سکوت کافی نہیں ہوگا بلکہ زبان سے اجازت کا تلفظ ضروری ہوگا البتہ اجنبی شخص کا نکاح کی اجازت لینا خلاف مروت ہے۔

لمافی الطبقات الكبرى، ميمونة بنت الحارث (۹۸/۶): كان مسعود بن عمرو بن عمير الثقفى تزوج ميمونة فى الجاهلية ثم فارقها ـــ فتزوجها رسول الله ﷺ زوجه اياها العباس بن عبدالمطلب و كان يلى أمرها وهى أخت أم ولده أم الفضل بنت الحرث الهلالية لأبيها وأمها وتزوجها رسول الله ﷺ بسرف على عشرة أميال من مكة وكانت آخر امرأة تزوجها رسول الله ﷺ وذلك سنة سبعة فى عمرة القضية۔

وفى بدائع الصنائع (۲۶۰/۳): بخلاف ما إذا زوجها أجنبي أو ولي غيره أولى منه لأن هناك ازداد احتمال السخط لأنها يحتمل أنها سكتت عن جوابه مع أنها قادرة على الرد تحقيرا له وعدم المبالاة بكلامه وهذا أمر معلوم بالعادة فبطل رجحان دليل الرضا ولأنها إنما تستحي من الأولياء لا من الأجانب والأبعد عند قيام الأقرب وحضوره أجنبي فكانت في حق الأجانب كالثيب فلا بد من فعل أو قول يدل عليه ولأن المزوج إذا كان أجنبيا أو كان الولي الأبعد كان جواز النكاح من طريق الوكالة لا من طريق الولاية لانعدامها والوكالة لا تثبت إلا بالقول۔

وفى الدر المختار (۶۲/۳): (فإن استأذنها غير الأقرب) كأجنبي أو ولي بعيد (فلا) عبرة لسكوتها (بل لا بد من القول كالثيب)۔

Marfat.com

وفي الشامية تحته (٦٢): قوله (أو ولي بعيد) كالأخ مع الأب إذا لم يكن الأب غائبا غيبة منقطعة كما في الخانية۔

(۴۸۶) قبول کے وقت لڑکی کے خاموش رہنے کا حکم

سؤال

ایک لڑکی کی شادی ہوئی اس طور پر کہ اسے یہ شادی پسند نہ تھی وہ خود کہیں اور شادی کرنا چاہتی تھی چنانچہ جب اس سے نکاح کے وقت پوچھا گیا کہ آپ کو یہ نکاح قبول ہے وہ نظریں نیچے کئے خاموش بیٹھی رہی بعد میں کہنے لگی کہ میرا نکاح نہیں کیونکہ میں نے انکار کی بنا پر جواب نہیں دیا تھا۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیں کہ کیا یہ نکاح نہیں ہوا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

جس لڑکی کی شادی کی جارہی تھی اگر یہ لڑکی کنواری ہے اور اس کی شادی ولی اقرب (جس سے زیادہ قریب کا کوئی دیگر ولی نہ ہو) یا ولی کے قاصد کے ذریعے سے کی گئی ہے تو نکاح کے وقت جب اس سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟ وہ نظریں نیچے کئے خاموش بیٹھی رہی تو اس کا یہ عمل شرعاً قبول شمار ہوگا۔ نکاح کے بعد اس کا یہ کہنا "میرا نکاح نہیں ہوا ہے کیونکہ میں نے انکار کی بنا پر جواب نہیں دیا تھا" قابل قبول نہیں ہے۔

اگر مذکورہ لڑکی کی شادی کسی اجنبی (غیر ولی) کے ذریعے سے کی گئی ہے تو نکاح کے وقت اس کا خاموشی اختیار کرنا رضامندی پر دلالت نہیں کرتا ہے نکاح کے بعد اس کا یہ کہنا کہ "میرا نکاح نہیں ہوا ہے کیونکہ میں نے انکار کی بنا پر جواب نہیں دیا تھا" شریعت میں اس کی بات کا اعتبار ہے۔ اگر مذکورہ لڑکی کنواری نہ ہو (یعنی مطلقہ یا بیوہ ہو) تو اپنی رضامندی کو زبان سے ظاہر کرنا ضروری ہے اس کی خاموشی رضامندی پر دلالت نہیں کرتی ہے۔

لمافي صحيح البخاري (۷۷۱/۲): عن أبي سلمة أن أبا هريرة رضي الله عنه حدثهم: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن. قالوا: يا رسول الله، وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت۔

وفيه أيضاً: عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البكر تستأذن. قلت: إن البكر تستحيي؟ قال: إذنها صماتها۔

وفيه أيضاً: عن خنساء بنت خذام الأنصارية، أن أباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك، فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها۔

Marfat.com

وفی التاتارخانية (۲/۴۴): اعلم بأن السکوت من البکر البالغة جعل رضا بالنکاح سواء استأمرها الولی قبل النکاح أو زوجها الولی قبل الاستیمار فبلغها الخبر فسکتت انما جعل السکوت من البکر البالغة اذنا اذا کان المستأمر ولیا أما اذا لم یکن ولیا کالأجنبی أو کان ولیا الا أن هناك ولیا آخر أقرب الی المرأة من هذا الولی المستأجر کالجدمع الأب فالسکوت لایکون رضا واذنا فی حق الولی المستأمر الا اذا کان المستأمر رسول الولی۔

وفی الشامية (۲/۶۲): قوله (أو ولي بعيد) كالأخ مع الأب إذا لم يكن الأب غائبا غيبة منقطعة كما في الخانية قوله (فلا عبرة لسكوتها) --- قوله (كالثيب البالغة) فتح --- قوله (إلا في السكوت) حيث يكون سكوت البكر البالغة إذنا في حق الولي الأقرب ولا يكون إذنا في الثيب البالغة مطلقاوالاستثناء منقطع لأن قول المصنف كالثيب تشبيه بالبكر التي استأذنها غير الأقرب وهذه لا فرق بينها وبين الثيب البالغة في السكوت۔

(۴۸۷) لڑکی سے اجازت لینے کو عار سمجھنے والے کا حکم

سؤال

ایک آدمی نے اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر ایک لڑکے کے ساتھ کر دیا اور اس آدمی نے کہا کہ ہمارے ہاں لڑکی سے اجازت لینے کو عار اور عیب سمجھا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مذکورہ نکاح کا کیا حکم ہے؟ نیز لڑکی سے اجازت لینے کو عیب سمجھنا کیسا ہے اور اس سے اس آدمی کے نکاح و ایمان میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ صورت شریعت کے مخالف اور غیر اسلامی ہے شریعت نے بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت سے کرنے کی تلقین کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لاتنكح الايم حتى تستأمر ولاتنكح البكر حتى تستأذن الخ" (مشکوۃ ص۲۷۰)

"ثیبہ (مطلقہ یا بیوہ) کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا اور کنواری کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔"

اولاد کو والدین کی فرمانبرداری کرنا چاہیئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرعی قوانین کو بھی اس فرمانبرداری کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ لڑکی سے اجازت لینے کو عار سمجھنا انتہائی قبیح سوچ ہے۔ شریعت نے ہر چیز کے مدارج طے کئے ہیں۔ لڑکی سے اجازت لی جائے

Marfat.com

اگر وہ کنواری ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرمائے گی اور منہ سے بولنا مشکل ہوگا لہٰذا شریعت اس کی خاموشی کو بھی اجازت تصور کرتی ہے (جبکہ اجازت لینے والا ولی قریب ہو) لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر لڑکی سے بغیر اجازت لئے نکاح کرایا جاتا ہے تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا البتہ ولی قریب کے اس طرح نکاح کرادینے کی صورت میں لڑکی کو علم ہونے کے وقت اگر وہ زبان سے انکار کردیتی ہے تو یہ نکاح کالعدم ہوجائے گا اور اگر خاموش رہتی ہے اور ہے بھی کنواری تو پھر یہ نکاح منعقد ہوگا چاہے لڑکی سماج اور معاشرے کے دباؤ کی وجہ سے خاموش رہے یا رضامندی کی وجہ سے۔ بہر حال یہ خاموشی اجازت تصور کی جائے گی لیکن زبردستی اور دباؤ کی صورت میں اولیاء گناہ گار ہوں گے۔

آخر میں مکرر ذکر کیا جارہا ہے کہ ایسا رواج شریعت سے متصادم ہے۔لڑکی سے اجازت لینے کو رواج کی وجہ سے برا سمجھنا گناہ ہے لہٰذا اس رواج کو ختم کیا جائے اور سنتِ نبوی کے مطابق لڑکی سے اجازت لے کر اس کا نکاح کیا جائے۔

لمافی القدوری (ص۱۵۹): ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغة العاقلة واذا استأذنها الولی فسکتت أوضحکت أو بکت بغیر صوت فذلك اذن منها۔

وفی الشامیة (۳/۵۸):قوله (ولا تجبر البالغة) ولا الحر البالغ والمكاتب والمكاتبة ولو صغيرين ح عن القهستاني قوله (البكر) أطلقها فشمل ما إذا كانت تزوجت قبل ذلك وطلقت قبل زوال البكارة فتزوج كما تزوج الأبكار نص عليه في الأصل بحر قوله (وهو السنة) بأن يقول لها قبل النكاح فلان يخطبك أو يذكرك فسكتت وإن زوجها بغير استئمار فقد أخطأ السنة وتوقف على رضاها بحر عن المحيط۔

(۴۸۸) رواجاً لڑکی کے خاموش رہنے سے نکاح کا حکم

سؤال

عرصہ تقریباً ایک سال کا ہوا ہے کہ حمائلہ کا نکاح اس کے والد کی رضامندی سے ہوگیا حالانکہ شرعاً لڑکی کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار سے کوئی مانع نہیں مگر ہمارے ہاں یہ دستور ہوگیا ہے کہ لڑکی کو اس وقت اپنے والدین کی عزت کا خیال رکھتے ہوئے مجبوراً خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے حمائلہ کی عمر ۲۰ سال ہے اور لڑکے کی عمر ۴۲ سال۔ابھی محض نکاح کی رسم ہوئی ہے رخصتی نہیں ہوئی لڑکی کے باپ کا انتقال ہوچکا ہے اور شوہر طلاق دینے کیلئے تیار نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے سوال میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ لڑکی کے نکاح کے وقت اس سے

Marfat.com

اجازت لی گئی تھی یا بالکل تعارض ہی نہیں کیا گیا تھا۔ اگر لڑکی سے اجازت لی گئی ہو اور اجازت لینے باپ خود گیا ہو اور لڑکی خاموش رہی ہو تو یہ خاموشی اجازت شمار ہوگی اور باپ کا کیا نکاح منعقد ہو گیا لیکن اگر باپ موجود تھا اور اجازت لینے کوئی ولی ابعد گیا ہو تو لڑکی کی خاموشی اجازت نہیں اس لئے یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ لڑکی سے بالکل تعارض ہی نہیں کیا گیا ہو اس صورت میں باپ کے کئے نکاح کا جب لڑکی کو علم ہوا تو اگر اسی وقت لڑکی نے زبان سے انکار کر دیا تو یہ نکاح کالعدم ہے اور اگر اس مجلس میں خاموش رہی تو نکاح منعقد شمار ہوگا۔

صورت مسئولہ میں بظاہر لڑکی نے باپ کی زندگی میں خاموشی اختیار کی ہے اور اب رخصتی سے انکار کر رہی ہے لہٰذا لڑکی کا نکاح منعقد ہو چکا ہے، بغیر طلاق کے وہ کہیں اور نکاح نہیں کر سکتی البتہ لڑکی چونکہ رخصتی پر تیار نہیں لہٰذا شوہر کو چاہیئے کہ اسے مہر کے عوض خلع دے دے تاکہ معاملہ حل ہو سکے نیز یہ بات ملحوظ رہے کہ نکاح میں والد کی رضامندی سے زیادہ عاقلہ بالغہ لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔

لمافی الهندية (۲۸۷/۱): لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكرا كانت أو ثيبا --- ولو ضحكت البكر عند الاستئمار أو بعدما بلغها الخبر فهو رضا --- وإن استأذن الولي البكر البالغة فسكتت فذلك إذن منهاوكذا إذا مكنت الزوج من نفسها بعدما زوجها الولي فهو رضا وكذا لو طالبت بصداقها بعد العلم فهو رضا هكذا في السراج الوهاج وإذا قال لها الولي أريد أن أزوجك من فلان بألف فسكتت ثم زوجها فقالت لا أرضى أو زوجها ثم بلغها الخبر فسكتت فالسكوت منها رضا في الوجهين جميعا إذا كان المزوج هو الولي۔

وفی الدرالمختار (۵۹/۳): (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة(أو وكيله) --- (فسكتت) عن رده مختارة --- (فهو إذن) أي توكيل۔

وفی الرّدّمحتہ:(قوله: مختارة) أما لو أخذها عطاس أو سعال حين أخبرت فلما ذهب قالت لا أرضى أو أخذ فمها ثم ترك فقالت ذلك صح ردها لأن سكوتها كان عن اضطرار بحر۔

(۴۸۹) لڑکی سے اجازت لیتے وقت اس کا پانچ منٹ بعد انکار کر دینا

سوال

ولی نے جا کر لڑکی سے نکاح کی اجازت مانگی، لڑکی نے فوراً انکار کرنے کے بجائے پانچ منٹ بعد انکار کر دیا جس کا فی الوقت

Marfat.com

ولی کو علم نہ ہوا تو کیا یہ انکار صحیح ہے؟ اگر ولی یہ نکاح پڑھا دے تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ولی کسے کہتے ہیں۔ ولی کی دو قسمیں ہیں:

۱) ولی قریب ۲) ولی بعید

باب الاولیاء میں اولیاء کی جو ترتیب بیان ہوئی اس میں پہلے عصبات ولیِ نکاح ہوتے ہیں عصبات میں بیٹا ہے پھر باپ ہے پھر دادا ہے پھر بھائی بھتیجے اور پھر چچا وغیرہ آتے ہیں۔ ان اولیاء میں اسی ترتیب سے جو ولی موجود ہو وہ ولی قریب ہے باقی سارے ولی بعید کہلائیں گے۔ مثلاً اگر باپ موجود ہے تو چچا، بھائی، دادا وغیرہ سب ولی بعید ہیں اور باپ ولی قریب شمار ہوگا۔ اگر باپ موجود نہیں، دادا ہے تو دادا ولی قریب ہے اور باقی چچا، بھائی وغیرہ ولی بعید ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ولی بعید کی یہ تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"(قوله: ولی بعيد) كالاخ مع الاب اذا لم يكن الاب غائبا غيبة منقطعة"

"ولی بعید مثلاً بھائی، باپ کیساتھ جبکہ باپ موجود ہو (تو بھائی ولی بعید شمار ہوگا)" (شامیۃ ۳/ ۶۲)

ثانیاً صورتِ مسئولہ میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ عاقلہ بالغہ لڑکی پر نکاح کے معاملے میں جبر نہیں کیا جا سکتا وہ اپنے نکاح کے معاملے میں خود مختار ہے اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔

ثالثاً یہ سمجھیں کہ بالغہ لڑکی سے اجازت لیتے وقت اس کی خاموشی کا کیا حکم ہے؟ تو یاد رکھیں کہ لڑکی کی خاموشی صرف ولی قریب کے حق میں اجازت ہے ولی بعید اگر اجازت لینے آیا ہے تو لڑکی کا منہ سے اجازت دینا ضروری ہے مثلاً باپ موجود ہے لیکن اجازت لینے چچا یا تایا وغیرہ آئے ہوں تو لڑکی کی خاموشی اجازت شمار نہ ہوگی کیونکہ باپ کی موجودگی میں یہ ولی بعید ہیں اسی طرح اگر کوئی بالکل اجنبی شخص اجازت لینے آئے تو بدرجۂ اولی خاموشی اجازت شمار نہ ہوگی۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اجازت لینے والا شخص اگر ولی بعید ہے تب تو لڑکی کی خاموشی اجازت ہی نہیں تو پانچ منٹ بعد انکار کرنا یا نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا البتہ اگر ولی قریب اجازت لینے گیا ہے تو یہ خاموشی رضامندی کی دلیل ہے اور پھر پانچ منٹ بعد لڑکی کا انکار کرنا اس اجازت کو رد کرنا ہے اس میں صرف یہ تفصیل ہے کہ لڑکی کے رد کرنے کا علم اس ولی قریب کو ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے (اور وکیل کو فسخِ توکیل کا علم ہونا ضروری ہے) البتہ اگر ولی قریب کو علم نہ ہو سکا اور اس نے یہ نکاح کرا دیا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"ولو قال لها وليها إني أريد أن أزوجك من فلان فقالت يصلح فلما خرج قالت لا أرضى ولم يعلم الولي بقولها حتى زوجها من فلان صح"

"اگر ولی نے لڑکی سے کہا میں تمہارا نکاح فلاں سے کرانا چاہتا ہوں اس نے کہا ٹھیک ہے پھر جب ولی باہر نکل آیا تو لڑکی

Marfat.com

نے کہا میں تو راضی نہیں ہوں لیکن ولی کو اس کا علم نہ ہو سکا یہاں تک کہ اس نے نکاح پڑھا دیا تو یہ نکاح صحیح ہے۔"

(ھندیہ: ۱/۲۸۸)

فتاوی تا تارخانیہ میں اس ساری تفصیل کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"اعلم بأن السكوت من البكر البالغة جعل رضا بالنكاح سواء استأذنها الولى قبل النكاح أو زوجها الولى قبل الاستيمار فسكتت انما جعل السكوت من البكر البالغة اذنا اذا كان المستأمر وليا أما اذا لم يكن وليا كالأجنبى أو كان وليا الا أن هناك وليا آخر أقرب الى المرأة من هذا الولى المستأمر كالجد مع الأب فالسكوت لا يكون رضا واذنا فى حق الولى المستأمر الا كان المستأمر رسول الولى" [تاتارخانية ۴۴/۳]

"جاننا چاہیئے کہ بالغہ کنواری لڑکی کی خاموشی کو بھی اجازت شمار کیا گیا ہے جبکہ اس کا ولی اس سے نکاح سے پہلے اجازت لے یا ولی نکاح کرا دے اور بعد میں لڑکی کو پتہ چلے اور وہ خاموش رہے (تو یہ خاموشی دونوں صورتوں میں اجازت ہے) اس خاموشی کو بالغہ کنواری لڑکی کی جانب سے اجازت اس وقت سمجھا جائے گا جب اجازت لینے والا ولی ہو پس اگر وہ شخص ولی نہ ہو مثلاً اجنبی ہو یا ولی تو ہو لیکن لڑکی کا اس سے زیادہ قریبی ولی موجود ہو (یعنی ولی بعید ہو) مثلاً دادا اور باپ ہیں (تو دادا ولی بعید ہے دادا کے اجازت لینے کی صورت میں) اب خاموشی رضامندی شمار نہ ہوگی الا یہ کہ اجازت لینے آنے والا شخص ولی (قریب) کی طرف سے بھیجا ہوا ہو۔"

لما في الدر المختار (۵۹/۳): (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة (أو وكيله) --- (فسكتت) عن رده مختارة --- (فهو إذن) أي توكيل.

وفي بدائع الصنائع (۳۶۰/۲): بخلاف ما إذا زوجها أجنبي أو ولي غيره أولى منه لأن هناك ازداد احتمال السخط لأنها يحتمل أنها سكتت عن جوابه مع أنها قادرة على الرد تحقيرا له وعدم المبالاة بكلامه وهذا أمر معلوم بالعادة فبطل رجحان دليل الرضا ولأنها إنما تستحي من الأولياء لا من الأجانب والأبعد عند قيام الأقرب وحضوره أجنبي فكانت في حق الأجانب كالثيب فلا بد من فعل أو قول يدل عليه ولأن المزوج إذا كان أجنبيا أو كان الولي الأبعد كان جواز النكاح من طريق الوكالة لا من طريق الولاية لانعدامها والوكالة لا تثبت إلا بالقول.

Marfat.com

(۴۹۰) لڑکی سے اجازت لیتے وقت اگر وہ ہنس دے

سؤال

ایک نوجوان لڑکی سے جب اس کے نکاح کی اجازت مانگی گئی تو وہ مسکرادی یا نکاح تو باپ نے کروادیا لیکن جب اسے خبر پہنچی تو یہ مسکرائی۔اس کا مسکرانا تقریباً ہنسنے کی طرح تھا لہٰذا کیا شریعت کی نظر میں یہ نکاح منعقد ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر بالغہ باکرہ لڑکی سے نکاح کی اجازت مانگی جائے یا ولی نے نکاح کرادیا ہو،اور اس تک خبر پہنچنے پر یہ ہنس دے تو اگر لڑکی کا یہ ہنسنا استہزاء اور مذاق اڑانے کیلئے ہو تو اسے اجازت شمار نہیں کیا جائے گا لیکن اگر یہ ہنسنا رضامندی کے اظہار کے لئے ہو تو پھر یہ لڑکی کی طرف سے اجازت شمار ہوگی۔

لمافی الهندية (۲۸۷/۱): ولو ضحكت البكر عند الاستئمار أو بعدما بلغها الخبر فهو رضا هكذا ذكر القدوري وشيخ الإسلام كذا في المحيط وهكذا في الكافي وقالوا إن ضحكت كالمستهزئة لما سمعت لا يكون رضا كذا في المبسوط للإمام السرخسي والكافي وعليه الفتوى كذا في البحر الرائق۔

وفی الدرالمختار(۵۸/۳): (فإن استأذنها هو) أي الولي وهو السنة (أو وكيله أو رسوله أو زوجها) وليها وأخبرها رسوله أو فضولي عدل (فسكتت) عن رده مختارة (أو ضحكت غير مستهزئة أو تبسمت أو بكت بلا صوت)۔۔۔(فهو إذن)۔

(۴۹۱) نکاح کے معاملے میں ماں باپ کی پسند کا انکار نافرمانی نہیں

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے معاملے میں والدین کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے کیا لڑکی یا لڑکا اپنی مرضی سے نکاح نہیں کرسکتے؟ کیونکہ والدین بعض دفعہ خاندان میں نام کمانے کیلئے ایسی جگہ رشتہ طے کردیتے ہیں جہاں کسی اعتبار سے جوڑ نہیں ہوتا۔ایسی صورت میں انسان مشکل میں پھنس جاتا ہے کیا اس وقت والدین کی نافرمانی کرنا جائز ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

بالغ اولاد کے شادی کے معاملہ میں والدین کو چاہیئے کہ اپنی اولاد سے مشورہ کرلیں۔ اگر وہ راضی ہوجائیں تو بہتر ورنہ زبردستی نہ کی جائے لیکن اگر والدین بالغ اولاد کی ان کی مرضی کے بغیر شادی کرنا چاہیں نیز وہ رشتہ دین داری وغیرہ کے اعتبار سے جوڑ کا نہ ہو اور یہ رشتہ سے انکار کردیں تو اس صورت میں یہ والدین کی نافرمانی تصور نہ ہوگی البتہ بغیر کسی شرعی عذر کے رشتہ سے انکار نافرمانی ہوگی۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۲):وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَن يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔

وفی المصنف لابن بی شیبه (۴۲/۹):عن أبي سلمة بن عبد الرحمن قال : جاءت امرأة إلى النبي صلى الله عليه وسلم , فقالت : يا رسول الله ، إن عم ولدي خطبني فرده أبي وزوجني وأنا كارهة ، قال : فدعا أباها ، فسأله عن ذلك , فقال : إني أنكحتها ولم آلوها خيرا ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا نكاح لك ، اذهبي فانكحي من شئت.

وفی الطحطاوی علی الدر(۳۶/۲): (قوله ولاية ندب) أی استحباب فيستحب فی حقها تفويض الأمر الى وليها كيلا تنسب الى الوقاحة وانما لم تشترط الولاية على المكلفة لقوله عليه السلام الأيم أحق بنفسها من وليها وهی من لازوج لها بكرا كانت أو ثيبا وروى ابن عباس رضی الله عنهما أن فتاة جاءت لرسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله إن أبي زوجنی من ابن أخ له وأنا له كارهة فقال ﷺ أجيزی ماصنع أبوك فقالت لا رغبة لی فيما صنع أبي قال فاذهبی فانكحی من شئت فقالت لا يا رسول الله ولكن أردت أن أعلم النساء أن ليس للآباء من أمور بناتهم شيئ وأما مارواه الترمذی أيما امرأة نكحت بغير اذن وليها فنكاحها باطل فضعيف أو مختلف فی صحته فلا يعارض المتفق عليه۔

(۴۹۲) اجازت کیلئے نکاح نامے پر دستخط کرانے کا حکم

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل لڑکی سے نکاح کے وقت اجازت لینے کا جو طریقہ رائج ہے وہ یہ ہے کہ لڑکی سے نکاح نامے پر دستخط لے لئے جاتے ہیں اور نکاح نامے پر تمام تفصیلات تحریر ہوتی ہیں اور لڑکی منہ سے کچھ بولے بغیر صرف دستخط کرکے اپنی اجازت کا اظہار کرتی ہے تو کیا شرعاً یہ دستخط کرنا اجازت کے قائمقام ہیں؟ از راہ کرم مسئلے کی مکمل

Marfat.com

تفصیلات تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے لئے لڑکی سے اجازت لیتے وقت اگر اجازت لینے والا ولی اقرب ہو تو لڑکی کی خاموشی بھی اجازت متصور ہوتی ہے اور ولی ابعد یا اجنبی ہونے کی صورت میں لڑکی کا زبانی اجازت دینا ضروری ہوتا ہے۔

جہاں تک تعلق ہے نکاح نامے پر دستخط کرنے کا تو ظاہر ہے یہ زبانی اجازت تو نہیں لیکن وکالت کیلئے اگر تحریراً بھی اجازت دے دی جائے اور مؤکل تحریراً کسی شخص کو اپنا وکیل بنادے تب بھی وکالت ثابت ہو جاتی ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی اگر اس نکاح نامے کو پڑھ لے یا زبانی اسے بتادیا جائے کہ نکاح کا وکیل کون بن رہا ہے نیز مہر کتنا ہے وغیرہ اور پھر لڑکی اس نکاح نامے پر دستخط کردے تو چاہے اجازت لینے والا کوئی بھی ہو یہ دستخط لڑکی کی طرف سے نکاح کی اجازت شمار ہوں گے اور بطور وکیل وہ شخص لڑکی کا نکاح پڑھا سکتا ہے۔

لمافی البحرالرائق (۲۳۷/۷): والعلم للوكيل بالتوكيل --- ويثبت العلم إما بالمشافهة أو الكتاب إليه أو الرسول إليه بإخبار رجلين فضوليين أو واحد عدل أو غير عدل۔

Marfat.com

باب فی الوکالۃ بالنکاح ونکاح الفضولی

(نکاح میں وکالت اور فضولی کے نکاح کا بیان)

(۴۹۳) نکاح کا وکیل بنانے کیلئے گواہ شرط نہیں

سؤال

نکاح کے وقت قاضی وکیل سے ایجاب کراتا ہے اور دولہا سے قبول کراتا ہے۔اس وقت دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) پوچھنا یہ ہے کہ جب باپ، بھائی، دادا یا کوئی غیر محرم عورت سے اجازت لینے جائیں تو کیا اس وقت بھی دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ اجازت دینا بظاہر توکیل ہے توکیل کیلئے تو عام طور سے گواہ شرط نہیں ہوتے۔

(۲) اگر باپ نے نکاح کرنے سے ایک دن پہلے اپنی لڑکی سے اجازت لے لی اس وقت کوئی گواہ نہیں تھا دوسرے دن قاضی کے پاس دو گواہوں کے سامنے نکاح کر دیا تو کیا حکم ہے؟ شرع شریف کی روشنی میں بندہ کی راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) بالغہ لڑکی سے اجازت لیتے وقت دو گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔لڑکی کا اجازت دینا توکیل بالنکاح ہے توکیل بالنکاح میں گواہ کا ہونا ضروری نہیں۔

(۲) اس صورت میں نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔

لما فی البحرالرائق (۸۸/۳) :أن الشهادة تشترط في الموقوف عند العقد لا عند الإجازة كما في المحيط۔

وفی الهندية(۲۹۴/۱): الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: يصح التوكيل بالنكاح وإن لم يحضره الشهود كذا في التتارخانية ناقلا عن خواهر زاده۔

وفی الشامية (۲۱/۳): قوله (وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه عن البحر۔

Marfat.com

(۴۹۴)عاقدین کی طرف سے وکیل بننا نیز وکیل کا موکلہ سے اپنا نکاح کرنے کا حکم

سؤال

ہمارے علاقے میں ایک نکاح اس طرح کیا گیا کہ لڑکا اور لڑکی دونوں غیر ملک برطانیہ میں مقیم تھے وہاں تعلیم کے حصول کیلئے گئے ہوئے تھے لڑکی کا تو باپ وکیل ہوتا ہے لڑکے نے بھی اپنا وکیل بنادیا لہٰذا دونوں کے وکیلوں نے یہاں ان کا نکاح ایک تقریب منعقد کر کے اس میں کرادیا، ان دونوں سے بذریعہ ٹیلیفون رابطہ تھا۔ آیا یہ نکاح منعقد ہوگیا؟ کیا دلہا یا دلہن میں سے کسی ایک کا موقع پر موجود ہونا ضروری نہیں؟ وکیل بنانے کی تفصیلات تحریر فرمادیں نیز لڑکی کا وکیل اپنے آپ سے لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دونوں سوالوں کے جواب درج ذیل ہیں:

(۱) نکاح میں لڑکا اور لڑکی دونوں کو اپنا وکیل بنانے کا اختیار ہے لہٰذا اگر دونوں کے وکیل عقدِ نکاح کو انجام دے دیں تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا بلکہ نکاح میں تو اگر لڑکا اور لڑکی دونوں کسی ایک شخص مثلاً سلیم کو وکیل بنادیں اور وہ شخص (سلیم) لڑکے اور لڑکی کی طرف سے ایجاب وقبول کردے تو یہ بھی جائز ہے نیز دُلہا خود بھی دلہن کا وکیل بن کر اپنے آپ سے اس کا نکاح کراسکتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ دونوں کے وکیلوں نے یہ عقد کرایا ہے لہٰذا یہ نکاح صحیح ہے اور دولہا یا دلہن کا موقع پر موجود ہونا ضروری نہیں لیکن ہر جواز کی صورت میں دو گواہوں کا موقع پر موجود ہونا لازمی ہے۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال یہ ہے کہ وکیل اپنے آپ سے نکاح کراسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ لڑکی نے وکیل کو کیا الفاظ بولے ہیں اگر لڑکی نے یہ کہا ہو کہ "آپ اپنے آپ سے میرا نکاح کرادو" (یا اس جیسا کوئی جملہ جس میں وکیل سے نکاح پر دلالت ہو) تو پھر وکیل اپنے آپ سے نکاح کراسکتا ہے لیکن اگر لڑکی نے یہ بولا کہ "کسی شخص سے میرا نکاح کرادو" یعنی جملہ مطلق ہو اور وکیل کا ذکر نہ ہو تو پھر وکیل اپنے آپ سے نکاح کرانے میں بااختیار نہ ہوگا اور اگر اپنے آپ سے نکاح کرادیتا ہے تو یہ نکاح نافذ نہ ہوگا (بلکہ لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر لڑکی اجازت دے دے تو صحیح ہو جائے گا ورنہ کالعدم ہوگا)۔

لمافی البحر الرائق (۲۴۰/۳):لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لم یجز لأنها أمرته بالتزویج من رجل نکرة وهو معرفة بالخطاب والمعرفة لا تدخل تحت النکرة۔

وفی الدرالمختار(۱۴/۳): ومن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس لو حاضرین۔

وفی الدر المختار(۹۶/۳): (ویتولی طرفي النکاح واحد) بإیجاب یقوم مقام القبول في خمس صور کأن کان ولیا أو وکیلا من الجانبین أو أصیلا من جانب ووکیلا أو ولیا من آخر أو ولیا من

Marfat.com

جانب وكيلا من آخر كزوجت بنتي من موكلي۔

(۴۹۵) بھائی کو نکاح کا وکیل بنایا جاسکتا ہے

سؤال

ایک صاحب نے اپنی بیٹی کا رشتہ امریکہ میں زیرِ تعلیم لڑکے کے ساتھ کیا اب دونوں کا نکاح ہوا ہے اس طرح کہ لڑکے نے ٹیلی فون پر اپنے بڑے بھائی کو کہا کہ آپ میری طرف سے ایجاب وقبول کرلیں اور اس کے بڑے بھائی نے ایسا ہی کیا تو آیا یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ نیز خط کے ذریعے یا ٹیلی فون پر کسی کو وکیل بنادیا جائے تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں، وضاحت کے ساتھ جواب دیں کیونکہ لڑکی والے لڑکے کی طرف سے بھائی کو وکیل بنانے کے معاملے میں شک وشبہ کا اظہار کررہے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں باپ نے جو بیٹی کا رشتہ کیا ہے اگر لڑکی اس پر راضی ہے تو جائز ہے نیز اگر لڑکے نے بڑے بھائی کو کہا کہ آپ میری طرف سے ایجاب وقبول کرلیں اور بڑے بھائی نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا، ٹیلیفون اور خط کے ذریعہ بھی وکیل بنانا جائز ہے، اس میں شک نہ کیا جائے۔

لمافی خلاصة الفتاویٰ (۴۸/۲): قال محمد اذا كتب اليها ليخطبها فوصل الكتاب اليها فدعت شهودا وقرأت عليهم الكتاب وأشهد ثم بعد ذلك فزوجت نفسها منه كان صحيحا والأصل في ذلك أن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر الخ۔

وفی الفقه الاسلامی (۲۹۲۷/۴): إذا كان ولياً من جانب ووكيلاً من جانب، مثل زوجت بنتي من موكلي. والسبب في مشروعية انعقاد الزواج في هذه الأحوال أن العاقد ليس إلا سفيراً عن الأصيل ومعبراً عنه، فلا يتحمل شيئاً من التزامات العقد، والواحد يصلح أن يكون معبراً عن اثنين بصفتين مختلفتين.

وفيه أيضا (۶۷۲۶/۹): ويصح التوكيل بالعبارة أو الكتابة، ولا يشترط بالاتفاق الإشهاد عند صدور التوكيل، وإن كان يستحسن للوكيل أن يشهد على التوكيل، للاحتياط خوفاً من الإنكار عند النزاع۔

Marfat.com

(۴۹۶) لڑکے کے خاندان سے نکاح کا وکیل بنانے کا حکم

سؤال

لڑکی کی طرف سے نکاح کا وکیل لڑکے کے خاندان سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کے نکاح کا وکیل بھی لڑکے کے خاندان سے ہی کسی شخص کو بنادیا جاتا ہے۔ جواب مرحمت فرمائیں کیا اس طرح نکاح ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی اگر بالغہ ہو تو وہ اپنے نکاح کا وکیل کسی کو بھی بناسکتی ہے اور اگر نابالغہ ہو تو یہ اختیار باپ کے پاس ہوتا ہے کہ وہ جسے چاہے وکیل بنائے لیکن وکیل بنانے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لڑکی کا رشتہ ڈھونڈنے سے لے کر آخر تک تمام معاملات کا وکیل بنانا یہ وکیل تو کسی بھی شخص کو بنایا جاسکتا ہے لیکن دوسرا یہ کہ کسی معین شخص سے نکاح کی اجازت لے کر اس کے نکاح پڑھانے کا وکیل بنانا یہ وکیل بھی اگرچہ ہر شخص کو بنایا جاسکتا ہے لیکن یہ لڑکی کا محرم ہو تو یہ مروّت اور شرافت کے مطابق ہے۔ نامحرم کا لڑکی کے پاس جاکر لڑکی سے اجازت لینا نامناسب بات ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر وہ وکیل (لڑکے کے خاندان والا) لڑکی کا بھی محرم ہو تو وہ لڑکی سے جاکر اجازت لے لے لیکن اگر وہ نامحرم ہو تو بہتر یہ ہے کہ یہ کام لڑکی کے خاندان سے ہی لڑکی کا کوئی محرم انجام دے البتہ نکاح بہر صورت منعقد ہوجائے گا۔

لما في القرآن الكريم (النور:۳۰): قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔

وفي السنن للامام ابي داود (۲۸۸/۱): عن عقبة بن عامر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لرجل أترضى أن أزوجك فلانة قال نعم. وقال للمرأة أترضين أن أزوجك فلانا. قالت نعم. فزوج أحدهما صاحبه۔

وفي القدوری (ص۱۷۱): كل عقد جاز أن يعقده الانسان بنفسه جاز أن يؤكل به غيره ---
وبعد أسطر ---ومن شرط الوكالة أن يكون المؤكل ممن يملك التصرف ويلزمه الاحكام۔

وفي الدرالمختار (۹۶/۳): (ويتولى طرفي النكاح واحد) بإيجاب يقوم مقام القبول في خمس صور كأن كان وليا أو وكيلا من الجانبين۔ الخ۔

Marfat.com

(۴۹۷) نکاح کا وکیل نامحرم ہوسکتا ہے

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے مجلس نکاح میں موبائل فون پر لڑکی سے ایجاب وقبول کروایا تو کیا موبائل فون پر ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

(۲) لڑکی کیلئے اپنا وکیل اور گواہ محارم میں سے مقرر کرنا ضروری ہے یا غیر محرم کو بھی نکاح کا وکیل اور گواہ بناسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ متعاقدین (یعنی نکاح کرنے والے مرد اور عورت) میں سے ہر ایک کے الفاظ (یعنی ایجاب وقبول) کو ایک ساتھ سنیں نیز متعاقدین اور گواہوں کی مجلس بھی ایک ہونی چاہیئے اگر مجلس ایک نہ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوتا لہٰذا فون وغیرہ سے جو ایجاب وقبول کیا جاتا ہے اس سے مجلس ایک نہ ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا چنانچہ اگر متعاقدین دور دراز علاقہ میں ہوں تو نکاح کی بہتر صورت یہ ہے کہ لڑکا کسی ایسے شخص کو جو لڑکی کے شہر میں رہتا ہو وکیل بنادے اور وکیل اس کی جانب سے گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرے نیز لڑکی کے لئے وکیل وگواہ غیر محرم بھی بن سکتے ہیں البتہ نامحرم کو لڑکی سے اجازت لینے کا وکیل بنانا خلافِ مروت ہے بہتر یہ ہے کہ لڑکی کا محرم یا ولی اقرب خود جاکر لڑکی سے اجازت لے۔

لما فی الخانیة علی هامش الهندیة (۱/۳۲۶): ولو أرسل الرجل رسولاً إلیها أو کتب إلیها کتاباً أني تزوجتك علی کذا فقبلت بحضرة الشاهدین إن سمعا کلام الرسول أو قرأ الکتاب علیهما فقبلت جاز۔

وفی الهندیة (۱/۲۶۸): رجل بعث أقواما لخطبة امرأة إلی والدها فقال الأب زوجت وقبل عن الزوج واحد من القوم لا یصح النکاح وقیل یصح النکاح وهو الصحیح وعلیه الفتوی کذا في محیط السرخسي۔

لمافی فتاویٰ اللجنة الدائمة (۱۸/۹۰): س: إذا توفرت أرکان النکاح وشروطه إلا أن الولي والزوج کل منهما في بلد، فهل یجوز العقد تلیفونیا أو لا؟

ج: نظرا إلی ما کثر في هذه الأیام من التغریر والخداع، والمهارة في تقلید بعض الناس بعضا في الکلام وإحکام محاکاة غیرهم في الأصوات حتی إن أحدهم یقوی علی أن یمثل جماعة من الذکور والإناث صغارا وکبارا، ویحاکیهم في أصواتهم وفي لغاتهم المختلفة محاکاة تلقي في نفس

Marfat.com

السامع أن المتكلمين أشخاص، وما هو إلا شخص واحد، ونظرا إلى عناية الشريعة الإسلامية بحفظ الفروج والأعراض، والاحتياط لذلك أكثر من الاحتياط لغيرها من عقود المعاملات رأت اللجنة أنه ينبغي ألا يعتمد في عقود النكاح في الإيجاب والقبول والتوكيل على المحادثات التليفونية تحقيقا لمقاصد الشريعة، ومزيد عناية في حفظ الفروج والأعراض حتى لا يعبث أهل الأهواء ومن تحدثهم أنفسهم بالغش والخداع. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

(۴۹۸) نابالغ کو نکاح کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا

سؤال

ہمارے بھائی کا نکاح ایک لڑکی سے ہوا جس کا تعلق حیدرآباد سے ہے جب ہم بارات لے کر گئے تو ان لوگوں نے قاضی صاحب کو نکاح کیلئے بلایا جب نکاح ہونے لگا تو لڑکی کے چچا نے ایک لڑکے کو کہا جاؤ خالہ سے پوچھ کر آؤ آپ نکاح سے راضی ہیں یا نہیں اس لڑکے کی عمر تقریبا بارہ سال ہوگی تھوڑی دیر بعد لڑکا واپس آ گیا اس نے کہا خالہ راضی ہیں میرے دل میں یہ بات آئی یہ تو بچہ ہے اس کو کیوں بھیجا۔ بہر حال میں چونکہ جاہل آدمی تھا اس لئے خاموش رہا کہ پہلے اپنے امام صاحب سے مسئلہ معلوم کروں گا بعد میں کچھ بات ہوگی اب آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا نکاح میں نابالغ کو وکیل بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس نکاح کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے انعقاد کیلئے ایجاب وقبول ضروری ہے۔ خواہ یہ ایجاب وقبول عاقدین خود کریں یا ان کی طرف سے مقرر کردہ وکیل ایجاب وقبول کرے۔ صورت مسئولہ میں اگر عورت نے چچا کو وکیل بنایا تھا اور بوقتِ عقدِ نکاح چچا نے محض توثیق کیلئے لڑکے کو بھیج کر لڑکی سے نکاح کی رضامندی حاصل کی تو نکاح درست ہوگا اور اگر عورت نے چچا کو وکیل نہیں بنایا تھا اور چچا نے محض لڑکے کے یہ بتلانے سے کہ خالہ نکاح کیلئے راضی ہیں لڑکی کا نکاح کروا دیا تو اگر یہ بچہ سمجھدار ہو اور نکاح کے معاملات کو سمجھتا ہو (اگرچہ بالغ نہ ہو) تب بھی یہ نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ اگر بچہ ناسمجھ ہے تو یہ نکاح موقوف رہے گا۔ اگر عورت نے بعد میں قبول کر لیا تو نکاح منعقد ہوگا ورنہ نہیں۔

لما في الهداية (۱۸۷/۲): ويشترط أن يكون الوكيل ممن يعقل العقد ويقصده لأنه يقوم مقام الموكل في العبارة فيشترط أن يكون من أهل العبارة حتى لو كان صبيا لا يعقل أو مجنونا كان التوكيل باطلا۔

و في بدائع الصنائع (۲۰/۶): وأما البلوغ والحرية فليسا بشرط لصحة الوكالة فتصح وكالة الصبي

Marfat.com

العاقل والعبد مأذونين كانا أو محجورين وهذا عند أصحابنا وقال الشافعي رحمه الله وكالة الصبي غير صحيحة لأنه غير مكلف ولا تصح وكالة المجنون ولنا ما روي أن رسول الله لما خطب أم سلمة قالت إن أوليائي غيب يا رسول الله فقال ليس فيهم من يكرهني ثم قال لعمرو ابن أم سلمة قم فزوج أمك مني فزوجها من رسول الله وكان صبيا۔

وفی البحر الرائق (۲۳۵/۷): الثالث في ركنها وهو ما دل عليها من الإيجاب والقبول ولو حكما فلو قال وكلتك في هذا كان وكيلا بحفظه لأنه الأدنى فيحمل عليه۔

(۴۹۹) لڑکی نے جسے وکیل بنایا فقط وہی نکاح کراسکتا ہے

سؤال

ہمارے گاؤں میں نکاح کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص کو لڑکی کا وکیل مقرر کرتے ہیں اور وکالت کے تقرر پر دو گواہ بھی ہوتے ہیں۔ پھر کبھی یہ تینوں بندے لڑکی کے پاس جا کر نکاح کی اجازت لیتے ہیں کبھی صرف گواہ جا کر کہتے ہیں کہ آپ کا نکاح فلاں بن فلاں سے کرنے کی اجازت ہے؟ وہ ہاں کہہ دیتی ہے پھر وکیل نکاح پڑھا دیتا ہے لیکن ظاہر ہے وکیل تو اندر گیا نہیں۔ کیا وہ بطور وکیل لڑکی کی طرف سے عقد کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جو شخص لڑکی کے پاس جا کر اجازت لے گا فقط وہی نکاح کا وکیل شمار ہوگا اور اس وکالت کے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں لہٰذا بہتر صورت یہ ہے کہ ایک شخص جو کہ محرم ہو اسے وکالت کیلئے منتخب کیا جائے اور وہ اندر لڑکی کے پاس جا کر لڑکی سے اجازت لے اور لڑکی کا نکاح پڑھا دے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جو شخص (یعنی وکیل) اندر جا کر اجازت لے کر نہیں آیا وہ لڑکی کا نکاح کرانے کا وکیل نہیں اگر وہ شخص نکاح کرائے گا تو یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف رہے گا البتہ جو گواہ اندر گئے ہیں اور لڑکی نے انہیں اجازت دی ہو تو وہ گواہ شرعاً لڑکی کے وکیل ہوں گے (یا ان دو میں سے ایک گواہ جس کو لڑکی اجازت دے) وہ وکیل بن کر نکاح کرا سکتے ہیں۔

لما فی الهندية (۲۹۸/۱): إذا وكلت المرأة رجلا أن يزوجها وقالت ما صنعت من شيء فهو جائز جاز للوكيل أن يوكل غيره بتزويجها۔ الخ۔

وفی الشامية (۹۹/۳): قوله (فإن له ذلك) أي تزويجها لنفسه بشرط أن يعرفها الشهود أو يذكر اسمها واسم أبيها وجدها۔

(وفی ص ۹۵): مطلب فی الوكيل والفضولی فی النكاح: واعلم أنه لا تشترط الشهادة على الوكالة

Marfat.com

بالنكاح بل على عقد الوكيل وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها فتح۔

(۵۰۰) مطلق توکیل کو صحت مند عورت سے نکاح پر حمل کیا جائے گا

سؤال

ایک شخص دوسرے شخص کو وکیل بناتا ہے کہ میرا نکاح کسی عورت سے کروادو وہ شخص اس کا نکاح ایک نابینا عورت سے کروادیتا ہے یا لنگڑی عورت سے کروادیتا ہے تو اس صورت میں نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ برائے مہربانی تشفی بخش جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ شخص نے دوسرے کو وکیل بنا کر کہا کہ میرا نکاح کسی عورت سے کروادو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متعارف نکاح کروانا۔ اب وکیل نے اس کا نکاح کسی نابینا یا لنگڑی عورت سے کروادیا تو یہ نکاح مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوگا کیونکہ وکیل نے مؤکل (جس نے نکاح کیلئے کہا تھا) کی منشاء کی خلاف ورزی کی ہے۔

لما في البحر الرائق(۳/۲۴۷): وذكر في الوكالة أن اعتبار الكفاءة في هذا استحسان عندهما لأن كل واحد لا يعجز عن التزوج بمطلق الزوجة فكانت الاستعانة في التزوج بالكفء كذا في الهداية وظاهره ترجيح قولهما لأن الاستحسان مقدم على القياس إلا في مسائل معدودة ليس هذا منها ولذا قال الأسبيجابي قولهما أحسن للفتوى واختاره أبو الليث۔

وفي الهندية (۱/۲۹۵) (الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها): ولو وكل رجلا أن يزوجه امرأة فزوجه امرأة عمياء أو شلاء أو رتقاء أو مجنونة أو صغيرة تجامع أو لا تجامع حرة أو أمة ليست بكفء له مسلمة أو كتابية جاز في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفي الشامية (۳/۹۵)(باب في الكفاءة): قوله (بتزويج امرأة) ۔۔۔ وما لو كانت عمياء أو مقطوعة اليدين أو مفلوجة أو مجنونة خلافا لهما أو صغيرة لا تجامع اتفاقا وقيل على الخلاف فتح ۔۔۔ قوله (وقالا لا يصح) أي إذا رده الآمر والأولى التعبير بلا ينفذ ليفيد أنه موقوف ۔۔۔ قوله (وهو استحسان) قال في الهداية وذكر في الوكالة أن اعتبار الكفاءة في هذا استحسان عندهما لأن كل أحد لا يعجز عن التزوج بمطلق الزوجة فكانت الاستعانة في التزوج بالكفء اھ قال في الفتح وفيه إشارة إلى اختيار قولهما لأن الاستحسان مقدم على غيره إلا في المسائل المعلومة والحق أن قول الإمام ليس قياسا لأنه أخذ بنفس اللفظ المنصوص فكان النظر في

Marfat.com

أي الاستحسانين أولى اهـ

(۵۰۱)وکیل کوصرف کفوء میں نکاح کرانے کا حق ہوگا

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک دوسرے شخص کو نکاح میں وکیل بنایا کہ میری شادی کراؤ اور نہیں بتایا کہ کیسی عورت سے نکاح کروانا ہے چنانچہ اس وکیل نے اس کا نکاح ایسی عورت سے کروایا جو اس شخص کے کفو کی نہیں تھی تو اس صورت میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ نکاح درست ہوا یا نہیں اور وکیل کا ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح مؤکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، موکل اگر اجازت دے تو وہ نکاح نافذ ہوگا ورنہ نہیں اور وکیل کے لئے ایسا کرنا درست نہیں بلکہ اس کو چاہیئے تھا کہ اپنے مؤکل کا نکاح اس کے کفوء میں کراتا۔

لمافي الخانية (١٦١/١، ١٦٢) كتاب النكاح، فصل في الوكالة: ولو وكل رجلاً بأن يزوجه امرأة فزوجه امرأة عمياء أو شلاء أو رتقاء أو مجنونة أو صغيرة تجامع أو لا تجامع حرة أو أمة كفأ وليست كفأ بكفء له مسلمة أو كتابية جاز في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى۔

وفي الشامية (٩٥/٣) كتاب النكاح، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح: قوله (جاز) في بعض النسخ نفذ وهي أنسب لأن الكلام في النفاذ لا في الجواز ح قوله (وقالا لا يصح) أي إذا رده الآمر والأولى التعبير بلا ينفذ ليفيد أنه موقوف ۔۔۔ قوله (وهو استحسان) قال في الهداية وذكر في الوكالة أن اعتبار الكفاءة في هذا استحسان عندهما لأن كل أحد لا يعجز عن التزوج بمطلق الزوجة فكانت الاستعانة في التزوج بالكفء اه قال في الفتح وفيه إشارة إلى اختيار قولهما لأن الاستحسان مقدم على غيره إلا في المسائل المعلومة والحق أن قول الإمام ليس قياسا لأنه أخذ بنفس اللفظ المنصوص فكان النظر في أي الاستحسانين أولى اهـ والمراد باللفظ المنصوص لفظ الموكل۔

وفي تقريرات الرافعي (١٩١/٣): تحت [قوله: والحق ان قول الامام ليس قياسا الخ] فيه أن القياس ما كان دليله جليا والاستحسان ما كان دليله خفيا وهنا لا شك فى ظهور دليله وخفاء دليلهما تأمل، على أن الطحاوى قال قولهما أحسن للفتوى۔

Marfat.com

(۵۰۲) وکیل کے کفوء میں نکاح کرانے کی شرط پر اشکال کا جواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص دوسرے کو وکیل بناتا ہے کہ کسی عورت سے میرا نکاح کرادو وہ شخص مؤکل خود ایک ٹانگ سے لنگڑا ہے، وکیل نے رشتہ ڈھونڈا اور ایک لنگڑی سے اس کا نکاح کرادیا، مؤکل کو علم ہوا تو اس نے بولا: "میں نہیں مانتا لنگڑی سے تو میں خود نکاح کرسکتا تھا وکیل تو صحیح لڑکی سے نکاح کیلئے بنایا تھا"۔ مفتی صاحب مسئلے کا کیا حل ہے؟

یہاں ایک طالب علم ہے اس نے کہا کہ لنگڑا صحیح کہتا ہے کیونکہ مطلق وکالت میں کف اور صحت مند عورت سے نکاح کرانا مراد ہوتا ہے اور وکیل نے اس کی رعایت نہیں کی لہٰذا یہ نکاح کالعدم ہے۔ ہم بھی دین سے کچھ متعلق ہیں ہم نے سوچا طالب علم کا صحت مند کہنا تو سمجھ آتا ہے لیکن کفوء کہنا تو مشکل ہے کیونکہ کفوء تو مرد ہوتا ہے عورت تو بھنگی بھی ہو تو پرواہ نہیں کفاءت مرد سے متعلق مسئلہ ہے، بہرحال طالب کا کہنا تھا کہ یہ استحسان ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے۔

اب آپ حضرات اس مسئلے پر مفصل ہر ہر جزء پر گہری نظر فرماتے ہوئے جواب مرحمت فرمائیں۔ خصوصاً اس پر کہ کیا وکیل کا کفوء میں نکاح کرنا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں طالب علم کا قول صحیح ہے۔ یہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے اور استحسان ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ تاہم واضح رہے کہ یہ مسئلہ اصطلاحی کفاءت سے متعلق نہیں بلکہ عرف سے متعلق ہے یعنی اگر کسی کو وکیل بنایا جائے تو عرف یہ ہے کہ وہ مؤکل کیلئے بے عیب شیء کا انتخاب کرے، چنانچہ صورت مذکورہ میں لنگڑے شخص نے وکیل اس وجہ سے بنایا تھا کہ کسی صحت مند عورت سے نکاح کرایا جائے لہٰذا اگر وکیل نے کسی لنگڑی عورت سے مؤکل کا نکاح کرایا تو نکاح نہیں ہوگا۔

لمافی الشامیة(۳/۹۵) : مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح: قوله (بتزويج امرأة) أي منكرة ويأتي محترزه وأطلق في الأمة فشمل المكاتبة وأم الولد بشرط أن لا تكون للوكيل للتهمة وما لو كانت عمياء أو مقطوعة اليدين أو مفلوجة أو مجنونة خلافا لهما۔ الخ۔

(۵۰۳) وکیل اگر مؤکل کی شرط کی مخالفت کردے تو نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ میرا نکاح کسی خوبصورت

Marfat.com

گوری لڑکی سے کرادے لیکن وکیل نے بدصورت کالی لڑکی سے اس کا نکاح کرادیا تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں چونکہ وکیل نے مؤکل کے امر کی مخالفت کی ہے اس لئے یہ نکاح مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر مؤکل نے اجازت دے دی تو یہ نکاح صحیح ہوجائے گا ورنہ نہیں۔

لمافی الهندية (٢٩٥/١): أمره أن يزوجه بيضاء فزوجه سوداء أو على العكس لا يصح۔

وفي الدرالمختار (٩٥/٣): وأجمعوا أنه لو زوجه بنته الصغيرة أو موليته لم يجز كما لو أمره بمعينة أو بحرة أو أمة فخالف۔

وفي الشامية (٩٦/٣): وفي كل موضع لا ينفذ فعل الوكيل فالعقد موقوف على إجازة الموكل وحكم الرسول كحكم الوكيل في جميع ما ذكرناه۔

(۵۰۴) نکاح میں دلہا دلہن کا بھی وکیل بن سکتا ہے

سؤال

عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی کی منگنی ہوگئی۔ ان دونوں کے والدین ان کی شادی کرانے کیلئے راضی بھی ہیں مگر فی الوقت نہیں بلکہ ایک سال کے بعد اور فی الوقت نکاح کے مخالف ہیں اور ان دونوں کا کفو یعنی دین داری، حسب ونسب، مال و دولت اور حسن وجمال وغیرہ دونوں برابر ہیں تو اگر اس عاقلہ بالغہ لڑکی نے اس عاقل بالغ لڑکے سے کہا کہ میں آپ کو اختیار دیتی ہوں کہ آپ میرا نکاح اپنے آپ سے کرلیں اور میں آپ سے نکاح کرتی ہوں۔ وہ لڑکا دو عاقل بالغ لڑکوں کے پاس گیا اور ان کو گواہ بنا کر ان کے سامنے اقرار کیا کہ فلانہ لڑکی نے مجھے اپنے آپ سے نکاح کا اختیار دیا ہے "میں اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لیتا ہوں" آیا کہ شرعی اعتبار سے نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کا منگیتر جس کو لڑکی نے اپنے آپ سے نکاح کرانے کا وکیل بنایا تھا اس نے جب دو ایسے عاقل بالغ گواہوں کے سامنے جو لڑکی کو پہچانتے تھے، لڑکی کا نام لے کر کہا کہ فلانہ لڑکی نے مجھے اپنے آپ سے نکاح کا اختیار دیا ہے "میں اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لیتا ہوں" تو نکاح منعقد ہوگیا اور اگر وہ گواہ لڑکی کو پہچانتے نہ تھے تو پھر لڑکی کے باپ، دادا کا نام لینا بھی ضروری ہے۔

لمافی الهندية (٢٩٥/١): امرأة وكلت رجلا بأن يزوجها من نفسه فقال زوجت فلانة من نفسي يجوز وإن لم تقل قبلت كذا في الخلاصة۔

وفي الشامية (٢٢/٣): والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها وإن كانت

Marfat.com

معروفة عند الشهود على قول ابن الفضل وعلى قول غيره يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلا فلا وبه جزم صاحب الهداية في التجنيس وقال لأن المقصود من التسمية التعريف وقد حصل وأقره في الفتح والبحر ۔۔۔ والظاهر أن المراد بالمعرفة أن يعرفها أن المعقود عليها هي فلانة بنت فلان الفلاني لا معرفة شخصها۔

وفي الدر المختار (۳/۹۶): أو أصيلاً من جانب ووكيلا أو وليا من آخر۔

وفي الرد تحته: قوله (ووكيلا أو وليا من آخر) كما لو وكلته امرأته أن يزوجها من نفسه ۔۔۔ ولا بد من التعريف بالاسم والنسب۔

(۵۰۵) بدونِ اجازت کیے گئے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ عاقل اور بالغ ہے۔ اس کے گھروالوں نے اس کی شادی اس کی خالہ زاد سے کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب اس شخص کے گھروالوں نے اس سے اس کی خالہ زاد کے بارے میں رائے مانگی تو اس نے نہ صرف اپنی خالہ زاد سے شادی سے انکار کیا بلکہ فی الحال شادی نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ وہ فی الحال اس کی شادی کے بارے میں نہ سوچیں۔

دوسری طرف اس نے ایک اور لڑکی کو شادی کے نظریئے سے پسند کیا اور بعد ازاں اس لڑکی کے بارے میں اپنے گھروالوں کو بھی بتایا مگر اس کے گھروالوں نے اس بات پر برہمی کا اظہار کیا اور مصر رہے کہ اس کی شادی وہ اپنی پسند سے کریں گے۔ ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ اچانک اس کے گھروالوں نے اس شخص کی لاعلمی اور غیر موجودگی میں اور اس سے کسی بھی قسم کی بات چیت کیے بغیر اس کی منگنی اور نکاح کر دیا۔ نکاح کی اس تقریب میں لڑکی بذات خود موجود تھی اور لڑکے کی طرف سے ایجاب وقبول کے فرائض اس کے بھائی نے سرانجام دیئے۔ اسے اپنی منگنی کی خبر منگنی والے دن ہوئی اور نکاح کے بارے میں اسے تین دن کے بعد پتہ چلا۔ اس نے یہ سب کچھ سن کر اپنے گھروالوں سے باز پرس کی اور ان سے پوچھا کہ اس کے منع کرنے کے باوجود انہوں نے یہ قدم کیسے اٹھایا اور وہ اس بات سے سخت ناخوش ہے اور اسے انکا یہ فیصلہ نامنظور ہے۔ یہاں تک کہ اس شخص نے یہ بات اس لڑکی سے بھی کہی کہ میری غیر موجودگی میں میرا نکاح نہیں ہوسکتا جبکہ میں نے کسی کو بھی اس کام کا اختیار نہیں دیا اور واضح طور پر انکار بھی کیا تھا کہ فی الحال اس بارے میں نہ سوچا جائے مگر اس کے گھروالوں کا اصرار ہے کہ جو ہو چکا ہے وہ درست ہے اور اسے انکا فیصلہ قبول کرنا ہوگا۔ (واضح رہے کہ لڑکا روزگار کے سلسلے میں کراچی میں مقیم ہے اور اس کے گھر والے صوبہ سرحد میں ہیں)۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

Marfat.com

(۱) کیا ایک شخص کے واضح طور پر کسی بھی جگہ یا کسی مخصوص جگہ شادی سے انکار کے باوجود اس کے گھر والے اس کی شادی کا فیصلہ یک طرفہ طور پر کر سکتے ہیں؟

(۲) جبکہ وہ شخص واضح طور پر نکاح سے انکاری ہے تو اس کے گھر والوں نے یہ جانتے بوجھتے جو اس کی لاعلمی میں اس کا نکاح کیا ہے انہیں اس کا اختیار تھا؟ اور کیا اس نکاح کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟

(۳) کیا اس طرح لاعلمی میں جبکہ گھر والے اس صورت حال سے واقف ہوں کہ ان کا بیٹا فی الحال شادی سے انکار کر رہا ہے اور کہیں شادی کا ارادہ رکھتا ہے اس طرح نکاح کرنا جائز ہے؟ کیا ان کا اقدام درست ہے اور کیا اس نکاح کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ جبکہ اس نے زندگی میں کبھی بھی اس طرح کا کوئی حق کسی کو تفویض نہ کیا ہو (یعنی اس کی طرف سے ایسے کسی فیصلہ کا)۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص نے چونکہ نہ کسی کو اپنا وکیل بنایا ہے اور نہ کسی کو اجازت دی ہے لیکن اس کے باوجود اس کے گھر والوں نے اس کی لاعلمی میں اور بغیر اجازت کے نکاح کروایا ہے اس لئے یہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اجازت دیدی تو صحیح ہے ورنہ یہ نکاح شرعاً معتبر نہیں ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکے نے اس نکاح کا انکار کر دیا ہے لہٰذا یہ نکاح کالعدم ہے۔

لما فی الهندية (۲۸۷/۱): لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها بكرا كانت أو ثيبا فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها فإن أجازته جاز وإن ردته بطل كذا في السراج الوهاج۔

وفيه ايضاً (۲۹۹/۱): كل عقد صدر من الفضولي وله قابل يقبل سواء كان ذلك القابل فضوليا آخر أو وكيلا أو أصيلا انعقد موقوفا هكذا في النهاية۔

وفي الشامية (۹۷/۳): قوله (إن لها مجيز الخ) فسر المجيز في النهاية بقابل يقبل الإيجاب سواء كان فضوليا أو وكيلا أو أصيلا وقال فيها في فصل بيع الفضولي لو باع الصبي ما له أو اشترى أو تزوج أو زوج أمه أو كاتب عبده ونحوه توقف على إجازة الولي فلو بلغ هو فأجاز نفذ۔

(۵۰۶) کلما کی قسم کے بعد پسند کا کوئی اعتبار نہیں

سؤال

میرا ایک دوست ایک جگہ انٹرویو کے لئے گیا وہاں اس سے "کلما" پر قسم لی گئی (یعنی اگر میں نے فلاں فلاں امر کی مخالفت کی تو میں جب جب کسی لڑکی سے شادی کروں اسے تین طلاق ہوں)، اور اب وہ یہ قسم پوری نہ کر سکا، تو اُسے کسی نے بتایا کہ تم اب کبھی شادی

Marfat.com

نہیں کرسکتے جب بھی شادی کروگے تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی اور وہ تین طلاقوں سے مغلظہ ہوجائے گی، وہ دوست بڑا پریشان تھا اُسے ایک دوست نے فضولی کے نکاح کرانے کا حیلہ بتایا، اُسے وہ حیلہ بھی سمجھ نہ آیا اور اس میں اس کی پسند ناپسند کا بھی اعتبار مشکل تھا، مفتی صاحب! اب وہ زندگی کی سخت کشمکش میں ہے، مفتی صاحب! اس کی قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہوسکتا کہ یہ قسم ختم ہوجائے؟ فقہ حنفی کے علاوہ دوسری فقہ میں بھی کوئی گنجائش نہیں ہے؟ مفتی صاحب! کسی طرح اس بیچارے مظلوم کا مسئلہ حل فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

سائل کی زبانی یہ بات معلوم ہوئی کہ "کلما" پر قسم لیتے وقت (یعنی یہ کہتے وقت کہ جب جب کسی لڑکی سے الخ) وکالت کی نفی نہیں کی گئی، لہٰذا سائل کے دوست کی پریشانی کا حل یہی ہے کہ کوئی فضولی شخص (بغیر صریح یا دلالۃ اجازت کے نکاح کرانے والا شخص فضولی کہلاتا ہے) اُس کا نکاح کرادے، جہاں تک تعلق اس کی پسند ناپسند کا ہے تو اُسے اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ نکاح تو ہو رہا ہے حالانکہ اُس نے خود قسم اُٹھا کر اپنے نکاح کے اختیار کو ختم کیا ہے۔

لمافی الدرالمختار(۹۷/۳) کتاب النکاح مطلب فی الوکیل والفضولی: (ونكاح عبد وأمة بغير إذن السيد موقوف) على الإجازة (كنكاح الفضولي)۔

وفی الرّد تحته: قوله (كنكاح الفضولي) أي الذي باشره مع آخر أصيل أو ولي أو وكيل أو فضولي ---
قال في البحر الفضولي من يتصرف لغيره بغير ولاية ولا وكالة أو لنفسه۔

وفی الشامیة (۲۴۸/۳) کتاب النکاح، مطلب فی فسخ الیمین المضافة: وفي البحر عن البزازية والتزوج فعلا أو من فسخ اليمين من زماننا وينبغي أن يجيء إلى عالم ويقول له ما حلف واحتياجه إلى نكاح الفضولي فيزوجه العالم امرأة ويجيز بالفعل فلا يحنث وكذا إذا قال لجماعة لي حاجة إلى نكاح الفضولي فزوجه واحد منهم أما إذا قال لرجل اعقد لي عقد فضولي يكون توكيلا اھ۔

Marfat.com

باب فی الکفاءۃ

(کفاءت کا بیان)

(۵۰۷) کفاءت کن اشیاء میں معتبر ہے؟

سؤال

کفاءت کیا ہے؟ اور کن چیزوں میں کفاءت معتبر ہے؟ کیا شریعت میں قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے؟ از راہِ کرم مفصل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کفاءت کہتے ہیں برابری کو۔ یعنی شادی کے وقت لڑکے اور لڑکی کا مخصوص اشیاء میں ہم پلہ ہونا کفاءت کہلاتا ہے۔ وہ چیزیں درج ذیل ہیں:

۱) نسب ۲) آزادی ۳) اسلام ۴) دین داری ۵) مال ۶) پیشہ

علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چھ کو عربی کے ان اشعار میں جمع کردیا ہے:

إن الکفاءۃ فی النکاح تکون فی ست لھا بیت بدیع قد ضبط
نسب وإسلام کذلك حرفۃ حریۃ ودیانۃ مال فقط

ترجمہ: نکاح میں کفاءت کا اعتبار چھ چیزوں میں ہے جسے ایک انمول شعر میں جمع کیا گیا ہے نسب اور اسلام اسی طرح پیشہ، آزادی اور دین داری، مال صرف (یہ چھ ہیں)

ان چھ چیزوں میں شرعاً لڑکے کا لڑکی کے برابر یا اعلیٰ ہونا ضروری ہے اسے ہی کفاءت کہا جاتا ہے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ کفاءت کا اعتبار لڑکے کی طرف سے ہے لڑکی کی جانب میں نہیں۔ لڑکی اگر کفاءت میں لڑکے سے کمتر ہو تو یہ احکام جاری نہ ہوں گے کیونکہ حقِ کفاءت لڑکی کو (یا اس کے اولیاء کو) عار سے بچانے کیلئے ہے اور جب لڑکا ان اشیاء میں برتر ہے تو وجہِ عار موجود نہیں۔

الغرض لڑکی اگر اپنے سے کم درجہ کے لڑکے سے نکاح کرلیتی ہے اور اولیاء اس پر راضی نہ ہوں تو یہ نکاح عدمِ کفو میں کہلائے گا

Marfat.com

اور علی التحقیق مفتی بہ قول کے مطابق یہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا، چاہے نکاح کے بعد اولیاء راضی بھی ہو جائیں کیونکہ بوقتِ عقد ایجاب وقبول جب لغو ہوں تو بعد از عقد اولیاء کی رضامندی کارگر نہیں ہو سکتی۔

نیز ان اشیاء میں برابری کا اعتبار بوقتِ عقد ہے اگر لڑکی اپنے ہم پلہ لڑکے سے بغیر رضامندی اولیاء کے نکاح کر لیتی ہے تو یہ نکاح منعقد ہوگا چاہے عقد کے بعد لڑکا کفوء نہ رہے مثلاً لڑکے کا مال ضائع ہو جائے یا وہ گھٹیا پیشہ اختیار کرلے تو بعد از عقد سقوط کفاءت کا اعتبار نہیں۔ مسئلہ کفاءت کا ثبوت احادیثِ مبارکہ اور فقہاء کے استنباطات سے ہے۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے:

"عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له يا علي ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا اتت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفؤا"

"علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا، اے علی تین چیزوں کو مؤخر نہ کرنا ایک نماز کو جب اس کا وقت ہو جائے دوسرا جنازے کو جب وہ حاضر ہو جائے تیسرا بے نکاحی لڑکی کے نکاح کو جب اس کے کفو کا رشتہ تجھے مل جائے۔" (جامع الترمذی ۱/۲۰۵)

سنن بیہقی میں یہ روایت ہے:

عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تنكحوا النساء إلا الأكفاء ولا يزوجهن إلا الأولياء ولا مهر دون عشرة دراهم"

"حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورتوں کا نکاح غیر کفوء میں نہ کرو اور ان کا نکاح سرپرستوں کے علاوہ کوئی نہ کرے اور مہر دس درہم سے کم مقرر نہیں ہو سکتا۔" (بیہقی، ۴/ ۱۳۳)

مستدرک حاکم کی روایت ہے:

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "تخير والنطفكم فانكحوا الأكفاء وانكحوا إليهم"

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے نطفوں (سے پیدا شدہ) کے لئے بہترین انتخاب کرو، کفوء میں نکاح کرو اور انہیں سے نکاح کراؤ۔" (مستدرک حاکم ۲/ ۱۶۳)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن میں اس روایت کو لیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی بناء پر نکاح میں کفاءت کو شرط قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن ۱۱/ ۸۸ باب مراعاة الكفاءة)

ان مذکورہ بالا روایات نیز کتب حدیث میں مذکور دیگر احادیث سے نکاح میں کفاءت کے ملحوظ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ کفاءت کے معاملے میں مزید تفصیلات اور تعینات فقہاء کے استنباط اور اجتہاد کا نتیجہ ہیں جس میں لڑکی کے سرپرستوں کی عار کو سب سے زیادہ مدنظر

Marfat.com

رکھا گیا ہے جو ظاہر ہیں کہ قرآن وحدیث کے نصوص کو سامنے رکھ کر کئے گئے ہیں۔

لما في الدر المختار (٨٤/٣) (باب الكفاءة): (الكفاءة معتبرة) في ابتداء النكاح للزومه أو لصحته (من جانبه) أي الرجل لأن الشريفة تأبى أن تكون فراشا للدنيء ولذا (لا) تعتبر (من جانبها) لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح كما في الخبازية۔

وفي ص (٥٦/٣): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)۔

وفيه أيضا(٨٦/٣): (وتعتبر) الكفاءة للزوم النكاح خلافا لمالك (نسبا فقريش) بعضهم (أكفاء) بعض (و) بقية (العرب) بعضهم (أكفاء) بعض --- (و) أما في العجم فتعتبر (حرية وإسلاما) --- (وأبوان فيهما كالآباء) --- (و) تعتبر في العرب والعجم (ديانة) --- (ومالا) --- (وحرفة) --- (و) الكفاءة(اعتبارها عند) ابتداء (العقد فلا يضر زوالها بعده)فلو كان وقته كفؤا ثم فجر لم يفسخ وأما لو كان دباغا فصار تاجرا فإن بقي عارها لم يكن كفؤا وإلا لا۔

(۵۰۸) نسب میں کفاءت کے مسئلہ کی تحقیق

سوال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح کے اندر کفوء میں نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے، کیا یہ صرف عرب والوں کے ساتھ خاص ہے یا عجم میں بھی اس کا اعتبار کیا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے اندر کفوء کا اعتبار جس طرح عرب میں ہے ویسے ہی عجم میں بھی ہے البتہ کفوء کے اعتبار سے عرب اور عجم میں کچھ فرق ہے۔ اس میں سب سے اہم "نسب" ہے کہ عرب میں کفوء میں نسب کا اعتبار کیا جاتا ہے بخلاف عجم کے کہ ان میں نسب میں کفوء کا اعتبار نہیں ہاں اگر کوئی لڑکی سیدزادی ہے یعنی جس کا سلسلۂ نسب واقعۃً اہل بیت تک پہنچتا ہو یا عرب قبائل میں سے کسی قبیلہ کی طرف اس کا سلسلۂ نسب معروف ومشہور اور ثابت ہو تو ایسی لڑکی کا ایک غیر سید شخص کفو نہ ہوگا اور ولی کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح منعقد نہیں ہوسکتا البتہ اگر لڑکی کا ولی خود اس نکاح پر راضی ہو تو اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا۔

Marfat.com

لمافى البحر الرائق (١٣٠/٣):قوله (الكفاءة تعتبر نسبا فقريش أكفاء والعرب أكفاء وحرية وإسلاما وأبوان فيهما كالآباء وديانة ومالا وحرفة) لأن هذه الأشياء يقع بها التفاخر فيما بينهم فلابدمن اعتبارها ـ ـ ـ وقدذكرالمصنف اعتبارها في ستة أشياء الأولى النسب وهو معروف وأما العرب فهم خلاف العجم۔

وفى (ص ١٣١/٣): والحاصل أن النسب المعتبر هنا خاص بالعرب وأما العجم فلا يعتبر في حقهم ولذا كان بعضهم كفئا لبعض ـ ـ ـ وأما الثاني والثالث أعني الحرية والإسلام فهما معتبران في حق العجم لأنهم يفتخرون بهما دون النسب۔

وفى الشامية (٨٧/٣): قوله (وأما في العجم) المراد بهم من لم ينتسب إلى إحدى قبائل العرب ويسمون الموالي والعتقاء كما مر وعامة أهل الأمصار والقرى في زماننا منهم سواء تكلموا بالعربية أو غيرها إلا من كان له منهم نسب معروف كالمنتسبين إلى أحد الخلفاء الأربعة أو إلى الأنصار ونحوهم۔

(٥٠٩) نسب میں کفاءت کا حکم

سؤال

میرے ایک کزن نے مجھے یہ بتا کر حیران کر دیا کہ اسلام میں دین داری کے علاوہ نسب میں بھی لڑکا لڑکی کے برابر ہونا ضروری ہے۔میں بہت حیران ہوا کہ یہ تو ممکن نہیں اسلام تو نام ونسب کو مٹا کر تقویٰ کو معیار بناتا ہے پھر یہ کیا بات ہے کہ نسب اچھا ہو البتہ مسئلہ کی صحیح وضاحت آپ حضرات کا میدان ہے تو بتائیں کہ یہ بات ٹھیک ہے؟ اور آج کل جو برادریوں کا چکر ہے کہ ایک برادری دوسری کو اپنے سے کم ہی نہیں بلکہ ذلیل ترین سمجھتے ہیں تو کیا یہ کفو ہوں گے؟ ان برادریوں میں عار اور تفاخر کا سلسلہ بھی واضح ہے تو اگر اسلام میں نسب کی وجہ سے کفوء اور غیر کفوء میں فرق ہو تو اس میں بھی فرق معتبر ہونا چاہیئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے لڑکے اور لڑکی کے درمیان نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے اور یہ بات مختلف احادیث اور فقہاء کرام کی عبارات سے ثابت ہوتی ہے مگر یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ نسب میں کفاءت اہل عرب کے درمیان معتبر ہے اہل عجم میں وہ لوگ جو حقیقی معنوں میں عرب خاندان کی طرف منسوب ہیں اور ان کو اپنا شجرہ معلوم ہے تو ان میں بھی نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے یہ بات صحیح ہے کہ عزت ومرتبہ کا اصل دارومدار اللہ کے ہاں دین داری وتقویٰ ہی پر ہے مگر نسب کا بھی شرافت وکرامت میں دخل ضرور ہے اور خود

Marfat.com

شریعت نے بھی اس کا لحاظ کیا ہے۔ البتہ اعلیٰ نسب کی بناء پر فخر، تکبر کرنا جائز نہیں۔ جہاں تک برادری کا تعلق ہے تو برادری کا نسب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ برادری قومیت کی بناء پر ہوتی ہے جس کی بناء پر نہ تفاخر جائز ہے اور نہ تکبر کرنا بلکہ یہ شرعاً ایک مذموم حرکت ہے اور اس کا کفاءت میں کوئی اعتبار نہیں۔

لمافی الهندية (١/٢٩٠) كتاب الكفاءة :الكفاءة تعتبر فى اشياء منها النسب ---- والصحيح أن العرب كلهم أكفاء كذا ذكره أبو اليسر في مبسوطه كذا في الكافي والموالي وهم غير العرب لا يكونون أكفاء للعرب والموالي بعضهم أكفاء لبعض كذا في العتابية۔

وفى الشامية (٣/٨٧): قوله (وهذا في العرب) أي اعتبار النسب إنما يكون في العرب، فلا يعتبر فيهم الإسلام كما في المحيط والنهاية وغيرهما ----.قوله (وأما في العجم) المراد بهم من لم ينتسب إلى إحدى قبائل العرب ويسمون الموالي والعتقاء كما مر وعامة أهل الأمصار والقرى في زماننا منهم سواء تكلموا بالعربية أو غيرها إلا من كان له منهم نسب معروف كالمنتسبين إلى أحد الخلفاء الأربعة أو إلى الأنصار ونحوهم۔

(٥١٠) کفاءت میں پیشے سے متعلق برابری پر تحقیقی فتویٰ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نکاح میں کفو کے معاملے میں پیشے کے اندر بھی برابری ضروری ہے؟ آج کل تو بعض قصائی کروڑ پتی ہوتے ہیں تو کیا ایسا شخص ایک ڈاکٹر کی بیٹی کا کفو ہوگا یعنی پیشے میں کفو کا کیا مطلب ہے؟ بعض اچھے پیشوں والے غریب ہوتے ہیں اور بعض جاہل قصائی اور دیگر پیشوں والے امیر ہوتے ہیں لہٰذا آپ اس مسئلے کی صحیح تشریح کر دیں نیز ایک کمپنی میں اگر ایک شخص ملازم اور ایک کلرک ہے تو کیا کلرک ملازم کی بیٹی کا کفو ہوگا نیز صرف لڑکے کا پیشہ دیکھا جائے گا یا باپ دادا کا بھی؟ مسئلے کی ہر پہلو سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت اسلامیہ میں نکاح کے معاملے میں کفاءت یعنی برابری کا لحاظ رکھنا ایک بہت ہی اہم امر ہے۔ برابری کا لحاظ رکھنے کی بنیادی وجہ لڑکی کے سرپرستوں کو لاحق ہونے والی عار ہے کیونکہ نکاح ایک ایسا معاملہ ہے جو دو اجنبی خاندانوں کو بھی ایک نسبت، ایک پہچان دیتا ہے لڑکی کا رشتہ جس قسم کے لڑکے سے ہو اس اعتبار سے لڑکی والوں کی وجاہت اور لیاقت کا اندازہ لگایا جاتا ہے اس کفاءت کے سلسلے میں شرعاً چھ چیزوں میں برابری کا لحاظ رکھا گیا ہے جس میں سے ایک پیشہ بھی ہے کیونکہ انسان کا پیشہ اس کی زندگی میں بہت اہم

Marfat.com

کردار ادا کرتا ہے بعض پیشے معاشرے میں انتہائی معیوب سمجھے جاتے ہیں۔لڑکی کا از خود کسی گھٹیا پیشے والے سے نکاح لڑکی کے اولیاء کی معاشرے میں ذلت اور رسوائی کا سبب بنتا ہے۔

پیشے میں اصل مدار عار کا ہے نہ کہ پیسوں کا، چاہے اس پیشے والے کے پاس لاکھوں روپے ہوں لیکن اگر معاشرے میں وہ پیشہ عار کا سبب ہے تو ایسا شخص کفو نہیں کہلائے گا اور اگر معاشرے میں عار کا سبب نہیں تو وہ شخص کفو ہے اگر چہ اس پیشے میں مال زیادہ نہ ہو۔

پیشے کا اعلیٰ ہونا یا نہ ہونا یہ ہر زمانے کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کبھی ایک جگہ کے عرف میں ایک پیشہ اعلیٰ ہوتا ہے تو کبھی وہی پیشہ دوسری جگہ کے عرف میں ذلت اور عار کا سبب ہوتا ہے لہٰذا ہر جگہ کے اپنے عرف کا لحاظ ہوگا البتہ ایک عالم اپنی علمی شرافت کی بناء پر سب کا کفو ہے کیونکہ عالم کا علم اس کی وجاہت اور لیاقت کے بیان کیلئے خود ہی کافی ووافی ہے۔قصائی اور ڈاکٹری کا پیشہ اگر کسی عرف میں برابر ہوں تو انہیں کفو شمار کیا جائے گا اور اگر قصائی کے پیشے کو گھٹیا سمجھا جاتا ہو تو پھر یہ دونوں آپس میں کفو نہ ہوں گے۔اسی طرح کلرک اور ملازم سے متعلق بھی عرف میں معیوب سمجھنے پر مدار ہوگا۔

پیشے میں اصل اعتبار لڑکے کا ہے البتہ پیشہ تب ہی کہا جاتا ہے جب وہ آباء سے چلا آرہا ہو، اور اس پر التزام کیا گیا ہو، اور اگر کوئی شخص ہر کام کرتا ہو کوئی خاص کام اس کا نہ ہو تو ایسے شخص کا کوئی پیشہ نہیں اور اگر بیٹے نے باپ کا پیشہ چھوڑ دیا لیکن لوگ باپ کے پیشے کو بھولے نہیں بلکہ وہ بیٹے کو اسی کی طرف منسوب کرتے ہیں تو باوجود کام بدل لینے کے عار باقی رہے گی اور اگر بھول گئے ہوں تو پھر فی الحال لڑکے کا جو کام ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

کفاءت سے متعلق ایک اہم بات یہ ملحوظ رہے کہ لڑکی اگر بغیر سرپرستوں کی اجازت کے از خود اپنا نکاح کرے تو ان مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے البتہ اگر لڑکی کے سرپرست لڑکی کا نکاح کراتے ہیں تو وہ کسی بھی قسم کے لڑکے سے نکاح کرا سکتے ہیں۔جہاں ان کی صوابدید ہو، اس میں کفو ہونا بہتر تو ہے لیکن ضروری نہیں۔کسی خاص مصلحت یا حکمت کے پیشِ نظر سرپرست کا کیا نکاح منعقد ہوگا۔

لمافى القرآن الكريم (الحجرات: ٢٦): يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

وفى مبسوط السرخسى (٥/٢٣): والرابع: الكفاءة في الحرف والمروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن ذلك غير معتبر أصلا وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه معتبر حتى أن الدباغ والحجام والحائك والكناس لا يكون كفؤا لبنت البزاز والعطار۔

وفى المحيط البرهانى (٣/١٢٧): والسادس: الكفاءة في الحرف فقد اعتبرها أبو يوسف ومحمد رحمهما الله وهو إحدى الروايتين عن أبي حنيفة رحمه الله، وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن الناس بعضهم أكفاء لبعض إلا حائك أو حجام، وفي رواية أو دباغ. قال مشايخنا: ورابعهم الكنّاس، فواحد من هؤلاء الأربعة لا يكون كفئاً للصيرفي والجوهري وعليه الفتوى۔

Marfat.com

وفي بدائع الصنائع (٥٨٠/٣): وذكر أن أبا حنيفة بنى الأمر فيها على عادة العرب أن مواليهم يعملون هذه الأعمال لا يقصدون بها الحرف فلا يعيرون بها وأجاب أبو يوسف على عادة أهل البلاد أنهم يتخذون ذلك حرفة فيعيرون بالدنيء من الصنائع فلا يكون بينهم خلاف في الحقيقة.

وفي البحر الرائق (٢٢٤/٣): وكل ما اشتغل الإنسان به وهي تسمى صنعة وحرفة لأنه ينحرف إليها اهـ فأفاد أنهما سواء وقد حقق في غاية البيان أن اعتبار الكفاءة في الصنائع هو ظاهر الرواية عن أبي حنيفة وصاحبيه لأن الناس يتفاخرون بشرف الحرف ويتعيرون بدناءتها وهي وإن أمكن تركها يبقى عارها كما في المجتبى.

وفي الشامية (٩٠/٣): قوله (فمثل حائك الخ) قال في الملتقى وشرحه فحائك أو حجام أو كناس أو دباغ أو حلاق أو بيطار أو حداد أو صفار غير كفء لسائر الحرف كعطار أو بزاز أو صواف وفيه إشارة إلى أن الحرف جنسان ليس أحدهما كفؤا للآخر لكن أفراد كل منها كفء لجنسها وبه يفتي زاهدي اه أي إن الحرف إذا تباعدت لا يكون أفراد إحداها كفؤا لأفراد الأخرى بل أفراد كل واحدة أكفاء بعضهم لبعض وأفاد كما في البحر أنه لا يلزم اتحادهما في الحرفة بل التقارب كاف فالحائك كفء لحجام والدباغ كفء لكناس والصفار كفء لحداد والعطار كفء لبزاز. قال الحلواني وعليه الفتوى وفي الفتح أن الموجب هو استنقاص أهل العرف فيدور معه وعلى هذا ينبغي أن يكون الحائك كفؤا للعطار بالإسكندرية لما هناك من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصا البتة اللهم إلا أن يقترن بها خساسة غيرها اه فأفاد أن الحرف إذا تقاربت أو اتحدت يجب اعتبار التكافؤ من بقية الجهات فالعطار العجمي غير كفء لعطار أو بزاز عربي أو عالم بقي النظر في نحو دباغ أو حلاق عربي هل يكون كفؤا لعطار أو بزاز عجمي والذي يظهر لي أن شرف النسب أو العلم يجبر نقص الحرفة بل يفوق سائر الحرف فلا يكون نحو العطار العجمي الجاهل كفؤا لنحو حلاق عربي أو عالم ويؤيده ما في الفتح أنه روي عن أبي يوسف أن الذي أسلم بنفسه أو عتق إذا أحرز من الفضائل ما يقابل نسب الآخر كان كفؤا له اهـ فليتأمل.

وفيه أيضاً(٩٢/٣): قوله (وأما لو كان دباغا الخ) هذا فرعه صاحب البحر على ما تقدم بأنه ينبغي أن يكون كفؤا ثم استدرك عليه بمخالفته لقولهم إن الصنعة وإن أمكن تركها يبقى

Marfat.com

عارها ووفق في النهر بقوله ولو قيل إنه إن بقي عارها لم يكن كفؤا وإن تناسى أمرها لتقادم زمانها كان كفؤا لكان حسنا اهـ

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

أداء الأمانة

ببيان

أن الكفاءة تعتبر فيها عند الامام الديانة

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسئلہ کفاءت میں دیانت کے اعتبار

سے متعلق مختلف اقوال کا بیان اور اس میں راجح کا تعین

Marfat.com

(۵۱۱) امام صاحب کے نزدیک کفاءت میں دینداری کے اعتبار سے متعلق تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نیک صالحہ لڑکی فاسق شخص کا کفوء بن سکتی ہے یا نہیں؟ اگر یہ نکاح منعقد نہ ہوتو قاضی خان میں موجود اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

"قال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسی رحمه الله تعالى لم ينقل عن أبی حنيفة رحمه الله تعالى فی ظاهر الرواية فی هذا شیء والصحيح أن عنده الفسق لا يمنع الكفاءة" (الخانية ١/١٦٣)

آیا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے یا نہیں؟ نیز اگر یہ امید ہو کہ عورت کے نیک ہونے کی وجہ سے اس کا خاوند بھی توبہ کرلے گا تو اس صورت میں ان کا نکاح کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دینداری اور تقویٰ کا کفاءت میں اعتبار ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دو طرح کی روایتیں منقول ہیں ایک روایت یہ ہے کہ دینداری کا کفاءت میں کوئی دخل نہیں جیسا کہ مبسوطِ سرخسی میں ہے:

"ولم ينقل عن أبی حنيفه رحمه الله شئ من ذلك والصحيح عنده أنه غير معتبر لأن هذا ليس بلازم حتى لا يمكن تركه" (المبسوط ٥/٢٥)

"امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے (دینداری کے بارے میں) کچھ منقول نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دینداری غیر معتبر ہے کیونکہ یہ کوئی ایسی لازم چیز نہیں کہ اسے چھوڑا نہ جاسکے۔"

اسی طرح خانیہ میں ہے:

"قال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسی رحمه الله تعالى لم ينقل عن أبی حنيفة رحمه الله تعالى فی ظاهر الرواية فی هذا شیء والصحيح أن عنده الفسق لا يمنع الكفاءة"

(الخانية على هامش الهندية ١/٣٥٠)

"شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ظاہر الروایۃ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ منقول نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فسق کفوء ہونے سے مانع نہیں۔"

Marfat.com

یہ تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت تھی دوسری روایت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ فسق کا کفاءت میں اعتبار ہے اور غیر فاسق شخص صالحہ کا کفو نہیں جیسا کہ محیط برھانی میں ہے:

"والخامس: التقوی والحسب حتی لا یکون الفاسق کفئاً للعدلة عند أبي حنیفة رحمه الله سواء کان معلن الفسق أو لم یکن، هکذا ذکر شیخ الإسلام رحمه الله"

"پانچواں تقویٰ اور حسب ہے یہاں تک کے فاسق عادلہ کا کفو نہ ہوگا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چاہے وہ علانیہ فاسق ہو یا غیر علانیہ یہی شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے۔" (محیط برھانی ۴/ ۲۸)

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

"قال وتعتبر أیضا فی الدین أی الدیانة وهذا قول أبي حنیفة وأبي یوسف رحمهما الله هو الصحیح لأنه من أعلی المفاخر والمرأة تعیر بفسق الزوج فوق ما تعیر بضعة نسبه"

(هدایة علی صدر فتح القدیر، ۲۹۹/۳)

"کفاءت کا دینداری میں اعتبار کیا جائے گا یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ دینداری تو اعلیٰ ترین مفاخر میں سے ہے اور عورت کو شوہر کے فاسق ہونے پر، اپنے نسب کے ضائع ہونے سے زیادہ عار دلائی جاتی ہے۔"

فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"(قوله هو الصحیح) أی أن الصحیح اقتران قولی أبي حنیفة وأبي یوسف فإنه روی عن أبي حنیفة أنه مع محمد ورجحه السرخسی وقال الصحیح من مذهب أبي حنیفة أن الکفاءة من حیث الصلاح غیر معتبرة۔" (فتح القدیر ۲۹۹/۳)

"(صاحب ہدایہ کا قول: یہی صحیح ہے) یعنی صحیح یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہی مسلک ہے (کہ دیانت کا کفاءت میں اعتبار ہے) ماتن نے یہ اس لئے کہا کیونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت، یہ بھی منقول ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں (یعنی کفاءت میں دینداری کا اعتبار نہیں کرتے) سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کفاءت میں صلاح کا کوئی اعتبار نہیں۔"

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"ومنها الدیانة تعتبر الکفاءة فی الدیانة وهذا قول أبي حنیفة وأبي یوسف رحمهما الله تعالی وهو الصحیح کذا فی الهدایة فلا یکون الفاسق کفئا للصالحة کذا فی المجمع سواء کان معلن الفسق أو لم یکن کذا فی المحیط وذکر السرخسی أن الصحیح من مذهب أبي حنیفة رحمه الله

Marfat.com

تعالی أن الکفاءة من حیث الصلاح غیر معتبرة کذا فی السراج الوهاج۔"

"انہی میں سے ایک دینداری میں کفاءت ہے اور یہ (دینداری میں کفاءت کا اعتبار) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے پس فاسق شخص صالحہ کا کفوء نہ ہوگا، یہی مجمع میں ہے، چاہے علانیہ فاسق ہو یا غیر علانیہ، یہی محیط میں ہے اور سرخسی نے ذکر کیا ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کفاءت صلاح کے اعتبار سے غیر معتبر ہے۔"
(الھندیہ ١/٢٩١)

درج بالا عبارات میں ذکر کردہ حوالوں سے واضح ہوگیا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں اور صحیح اور مفتی بہ قول کے درمیان فقہاء کا اختلاف ہے۔ محیط برہانی میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول (کہ کفاءت میں دینداری کا کوئی اعتبار نہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے) پر ان الفاظ میں فتویٰ منقول ہے:

"قیل وعلیه الفتوی" (المحیط، ٢٨/٤)

"کہا گیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔"

نیز علامہ ابن الہمام نے بھی فتح القدیر میں محیط کے حوالے سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے لیکن البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم نے ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھ کر دوسری روایت (جس کے مطابق کفاءت میں دینداری کا اعتبار ہے) پر فتویٰ نقل کیا ہے کیونکہ متون میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول اسی روایت کو لے کر دیانت کو کفاءت میں معتبر قرار دیا گیا ہے تو یہ (اصحابِ متون کا اس روایت کو لینا) اس روایت کے صحیح اور مفتی بہ ہونے کی دلیل ہے صاحب بحر کی عبارت درج ذیل ہے:

"واعتبار التقوی فیها قول أبی حنیفة وأبی یوسف وهو الصحیح لأنه من أعلی المفاخر والمرأة تعیر بفسق الزوج فوق ما تعیر بضعة نسبه وقال محمد لا تعتبر لأنه من أمور الآخرة فلا تبتنی أحکام الدنیا علیه إلا إذا کان یصفع ویسخر منه...لأنه مستخف به. کذا فی الهدایة. وفی فتح القدیر معزیا إلی المحیط إن الفتوی علی قول محمد ولعله المحیط البرهانی فإنه لم أجده فی المحیط الرضوی وهو موافق لما صححه فی المبسوط من أنها لا تعتبر عند أبی حنیفة وتصحیح الهدایة معارض له فالإفتاء بما فی المتون أولی فلا یکون الفاسق کفئا للصالحة بنت الصالحین۔"
(البحر الرائق، ٢٣٢/٣)

"کفاءت میں تقویٰ کا اعتبار امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ اعلیٰ ترین مفاخر میں سے ہے اور عورت کو شوہر کے فاسق ہونے پر اپنے نسب کے ضائع ہونے سے زیادہ عار دلائی جاتی ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دینداری کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ تو اخروی امور میں سے ہے تو دنیاوی احکام اس پر مرتب نہ ہوں گے الا یہ کہ اسے تھپڑ مارے جاتے ہوں اور مذاق بنایا جاتا ہو.......... کیونکہ وہ حقیر انسان بن چکا ہے (اب ایسا شخص بہر حال امام

Marfat.com

محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی کفو نہ ہوگا) یہی ہدایہ میں ہے اور فتح القدیر میں ہے محیط کے حوالے سے کہ فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے شاید مراد محیط البرہانی ہے کیونکہ محیط رضوی (جو کہ میرے پاس ہے) میں مجھے یہ مسئلہ نہیں ملا اور یہ موافق ہے اس روایت کے جس کی تصحیح سرخسی نے کی ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفاءت میں دینداری کا اعتبار نہیں لیکن ہدایہ کی تصحیح اس (محیط کی تصحیح یا نقل فتویٰ) کے معارض ہے پس جو متون میں ہے اس پر فتویٰ دینا اولیٰ ہوگا اور ایک فاسق صالحہ بنت صالح کا کفوء نہ ہوگا۔"

اسی طرح خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں اس ساری بحث کو ذکر کر کے البحر الرائق کی طرح کفاءت میں دینداری کے اعتبار والے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"قوله (ديانة) أي عندهما وهو الصحيح وقال محمد لا تعتبر إلا إذ كان يصفع ويسخر منه.... ونقل في الفتح عن المحيط أن الفتوى على قول محمد لكن الذي في التاتر خانية عن المحيط قيل وعليه الفتوى و كذا في المقدسي عن المحيط البرهاني ومثله في الذخيرة قال في البحر وهو موافق لما صححه في المبسوط وتصحيح الهداية معارض له فالإفتاء بما في المتون أولى."

"(درمختار کا قول دیانۃ) یعنی امام صاحب اور امام ابو یوسف کے نزدیک (دینداری کا اعتبار ہے) اور یہی صحیح ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دینداری کا اعتبار نہیں الا یہ کہ اسے طمانچے مارے جائیں اور مذاق بنایا جاتا ہو.......... فتح القدیر میں محیط سے نقل ہے کہ فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے لیکن تاتارخانیہ میں محیط کے حوالے سے (امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے بارے میں ہے کہ) کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور بحر میں ہے کہ یہ مبسوط والی روایت کے تو موافق ہے لیکن ہدایہ کی تصحیح اس کے معارض ہے پس جو متون میں ہے (کہ دینداری کا کفاءت میں اعتبار ہے) اسی پر فتویٰ دینا بہتر ہے۔"

(رد المحتار علی الدر المختار ۳/۸۹)

نیز سوال میں قاضی خان کے حوالے سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول پہلی روایت کو صحیح قرار دیا گیا ہے اس کا جواب علامہ رافعی نے "التحریر المختار" میں یہ دیا ہے:

"الافتاء بما في المبسوط أولى الا أن يقال ان تصحيح ما فيه قد ضعف بما في المحيط والذخيرة حيث عبر عنه بقيل" (التحرير المختار ۲/۱۹۰)

"مبسوط (یا خانیہ وغیرہ کی روایت) پر فتویٰ دینا اولیٰ ہوتا مگر یہ کہا جائے گا کہ مبسوط کی تصحیح کردہ روایت کو محیط اور ذخیرہ (میں موجود "قیل وعلیہ الفتویٰ" کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے) کے الفاظ نے ضعیف کر دیا (کیونکہ کہا گیا ہے کہنا قول کے ضعف پر دال ہوتا ہے)۔"

لہٰذا صورت مسئولہ میں تحریر کردہ دلائل اور بحر اور شامیہ کی دوسری روایت کو ترجیح دینے اور اصحاب متون کا بھی امام صاحب

Marfat.com

رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دوسری روایت (کہ کفاءت میں دینداری) کو لینا نیز پہلی روایت پر محیط برہانی میں "قیل" (کہا گیا ہے) کے الفاظ سے ضعف کی طرف اشارہ اور آخر میں شامیہ کا یہ کہہ دینا "فالافتاء بما فی المتون اولی" (متون میں موجود روایت پر فتوی دینا اولی ہے) یہ سب باتیں یہ نتیجہ دیتی ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دونوں روایتوں میں سے صحیح ترین اور مفتی بہ دوسری روایت ہے اور کفاءت میں دینداری کا اعتبار ہے اور فتوی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے لیکن اس روایت پر نہیں جو سوال میں ذکر ہے بلکہ دوسری روایت پر جس کے مطابق کفاءت میں دینداری کا اعتبار کیا گیا ہے اور امام ابو یوسف بھی اس مسئلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

البتہ سوال میں سائل کا یہ کہنا "صالحہ لڑکی فاسق شخص کا کفوء بن سکتی ہے یا نہیں" درست نہیں کیونکہ کفاءت کا اعتبار مردوں میں ہوتا ہے عورتوں میں نہیں لہٰذا سوال یوں ہونا چاہیئے "کیا فاسق شخص صالحہ لڑکی کا کفوء بن سکتا ہے یا نہیں؟" نیز سوال میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ اس نیت سے نکاح کرانا کہ شوہر نکاح کے بعد فسق وفجور سے تائب ہو جائے کیسا ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ مسئلہ شوہر کے تائب ہونے یا نہ ہونے سے نہ بدلے گا اصل مدار سرپرستوں کی اجازت پر ہے اگر سرپرست اپنی بیٹی کا نکاح کسی فاجر شخص سے کراتا ہے چاہے توبہ کی امید سے کرائے یا کوئی اور نیت ہو لڑکی کی رضامندی کے ساتھ یہ نکاح درست ہے اور اگر لڑکی خود سرپرستوں کی رضامندی کے بغیر فاسق سے نکاح کرتی ہے تو وہ نکاح مفتی بہ قول کے مطابق غیر کفوء میں ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے چاہے اس نیت سے کرے کہ لڑکا توبہ کرلے گا یا کسی بھی نیت سے، بغیر اجازت ولی غیر کفوء میں نکاح بہر حال کالعدم ہے البتہ اتنا ہے، کہ اگر سرپرست خود اس نیت سے کہ لڑکا گناہوں سے توبہ تائب ہو جائے اپنی بیٹی کا نکاح کراتے ہیں تو یہ ایک خیر کا کام ہوگا۔

لما فی الدر المختار (۵۴/۳): (ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازه أصلا)۔

وفی اللجنة الدائمة (۱۸۸/۱۸): ج: تشرع مساعدته في الزواج لأن هذه المذكورات لا تمنع ذلك، وتنصحه بتوفير لحيته وإعفائها، وترك التدخين، ونرجو أن يكون تزويجك له من أسباب صلاحه وطاعته لك لأن الخير يأتي بالخير وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

Marfat.com

(۵۱۲) لڑکی میں دین داری کو ترجیح دینے کا مطلب

سؤال

مجھے ایک حدیث کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ دین دار لڑکی کو نکاح کیلئے ترجیح دی جائے نیز جمال کی رعایت سے زیادہ دین کی رعایت کی جائے میں ایک طرف یہ حکم دیکھتا ہوں دوسری طرف صحیح حدیث کہ "جب تم میں سے کوئی پیغام نکاح بھیجے تو اگر وہ دیکھ سکتا ہے لڑکی کے اس حسن و جمال کو جو اسے نکاح کی طرف دعوت دے تو وہ دیکھ لے" (مفہوم حدیث)

مفتی صاحب! (۱) جب اصل دین کی رعایت ہے تو حسن و جمال دیکھنے کا کیا فائدہ؟

(۲) کیا دین کی رعایت چھوڑ کر فقط جمال دیکھتے ہوئے نکاح کیا جائے تو گناہ ہوگا یا نہیں؟

(۳) شادی سے قبل جب اس لڑکی کو دیکھنا بصراحت نص جائز ہے تو اس کے بارے میں کہ وہ کیسی ہے دین دار ہے جمیل ہے سگھڑ ہے الخ یہ سوچنا بھی قبل النکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم تمام پہلوؤں کا شافی جواب عنایت فرمائیں تا کہ میرے ذہن کی تشویش دور ہو کیونکہ مذکورہ بالا امور سے تو منگنی کے بعد لڑکی سے بات کرنا اور سوچنا جائز لگتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) شریعت مطہرہ میں نکاح کیلئے عورت کے دین دار ہونے کا زیادہ اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ اصل دین ہی ہے جس لڑکی کو پیغام نکاح بھیجنے کا ارادہ ہو تو جہاں تک اس کے دیکھنے کی اجازت کا تعلق ہے وہ ایک عارض کی وجہ سے تھا کہ انصار کی بعض عورتیں بھینگی ہوا کرتی تھیں لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کی اجازت دی کہ بعد میں نہ دیکھنے کی وجہ سے کوئی عارض ازدواجی زندگی کو متاثر نہ کرے جس کی وجہ سے آپس کی محبت میں کمی آئے۔ ہاں عورت کو پہلے دیکھ لینا اگر وہ خوبصورت ہو تو اس سے محبت بڑھ جاتی ہے اور یہ دیکھنا محبت کے بڑھنے کا ذریعہ ہوگا تو اگر ایک طرف خوبصورتی کے ساتھ دین داری بھی ہے اور دوسری طرف صرف خوبصورت ہے یا صرف دین دار ہے تو اس مقابل میں جو عورت خوبصورت اور دین دار ہو، اس سے نکاح کرنا بہتر ہے لیکن اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ دوسری عورت کی تذلیل نہ ہو، اور اس عورت کے احساس کمتری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو نیز یہ نیت کرے کہ میں خوبصورت دین دار عورت سے جو نکاح کر رہا ہوں وہ محض اس وجہ سے نہیں کہ وہ خوبصورت ہے بلکہ میرا دل چاہتا ہے اور دل میں عفت و پاکدامنی کا عزم رکھے۔

(۲) اگر فقط جمال کو دیکھتے ہوئے نکاح کیا جائے باوجود اس کے کہ وہ دین دار نہ ہو تو اس عمل سے گناہ گار تو نہ ہوگا البتہ یہ فعل خلاف اولیٰ ہے اس لئے کہ بعض احادیث میں اس سے نہی وارد ہے۔

(۳) حدیث مبارکہ میں صرف دیکھنے کی اجازت ہے مقصود اس سے حاصل ہو جاتا ہے جہاں تک بات ہے سوچنے کی تو اگر خود ذہن میں خیال آئے تو حرج نہیں ورنہ ذہن میں بتکلف خیال لانا درست نہیں۔

Marfat.com

منگنی نکاح نہیں بلکہ وعدۂ نکاح ہے لہٰذا یہ اجنبیہ ہی ہوئی جو حکم عام اجنبیہ کا ہے وہی اس کا ہے۔

لمافی المشکوۃ (۲/۲۶۷): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"

وفی مرقاۃ المفاتیح (۶/۲۵۵): [فإن استطاع أن ينظر إلى ما] أي عضو [يدعوه] أي يحمله ويبعثه [إلى نكاحها فليفعل] فإنه مندوب لأنه سبب تحصيل النكاح وهو سنة مؤكدة والتحصين المطلوب بالنكاح لا يحصل إلا بالرغبة في المنكوحة والنهي أن يكون المقصود الجمال فقط. كذا ذكره ابن الملك وفيه إن قصد الجمال مباح والنهي لأنه خلاف الأولى لأن الأولى أن يقصد بالمباح نية حسنة ليصير عبادة --- وأن ما روي أن المرأة لا تنكح لجمالها ليس زجرا عن رعاية الجمال بل هو زجر عن النكاح لأجل الجمال المحض مع الفساد في الدين۔

وفی عون المعبود(۴/۱۵۱): (ولجمالها) يؤخذ منه استحباب تزوج الجميلة إلا أن تعارض الجميلة الغير دينة والغير الجميلة الدينة نعم لو تساوتا فی الدين فالجميلة أولى ويلتحق بالحسنة الذات الحسنة الصفات۔

وفی الشامیة (۳/۱۱): قال في شرح الطحاوي لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح اهـ

وفی الفقه الاسلامی (۹/۶۵۸) كتاب النكاح (ادارة الفكر): بينا أن الخطبة ليست زواجا وأن هی مجرد وعد بالزواج۔

(۵۱۳) غیر کفوء میں نکاح کالعدم ہے

سوال

زید کی ایک خوبصورت دیندار بیٹی ہے لیکن اس نے والد کی رضامندی کے بغیر ایک جوا کھیلنے والے فاسق آدمی سے نکاح کرلیا ہے اور والد چاہتا ہے کہ اس نکاح کو فسخ کردے تو کیا والد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ یہ نکاح فسخ کردے۔ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفوء میں نکاح کرے تو مفتی بہ قول کی مطابق اس کا نکاح منعقد نہیں ہوتا لہٰذا صورت

Marfat.com

مذکورہ میں عورت کا شخص مذکور کے ساتھ نکاح ہوا ہی نہیں لہذا فسخ کی کوئی ضرورت نہیں۔

لمافی الدرالمختار (۵۷/۳):(ویفتی) في غیر الکفء (بعدم جوازہ أصلا) وھو المختار للفتوی (لفساد الزمان)۔

وفی الرد تحتہ:ھذا القول المفتی بہ خاص بغیر الکفء کما أشار إلیہ الشارح ۔۔۔ قولہ (بعدم جوازہ أصلا) ھذہ روایۃ الحسن عن أبي حنیفۃ وھذا إذا کان لھا ولي لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضا بعدہ بحر۔

وفی ص(۹۴/۳):قولہ (الاعتراض) أفاد أن العقد صحیح وتقدم أنھا لو تزوجت غیر کفء فالمختار للفتوی روایۃ الحسن أنہ لا یصح العقد۔

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

الدلیل الجاذب

علی

أن نکاح المرأۃ فی غیر الکفوء نکاح فاسد

عورت کا بغیر ولی کی اجازت کے خود غیر کفوء میں کیا نکاح

امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی مفتی بہ روایت کے مطابق غیر منعقد قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن یہ نکاح فاسد ہے یا باطل؟ اس میں نکاح فاسد کے احکام

(بعد از وطی مہر، عدت نسب وغیرہ) آئیں گے یا یہ نکاح باطل اور زنا ہے؟

مسئلہ ہذا سے متعلق تحقیق اور بعض اردو فتاوی میں پائے جانے والے تسامح کا بیان

Marfat.com

(۵۱۴) غیر کفوء میں نکاح کے فاسد یا باطل ہونے کی تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک لڑکی کا از خود غیر کفوء میں نکاح کالعدم ہے تو یہ نکاح نکاحِ فاسد ہوگا یا نکاحِ باطل؟ نیز اس پر تفریق، متارکت اور عدت وغیرہ احکام لازم ہوں گے یا یہ زناءِ محض اور نکاحِ باطل ہے؟ نکاحِ فاسد اور باطل میں کیا فرق ہے؟ اگر فقہاء نے تعیین کی ہو تو از راہِ کرم تحریر فرمادیں۔ نیز میں نے اس مسئلے کیلئے فتاویٰ کی مراجعت کی تو مجھے احسن الفتاوی میں یہ بات ملی کے غیر کفوء میں نکاح مفتی بہ روایت کے مطابق کالعدم اور باطل ہے مفتی صاحب اس پر غور فرمائیں کہ کیا یہ نکاح باطل ہے احسن الفتاوی میں یہ بھی ہے کہ اس میں کسی قسم کی تفریق یا متارکت کی ضرورت نہیں؟ از راہِ کرم مسئلے کی مفصل تشریح فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کا از خود غیر کفوء میں کیا گیا نکاح منعقد ہوگا یا نہیں، اس سلسلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دو طرح کی روایتیں منقول ہیں ایک ظاہر الروایۃ اس کے مطابق غیر کفوء میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح منعقد تو ہو جائے گا لیکن اولیاء کو حقِ اعتراض ملے گا اور وہ بذریعہ عدالت نکاح فسخ کراسکتے ہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اس روایت کے مطابق لڑکی کا از خود غیر کفوء میں کیا نکاح سرے سے غیر منعقد ہوتا ہے نیز زمانے میں پیدا ہو جانے والے بگاڑ کی وجہ سے حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ والی روایت پر ہی فتویٰ دیا جاتا ہے اور فقہاء نے اپنی کتب میں تصریح کی ہے کہ مسئلہ کفوء میں ظاہر الروایہ کے بجائے مختلف مصالح کی بناء پر حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا اور یہ نکاح سرے سے غیر منعقد ہوگا لہٰذا اولیاء کو بھی عدالت سے فسخ کرانے کی ضرورت نہ پڑے گی گویا حنفیہ کا مفتی بہ مذہب نکاح کے عدمِ انعقاد کا ہے۔

البتہ یہ نکاح، نکاحِ فاسد کہلائے گا یا نکاحِ باطل اور اس پر کیا احکام جاری ہوں گے؟ تو اس سلسلے میں نکاح فاسد اور باطل کی تعریف نیز فقہاء کی تصریحات اور نکاح غیر منعقد ہونے کے باوجود اس پر مختلف احکام کا اجراء کرنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہ نکاحِ فاسد شمار ہوگا اسے نکاحِ باطل قرار دینا درست نہیں۔

Marfat.com

نکاح فاسد اور باطل میں فرق

اُولاً: نکاح فاسد اور باطل میں کیا فرق ہے اسے ملحوظ رکھا جائے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"(قوله:وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة) ومثله تزوج الأختین معا ونکاح الأخت فی عدة الأخت ونکاح المعتدة... وفی المحیط تزوج ذمی مسلمة فرق بینهما لأنه وقع فاسدا. فظاهره أنهما لا یحدان وأن النسب یثبت فیه والعدة إن دخل، بحر. قلت: لکن سیذکر الشارح فی آخر فصل فی ثبوت النسب عن مجمع الفتاوی نکح کافر مسلمة فولدت منه لا یثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نکاح باطل. وهذا صریح فیقدم علی المفهوم فافهم. ومقتضاه الفرق بین الفاسد والباطل فی النکاح... والظاهر أن المراد بالباطل ما وجوده کعدمه ولذا لا یثبت النسب ولا العدة فی نکاح المحارم أیضا کما یعلم مما سیأتی فی الحدود...وسیأتی فی باب العدة أنه لا عدة فی نکاح باطل وذکر فی البحر هناك عن المجتبی أن کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه موجب للعدة... قال فعلی هذا یفرق بین فاسده وباطله فی العدة."

"(صاحب درمختار کا قول: نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت کی کوئی ایک شرط غیر موجود ہو) مثلاً گواہ نہ ہوں یا اسی طرح دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا یا ایک بہن سے اس حال میں نکاح کرنا کہ اس کی بہن اِس کی عدت میں ہو یا معتدہ عورت سے نکاح کرنا (تو یہ تمام نکاح، نکاح کی صحت کی کوئی ایک شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے فاسد ہیں)۔.......... اسی طرح محیط میں ہے کہ ایک ذمی نے مسلمان عورت سے شادی کرلی تو ان دونوں میں تفریق کرائی جائے گی کیونکہ یہ نکاحِ فاسد ہے بظاہر اس میں حد نہ لگے گی اور نسب ثابت ہوگا اور دخول کی صورت میں عدت گزارنا ہوگی، بحر۔ میں کہتا ہوں: شارح صاحب درمختار عنقریب ثبوت نسب کی فصل کے اختتام پر ذکر کریں گے مجمع الفتاوی کے حوالے سے کہ کافر اگر مسلمہ عورت سے نکاح کرلے اور بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا اور نہ عدت لازم آئے گی کیونکہ یہ نکاح باطل ہے اھ یہ صریح ہے تو مفہوم سے سمجھ آنے والی بات پر مقدم ہوگا، اسے ذہن نشین کرلو اس کا مقتضی یہ ہے کہ نکاح میں فاسد اور باطل کے درمیان فرق کیا جائے۔.......... بظاہر باطل سے مراد ایسا نکاح ہوگا جس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہو اسی لئے محارم سے نکاح کی صورت میں نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ عدت لازم ہوتی ہے جیسا کہ حدود کے باب میں معلوم ہو جائے گا.......... اور عدت کے باب میں آرہا ہے کہ نکاح باطل میں کوئی عدت نہیں۔ یہاں بحر نے مجتبیٰ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ہر وہ نکاح جس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہے جیسا کہ بغیر گواہ کے نکاح پس اس کے مرتکب پر عدت گزارنا لازم ہوگا.......... پس نکاح فاسد اور باطل کے درمیان (بنیادی) فرق عدت کے اعتبار سے ہوگا۔"

(ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/ ۱۳۲)

Marfat.com

شامیہ کے اس طویل اقتباس سے نکاح فاسد اور باطل کے درمیان دو طرح کے فرق ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ہر وہ نکاح جس میں صحت کی کوئی ایک شرط نہ پائی جائے وہ نکاح فاسد ہے۔

(۲) یا ہر وہ نکاح جس کے جواز میں کسی فقیہ کا اختلاف ہو وہ نکاحِ فاسد ہے اور اگر سب کا اس کے عدمِ جواز پر اتفاق ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔ مثالیں عبارت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔[1]

یہاں مقصودی بات یہ ذکر کرنی ہے کہ بغیر گواہ کے نکاح نیز دو بہنوں کے ساتھ ایک ساتھ نکاح ان کی حرمت اتنی زیادہ سخت ہونے کے باوجود چونکہ ان میں صرف شرائط صحت میں سے ایک ایک شرط مفقود ہے تو انہیں باطل کے بجائے فاسد قرار دیا گیا ہے نیز بغیر گواہ کے نکاح میں امام مالک کا اختلاف ہے اس غیر مذہب کے اختلاف کی وجہ سے عند الحنفیۃ اس بالاتفاق حرام نکاح کو فاسد قرار دیا جارہا ہے تو غیر کفوٴ میں لڑکی کا نکاح از خود کرنا بدرجہ اولیٰ نکاح فاسد ہوگا کیونکہ ظاہر الروایۃ جو کہ اصل مذہب احناف ہے اس کے مطابق یہ نکاح منعقد ہے نیز اس میں صرف ایک شرط کفاءت (جو کہ خود مختلف فیہ ہے) مفقود ہے تو بغیر گواہ کے نکاح جس میں صرف امام مالک جواز کے قائل ہیں[2] اس وجہ سے حنفیہ کے نزدیک وہ فاسد ہورہا ہے تو یہاں غیر کفوء میں نکاح جس کے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود اصل مذہب کے اعتبار سے قائل جواز ہیں، حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق نکاح فاسد شمار ہوگا اسے نکاحِ باطل کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ ھذا سے متعلق فقہاء حنفیہ کی تصریحات

ثانیاً: اب تک ہم نے نکاحِ فاسد و باطل کی تعریف کے ذریعے غیر کفوء میں لڑکی کے از خود نکاح کے فاسد ہونے کی وضاحت کی۔ اب فقہاء حنفیہ کی تصریحات ذکر کی جارہی ہیں

(۱) البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] نکاح فاسد اور باطل سے متعلق یہ بات ملحوظ رہے کہ ان کی تعریفات اور فروق سے متعلق عبارات مغلق اور متعارض ہیں یہاں صرف مقصودی بات کو ذکر کیا گیا ہے۔ نکاح فاسد اور باطل کی مختلف تعریفات اور ان پر ہونے والے اعتراضات، فقہاء کے اپنے تحفظات، نیز نکاح فاسد اور باطل کی ایسی جامع، مانع تعریف جس پر اشکال نہ ہو اور ان دونوں میں فرق کا معیار۔ الغرض مسئلہ ھذا میں پائے جانے والے اغلاق کا مکمل دفع مختلف النوع اور کتب میں بکھری عبارات کا جمع اور نکاح فاسد اور باطل کی مدلل تشریح سے متعلق تحقیقی فتوی نجم الفتاوی ۴/۵۱۸ پر بنام "الحد الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل" ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

[2] نکاح میں گواہ سے متعلق مذہب مالکیہ کی مکمل تنقیح اور مدلل توضیح کیلئے ملاحظہ ہو نجم الفتاوی جلد رابع کا فتوی "العقود الدریۃ فی تحقیق حکم النکاح بدون الشهود عند المالكية" اس فتوی میں مذہب مالکیہ کی مدلل تفصیل موجود ہے۔ از مرتب

Marfat.com

"(قوله: من نکحت غیر کفء فرق الولی) وإذا فرق القاضی بینهما فإن کان بعد الدخول فلها المسمی وعلیها العدۃ ولها النفقۃ فیها... وهو تفریع علی انعقاده وأما علی المفتی به فینبغی أن یجب الأقل من المسمی ومن مهر المثل وأن لا نفقۃ لها فی هذه العدۃ کما لا یخفی.... وینبغی أن یکون تفریعاً علی ظاهر الروایۃ أما علی المفتی به فإنه لا یجب المهر الثانی بالاتفاق لأنه نکاح فاسد کما صرح به فی الخانیۃ فیما إذا کان النکاح الثانی فاسداً۔"

"(ماتن کا قول جولڑکی غیر کفوء میں خود نکاح کرلے تو ولی تفریق کرادے) .... جب قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردیگا تو اگر یہ تفریق دخول کے بعد ہو تو اسے مہر مسمی ملے گا اور عدت گزارنا ضروری ہوگی اور نفقہ بھی ملے گا.......... یہ تفریع نکاح کے انعقاد کے اعتبار سے ہے اور مفتی بہ حسن بن زیادؒ کی روایت کے مطابق مہر مسمی اور مہر مثل میں جو کم ہو وہ ملے گا اور اس عدت میں عورت کیلئے نفقہ نہ ہوگا یہ مخفی بات نہیں .... (چند سطر بعد لکھتے ہیں) اور یہ تفریع ظاہر الروایہ کے مطابق ہے اور مفتی بہ روایت کے مطابق دوسرا مہر شوہر پر ضروری نہ ہوگا اور اس پر سب ہی کا اتفاق ہے کیونکہ یہ نکاحِ فاسد ہے اور خانیہ میں تصریح ہے جبکہ دوسرا نکاح اگر فاسد ہو (تو مہر ثانی نہ ملے گا)۔" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۳/۲۲۶)

اس عبارت میں صاحبِ بحر نے روایت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق نکاح کے فاسد ہونے کی تصریح کی ہے نیز اس نکاح پر عدت، مہر مثل اور مہر مسمی میں سے اقل وغیرہ کے احکام مرتب کئے ہیں جبکہ نکاح باطل میں نہ عدت ہوتی ہے اور نہ دیگر احکام مرتب ہوتے ہیں بلکہ اس کا وجود اور عدم برابر ہے۔

(۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی رد المحتار میں روایت حسن کے مطابق اس نکاح کے فاسد ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ درمختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جن میں فسخ کیلئے قضاء قاضی ضروری ہے اس میں سے ایک [صورت ظاہر الروایہ کے مطابق] غیر کفوء میں لڑکی کے نکاح کی صورت میں ولی کا اعتراض کرکے قاضی سے نکاح فسخ کرانے کی بھی ہے، لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

"(وفقد الکفء) أی إذا نکحت غیر الکفء فللأولیاء حق الفسخ وهذا علی ظاهر الروایۃ أما علی روایۃ الحسن فالعقد فاسد ط. وتقدم أنها المفتی بها"

"(اور کفء کا نہ پایا جانا) یعنی جب لڑکی از خود غیر کفوء میں نکاح کرلے تو اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا حق ہے اور یہ ظاہر الروایہ کے مطابق ہے اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق یہ عقد فاسد ہے اور پیچھے گزر چکا کہ یہ ہی مفتی بہ ہے۔"

(رد المحتار علی الدر المختار، ۳/۷۲)

اس عبارت میں علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس عقد کے فاسد ہونے کی تصریح کی ہے۔

(۳) علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے طحطاوی علی الدرّ میں درّ مختار کے اسی قول کے تحت فرمایا ہے:

Marfat.com

"(قوله وفقد الکفء) أی اذا نکحت غیر الکفء فللاولیاء حق الفسخ وھذا علی ظاھر الروایۃ اما علی روایۃ الحسن فالعقد فاسد"

"(اور کف کا غیر موجود ہونا) یعنی لڑکی از خود غیر کفوء میں نکاح کرلے تو اولیاء کو فسخ کرانے کا حق رہے گا اور یہ ظاہر الروایہ کے مطابق ہے اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ عقد فاسد ہے۔"

نیز علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری جگہ روایتِ حسن پر نکاحِ فاسد کے احکام کا اجراء ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"(ویفتی فی غیر الکفء) وعلی ھذا القول یحرم علیھا تمکینہ من الوطی کما یحرم علیہ الوطئ لعدم انعقادہ وینبغی بعد الدخول ان یجب الاقل من المسمی ومھر المثل وان لا نفقۃ لھا فی ھذہ العدۃ"

"(اور غیر کفوء میں فتویٰ دیا جائے گا) اور اس (روایتِ حسن) کے مطابق لڑکی کو اپنے اوپر لڑکے کو قدرت دینا حرام ہوگا جیسا کہ لڑکے پر وطی کرنا حرام ہے کیونکہ یہ نکاح غیر منعقد ہے اور دخول کے بعد مہر مثل اور مہر مسمی میں سے کم لازم ہوگا اور عدت میں عورت کو نفقہ نہ ملے گا۔"

ظاہر ہے کہ یہ تمام احکام نکاحِ فاسد پر لاگو ہوتے ہیں نکاحِ باطل کالعدم اور محض زنا ہے اس میں نہ عدت ہے اور نہ مہر مثل اور مہر مسمی میں سے کم کا حق۔

مسئلہ زیرِ بحث میں اکابرین علماءِ دیوبند کی آراء

زیر بحث مسئلے میں جب ہم علماء دیوبند کے فتاوی اور تحریرات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں دونوں طرح کی آراء نظر آتی ہیں ایک تو یہ کہ لڑکی کا از خود غیر کفوء میں نکاح باطل ہے اور دوسری یہ کہ یہ نکاح فاسد ہے۔ اس نکاح کو **باطل** قرار دینے والی آراء درج ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں مفتی اعظم ہند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک فتویٰ بعنوان "ولی کی بلا رضامندی بالغہ نے غیر کفوء میں نکاح کرلیا درست ہوا یا نہیں" کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"فتاویٰ سراجیہ میں جو اعتراض کا حکم لکھا ہے یہ اصل مذہب حنفیہ کا ہے لیکن متأخرین حنفیہ کا فتویٰ بطلانِ نکاح مذکور کا ہے یعنی غیر کفوء میں نکاح بالغہ کا بلا اجازت ولی کے باطل ہوتا ہے ولی کو فسخ کرانے کی ضرورت نہیں ہے یہ سب تفصیل درمختار اور ردّ المحتار میں ہے۔" (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۸/۱۳۰)

درمختار اور ردالمحتار کی عبارت کی وضاحت حاشیہ پر مخرج و مرتب علامہ ظفیر احمد مفتاحی صاحب نے یہ کی ہے:

"ویفتی فی غیر الکفء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان۔" شامیۃ (۵۶/۲)

(۲) حضرت مولانا علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری (۴/۲۸۳) پر فرماتے ہیں:

Marfat.com

"لو نکحت فی غیر کفء بغیر اذن الولی بطل نکاحها فی روایة الحسن بن زیاد عن ابی حنیفة وان کان ظاهر الروایة خلافه"

"اگر عورت غیر کفوء میں نکاح کرلے اور ولی کی اجازت نہ ہو تو حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کے مطابق یہ نکاح باطل ہے اگرچہ ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے۔" (فیض الباری ۴/ ۲۸۳)

(۳) حضرت اقدس مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ احسن الفتاویٰ میں ایک فتوی بعنوان "بلا اذن ولی غیر کفوء سے نکاح میں طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں" کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"طلاق یا متارکت کی ضرورت نکاحِ فاسد میں ہوتی ہے بلا اذن ولی غیر کفوء سے نکاح فاسد نہیں بلکہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا اس لئے اس میں طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں قال فی العلائیة ویفتی فی غیر الکف بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان...... (احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۰۴)

جبکہ مسئلہ زیر بحث میں اس نکاح کو **فاسد** قرار دینے والی آراء درج ذیل ہیں:

(۱) فتاویٰ محمودیہ میں ایک فتوے بعنوان "غیر کفوء میں نکاح اور نکاحِ فاسد میں عدت" کے تحت حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس نکاح کے جواز میں اختلاف ہوا کہ ظاہر الروایت کے مطابق جائز ہے روایت حسن کے مطابق ناجائز ہوا اور جس نکاح کے جواز میں علماء کا اختلاف ہو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے نیز روایتِ حسن (مفتی بہا) کے موافق شرطِ صحت (کفاءت) مفقود ہے اور جس نکاح میں کوئی شرط مفقود ہو وہ نکاح فاسد ہوتا ہے اور نکاح فاسد میں مدخولہ پر عدت واجب ہوتی ہے............جمیع علماء حنفیہ اور امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہم متفق ہیں کہ بلا شہادت نکاح صحیح نہیں ہوتا صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے کہ وہ صحت کے قائل ہیں (گو اشاعت کو وہ بھی ضروری کہتے ہیں) لیکن اس اختلاف کا اعتبار کرتے ہوئے بھی حنفیہ عدت کو واجب کہتے ہیں مگر صورت مسئولہ میں تو حنفیہ کا خود اختلاف ہے تو یہاں وجوبِ عدت کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے............لہٰذا اس نکاح کو باطل کہنا بھی درست نہیں پھر اس کو زنا کہنا بالکل بدیہی البطلان ہے اور انتہائی جرأت ہے۔"

(فتاویٰ محمودیہ ۱۱/ ۶۱۸)

(۲) کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال بعنوان "غیر کفوء کے ایک شخص نے لڑکی کو اغواء کر کے اس سے نکاح کرلیا یہ فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟" کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر اعوان عورت سے بدون اجازت اولیاء کے نکاح کرلیا اور عورت بالغہ تھی تو نکاح ظاہر الروایہ کی بناء پر منعقد ہوگیا پھر اگر یہ شخص عورت کے خاندان سے اس قدر کم درجے کا ہو کہ عام طور پر ان میں مناکحت نہ ہوتی ہو، اور عار سمجھی جاتی ہو تو اولیائے عورت کو اعتراض کا حق ہے وہ نکاح کو بذریعہ حاکم مجاز کے یا ایسی پنچائیت کے جس کے فیصلے اس بارے میں نافذ و مقبول

Marfat.com

ہوں فسخ کراسکتے ہیں.......... فیصلہ فسخ سے پہلے وہ زنا کا مرتکب نہیں ہے متاخرین کا فتوی کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا معلل بعلتِ فسادِ زمان ہے جو خود بتاتا ہے کہ وہ ایک زجر وانتظام کا فتوی ہے نہ یہ کہ حلت وحرمت کی بنیاد اس پر قائم کی جاسکتی ہے۔"

(کفایت المفتی ۱۹۷/۵)

(۳) مفتی اعظم پاکستان شفیع رحمۃ اللہ علیہ امداد المفتین میں ایک فتوی بعنوان "لڑکی کا نکاح والد کی رضامندی کے بغیر کرنا" کے تحت فرماتے ہیں:

"سوال: زید مع چند شخصوں کے رات کے وقت بکر کے مکان پر جا کر بکر کی چودہ سالہ لڑکی کو اپنے دکان پر لے آیا اور راتوں رات قاضی کو بلا کر با قاعدہ عدم موجودگی لڑکی کے والد کے نکاح پڑھوالیا آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر لڑکی بوقت نکاح بالغ تھی اور اس نے اپنے نکاح کی اجازت بھی اپنی زبان سے دی تھی اگرچہ جبر واکراہ کی وجہ سے دی ہو تو نکاح منعقد ہوگیا کما صرح بہ الشامی من انعقاد النکاح مع الاکراہ اور اگر نابالغ تھی یا اجازت نہ دی تھی تو نکاح منعقد نہیں ہوا قال فی الدر المختار: فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضا ولی۔ اگر زید کا لڑکا جس سے نکاح ہوا ہے بکر کی لڑکی کیلئے کفوء نہ ہو تو اس کا باپ اور دوسرے اولیاء قاضی یا مسلمان حاکم یا مسلمانوں کی پنچائیت میں اپنا معاملہ پیش کر کے فسخ نکاح کراسکتے ہیں صرح بہ الھدایۃ والدر المختار (امداد المفتین ۵۲۸/۲)

اس فتوے میں مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ روایتِ حسن کی بناء پر نکاح کو فاسد قرار نہیں دیا لیکن حضرت والا کا مختلف مصالح کی بنیاد پر ظاہر الروایہ کے مطابق فتوی دیکر اس نکاح کو منعقد قرار دینا اور روایتِ حسن مفتی بہا کو ترک کردینا اس بات پر صریح دال ہے کہ غیر کفوء میں لڑکی کے از خود نکاح کا مسئلہ اتنا سخت نہیں کہ اسے بالکل باطل اور زناء محض قرار دے دیا جائے بلکہ بوقتِ ضرورت ظاہر الروایہ پر فتویٰ دینے کی بھی گنجائش ہے۔

نکاح کو باطل قرار دینے والے حضرات کے دلائل کا جائزہ

لڑکی کے از خود غیر کفوء میں نکاح کو جن حضرات نے باطل قرار دیا ہے بظاہر وہاں کوئی صریح دلیل یا عبارت موجود نہیں جس میں اس نکاح کے بطلان کا ذکر ہو البتہ روایت حسن کے مطابق جہاں کتب فقہ میں مطلقاً عدم انعقاد کا حکم مذکور ہے وہاں یہ الفاظ درج ہیں:

"(ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازہ أصلا) وھو المختار للفتوی (لفساد الزمان)"

غیر کفوء میں نکاح کی صورت میں اصلاً عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے گا یہی فتویٰ کیلئے پسندیدہ ہے زمانے میں پیدا شدہ بگاڑ کی وجہ سے۔

(الدر المختار ۵۷/۳)

اس عبارت میں موجود "بعدم جوازہ أصلا" یعنی اصل کے اعتبار سے عدمِ جواز کے الفاظ یہ ایہام دیتے ہیں کہ روایت حسن کے مطابق یہ نکاح کالعدم اور باطل ہو اور بظاہر یہی قائلین بطلان کا محل استشہاد ہے لیکن یہ استشہاد بوجوہ مخدوش ہے۔

Marfat.com

۱۔ شامی (۳/۷۲) پر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصریح فرمائی ہے کہ یہ عقد فاسد ہے تو ایک مبہم عبارت کے بجائے صریح عبارت کو ترجیح دی جائے گی۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت گزر چکی ہے۔

۲۔ "بعدم جوازہ اصلاً" میں عدم جواز کو اصلاً یعنی سرے سے ناجائز ہونے کے ساتھ صرف اس لئے مقید کیا گیا ہے کیونکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق یہ نکاح منعقد، صحیح اور نافذ ہے البتہ بعد میں اولیاء فسخ کرا سکتے ہیں تو اس کے مقابلے میں سرے سے ناجائز کا مطلب یہ ہوا کہ اولیاء کو فسخ کی ضرورت نہیں اور یہ نکاح غیر منعقد ہے۔ اس لفظ سے نکاح کے فاسد یا باطل ہونے پر استدلال درست نہیں۔

۳۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے دو جگہ شامیہ میں یہ عبارت ذکر کی ہے:

" قوله (وتعتبر الكفاءة للزوم النكاح) أى على ظاهر الرواية ولصحته على رواية الحسن المختارة للفتوى "

"(صاحب درمختار کا قول اور کفاءت کا اعتبار نکاح کے لازم ہونے میں کیا جائے گا) یعنی ظاہر الروایۃ کے مطابق اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق صحت کیلئے کفاءت شرط ہوگی اور یہی فتوے کیلئے پسندیدہ ہے۔" (شامیہ ۳/۸۶)

اسی طرح ایک اور جگہ شامیہ میں عبارت ہے۔

"(قوله الكفاءة معتبرة فى ابتداء النكاح للزومه أو لصحته) الأول بناء على ظاهر الرواية والثانى على رواية الحسن وقدمنا أول الباب السابق اختلاف الإفتاء فيهما وأن رواية الحسن أحوط " (شامية ۳/۸۴)

"(کفاءت کا اعتبار ابتداء نکاح میں نکاح کے لازم یا صحیح ہونے کے اندر کیا جائے گا) پہلا (یعنی لازم ہونا) ظاہر الروایۃ کے مطابق اور دوسرا (یعنی صحیح ہونے میں) روایتِ حسن کے مطابق (کفاءت کا اعتبار ہوگا)۔"

اس سے واضح ہوا کہ روایتِ حسن کے مطابق کفاءت فقط صحتِ نکاح کی شرط ہے اور کفاءت کی عدم موجودگی میں نکاح کی ایک شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ نکاح فاسد ہوگا (جیسا کہ فتوے کی ابتداء میں نکاح فاسد و باطل کی تشریح گزر چکی ہے) اسے ہی غیر صحیح نکاح کہا جا سکتا ہے البتہ اسے باطل کہنا محل نظر اور مشکل امر ہے۔

نیز فتاویٰ دار العلوم دیوبند سے ذکر کردہ حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور فیض الباری سے نقل کردہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ان حضرات نے نکاح کو فقط لفظاً باطل قرار دیا ہے ورنہ حقیقتاً یہ بھی اس نکاح کو فاسد قرار دیتے ہوں کیونکہ فاسد اور باطل کا اطلاق ایک دوسرے پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ ان ہر دو حضرات نے اس پر نکاح باطل کے مطابق کوئی حکم نہیں لگایا اور عدت وغیرہ کی نفی نہیں کی ہے فقط باطل کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ ان حضرات کی عبارات میں فاسد مراد لینے کا احتمال بہرحال موجود ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ذکر کردہ دلائل [نکاح فاسد کی تعریف اور نکاح باطل اور فاسد میں فرق، نیز فقہاء کبار کی تصریحات کہ

Marfat.com

یہ نکاح بروایت حسن فاسد ہے نیز اس پر نکاح فاسد کے احکام کا اجراء اور علماء دیوبند میں سے بعض کا اسے نکاح فاسد قرار دینا اور بعض کا ظاہر الروایہ کے مطابق اسے نافذ ہی قرار دے دینا یہ سب دلائل] یہ نتیجہ دیتے ہیں کہ لڑکی کا ازخود غیر کفوء میں کیا گیا نکاح حسن بن زیاد کی مفتی بہ روایت کے مطابق نکاحِ فاسد ہے اسے نکاحِ باطل یا زنا محض قرار دینا درست نہیں اور فقہاء کا اسے سرے سے کالعدم کہنا بھی اسی معنی میں ہے کہ یہ نکاحِ فاسد ہے جسے فسخ کرانے کیلئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں نہ یہ کہ اس معنی میں کہ یہ نکاح باطل قرار دیا جائے لہٰذا اس غیر کفوء میں لڑکی کے ازخود نکاح پر روایت حسن کے مطابق فساد کا حکم لگایا جائے گا اور نکاحِ فاسد کے تمام احکام اس پر لاگو ہوں گے جن میں سے بڑے بڑے احکام درج ذیل ہیں:

(۱) اگر اس نکاح میں ہمبستری ہو جائے تو مہر مثل اور مہر مسمی میں سے جو کم ہو وہ لڑکی کو دینا ضروری ہوگا اور اگر ہمبستری نہ ہوئی ہو تو پھر لڑکی کسی قسم کے مہر کی مستحق نہیں۔

(۲) اگر لڑکی سے ہمبستری ہو جائے تو تفریق (متارکت یا فسخ) کے بعد لڑکی کو ۳ حیض بطورِ عدت گزارنا ضروری ہوں گے بدون عدت گزارے دوسری جگہ لڑکی کا نکاح درست نہ ہوگا۔

(۳) اگر نکاح فاسد میں ہمبستری سے بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب لڑکے سے ثابت ہوگا۔

(۴) نکاحِ فاسد میں لڑکے کا لڑکی سے ہمبستری کرنا حرام ہے اور لڑکی کا لڑکے کو اپنے اوپر قدرت دینا [illegible] ام ہے دونوں پر بذریعہ فسخ وغیرہ علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۵) نکاح فاسد میں تفریق کی مختلف صورتیں ہیں ایک یہ کہ لڑکا متارکت کے الفاظ مثلاً میں نے تجھے چھوڑ دیا وغیرہ زبان سے کہہ دے دوسرا یہ کہ لڑکی یا لڑکے میں سے کوئی ایک بھی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے یعنی یہ کہہ دے کہ میں یہ نکاح فسخ کرتا ہوں یا کرتی ہوں تب بھی یہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے تیسری صورت یہ کہ لڑکا لڑکی ازخود فسخ وغیرہ نہ کر رہے ہوں تو قاضی پر ضروری ہوتا ہے کہ ان کے درمیان تفریق کر دے۔

نکاحِ فاسد کے یہ وہ بڑے بڑے احکام ہیں جو ہر نکاحِ فاسد پر جاری ہوتے ہیں[1] نیز دلائل کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ غیر کفوء میں نکاح فاسد ہے لہٰذا روایت حسن کے مطابق اسے کالعدم قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ نکاح فاسد ہے اور اس پر نکاحِ فاسد کے تمام احکام جاری ہوں گے۔ تفریق سے قبل لڑکی کا کہیں اور نکاح کرانا جائز نہ ہوگا۔

لما فی الدر المختار (۳/۱۳۲): (ویجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود (بالوطء) في القبل (لا بغيره) كالخلوة لحرمة وطئها (ولم يزد) مهر المثل (على

---

[1] نکاح فاسد کے تفصیلی احکام نیز تفریق کیلئے متارکت یا فسخ کا حکم جاننے کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی "**تحریر الکاتب فی بیان احکام النکاح الفاسد**" کو ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

المسمى) لرضاها بالحط ولو كان دون المسمى لزم مهر المثل لفساد التسمية بفساد العقد ولو لم يسم أو جهل لزم بالغا ما بلغ (و) يثبت (لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أو لا) في الأصح خروجا عن المعصية فلا ينافي وجوبه بل يجب على القاضي التفريق بينهما (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق لا للموت (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج وإن لم تعلم المرأة بالمتاركة في الأصح (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة .

Marfat.com

(٥١٥) کفوء وغیر کفوء میں کئے ہوئے نکاح کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر لڑکا یا لڑکی نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں لیکن والدین یا اُن کے اولیاء نکاح نہ کرائیں تو لڑکا یا لڑکی از خود نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر انہوں نے از خود نکاح کرلیا تو ولی کو اعتراض کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بالغ اولاد کو چاہیئے کہ وہ کسی بھی طریقے سے اپنے والدین کو نکاح کے لئے آمادہ کرلیں لیکن اگر پھر بھی وہ توجہ نہ دیں تو اولاد کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے جبکہ وہ عاقل بالغ ہوں۔ لڑکا تو اپنا نکاح خود ہر جگہ کرسکتا ہے البتہ اگر لڑکی غیر کفوء میں نکاح کرلے تو وہ نکاح منعقد نہ ہوگا نیز غیر کفوء سے مراد یہ ہے کہ لڑکا لڑکی سے مال، دیانت اور حرفت وغیرہ میں کم حیثیت کا ہو البتہ لڑکی اگر از خود کفوء میں نکاح کرتی ہے تو نکاح درست ہوگا۔

لما فی الشامیة (٣/٥٧): قوله (بعدم جوازه أصلا) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة ـــ قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل۔

وفی الدرالمختار(٣/٨٦): (وتعتبر الكفاءة للزوم النكاح ـــ (نسبا) ـــ (و) ـــ(حرية وإسلاما)۔

وفی الرد تحته:قوله (نسبا) أي من جهة النسب ونظم العلامة الحموي ما تعتبر فيه الكفاءة فقال[إن الكفاءة في النكاح تكون في] [ست لها بيت بديع قد ضبط] [نسب وإسلام كذلك حرفة] [حرية وديانة مال فقط]۔

(٥١٦) لڑکا کفوء ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا

سؤال

میں اپنی سگی بیٹی کا مسئلہ بیان کرنا چاہتی ہوں ایک لڑکے نے میری بیٹی سے محبت کی اور ایک ملاقات میں اس نے کہا کہ کیا میں

Marfat.com

تمہیں قبول ہوں؟ تو میری بیٹی نے ناسمجھی میں کہہ دیا کہ ہاں میں قبول کرتی ہوں، تم مجھے قبول ہو اور دو مرد گواہوں کے سامنے یہ بات ہوئی جو کہ لڑکے کے جاننے والے تھے۔ بہر حال لڑکا اب ہمیں کہتا ہے کہ میرا اس سے نکاح ہو چکا ہے اس کی شادی مجھ سے کریں جبکہ میں کسی بھی صورت میں اپنی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے نہیں کرنا چاہتی۔ لڑکے کے گھر والے بھی کسی طرح راضی نہیں ہیں۔ لڑکا کہتا ہے کہ میں اس لڑکی کو الگ جگہ کرایہ کے گھر میں رکھوں گا اور میں اپنی بیٹی کی شادی وہاں نہیں کرنا چاہتی۔ میری بیٹی بھی یہ معاملہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ ہم کسی صورت بھی اس لڑکے سے رشتہ نہیں کرنا چاہتے۔

آپ بتائیے کہ ہم اپنی بیٹی کا کہیں دوسری جگہ رشتہ کر کے شادی کر سکتے ہیں؟ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ نکاح کے الفاظ بولتے وقت لڑکی کا ارادہ نکاح کرنے کا قطعاً نہ تھا اور نہ ہی اس کی کوئی کاغذی کارروائی ہوئی ہے۔ لڑکی کی عمر ۱۷ سال ہے۔

نوٹ: مستفتی سے معلوم کرنے پر مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) لڑکی انٹر میں ہے اور لڑکا میٹرک پاس بھی نہیں۔

(۲) لڑکی والے دیوبندی عقائد کے حامل ہیں جبکہ لڑکے والے بریلوی عقائد کے حامل ہیں۔

(۳) لڑکا کوئی کام وغیرہ نہیں کرتا۔

(۴) بوقتِ عقد لڑکی کی عمر ۱۶ سال تھی۔

(۵) لڑکا خود "جماعتِ اسلامی" کا کارکن ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

آپ کی بیٹی کا نکاح اس لڑکے سے منعقد ہو چکا ہے کیونکہ عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح کفو میں والدین کی اجازت کے بغیر دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرنے سے منعقد ہو جاتا ہے، چاہے وہ سمجھ کر قبول کرے یا ناسمجھی میں، چاہے نکاح کے الفاظ بولتے وقت اس کی نیت نکاح کی ہو یا ویسے ہی مذاق وغیرہ کی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة" (الجامع للامام الترمذي، ۱/۲۲۵)۔

یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی (شمار ہوتا ہے) اور وہ تین چیزیں نکاح، طلاق اور رجعت ہیں۔

لہٰذا آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنی بیٹی کی رخصتی اس لڑکے کے ساتھ کر دیں اگر آپ اور آپ کی بیٹی اس پر رضامند نہیں ہیں تو چھٹکارے کی صورت صرف یہ ہے کہ لڑکا طلاق دیدے یا لڑکی اس لڑکے کی رضامندی سے خلع لے لے، اس کے بغیر آپ اپنی بیٹی کی شادی دوسری جگہ نہیں کر سکتیں۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ: ۲۸۲): وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ

Marfat.com

فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى

وفى الجوهرة النيرة(١٢٣/٢) :قوله (والكفاءة في النكاح معتبرة) قال في الفتاوى تعتبر عند ابتداء النكاح ولا يعتبر استمرارها بعد ذلك حتى لو تزوجها وهو كفء ثم صار فاجرا لا يفسخ النكاح ثم الكفاءة إنما تعتبر لحق النساء لا لحق الرجال فإن الشريف إذا تزوج وضيعة دنيئة ليس لأوليائه حق الاعتراض ؛ لأنه مستفرش لا مستفرش والحسيب كفء للنسيب حتى إن الفقيه يكون كفئا للعلوي ؛ لأن شرف العلم فوق شرف النسب حتى إن العالم العجمي كفء للعربي الجاهل والعالم الفقير كفء للغني الجاهل۔

وفى الشامية (٨٤/٣): (وفقد الكفء) أي إذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد ط وتقدم أنها المفتى بها۔

Marfat.com

رسالة

أداء الفريضة

ببيان

أن مسألة الكفاءة لا تصادم الشريعة

کیا مسئلہ کفاءت شریعت سے متصادم ہے؟

بعض لوگوں کے اس شبہ پر تفصیلی استدراک

Marfat.com

(۵۱۷) کیا مسئلہ کفاءت شریعت سے متصادم ہے؟

سؤال

ہمارے علاقے میں ایک صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ کفوء کا مسئلہ شریعت سے متصادم ہے کیونکہ یہ نصوص کے مخالف ہے شریعت تو تقویٰ کو معیار بتاتی ہے حسب ونسب وغیرہ کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں، اسی طرح حدیث میں "فاظفر بذات الدین" دینداری کو مدار بتانے کی ترغیب ہے نیز قرونِ اولیٰ کے واقعات ہیں کہ ایک کم حسب ونسب والے نے ایک اعلیٰ نسب لڑکی سے نکاح کرلیا بلکہ غلاموں کے نکاح امیرزادیوں سے ہوئے ہیں چنانچہ یہ حضرت اس معاملے میں بہت تشدد کرتے ہیں اور مسئلہ کفوء پر عمل کرنے والے کو کافر تک کہہ دیتے ہیں لہٰذا آپ سے مسئلے کا تفصیلی حل مطلوب ہے ازراہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی صحیح کیفیت اور مسلکِ اعتدال تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شرعی مسائل میں حدّ سے تجاوز اور ایک دوسرے پر کفر وضلال کا اطلاق نہایت جرأت اور حماقت کا مظاہرہ ہے،ہم سب کو مسائل شرعیہ میں علماء اور مفتیان کرام سے معلوم کرکے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے نہ کہ اپنے ذہن سے ہی ایک مسئلہ تجویز کرکے اسے شریعت کا جزء بنانے کی کوشش کرنا۔ یہ انتہائی خطرناک اقدام ہے جس کے عواقب برے ہیں۔

کفوء کا مسئلہ روایۃً اور درایۃً دونوں طرح ثابت ہے ترمذی شریف کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب کرکے فرمایا "ثلاث لاتؤخرھا ...... والأیم اذا وجدت لھا کفؤا" (ترمذی، ۱/۲۰۵) تین چیزوں کو مؤخر نہ کروان میں سے ایک یہ کہ بے نکاحی لڑکی کا نکاح کرنے میں جب اس کے کفوء کا رشتہ مل جائے۔

نیز بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ منقول ہیں "لاتنکحوا النساء الا الأکفاء" (بیہقی، ۷/۱۳۳) عورتوں کا نکاح غیر کفوء میں نہ کرو۔

نیز ابن ماجہ، مستدرک حاکم، اعلاء السنن اور دیگر کتب میں مسئلہ کفاءت سے متعلق اور احادیث بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ شریعت نے کفاءت میں چند اوصاف کا لحاظ کیا ہے بہتر یہی ہے کہ نکاح کفوء میں کیا جائے کیونکہ غیر کفوء کے اولاً اخلاق وعادات میں موافقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ہمیشہ آپس میں ناچاقی رہتی ہے۔ میاں بیوی کے معاملات اتنے وسیع نوعیت کے ہوتے ہیں کہ اس میں بہت سے مواقع پر ایک دوسرے کی باتوں کا تحمل کرنا ضروری ہوتا ہے اور غیر کفوء میں انسان تحمل نہیں کرسکتا، نتیجتاً ایسے افعال اس

Marfat.com

سے سرزد ہوتے ہیں جو گناہ اور اذیت کا سبب بنتے ہیں لہٰذا شریعت نے نکاح جیسے معاملے میں ابتداءً ہی برابری کو ملحوظ رکھا ہے۔

سوچنے کا مقام ہے ایک لڑکی ناز و نعم میں پلی ہو اس کے گھر میں تمام سہولیاتِ زندگی وافر ہوں اور اس کا نکاح کسی غریب اور گھٹیا پیشے کے انسان سے کر دیا جائے تو کیا وہ لڑکی نباہ کر سکے گی؟ اور کیا لڑکی کے از خود ایسے لڑکے سے نکاح کر لینے کی صورت میں سرپرست قعرِ مذلت میں نہیں دھنس جائیں گے؟

اس سے آگے اگر یہ نکاح منعقد قرار دیا جائے تو بعد میں اس سے پیدا شدہ اولاد کی شادی ایک مسئلہ بن جائے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَّإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ-وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (سورۃ الحدید:۲۶)

"اور تحقیق ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا اور نبوت اور کتاب کو ان کی اولاد میں رکھ دیا۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد نبوت اور کتاب کو ان کی اولاد میں منحصر کر دیا گیا اور یہ شرف پھر کسی غیر ابراہیمی کو نہ مل سکا، اسی طرح ایک حدیث میں ہے:

"الناس معادن كمعادن الفضة والذهب خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا" (مسلم ۲/۳۳۱، کتاب البر والصلة)

یعنی سونے چاندی کی کانوں کی طرح انسانوں کی بھی مختلف کانیں ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو جاہلیت (قبل از اسلام) اچھے شمار ہوتے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے ہیں جب کہ تفقہ [علم] حاصل کر لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال اس سلسلے میں واضح ہے آپ رضی اللہ عنہ جاہلیت میں بھی بہادر، دلیر اور امتیازی شان کے مالک تھے اسی طرح اسلام میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا درجہ امتیازی رہا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

"الائمة من قريش" (مسند احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک، ۴/ ۰۰) یعنی ائمہ صرف قریش سے ہوں گے۔

اس حدیث سے متعلق حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کوئی تو وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے امامت کو قریش کے ساتھ مخصوص فرمایا (یعنی) امامت کبریٰ میں قریشیت کو شرط ٹھہرایا اور امامتِ صغریٰ میں خاندانی شرافت کو مرجحات میں سے کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اہل انساب میں شانِ قبوعیت (سرداری کی شان) دوسروں سے زیادہ ہے الائمۃ من قریش ایک انتظامی مصلحت ہے قدرتی طور سے اللہ تعالیٰ نے قریش کو فضیلت دی ہے تو جب ائمہ اور امراء ان میں سے ہوں گے تو اوروں کو ان کی اتباع سے عار نہ ہوگا اور ان کو دوسروں کی اتباع سے عار ہوتا۔" (اسلامی شادی، حسب ونسب کا بیان، ص ۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حسب نسب بھی کرم سے مطلق خالی نہیں البتہ اتنا ہے کہ صاحب نسب کا کریم ہونا لازم بھی نہیں کیونکہ

Marfat.com

اکرمیت کا اصل مدار تقوی پر ہے (ایضاً بتغیر ص ۶۲)

نیز آیت "ان اکرمکم عند الله اتقکم" میں مدارِ کرامت تقویٰ کو بنایا گیا ہے لیکن شادی کا معاملہ ایسا نہیں کہ اس میں صرف تقویٰ کو دیکھا جائے دیگر اشیاء (پیشہ، رہن سہن، مال وغیرہ) کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ یہ معاملہ ایک یا دو دن کا نہیں بلکہ دو زندگیوں کا تاحیات بندھن ہے۔ اسی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیغام اولاً سیدنا وسید المتقین جناب ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے بھیجا تھا، روایت میں ہے:

وعن بريدة قال: خطب أبو بكر وعمر فاطمة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنها صغيرة" ثم خطبها علي فزوجها منه. رواه النسائي

"حضرت بریدة رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے پیغامِ نکاح بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور ارشاد ہوا کہ نہیں فاطمہ چھوٹی ہیں۔" (مشکوۃ، ۲/ ۵۶۵)

ظاہر ہے شیخین رضی اللہ عنہما کا تقوی وطہارت میں درجہ علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے (جن میں سے عمر کا تفاوت بھی ہے) یہ نکاح منع فرمادیا۔

مسئلہ کفاءت کو بالکلیۃ نہ ماننا بہت سے مصالح کو فوت کردیتا ہے جس کا نتیجہ لازماً تلخ نکلے گا لڑکی کو برداشت کرتے کرتے مہلک امراض کا سامنا کرنا پڑے گا، لڑکا طلاق کی دھمکیاں دیتا رہے گا البتہ اتنا ہے کہ بسا اوقات لڑکے میں کوئی ایک صفت (مثلاً عالم ہونا) وغیرہ ایسی ہوتی ہے کہ جو باقی تمام صفات کو پس پشت ڈالنے کیلئے کافی ہوتی ہے لہٰذا لڑکا اگر کسی ایسی صفت کا مالک ہے، تو پھر وہ کفوء ہے اور اولیاء کے لئے باعث عار نہیں۔

سوال میں ذکر کردہ حدیث مشکوۃ شریف میں مکمل یوں منقول ہے:

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے اس کے مال، حسب، حسن اور دین کی وجہ سے (اور اے ابو ھریرہ) دیندار کو ترجیح دو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔"
(مشکوۃ، ص ۲۶۷)

اس حدیث میں رشتہ کے وقت لڑکی میں دینداری کو ترجیح دینے کا ذکر ہے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری (۹/ ۱۱۰) میں اس حدیث سے متعلق فرماتے ہیں "وبهذا الحديث تمسك من اعتبر الكفاءة بالمال" اس حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو کفاءت میں مالداری کا اعتبار کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں "والمعنى ان اللائق بذي الدين والمروءة أن يكون الدين مطمح نظره في كل شيء لا سيما فيما تطول صحبته" یعنی دیندار صاحب مروّت شخص کیلئے بہتر یہ ہے کہ دین اس کا مقصود ہو ہر

Marfat.com

چیز میں بالخصوص جس سے طویل صحبت ہوتی ہے۔ نیز سوال میں ذکر کردہ واقعات بظاہر اولیاء کی اجازت سے ہوئے ہیں یا لڑکا باوجود غریب ہونے کے علم وفضل میں لائق ہے اس لئے ہوئے ہیں اور یہ دونوں نکاح منعقد ہیں **لأن شرف العلم فوق شرف النسب وغیرہ۔**

لہٰذا صورت مسئولہ میں اس بات کا انکار ناممکن ہے کہ ہر برادری کا رہن سہن، مزاج، سوچ، عادتیں اور معاشرت سب مختلف ہوتی ہیں ان کی رعایت نہ کرنا لڑکی کے ساتھ انصاف نہیں بلکہ ظلم ہے لہٰذا اسلام نے ان چیزوں کو ملحوظ رکھا ہے البتہ حسب ونسب کی بناء پر تکبر کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس میں شک نہیں لیکن شادی میں زبان، نسل وغیرہ کا دیکھنا عین مصلحت ہے یہی شریعت کا حکم ہے اور یہی قرآن وحدیث نیز فقہاء کے استنباطات سے ثابت ہے۔ امید ہے کہ اتنی تفصیل سے بات سمجھ آ گئی ہوگی لیکن اگر مزید تفصیل مطلوب ہو تو مسئلہ کفاءت (فی ضمن مسائل النکاح) سے متعلق اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کریں، امید ہے تشفی نصیب ہوگی۔

Marfat.com

(۵۱۸) کیا مسئلہ کفاءت لڑکی پر ظلم ہے؟

سؤال

میں کراچی یونیورسٹی میں ماسٹرز کا طالب علم ہوں عنقریب میری شادی ہونے والی ہے لیکن ایک مسئلہ میرے ذہن میں اٹکا ہوا ہے وہ یہ کہ ہمارے ہاں برابری (کفوء) کا اعتبار باپ کیلئے تو کیا جاتا ہے کہ باپ کو عار نہ ہو اس لئے لڑکی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اگر وہ باپ کی رضا کے بغیر غیر کفوء میں اپنا نکاح کرنا چاہے، لیکن دوسری طرف باپ اگر نابالغہ کا نکاح کردے تو وہ ہر حالت میں منعقد کردیتے ہیں، چاہے وہ غیر کفوء میں کردے یا کہیں بھی کردے اور بالغہ میں بھی لڑکی کو اس پر مجبور کیا جاتا ہے کہ باپ کی بات مان لے۔ کیا یہ عورت پر ظلم نہیں کہ جس کو وہ غیر کفوء یا عار سمجھ رہی ہے آپ اس کی شادی میں اس کی ہی نہیں سن رہے لیکن باپ کی حد سے زیادہ سنی جارہی ہے۔ یہ تفریق دل کو نہیں لگ رہی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح پر اعتراض کرنا مقصود نہیں لیکن وہاں بھی ادباً وہ خاموش رہیں لیکن کفوء نہ ہونے کے سبب نوبت طلاق تک آگئی تو یہ بہتر نہ تھا کہ لڑکی کو بھی کفوء میں کچھ اختیار دیا جاتا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مسئلہ کفاءت عورت پر ظلم ہرگز نہیں بلکہ عورت اپنے افعال میں ایک حد تک خود مختار ہے یہاں تک کہ کفوء میں اپنا نکاح خود کرواسکتی ہے، البتہ غیر کفوء میں نکاح کرنے سے چونکہ باپ کو عار کا خدشہ ہے اسلئے یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا اور یہ نص صریح سے ثابت ہے۔

باوجود اس آزادی کے عورت کو اتنا بے مہار اور بے لگام بھی نہیں چھوڑا گیا کہ وہ سارے معاملات از خود ہی طے کرتی پھرے اس لئے کہ یہ اپنی عقل اور دین کے ناقص ہونے کی وجہ سے ولی کے مشورے کے بغیر جو کام بھی کرے گی، اس میں خیر اور پائیداری کی امید بہت کم ہے، فساد کے امکانات زیادہ ہیں یہی توجہ ہے کہ باپ کو (باوجود غیر کفوء کا علم ہونے کے) بیٹی کا نکاح غیر کفوء میں کرانے کا اختیار حاصل ہے کیونکہ ممکن ہے کہ باپ غیر کفوء میں بیٹی کیلئے وہ مصلحتیں اور حکمتیں دیکھ رہا ہو جو کہ کفو میں نہیں پائی جارہی ہوں۔ ہاں اگر باپ فاسق وبد دیانتی میں مشہور ہو بیٹی کی زندگی تباہ کرنے پر تلا ہوا ہو تو پھر اس کی ولایت کا اعتبار بھی نہیں کیا جائے گا۔ نیز باپ کو اتنے اختیارات دینے کے باوجود بھی شریعت جبراً بالغہ لڑکی کا نکاح کرانے کی اجازت ہرگز نہیں دیتی۔

باقی جہاں تک بات ہے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے طلاق کی سو وہ عدم کفو کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک تکوینی امر تھا جس سے عرب کی بہت سے غلط رسومات کو تار تار کرنا مقصود تھا، منجملہ ان رسوم کے ایک رسم یہ تھی کہ عرب منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار دے کر اس کے لئے حقیقی بیٹے کے احکامات ثابت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے (حضرت زید رضی اللہ عنہ) کی بیوی تھیں ان کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروا کر اس رسم کو باطل کیا۔ اسی طرح حسب ونسب، خاندانی تفاخر اور غلامی آزادی

Marfat.com

کی تفریق کو ختم کر کے فضیلت کی بنیاد صرف اور صرف تقویٰ پر رکھی۔ یہ مقاصد بغیر اس امر کے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

لما فی فتح الملهم (٦/٥٦٨) (باب استئذان الثيب فی النكاح) (داراحیاء التراث العربی): ان لها فی النكاح حقا ولوليها حقا وحقها أوكد من حقه فإنه لو أراد تزويجها كفؤا وامتنعت لم تجبر ولو ارادت أن تتزوج كفوا فامتنع الولی أجبر فإن أضر زوّجها القاضی تدل على تأكيد حقها ورجحانه۔

وفيه أيضاً: ''أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل'' لأن الولی انما يرد ليختار كفوا لدفع العار وذلك يحصل باذنه۔

وفی الهندية (١/٢٩٢) (الباب الخامس فی الاكفاء): ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى۔۔۔وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن۔

وفيه أيضاً (ص٢٨٥): فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما۔

وفی الدر المختار (٣/٥٥): فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا الولی۔

وفی الشامية (٣/٨٤) (باب الكفاءة): قوله (من جانبه الخ) أي يعتبر أن يكون الرجل مكافئا لها في الأوصاف الآتية بأن لا يكون دونها فيها ولا تعتبر من جانبها بأن تكون مكافئة له فيها بل يجوز أن تكون دونه فيها ۔۔۔ فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصح بخلاف جانب الرجل فإنه إذا تزوج بنفسه مكافئة له أو لا فإنه صحيح لازم۔

وفيه أيضاً (٣/٩٣): لو تزوجت غير كفء فالمختار للفتوى رواية الحسن أنه لا يصح العقد۔

وفيه أيضاً (ص٨٥): الأب يصح تزويجه الصغيرة من غير الكفء لمزيد شفقته وأنه إنما فوت الكفاءة لمصلحة تزيد عليها وهذا إنما يصح إذا علمه غير كفء۔

Marfat.com

رسالة

ضوء الدار

فی أن علة الکفاءة ھی دفع العار

کفاءت کی علت دفع عار ہونے پر ایک اشکال اور اس کا جواب

(۵۱۹) کفاءت کی علت دفعِ عار ہونے پر ایک اشکال اور اس کا مفصل جواب

سؤال

بندہ کو ایک مسئلہ میں الجھن ہے امید ہے کہ آپ حضرات راہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ بعض مخصوص چیزوں میں کفوء یعنی برابری کی علت کیا ہے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ اسکی علت دفع العار عن الاولیاء ہے [جیسا کہ اکثر کتب میں اس کو علت قرار دیا گیا ہے] تو بظاہر یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ مال میں کفوء اور برابری کی جو تفصیل فقہائے احناف نے فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علت یہ نہ ہو کیونکہ فقہاء نے کفاءت فی المال کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ أن یکون قادر أعلی المھر والنفقة اور بعض کتابوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر اتنا مال ہو تو وہ کفوء ہوگا اور اس قول کو تقریباً تمام فقہاء نے ظاہر الروایۃ اور مذہب کا صحیح قول قرار دیا ہے۔

اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ایک کروڑ پتی باپ کی بیٹی چوکوں پر بیٹھے تین چار سو روپے کمانے والے مزدور سے نکاح کر لیتی ہے تو فقہاء کرام کی تفصیل کے مطابق یہ نکاح درست ہوگا (کیونکہ روزانہ کے چار پانچ سو روپے میں وہ بیوی کا نان نفقہ ادا کر سکتا ہے) جبکہ علت یعنی عار موجود ہے اس لئے کہ ایک کروڑ پتی باپ کیلئے موجودہ زمانے میں اس سے بڑی کیا عار ہوگی کہ اس کی بیٹی

Marfat.com

ان کے سامنے ایک نوکر کی حیثیت رکھنے والے آدمی سے شادی کر لے۔ یہاں عار ہے لیکن پھر بھی فقہاء کی تصریحات کے مطابق نکاح درست ہے معلوم ہوا کہ علت عار نہیں ہے ورنہ اس صورت میں نکاح جائز نہیں ہونا چاہیئے اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ ہی علت ہے تو اس صورت میں پھر عار کے باوجود نکاح کیوں جائز قرار دیا جارہا ہے؟

جبکہ علت انتہائی قوت کے ساتھ پائی جارہی ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ نکاح منعقد نہیں ہوا ہے تو فقہاء کرام نے کفاءت فی المال کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا کیا جواب ہوگا؟ کیونکہ ان کی تفصیل کے مطابق یہ نکاح منعقد ہونا چاہیئے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جمہور فقہاء کرام حضرت امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیوی کے نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا اور دوسری طرف اس مزدور سے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں تو کیا یہ اس مزدور کے ساتھ ظلم اور ناانصافی نہیں ہے، کیا وہ اپنی جان بیچ کر اسے اعلیٰ نفقہ میسر کرے گا یا ڈاکے اور چوریاں کر کے اس کیلئے اعلیٰ کھانوں کا انتظام کرے گا؟ اور اگر ادھار لینے کی بات کی جائے تو کیا اس زمانہ میں اس مزدور کو کوئی ہزاروں اور لاکھوں کا قرض دے گا؟ جبکہ اس سے واپس ملنے کی امید بھی نہ ہو۔ برائے مہربانی محقق اور مدلل جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کفاءت کی علت "دفع العار عن الاولیاء" ہی ہے۔ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"الکفاءة في النکاح معتبرة قال علیه الصلاة والسلام ألا لا یزوج النساء إلا الأولیاء ولا یزوجن إلا من الأکفاء ولأن انتظام المصالح بین المتکافئین عادة لأن الشریفة تأبی أن تکون مستفرشة للخسیس فلا بد من اعتبارها بخلاف جانبها لأن الزوج مستفرش فلا تغیظه دناءة الفراش وإذا زوجت المرأة نفسها من غیر کفء فللأولیاء أن یفرقوا بینهما دفعا لضرر العار عن أنفسهم" (الھدایة ۲/۴۲، فصل فی الکفاۃ، کتاب النکاح، مکتبہ البشریٰ)

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ مال کی وہ کون سی مقدار یا حد ہے کہ جس سے مال والے کے ساتھ شادی کی وجہ سے عورت کے اولیاء کو ضرر عار لاحق ہوتا ہے؟ اس سے پہلے یہ بات سمجھنی چاہیئے "کفاءت فی المال" اور "کفاءت فی الغنیٰ" دو الگ الگ اصطلاحات ہیں۔ فقہاء نے "کفاءت فی المال" کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ مرد عورت کا مہر اور نفقہ اداء کر سکتا ہو تو وہ اسکا کفوء ہے۔ یعنی "کفاءت فی المال" میں عورت کے اولیاء کو عار لاحق ہونے کا اعتبار اس وقت ہوگا جب وہ ایسے مرد کے ساتھ شادی کرلے کہ جو اس کے نفقے اور مہر پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو چونکہ شریعت نے مال کو ''قوام الحیاۃ'' اور ''قوام الازدواج'' کی حد تک اہمیت دی ہے لہٰذا فقہاء نے عدم "کفاءت فی المال" (نفقے اور مہر پر عدم قدرت) کی وجہ سے اولیاء کو لاحق ہونے والی عار کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ "کفاءت فی المال" ضروری ہے۔ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

Marfat.com

"والثالث: الكفاءة من حيث المال فإن من لا يقدر على مهر امرأة ونفقتها لا يكون كفؤا لها لأن المهر عوض بضعها والنفقة تندفع بها حاجتها وهي إلى ذلك أحوج منها إلى نسب الزوج فإذا كانت تنعدم الكفاءة بضعة نسب الزوج فبعجزه عن المهر والنفقة أولى"

(المبسوط للسرخسی ۲۵/۵کتاب النکاح باب الاکفاء، دار الفکر)

دوسری اصطلاح "کفاءت فی الغنیٰ" کا معنی فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ مرد عورت کے ساتھ کثرت مال میں برابر ہو، چونکہ شریعت نے کثرت مال کی حوصلہ افزائی نہیں کی لہٰذا فقہاء نے "کفاءت فی الغنیٰ" کا اعتبار نہیں کیا، اور عدم کفاءت فی الغنیٰ (عدم برابری در کثرت مال) کی وجہ سے لاحق ہونے والی عار کا اعتبار نہ کرتے ہوئے فتویٰ اس بات پر دیا ہے کہ "کفاءت فی الغنیٰ" ضروری نہیں چنانچہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں:

"وبعض المتأخرين اعتبروا الكفاءة في كثرة المال لحديث عائشة رضي الله عنها رأيت ذا المال مهيبا ورأيت ذا الفقر مهينا وقالت ان أحساب ذوي الدنيا المال والأصح أن ذلك لا يعتبر لأن كثرة المال في الأصل مذموم قال صلى الله عليه وسلم: "هلك المكثرون إلا من قال بماله هكذا وهكذا"، يعني تصدق به"

(المبسوط للسرخسی ۲۵/۵کتاب النکاح باب الاکفاء، دار الفکر)

البتہ یہ بات فقہاء نے اپنے عرف کے مطابق لکھی ہے جسمیں مادیت کا اتنا اعتبار نہیں تھا جیسا کہ آج کل ہے چونکہ آج کل مادیت کا غلبہ ہے اور شادی بیاہ میں مرد کی معاشی حیثیت کو سب سے زیادہ ترجیح دی جاتی ہے تو آج کل کفاءت فی المال (محض نفقہ اور مہر پر قدرت) کافی نہ ہوگی بلکہ ضروری ہے کہ دونوں کی معاشی حیثیت میں بہت زیادہ فرق نہ ہو کیونکہ آج کل اس بات کو بھی عار سمجھا جاتا ہے کہ اپنے سے کم معاشی حیثیت کے لوگوں میں لڑکی دی جائے۔

"کفاءت فی المال" کے علاوہ دوسری چیزوں جیسے دین داری، حرفت وغیرہ میں عموماً کفاءت ہو ہی جاتی ہے کہ لڑکا اور لڑکی کا باپ دینداری میں کفو ہوں اور دینی لحاظ سے ان کی سطح برابر ہو اسی طرح حرفت میں بھی برابری ہو جاتی ہے کہ دونوں کسی بھی ادارے میں ملازم ہوں، یا کسان ہوں، اسکول ٹیچرز ہوں وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ آجکل اصل دارومدار کفاءت فی الغنیٰ پر ہوتا ہے یعنی مالداری کے اعتبار سے دونوں میں کتنا تفاوت ہے؟ اسی اعتبار سے عار محسوس کی جاتی ہے لہٰذا اگر لڑکی والوں کے پاس مال کم ہو تو اس صورت میں "عار" قوت کے ساتھ پائی جائیگی اور یہ مذکورہ مثالوں میں بھی ہوگا کہ مثلاً دونوں کسی ادارے میں ملازم ہوں لیکن لڑکی کا باپ اعلیٰ عہدے پر ہے اور اس کی تنخواہ دو لاکھ ہے اور لڑکا ادنی عہدے پر ہے اور اس کی تنخواہ تیس ہزار روپے ہے تو دونوں کی تنخواہوں میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے۔ گویا لڑکی کا والد لاکھوں کی مالیت رکھتا ہے جبکہ لڑکا چند ہزار کی۔ یہی صورت حال کسان، اسکول ٹیچرز وغیرہ

Marfat.com

ہونے کی صورت میں بھی ہوگی۔ لہٰذا اگر "کفاءت فی الغنیٰ" (یعنی معاشی حالت اور مالداری میں کفاءت) کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو یہ لڑکا اس شخص کا کفو ہے کیونکہ کفاءت میں معتبر تین چیزیں، اسلام، نسب اور آزادی تو پہلے ساقط ہیں، دینداری اور پیشے میں یہ کفو ہے باقی فقط مال اور غنی میں کفاءت تھی اسے بھی اگر ہم فقط مال یعنی نان ونفقہ اور مہر تک مقید کریں تو یہ لڑکا اس شخص کا کفو بن جائیگا جو کہ علت کفاءت یعنی عار کے بھی منافی ہے۔

لہٰذا اس ضرورت کو سامنے رکھ کر علامہ اسکاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا جائے گا اور وہ یہ کہ ''مرد کی معاشی سطح عورت کی معاشی سطح سے بہت زیادہ متفاوت نہ ہو'' تو دونوں کا نکاح درست ہو جائے گا ورنہ نہیں اور "کفاءت فی الغنیٰ" کے اعتبار کا قول کیا جائے گا۔

"وأما الخامس فالمال أطلقه فأفاد أنه لا بد من التساوي فيه وهو قول أبي بكر الإسكاف قال في النوازل عنه إذا ان للرجل عشرة آلاف درهم يريد أن يتزوج امرأة لها مائة ألف وأخوها لا يرضى بذلك قال :لأخيها أن يمنعها من ذلك ولا يكون كفؤا وجعله في المجتبى قول أبي حنيفة وقيده في الهداية بأن يكون مالكا للمهر والنفقة وهذا هو المعتبر في ظاهر الرواية حتى إن من لا يملكهما أولا يملك أحدهما لا يكون كفؤا لأن المهر بدل البضع فلا بد من إيفائه وبالنفقة قوام الازدواج ودوامه والمراد بالمهر قدر ما تعارفوا تعجيله لأن ما وراءه مؤجل عرفا اه وصححه في التبيين۔ ودخل في النفقة الكسوة كما في المعراج والعناية"

(البحر الرائق ۳/۲۲۳)

آپ کی دوسری بات (کہ جمہور فقہاء کرام رحمہ اللہ علیہم امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیوی کے نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا) محل نظر ہے۔ امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ نہیں کہ بیوی کے نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأما الثاني وهو بيان من يقدر به هذه النفقة فقد اختلف فيه أيضا ذكر الكرخي أن قدر النفقة والكسوة يعتبر بحال الزوج في يساره وإعساره لا بحالها وهو قول الشافعي أيضاوذكر الخصاف أنه يعتبر بحالهما جميعا حتى لو كانا موسرين فعليه نفقة اليسار وإن كانا معسرين فعليه نفقة الإعسار وكذلك إذا كان الزوج معسرا والمرأة موسرة ولا خلاف في هذه الجملة وأما إذا كان الزوج موسرا والمرأة معسرة فعليه نفقة اليسار على ما ذكره الكرخي۔ وعلى قول الخصاف عليه أدنى من نفقة الموسرات وأوسع من نفقة المعسرين حتى لو كان الزوج مفرطا في اليسار يأكل خبز الحواري ولحم الجمل والدجاج والمرأة مفرطة في الفقر تأكل في بيتها خبز الشعير لا

Marfat.com

یجب علیه أن یطعمها ما یأکله ولا یطعمها ما کانت تأکل في بیت أهلها أیضا ولکن یطعمها خبز الحنطة ولحم الشاة وکذلك الکسوة علی هذا الاعتبار"

(بدائع الصنائع ۲۴/۴، کتاب النکاح، باب النفقة، رشیدیه)

سو کسی بہت غریب شخص کا نکاح (ولی کی رضامندی کے ساتھ) بہت امیر عورت سے ہو جائے، تو عورت کو مالدار عورت اور غریب عورت کے نفقے کے درمیان جو نفقہ بنتا ہو وہ ملے گا۔ پھر اگر زوج میں اتنا نفقہ دینے کی صلاحیت نہ ہو تو جتنا دے سکتا ہے دے گا باقی اس کے ذمہ دین ہو گا جب کشادگی ہو جائے گی تو وہ بھی ادا کرے گا۔

چنانچہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فتستحق النفقة (بقدر حالهما) به یفتی ، ویخاطب بقدر وسعه والباقي دین إلی المیسرة ، ولو موسرا وهي فقیرة لا یلزمه أن یطعمها مما یأکل بل یندب "

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"قوله (به یفتی) کذا في الهدایة وهو قول الخصاف وفي الولوالجیة وهو الصحیح وعلیه الفتوی وظاهر الروایة اعتبار حاله فقط وبه قال جمع کثیر من المشایخ ونص علیه محمد وفي التحفة والبدائع أنه الصحیح بحر لکن المتون والشروح علی الأول وفي الخانیة وقال بعض الناس یعتبر حال المرأة قال في البحر واتفقوا علی وجوب نفقة الموسرین إذا کانا موسرین وعلی نفقة المعسرین إذا کانا معسرین وإنما الاختلاف فیما إذا کان أحدهما موسرا والآخر معسرا فعلی ظاهر الروایة الاعتبار لحال الرجل فإن کان موسرا وهي معسرة فعلیه نفقة الموسرین وفي عکسه نفقة المعسرین وأما علی المفتی به فتجب نفقة الوسط في المسألتین وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة اهـ(تنبیه) صرحوا ببیان الیسار والإعسار في نفقة الأقارب ولم أر من عرفهما في نفقة الزوجة ولعلهم وکلوا ذلك إلی العرف والنظر إلی الحال من التوسع في الإنفاق وعدمه ویؤیده قول البدائع حتی لو کان الرجل مفرطا في الیسار یأکل خبز الحواري ولحم الدجاج والمرأة مفرطة في الفقر تأکل في بیت أهلها خبز الشعیر یطعمها خبز الحنطة ولحم الشاة .قوله (ویخاطب الخ) صرح به في الهدایة وقد غفل عنه في غایة البیان فقال إذا کان معسرا وهي موسرة وأوجبنا الوسط فقط کلفناه بما لیس في وسعه قوله (والباقي) أي ما یکمل نفقة الوسط۔"

(شامیة ۵۷۴/۳ کتاب النکاح باب النفقة)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیش کردہ مثال کو درج بالا قواعد کی روشنی میں دیکھا جائے، سو آپ نے جو یہ کہا کہ چند سو

Marfat.com

کمانے والے مزدور کے ساتھ کروڑ پتی باپ کی بیٹی کی شادی کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ آپ نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ فقہاء نے مزدو کو کروڑ پتی باپ کی بیٹی کا کفوء مان کر یہ نکاح جائز قرار دیا ہے، حالانکہ بات یوں نہیں۔ بلکہ فقہاء نے یہ نکاح اس وقت جائز قرار دیا ہے کہ جب (باوجود عدم کفاءت کے) ولی نکاح کو نافذ کر دے، کیونکہ مزدوری کرنے والا شخص دو وجہ سے کروڑ پتی باپ کی بیٹی کا کفو نہیں ہے، ایک یہ کہ وہ ایسی عورت کے مہر مثل کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتا (لہٰذا کفاءت فی المال نہیں)۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دیاڑھی دار مزدور کروڑ پتی شخص کے ساتھ پیشے میں بھی برابر نہیں ہوتا (سو کفاءت فی الحرفہ بھی مفقود ہے)۔ نیز ایک اور بڑی وجہ کفاءت فی الغنیٰ مالداری میں تساوی کا نہ پایا جانا بھی ہے لہٰذا یہ آدمی کفو نہیں۔

اب اگر اس کی ممکنہ صورت لے لی جائے (یعنی ولی نے اس نکاح کو نافذ کر دیا) تو بھی آپ کا اشکال (کہ نفقے میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا جو مزدور اپنی جان بیچ کر بھی ادا نہیں کر سکتا) درست نہیں۔ کیونکہ یہ بات باحوالہ بیان ہو چکی کہ نفقے میں مرد اور عورت دونوں کا اعتبار ہوگا[1]۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ مزدور تو درمیانہ نفقہ بھی ادا نہیں کر سکتا تو فقہاء نے اس کا بھی یہ حل لکھا ہے کہ جتنا ابھی دے سکتا ہے دے دے باقی اس کے ذمے دین ہوگا۔ نیز اگر (بالفرض) یہ بھی مان لیا جائے کہ نفقے میں عورت ہی کا اعتبار ہوگا تو بھی آپ کا یہ کہنا کہ شریعت نے ظلم کیا ہے، درست نہیں، کیونکہ شریعت نے مزدور کو اس بات پر مجبور نہیں کیا کہ وہ کروڑ پتی باپ کی بیٹی سے شادی کرے۔

لمافي الدر المختار (۳/۹۰)(ومالا) بأن يقدر على المعجل ونفقة شهر لو غير محترف ، وإلا فإن كان يكتسب كل يوم كفايتها لو تطيق الجماع (وحرفة) فمثل حائك غير كفء لمثل خياط ولا خياط لبزاز وتاجر ولا هما لعالم وقاض۔

وفي الرد تحته: قوله (ومالا) أي في حق العربي والعجمي كما مر عن البحر لأن التفاخر بالمال أكثر من التفاخر بغيره عادة وخصوصا في زماننا هذا، بدائع قوله (بأن يقدر على المعجل الخ) أي على ما تعارفوا تعجيله من المهر وإن كان كله حالا فتح، فلا تشترط القدرة على الكل ولا أن يساويها في الغنى في ظاهر الرواية وهو الصحيح زيلعي ـــ قوله (ونفقة شهر) صححه في التجنيس وصحح في المجتبى الاكتفاء بالقدرة عليها بالكسب فقد اختلف التصحيح واستظهر في

---

[1] ایک یا ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ادائیگی نفقہ شوہر کی حالت کے بقدر ہوگا یا میاں اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا، مسئلہ ھذا سے متعلق فقہی عبارات، شرعی نصوص، دلالۃ النص یا قیاس سے اثبات، کتب فقہ کی روشنی میں ظاہر الروایۃ کی ترجیح اور متعلقہ ابحاث پر تفصیلی اور تحقیقی فتوی نجم الفتاوی کی اسی جلد میں **"القول بالمساواۃ فی ان الفتوی علی ظاہر الروایۃ فی نفقۃ الزوجات"** کے نام سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

البحر الثاني ووفق في النهر بينهما بما ذكره الشارح وقال إنه أشار إليه في الخانية ـــ قوله (وحرفة) ذكر الكرخي أن الكفاءة فيها معتبرة عند أبي يوسف وأن أبا حنيفة بنى الأمر فيها على عادة العرب أن مواليهم يعملون هذه الأعمال لا يقصدون بها الحرف فلا يعيرون بها وأجاب أبو يوسف على عادة أهل البلاد وأنهم يتخذون ذلك حرفة فيعيرون بالدني منها فلا يكون بينهما خلاف في الحقيقة بدائع فعلى هذا لو كان من العرب من أهل البلاد من يحترف بنفسه تعتبر فيهم الكفاءة فيها وحينئذ فتكون معتبرة بين العرب والعجم قوله (فمثل حائك الخ) قال في الملتقى وشرحه فحائك أو حجام أو كناس أو دباغ أو حلاق أو بيطار أو حداد أو صفار غير كفء لسائر الحرف كعطار أو بزاز أو صواف وفيه إشارة إلى أن الحرف جنسان ليس أحدهما كفؤا للآخر لكن أفراد كل منها كفء لجنسها وبه يفتى، زاهدي اه أي إن الحرف إذا تباعدت لا يكون أفراد إحداها كفؤا لأفراد الأخرى بل أفراد كل واحدة أكفاء بعضهم لبعض وأفاد كما في البحر أنه لا يلزم اتحادهما في الحرفة بل التقارب كاف فالحائك كفء لحجام والدباغ كفء لكناس والصفار كفء لحداد والعطار كفء لبزاز قال الحلواني وعليه الفتوى. وفي الفتح أن الموجب هو استنقاص أهل العرف فيدور معه وعلى هذا ينبغي أن يكون الحائك كفؤا للعطار بالإسكندرية لما هناك من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصا البتة اللهم إلا أن يقترن بها خساسة غيرها اهـ

Marfat.com

(۵۲۰) لڑکے کا کفو ہونا شرط ہے

سؤال

میرے ایک دوست نے ایک لڑکی سے بیرون ملک میں نکاح کیا۔ نکاح میں دونوں کا کوئی رشتہ دار اور کوئی بھی عزیز نہیں تھا بلکہ عام آدمیوں نے اس نکاح میں بطور گواہ شمولیت کی اور گواہوں میں دو عدد عورتیں تھیں اور دو ہی مرد تھے اور قاضی صاحب تھے۔ لڑکی نیپال ملک کی رہنے والی ہے لڑکی کے باپ کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے نیپال کے کسی عالم سے رجوع کیا، اُس عالم نے اس نکاح کو غیر شرعی قرار دیدیا اور طرح طرح کے عیب نکالے۔ براہ مہربانی مجھے اس مسئلے کا شرعی حل بتایئے۔ نیز یہ بھی بتایئے کہ کتنے گواہوں پر شادی یا نکاح ہوجاتا ہے؟ میں نے تو سنا ہے کہ لڑکا اور لڑکی اگر اللہ کو حاضر و ناظر جان کے اور اللہ کے خوف کو مدنظر رکھتے ہوئے آپس میں صدقِ دل سے اقرار کرلیں تو نکاح ہوجاتا ہے (واللہ اعلم)۔ براہ مہربانی تفصیلی طریقے سے میری راہنمائی کریں۔ اللہ عزوجل آپ کو اس کا اجر دے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی مسلمان کے نکاح کے منعقد ہونے کیلئے ضروری ہے کہ دو عاقل بالغ آزاد مسلمان گواہوں کے سامنے یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے مرد و عورت ایجاب وقبول کریں جب بطریقہ مذکورہ مرد و عورت کا ایجاب وقبول پایا جائے تو یہ نکاح شرعاً درست ہے گواہوں کیلئے رشتہ دار ہونا ضروری نہیں ہے البتہ جب عورت اپنی مرضی سے نکاح کرے تو مرد کا کفو ہونا ضروری ہے۔ کفو ہونے سے مراد یہ ہے کہ مرد دین داری، پیشے اور مالداری میں عورت کے خاندان کے مساوی ہو، اگر مرد مذکورہ شرائط میں عورت کے خاندان کے مساوی نہ ہو، تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں جس عورت نے اپنی مرضی سے مرد سے نکاح کیا ہے اگر وہ مرد اس عورت کا کفو ہو تو یہ نکاح شرعاً درست ہے ورنہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، اور اولیاء کی اجازت کے ساتھ دوبارہ نکاح کئے بغیر آپس میں ازدواجی طور پر ساتھ رہنا حرام ہے۔ نیز آپ کا یہ سننا "کہ لڑکا اور لڑکی اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اور اللہ کے خوف کو مدنظر رکھتے ہوئے آپس میں صدق دل سے اقرار کرلیں تو نکاح ہوجاتا ہے" قطعاً غلط بات ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ ہر صورت میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

لمافی الترمذی (۲۱۰/۱): وعن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : " البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة "

وفی الدرالمختار (۲۲،۲۱/۳): (و) شرط (حضور) شاهدين (حرين) أو حر وحرتين (مكلفين سامعين قولهما معا (على الأصح) فاهمين أنه نكاح على المذهب بحر (مسلمين لنكاح مسلمة ولو

Marfat.com

فاسقين أو محدودين في قذف۔

وفيه أيضاً(۳/۵۵،۵۶،۵۷): (فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا) رضا (ولي) والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وما لا فلا (وله) أي للولي (إذا كان عصبة)۔۔۔ (الاعتراض في غير الكفء) فيفسخه القاضي ويتجدد بتجدد النكاح (ما لم) يسكت حتى (تلد منه) لئلا يضيع الولد وينبغي إلحاق الحبل الظاهر به (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)۔

(۵۲۱) کفاءت کا اعتبار صرف عقد کے وقت ہوتا ہے

سوال

ایک لڑکی ہے اس کا رشتہ ایک لڑکے کے ساتھ اس شرط پر ہوا کہ لڑکی کی ڈیمانڈ تھی کہ شوہر، نمازی، پرہیزگار اور برسرروزگار ہو۔ لڑکے کے والدین نے رشتے سے پہلے کہا کہ ہمارا لڑکا حافظ قرآن ہے اور نمازی پرہیزگار اور محنتی ہے لیکن نکاح کے بعد پتہ چلا کہ لڑکا نہ تو حافظ قرآن ہے اور نہ نماز کا پابند ہے بلکہ نشہ بھی کرتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا آوارہ گردی بھی کرتا ہے اور اس کا چال چلن صحیح نہیں ہے۔ جب منکوحہ لڑکی کو پتہ چلا تو اس نے رخصتی سے انکار کیا اور اُن کو کہا کہ مجھے طلاق دیدو کیونکہ لڑکی خود بہت دیندار ہے اور جن شرائط پر رشتہ طے کیا تھا وہ پوری نہیں ہو رہیں لیکن شوہر نے اس بات پر توجہ نہیں دی تو لڑکی نے عدالت سے رجوع کیا اور عدالت نے تین بارسمن بھی جاری کیا اور لڑکا عدالت میں حاضر نہیں ہوا تو عدالت نے اپنے لوازمات پورا کرنے کے بعد لڑکی کو خلع کی ڈگری جاری کر دی اور عدالت نے لڑکے کی طرف جتنے پیغامات بھیجے وہ لڑکے نے وصول بھی کر لئے مگر خود عدالت میں حاضر نہیں ہوا۔

(نوٹ: عدالت جب شوہر کو طلب کرتی ہے تو ساتھ یہ نوٹس بھی دیتی ہے کہ اگر آپ مقررہ تاریخ پر عدالت نہ آئے تو یہ آپ کی طرف سے آپ کی بیوی کو طلاق سمجھی جائے گی۔)

اب عدالت نے جو خلع کی ڈگری جاری کی ہے اس سے اس لڑکی کو قانوناً طلاق مل چکی ہے، وہ لڑکی اب دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح لڑکا جو کہ لڑکی کا کفوء نہیں ہے اس سے نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب عقد سے قبل لڑکی نے یہ شرط رکھی تھی کہ لڑکا نمازی، پرہیزگار اور برسرروزگار ہو اور لڑکے کے والدین نے اس کی یاددہانی کرائی تھی اور نکاح کے بعد لڑکا ان صفات کا حامل ظاہر نہ ہوا بلکہ بالعکس نشہ وغیرہ بھی کرتا ہے اور لڑکی دیندار ہے لہٰذا لڑکا غیر کفوء ہے (یعنی لڑکی کا ہمسر نہیں) اور لڑکی کو دھوکہ میں رکھ کر نیز اس کی شرائط کی مخالفت میں یہ عقد کیا گیا ہے لہذا یہ عقد منعقد تو ہو گیا لیکن لڑکی اور لڑکی کے

Marfat.com

اولیاء دونوں اس عقد کو فسخ کر سکتے ہیں، دھوکے کی وجہ سے ان کو یہ حق فسخ ملے گا۔

البتہ اگر بوقتِ عقد لڑکا نمازی، پرہیزگار اور برسرِ روزگار ہو، اور عقد کے بعد لڑکے نے بری صفات کو اختیار کیا ہو تو پھر وہ عقد منعقد ہو چکا ہے کیونکہ لڑکے کا کفوء ہونا (یعنی لڑکی کا ہمسر ہونا) صرف بوقت عقد ضروری ہے اگر عقد کے بعد حالات بدل جائیں تو اس سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو یکطرفہ حق فسخ نہ ملے گا کیونکہ دھوکا نہیں ہوا، اس صورت میں نکاح کو عدالت سے فسخ کرانے (یعنی خلع لینے) کیلئے جانبین میاں، بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔

لمافی الهندية (١/٢٩١): ثم الكفاءة تعتبر عند ابتداء النكاح ولا يعتبر استمرارها بعد ذلك حتى لو تزوجها وهو كفء ثم صار فاجرا داعرا لا يفسخ النكاح كذا في السراج الوهاج۔

وفی تنوير الابصار (٣/٤٤١): هو لغة الازالة وشرعا ازالة ملك النكاح المتوقفة على قبولها بلفظ الخلع۔

وفی الشامية تحته: قوله (وشرطه كالطلاق) وهو أهلية الزوج وكون المرأة محلا للطلاق منجزا أو معلقا على الملك وأما ركنه فهو كما في البدائع إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

وفيه أيضا (٣/٨٥): هى حق لها أيضا۔۔۔لو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فإن ظهر دونه وهو ليس بكفء فحق الفسخ ثابت للكل وإن كان كفؤا فحق الفسخ لها دون الأولياء وإن كان ما ظهر فوق ما أخبر فلا فسخ أحد وعن الثاني أن لها الفسخ لأنها عسى تعجز عن المقام معه اهـ۔

(۵۲۲) دھوکہ سے غیر کفوء میں نکاح کرانے کا حکم

سؤال

ایک لڑکی سے کہا گیا کہ تمہارا نکاح عبدالودود بن عبدالغفور سے کیا گیا، اور لڑکی پر یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ وہ "عبدالودود" ہے جو کہ تعلیم یافتہ اور شریف ہے، نیز لڑکی کے اولیاء بھی یہی سمجھتے رہے۔ نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دوسرا "عبدالودود بن عبدالغفور" ہے جو کہ جاہل اور بے دین شخص ہے۔ آیا اس طرح دھوکے سے لڑکی کا نکاح اُس شخص کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورتِ مسئولہ کے سمجھنے سے قبل چند باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دھوکے سے کئے ہوئے نکاح میں بالغ لڑکی

Marfat.com

کو حقِ فسخ نکاح حاصل ہوتا ہے اور اگر لڑکا کفوء نہ ہو تو لڑکی کے اولیاء کو بھی حق فسخ ملتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جاہل اور بے دین (فاسق) آدمی صالحہ لڑکی کا کفوء نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکی اور اس کے اولیاء کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے جس نے بھی یہ دھوکہ کیا ہے وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے وہ شخص چونکہ لڑکی کا کفوء بھی نہیں لہٰذا لڑکی اور لڑکی کے اولیاء دونوں کو فسخِ نکاح کا حق ہے۔

لمافی الهندية (٢٩١/١): فلا يكون الفاسق كفئا للصالحة كذا في المجمع سواء كان معلن الفسق أو لم يكن كذا في المحيط۔

وفيه ايضاً (٢٩٣/١): ولو تزوج امرأة على أنه فلان بن فلان فإذا هو أخوه لأبيه أو عمه لأبيه كان لها حق الفسخ كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامية (٥٧/٣): قوله (بعدم جوازه أصلا) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده بحر وأما إذا لم يكن لها ولي فهو صحيح نافذ مطلقا اتفاقا كما يأتي لأن وجه عدم الصحة على هذه الرواية دفع الضرر عن الأولياء أما هي فقد رضيت بإسقاط حقها فتح وقول البحر لم يرض به يشمل ما إذا لم يعلم أصلا فلا يلزم التصريح بعدم الرضا بل السكوت منه لا يكون رضا كما ذكرنا فلا بد حينئذ لصحة العقد من رضاه صريحا وعليه فلو سكت قبله ثم رضي بعده لا يفيد فليتأمل۔

وفيه أيضا (٨٥/٣): هي حق لها أيضا بدليل أن الولي لو زوج الصغيرة غير كفء لا يصح ما لم يكن أبا أو جدا غير ظاهر الفسق ولما في الذخيرة قبيل الفصل السادس من أن الحق في إتمام مهر المثل عند أبي حنيفة للمرأة وللأولياء حق الكفاءة وعندهما للمرأة لا غير اه وظاهر قوله كحق الكفاءة الاتفاق على أنه حق لكل منهما وكذا ما في البحر عن الظهيرية لو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فإن ظهر دونه وهو ليس بكفء فحق الفسخ ثابت للكل وإن كان كفؤا فحق الفسخ لها دون الأولياء وإن كان ما ظهر فوق ما أخبر فلا فسخ أحد وعن الثاني أن لها الفسخ لأنها عسى تعجز عن المقام معه اه

وفی الفقه الاسلامی (٦٧٤٣/٩): اتفق الفقهاء على أن الكفاءة حق لكل من المرأة وأوليائها، فإذا تزوجت المرأة بغير كفء، كان لأوليائها حق طلب الفسخ، وإذا زوجها الولي بغير كفء كان لها أيضاً الفسخ؛ لأنه خيار لنقص في المعقود عليه، فأشبه خيار البيع۔

Marfat.com

(۵۲۳) باپ کی رضامندی سے غیر کفوء میں نکاح جائز ہے

سوال

ہمارے علاقے کے ایک معزز آدمی نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح اپنے غریب نوکر سے کیا ہے اور لڑکی بھی راضی ہے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ بظاہر دونوں کے درمیان مساوات نہیں ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر ولی اپنی اور بیٹی کی رضامندی کے ساتھ غیر کفو میں بیٹی کا نکاح کرتا ہے تو نکاح درست ہوتا ہے لہٰذا جب اس آدمی نے بیٹی کا نکاح اس کی رضامندی کے ساتھ اپنے غریب نوکر سے کیا تو یہ نکاح درست ہے۔

وفی الشامية (۸۵/۳) باب الكفاءة :قوله (فلو نكحت الخ) تفريع على قوله لا حقها وفيه أن التقصير جاء من قبلها حيث لم تبحث عن حاله كما جاء من قبلها وقبل الأولياء فيما لو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا رحمتي وفي كلام لولوالجية ما يفيده كما يأتي قريبا وعلى ما ذكرناه من الجواب فالتفريع صحيح لأن سقوط حقها إذا رضيت ولو من وجه وهنا كذلك ولذا لو شرطت الكفاءة بقي حقها۔

وفی الموسوعة الفقهية (۲۶۴/۳۴):حكم التزويج من غير كفء : لا يجوز للولي غير المجبر تزويج موليته بغير كفء دون رضاها باتفاق الفقهاء .فأما إذا زوجها بغير كفء برضاها جاز النكاح لأن الكفاءة حق المرأة والأولياء ، فإذا اتفقت معهم على تركها جاز۔

(۵۲۴) بالغہ کا از خود کفوء میں کیا نکاح مناسب نہیں

سوال

ایک بالغ لڑکا اور ایک بالغہ لڑکی کفوء ہیں اور یہ دونوں گواہوں کی موجودگی میں بھاگ کر بغیر والدین کی رضامندی کے نکاح کرلیں آیا یہ نکاح مانا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا اس طرح کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دین اسلام اس نظامِ حیات کا نام ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہر فرد کے حقوق کا خیال رکھتا ہے جن کا دائرہ اسلام میں داخل

Marfat.com

ہونے والا ہر انسان پابند ہے اور اسی پابندی میں اللہ تعالیٰ نے معاشرے کی خوشحالی اور اس کا توازن رکھا ہے۔ شادی بیاہ بھی زندگی کا ایک شعبہ ہے جس میں شریعت نے جہاں والدین کے ذمہ اولاد کے حقوق رکھے ہیں وہاں اولاد کے ذمہ بھی والدین کے کچھ حقوق رکھے ہیں، نیز یہ کہ والدین اولاد کی پیدائش سے لے کر جوانی تک کی زندگی کے سفر میں کیسے کیسے کٹھن مراحل سے گزرتے ہیں اور اپنے کو جان جوکھوں میں ڈال کر انکی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، جب یہ اولاد جوان ہوجاتی ہے تو ماں باپ کو ان سے، کچھ امیدیں بندھتی ہیں۔

اب اگر اولاد ماں باپ کے احسانات کو یکسر فراموش کر کے صرف اپنا حق سامنے رکھ کر بغیر کسی وجہ کے ماں باپ کی امیدوں اور تمناؤں کا خون کر دیں تو یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں، اسی طرح ماں باپ کو بھی اولاد کے رجحانات کا خیال رکھنا چاہئے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ تمام شرائط (یعنی نکاح کفوء میں ہوا ہو وغیرہ) کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح تو صحیح ہوجائے گا لیکن اس طرح گھر سے بھاگ کر نکاح کرنا جس میں ماں باپ کی ناراضگی کے ساتھ ساتھ ان کی بدنامی بھی ہو بالکل مناسب نہیں بلکہ اس میں سخت گناہ کا اندیشہ ہے اور ایسے نکاح اکثر دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔

لمافي المشكوة (ص٢٧٠): وعن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة "

وفيه أيضا: وعن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له ". رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي۔

وفي التاتارخانية (٣/٣١): الحرة العاقلة البالغة اذا زوجت نفسها من رجل وهو كفوء لها أو ليس بكفوء لها وفي الخانية: بكرا كانت أو ثيبا نفذ النكاح في ظاهر رواية أبي حنيفة وهو قول أبي يوسف آخرا، الا أن الزوج اذا لم يكن كفؤا فللأولياء حق الاعتراض وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله أن الزوج اذا لم يكن كفؤا لاينفذ النكاح۔

وفي الهندية (١/٢٨٧): نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى في ظاهر الرواية كذا في التبيين سئل شيخ الإسلام عطاء بن حمزة عن امرأة شافعية بكر بالغة زوجت نفسها من حنفي بغير إذن أبيها والأب لا يرضى ورده هل يصح هذا النكاح قال نعم۔

Marfat.com

(۵۲۵) کورٹ میرج کرنے والے لڑکے کو قتل کرنے کا حکم

سؤال

لڑکا اور لڑکی دونوں جوان ہیں دونوں آپس میں راضی ہوں۔ موجودہ حکومت جو پاکستان میں ہے اس کی حرکات کسی آدمی پر مخفی نہیں، جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ یہاں شرعی عدالتیں نہیں ہیں اگر ان دونوں کا نکاح عدالت میں ہوگیا تو کیا یہ نکاح ہوجائے گا؟ ان دونوں کے والدین ان کے نکاح پر راضی نہ ہوں نہ ان کے بھائی اس پر راضی ہوں تو والدین کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ فسخ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا لڑکے سے زبردستی طلاق کہلوائے؟ اگر لڑکی کے بھائی نے لڑکے کو جان سے مار دیا تو کیا وہ شہید ہے؟ قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ہر سوال کا الگ الگ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آیاتِ قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور کتب فقہ کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب مرد، عورت عاقل، بالغ ہوں اور وہ اپنی رضامندی سے گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرلیں تو اگر لڑکا لڑکی کا کفوء (جوڑ) کا ہے تو اس صورت میں یہ نکاح منعقد ہے اور والدین کو نکاح منسوخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا اور اگر لڑکی نے اپنے جوڑ کے لڑکے کے علاوہ سے شادی کرلی تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، اس صورت میں طلاق کی ضرورت ہی نہیں البتہ چونکہ یہ نکاح فاسد ہوگا جس میں ہمبستری کرنا قطعاً حرام ہے لہٰذا شوہر اور بیوی کے درمیان متارکت یا کسی ایک جانب سے فسخ کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ فسخ لڑکا ہی نہیں بلکہ لڑکی کی جانب سے بھی ہوسکتا ہے فقط یہ الفاظ کہہ دیئے جائیں کہ میں یہ نکاح فسخ کرتا یا کرتی ہوں۔

اگر لڑکی کے بھائی نے لڑکے کو قتل کردیا تو یہ لڑکا حکماً شہید ہوگا اور اس لڑکی کے بھائی (قاتل) کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

لما فی البحر الرائق(۱۹۶/۲): (باب الشهيد): (هو من قتله أهل الحرب أو البغي أو قطاع الطريق أو وجد في المعركة وبه أثر أو قتله مسلم ظلما ولم يجب بقتله دية) ---- وقيد بقوله ظلما لأن من قتله مسلم حقا كالمقتول بحد أو قصاص أو عدا على قوم فقتلوه فليس بشهيد۔

و فی الشامیة (۸۴/۳): قوله (الكفاءة معتبرة) قالوا معناه معتبرة في اللزوم على الأولياء حتى أن عند عدمها جاز للولي الفسخ اه فتح وهذا بناء على ظاهر الرواية من أن العقد صحيح وللولي الاعتراض أما على رواية الحسن المختارة للفتوى من أنه لا يصح فالمعنى معتبرة في الصحة۔

Marfat.com

(۵۲۶) لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کی صورت میں طلاق کا حکم

سؤال

میں مسمی خالد نے ایک عورت مسماۃ رخسار کے ساتھ آپس کی رضامندی سے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا جس کی خبر لڑکی کے گھر والوں کو نہیں ایک سال کے بعد لڑکی کے گھر والوں کو اس نکاح کا علم ہوا تو لڑکی کو خوب مار کر جبراً اس سے یہ تحریر لکھوائی کہ "خالد نے مجھ سے زبردستی اسلحہ کے زور پر نکاح کیا ہے اور میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں" بعد ازاں مجھے ایک جگہ دھوکے سے لڑکی کے بھائی وغیرہ نے بلوایا اور دھمکی دے کر طلاق کا مطالبہ کیا کہ میں اپنی زبان سے اپنی بیوی کو طلاق دیدوں اور یوں کہوں "کہ رخسار میں نے تمہیں طلاق دیدی" چنانچہ میں نے اپنی جان بچانے کیلئے ایسے مہمل الفاظ استعمال کئے کہ میرے زعم کے مطابق ان الفاظ سے طلاق نہ ہوتی ہو۔ وہ الفاظ یہ تھے جن کو میں نے اپنی زبان سے اپنی بیوی رخسار کو موبائل فون پر کہے کہ "رخسار یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ تمہیں یوں کہوں کہ رخسار میں نے تمہیں طلاق دی" اور یہی الفاظ میں نے تین دفعہ دہرائے۔ اب حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ

(۱)...... محض دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(۲)...... لڑکی کا ولی اس نکاح کو کفؤ میں نہ ہونے کی وجہ سے فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۳)...... اگر کر سکتا ہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہوگا ولی عدالت میں مقدمہ کے ذریعے فسخ کروا سکتا ہے یا بیٹھے بیٹھے فسخ کر دے؟

(۴)...... مذکورہ بالا الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتی تو لڑکی کے گھر والے اگر لڑکی کا دوسرا نکاح کروا دیں تو ایسے نکاح کا کیا حکم ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورتِ مسئولہ میں پوچھے گئے سوالوں کے جواب ترتیب وار درج ذیل ہیں:

(۱)...... دو عاقل بالغ آزاد مسلمان گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے البتہ اگر لڑکی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر غیر کفؤ میں نکاح کرے تو یہ نکاح مفتیٰ بہ قول کے مطابق منعقد نہ ہوگا۔

(۲)...... غیر کفؤ میں ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

(۳)...... جو نکاح غیر کفؤ میں بلا اجازت ورضامندی ولی کے کیا گیا ہو وہ اصلاً ہی غیر منعقد ہے لہٰذا اس کے فسخ کیلئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں البتہ یہ نکاح فاسد ہے جس میں علیحدگی کے لئے فسخ یا متارکت ضروری ہے فسخ لڑکی کی جانب سے بھی ہو سکتا ہے اس سے قبل لڑکی کا دوسری جگہ نکاح درست نہیں۔

(۴)...... الفاظِ طلاق کو بلا نیت وارادۂ طلاق کے صرف حکایتاً ادا کرنے کی صورت میں (جیسا کہ مذکورہ بالا سوال میں پوچھا گیا ہے)

Marfat.com

طلاق واقع نہیں ہوتی اور جب طلاق نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں عورت کا کہیں اور نکاح کرنا یا کرانا حرام ہے۔
صورت مسئولہ میں نکاح چونکہ بظاہر غیر کفو میں ہوا ہے جیسا کہ شق نمبر ۲ میں ہے اور غیر کفوء میں اولیاء کی رضا مندی کے بغیر لڑکی کا نکاح مفتی بہ روایت کے مطابق کالعدم اور فاسد ہے اور نکاح فاسد میں کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کیلئے اولاً لڑکے سے متارکت کرانا یا لڑکے اور لڑکی میں سے کسی ایک کا نکاح کو فسخ کرنا ضروری ہوتا ہے بصورتِ دیگر لڑکی کسی دوسرے لڑکے سے عقد کرنے کی اہل نہیں۔ نیز اگر دخول ہوا ہو تو پھر متارکت یا فسخ کے بعد عدت تین حیض کا گزارنا بھی حلت نکاح کیلئے ضروری ہے۔

لمافي الهندية (۱/۲۹۲): ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى ـ ـ ـ وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقدوبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط كذا في فتاوى قاضي خان في فصل شرائط النكاح۔

وفيه أيضا(۱/۳۵۳): حكى يمين رجل فلما بلغ إلى ذكر الطلاق خطر بباله امرأته إن نوى عند ذكر الطلاق عدم الحكاية واستئناف الطلاق وكان موصولا بحيث يصلح للإيقاع على امرأته يقع لأنه أوقع وإن لم ينو شيئا لا يقع لأنه محمول على الحكاية كذا في الفتاوى الكبرى۔

وفي الشامية (۳/۵۷): قوله (بعدم جوازه أصلا) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده بحر ـ ـ ـ قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم۔

وفي الشامية (۳/۱۳۲): ولكل وضمير وحده لكل أي يثبت لكل منهما وحده قوله (بل يجب على القاضي) أي إن لم يتفرقا قوله (وتجب العدة) ظاهر كلامهم وجوبها من وقت التفريق قضاء وديانة۔

وفي الشامية (۳/۸۴): قوله (وفقد الكفء) أي إذا نكحت غير الكفء فللأولياء حق الفسخ وهذا على ظاهر الرواية أما على رواية الحسن فالعقد فاسد ط ـ

وفيه أيضا(۳/۲۵۰): لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها أو كتب ناقلا من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ أو حكى يمين غيره فإنه لا يقع أصلا ما لم يقصد زوجته۔ الخ۔

Marfat.com

(۵۲۷) رخصتی سے قبل شوہر کا وطی کرنا

سؤال

ایک عاقلہ بالغہ عورت اگر اپنی مرضی سے نکاح کر لے تو یہ احناف کے ہاں معتبر ہے؟ نیز نکاح کے بعد شوہر کو رخصتی سے قبل وطی کا حق حاصل ہے یا رخصتی کا انتظار کرے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کے نکاح کا معاملہ انتہائی نازک اور احتیاط کا متقاضی ہے یہ معاملہ ایسا نہیں کہ لڑکی خود یا اس کی ماں وغیرہ اس سلسلے میں خود کوئی قدم اٹھائیں شریعت نے لڑکی کو اپنے نکاح کا معاملہ اپنے اولیاء کے سپرد کرنے کی تلقین کی ہے۔ آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

"لانکاح الا بولی" (مشکوۃ ص ۲۷۰) "ولی کے بغیر نکاح نہیں (یعنی نکاح کے کامل ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے)۔

اسی طرح فتاوی شامیہ میں ہے:

"قوله (ولاية ندب) أي يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها كي لا تنسب إلى الوقاحة"

"(استحبابی ولایت) یعنی لڑکی کیلئے مستحب ہے کہ اپنے نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد کردے تا کہ بے حیائی کا عیب نہ لگایا جائے۔" (شامیہ ۳/۵۵)

لہذا شریعت کی نظر میں یہ پسندیدہ امر نہیں کہ لڑکی خود اپنے نکاح کے معاملے میں کوئی اقدام کرے البتہ بالغہ لڑکی کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یعنی وہ خود بالغ اور باشعور ہے اگر وہ ایسا کوئی اقدام کر لیتی ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا (بشرطیکہ لڑکا کفو ہو یعنی مال، پیشہ، دینداری وغیرہ میں برابر کا ہو ورنہ نکاح کالعدم ہوگا) لیکن لڑکی کو ایسے ہر اقدام سے بہر حال اجتناب کرنا چاہیے تا کہ سرپرستوں کی رسوائی کا سبب نہ بنے۔

آپ کے سوال کا دوسرا جزء یہ ہے کہ رخصتی سے قبل وطی کرنا تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ جو لڑکی سرپرستوں کی اجازت کے بغیر بھاگ کر کورٹ وغیرہ میں نکاح کرتی ہے تو کفوء میں اس کا نکاح اگرچہ منعقد تو ہے لیکن اس کے بارے میں یہ سوال بے معنی سا ہے البتہ ایک باحیاء، شریف لڑکی جس کے اولیاء اس کا نکاح کرادیں اور ابھی رخصتی نہ ہوئی ہو تو اس سے وطی کرنا جائز تو ہے کیونکہ شرعاً وہ لڑکی اس کی بیوی ہے لیکن رخصتی تک انتظار کرنا بہتر ہے اور اگر شوہر صبر نہیں کر پا رہا ہو تو لڑکی والوں سے جلد از جلد رخصتی کا مطالبہ کرے، لڑکی والوں کا بغیر کسی شرعی عذر کے رخصتی میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

لمافی المصنف عبدالرزاق (۶/۱۹۵): عبدالرزاق عن ابن جريج --- سألت الزهري عن الرجل يتزوج بغير ولي؟ قال ان كان كفوًا لم يفرق بينهما۔

Marfat.com

وفی الهندية (١/٢٧٠): وأما أحكامه فحل استمتاع كل منهما بالآخر على الوجه المأذون فيه شرعا كذا في فتح القدير۔

وفی الدر المختار(٣/٥٦): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)۔

وفی الفقه الاسلامی (٩/٦٥٨٩): للزواج اللازم أو التام الذي استوفى أركانه وشروطه كلها آثار هي: حل استمتاع كل من الزوجين بالآخر على النحو المأذون فيه شرعاً، ما لم يمنع منه مانع.

(۵۲۸) دیندار لڑکے سے نکاح کے وکیل کا فاسق سے نکاح کرا دینا

سوال

ایک شخص نے ایک آدمی کو اپنی بیٹی کے نکاح کیلئے وکیل بناتے ہوئے کہا کہ میری بیٹی کا نکاح کسی دیندار شخص سے کرادو اور باپ خود دیندار باشرع آدمی ہے۔وکیل نے ایک فاسق شخص سے اس کا نکاح کرا دیا۔کیا یہ نکاح منعقد ہوگیا کیونکہ اب والد اس فاسق کے نکاح پر راضی نہیں ہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

وکیل نے جب غیر کفوء (فاسق شخص) سے نکاح کرا دیا تو یہ نکاح موقوف رہے گا اگر لڑکی اور اس کے سرپرست اجازت دے دیں تو نافذ ہوگا وگرنہ کالعدم ہو جائے گا۔

لما فی الهندية (١/٢٩١): فلا يكون الفاسق كفئا للصالحة كذا في المجمع سواء كان معلن الفسق أو لم يكن كذا في المحيط ۔

وفی الشامية (٣/٩٥)(مطلب فی الوكيل والفضولی فی النكاح): قوله (جاز) في بعض النسخ نفذ وهي أنسب لأن الكلام في النفاذ لا في الجواز ح قوله (وقالا لا يصح) أي إذا رده الآمر والأولى التعبير بلا ينفذ ليفيد أنه موقوف ـــ قوله (وهو استحسان) قال في الهداية وذكر في الوكالة أن اعتبار الكفاءة في هذا استحسان عندهما لأن كل أحد لا يعجز عن التزوج بمطلق الزوجة فكانت الاستعانة في التزوج بالكفء اه قال في الفتح وفيه إشارة إلى اختيار قولهما لأن الاستحسان مقدم على غيره إلا في المسائل المعلومة والحق أن قول الإمام ليس قياسا لأنه أخذ بنفس اللفظ المنصوص فكان النظر في أي الاستحسانين أولى اه

Marfat.com

وفی تقریرات الرافعی (۱۹۱/۳): تحت قول ابن عابذین "والحق أن قول الامام لیس قیاسا" فیه أن القیاس ماکان دلیله جلیا والاستحسان ما کان دلیله خفیا وهنا لاشك فی ظهور دلیله وخفاء دلیلهما تأمل علی أن الطحاوی قال قولهما أحسن للفتوی۔

(۵۲۹) گزشتہ فتوے پر ایک فاضل کے استدراک کا جواب

سؤال

محترم مفتی صاحب! دارالافتاء دارالعلوم یٰسین القرآن کا متصلہ فتوی بندہ نے حاصل کیا۔ آنجناب نے بندے کے سوال کا جو جواب دیا وہ بوجہ اختصار بندہ پوری طرح سمجھ نہیں پایا آپ حضرات سے درج ذیل باتوں کی مفصل تشریح مطلوب ہے:

(۱) وکیل بالنکاح اگر غیر کفوء میں نکاح کرارہا ہے تو یہ نکاح کس وجہ سے موقوف ہورہا ہے؟ مخالفتِ موکل کی وجہ سے یا غیر کفوء میں ہونے کی وجہ سے؟

(۲) اگر لڑکی کا باپ جو لڑکی کے نکاح کا وکیل بنارہا ہے خود فاسق ہو لیکن لڑکی دیندار ہو تو پھر کیا وکیل کا غیر کفوء میں کیا گیا نکاح منعقد ہوگا؟

(۳) کفاءت کے اندر دینداری اور فسق میں لڑکی کا اعتبار ہے یا لڑکی کے باپ، دادا کا؟

(۴) اگر موکل یہ تصریح نہیں کرتا کہ دیندار لڑکے سے میری بچی کا نکاح کرانا پھر وکیل نے فاسق (غیر کفوء) کیساتھ نکاح کرادیا تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ از راہِ کرم ان تمام جزئیات کی مفصل تشریح فرما کر بندے کے ذہن کی تشویش دور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

فاضل مستفتی کو گزشتہ فتوے میں موجود اختصار کے باعث تشویش کا سامنا کرنا پڑا اور سائل نے دوبارہ سوال کی زحمت کی اس پر ہم سائل کے شکر گزار ہیں۔ آپ کے ذکر کردہ سوالات کے جواب دینے سے پہلے چند باتیں تحریر کی جارہی ہیں انہیں مدنظر رکھا جائے تو بات سمجھنا آسان ہوجائے گی۔

اوّلاً یہ کہ کسی بھی شخص کو نکاح کا وکیل بناتے ہوئے اگر لڑکے کے کفوء ہونے یا نہ ہونے کی شرط نہ لگائی جائے تو اس سے کفوء میں نکاح کرانا ہی مراد ہوتا ہے اور وکیل غیر کفوء میں نکاح کرانے میں بااختیار نہیں ہوتا اگر غیر کفوء میں نکاح کرائے گا تو وہ نکاح لڑکی اور اس کے اولیاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

ثانیاً یہ کہ موکل وکیل بناتے وقت کوئی خاص شرط لگائے مثلاً لڑکا کفوء ہو یا گورا ہو یا دیگر کوئی بھی شرط لگادے تو اب بہرحال وکیل کو موکل کی شرط کی رعایت کرنا ضروری ہے ورنہ یہ نکاح مخالفتِ موکل کی وجہ سے موقوف ہوجائے گا۔ تاتارخانیہ میں ہے:

"وکله أن یزوجه امرأة من قبیلة فزوجها من قبیلة أخری لم یجز وهذا ظاهر، وکله أن یزوج

Marfat.com

امرأة سوداء فزوجه امرأة بیضاء أو علی العکس لایجوز" (التاتارخانیة ۷۵/۳)

"ایک شخص کو معین قبیلے کی لڑکی سے نکاح کا وکیل بنایا اور اس نے دیگر کسی قبیلے کی لڑکی سے نکاح کرادیا تو یہ جائز نہیں اور یہ ظاہری بات ہے۔ ایک شخص کو کالی عورت سے نکاح کا وکیل بنایا اور اس نے گوری عورت سے نکاح کرادیا یا اس کے برعکس معاملہ ہو تو یہ نکاح جائز نہیں ہوگا"۔

اسی طرح شامیہ میں ہے:

"لو أمره بمعینة أو بحرة أو أمة فخالف أو أمرته بتزویجها ولم تعین فزوجها غیر کفء لم یجز اتفاقا... للمخالفة" (الدر المختار، ۹۵/۳)

"اگر حکم دیا معین عورت یا آزاد یا باندی سے نکاح کا یا اسی طرح عورت حکم دے نکاح کرانے کا لیکن متعین نہ کرے اور وکیل غیر کفوء میں نکاح کرادے تو بالاتفاق یہ نکاح جائز نہیں کیونکہ یہ موکل کی مخالفت ہے"۔

الغرض مطلق توکیل سے کفوء میں نکاح مراد ہوگا اور اگر کوئی خاص شرط بھی لگادی تو اس کا لحاظ رکھنا بھی وکیل کیلئے ضروری ہے۔

ثالثاً یہ کہ کفاءت میں لڑکی کے دیندار ہونے کا اعتبار ہوگا یا لڑکی کے باپ کا؟ اس بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔ علامہ ابن عابدینؒ نے ردّ المحتار المعروف ب "**الفتاوی الشامیة**" میں تمام آراء کو جمع فرما کر جو آخری فیصلہ فرمایا ہے وہ یہ ہے:

"قلت والحاصل أن المفهوم من کلامهم اعتبار صلاح الکل وإن من اقتصر علی صلاحها أو صلاح آبائها نظر إلی الغالب من أن صلاح الولد والوالد متلازمان فعلی هذا فالفاسق لا یکون کفؤا لصالحة بنت صالح بل یکون کفؤا لفاسقة بنت فاسق و کذا لفاسقة بنت صالح کما نقله فی الیعقوبیة فلیس لأبیها حق الاعتراض لأن ما یلحقه من العار ببنته أکبر من العار بصهره وأما إذا کانت صالحة بنت فاسق فزوجت نفسها من فاسق فلیس لأبیها حق الاعتراض لأنه مثله وهی قد رضیت به" (الشامیة: ۸۹/۳)

"میں کہتا ہوں کہ فقہاء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک (لڑکی اور آباء واجداد) کی دینداری کا اعتبار کیا جائے گا اور جس نے لڑکی یا اس کے آباء میں سے کسی ایک کی دینداری کو لیا ہے اس نے غالب کا اعتبار کیا ہے کیونکہ بچے اور والدین کی دینداری لازم وملزوم ہے پس اس کے مطابق فاسق شخص صالحہ بنت صالح کا کفوء نہ ہوگا بلکہ فاسقہ بنت فاسق کا کفوء ہوگا اور اسی طرح فاسقہ بنت صالح کا بھی کفوء ہوگا کیونکہ جو عار باپ کو اپنی بچی کے فسق سے پہنچ رہی ہے وہ داماد کی وجہ سے پہنچنے والی عار سے کم ہے تو باپ کو اعتراض کا حق نہیں اور اسی طرح صالحہ بنت فاسق اگر از خود فاسق سے نکاح کرلیتی ہے (تو یہ نکاح کفوء میں کہلائے گا اور) باپ کو اعتراض کا حق نہ ہوگا کیونکہ وہ شخص باپ کی طرح فاسق ہے اور (نیک) لڑکی اس سے عقد پر راضی ہو چکی ہے"۔

Marfat.com

اس عبارت سے درج ذیل امور مستفاد ہوئے:

(۱) ایک فاسق فاجر شخص (۱) صالحہ (دیندار لڑکی) بنت صالح (دیندار باپ) کا کفوء نہیں۔

(۲) فاسقہ بنت فاسق، فاسقہ بنت صالح اور صالحہ بنت فاسق کا کفوء ہے اور اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا وجوہات عبارت میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

لہٰذا درج بالا تفصیلات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے ذکر کردہ سوالات کے جوابات بالترتیب یہ ہیں:

(۱) ہمارے گزشتہ مسئلے میں (جس پر سائل کو اشکال ہوا) وکیل کا نکاح مخالفت مؤکل کی وجہ سے موقوف ہو رہا ہے کیونکہ یہ لڑکی صالحہ بنت صالح تھی جس کا فاسق شخص کفوء نہیں ہوتا اور وکیل نے مؤکل کے امر (دیندار سے نکاح کرانے) کی مخالفت کی ہے لہٰذا یہ نکاح موقوف ہوا۔

(۲) اگر لڑکی کا باپ فاسق ہوتا اور وہ اپنی بچی کے نکاح کا وکیل بناتے وقت دیندار رشتہ کی شرط لگاتا تب بھی یہ نکاح موقوف ہو جاتا کیونکہ اب بھی مخالفتِ مؤکل پائی جاتی ہے البتہ اگر باپ کوئی شرط نہ لگاتا تو یہ نکاح کفوء میں ہونے کی وجہ سے منعقد ہو جاتا بشرطیکہ لڑکی نکاح کو قبول کرلے کیونکہ ایک فاسق شخص، صالحہ بنت فاسق کا کفوء ہے۔

(۳) کفاءت میں دینداری کے اندر لڑکی اور اس کے آباء دونوں کا اعتبار ہے تفصیل اوپر گزر گئی۔

(۴) اگر مؤکل یہ تصریح نہ کرتا کہ دیندار لڑکے سے نکاح کرانا تو اس صورت میں بھی یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا کیونکہ اوپر تفصیل گزر چکی کہ مطلق توکیل (وکیل بنانے) کی صورت میں وکیل صرف کفوء میں نکاح کرانے میں با اختیار ہوتا ہے اور ایک دیندار باپ کی دیندار بیٹی کا ایک فاسق و فاجر شخص کفوء نہیں ہوتا لہٰذا یہ نکاح غیر منعقد (اجازت پر موقوف) ہوگا۔

درج بالا تفصیلات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ہمارے گزشتہ فتوے میں اگر باپ یہ قید (کہ لڑکا دیندار ہو) نہ بھی لگاتا تب بھی نکاح موقوف رہتا لیکن جب باپ نے یہ قید بھی لگا دی تو بدرجہ اولیٰ مخالفتِ مؤکل کی وجہ سے یہ نکاح موقوف شمار ہوگا۔

(۵۳۰) حلالہ کرنے والے مرد کا کفوء ہونا

سؤال

ایک مطلقہ ثلاثہ غیر کفوء میں اپنا نکاح کر لیتی ہے اور شوہر ثانی دخول کے بعد اسے طلاق دے دیتا ہے اس طرح یہ عورت زوجِ اوّل کیلئے حلال ہوگئی یا نہیں؟ مفتی صاحب! ازراہِ کرم جواب عنایت فرمائیں لڑکی کے والدین وغیرہ کو اس سب معاملے کا کچھ علم نہیں سب بے خبر ہیں۔ اگر علم ہوگیا تو بڑی بدنامی کا سبب بنے گا۔ لڑکے نے اپنے طور پر کسی شخص کو راضی کیا تھا۔ اب یہ شک ہو رہا ہے کہ یہ حلالہ ہوا بھی یا نہیں؟ لڑکی کے سرپرستوں کو اگر بتایا جاتا تو وہ قطعاً راضی نہیں ہوتے اور اپنی بچی کو گھر بلا لیتے۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

درمختار میں ہے:

"(ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازه أصلا) وھو المختار للفتوی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نکحت غیر کفء بلا رضا ولی بعد معرفته إیاه فلیحفظ "(الدر المختار ۵۷/۲)

"اور غیر کفوء (میں لڑکی کے از خود نکاح کی صورت) میں اصلاً نکاح کے غیر منعقد ہونے پر فتوی دیا جائے گا اور یہی فتوے کیلئے مختار ہے کیونکہ زمانہ بگڑ چکا ہے پس مطلقہ ثلاثہ جو کہ اپنے ولی کی اجازت (ایسی اجازت کہ ولی اس شخص کا غیر کفوء ہونا جانتا بھی ہو) کے بغیر نکاح کرنے کی صورت میں شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی۔"

ردالمحتار میں اس کے ماتحت ہے:

"وانما تحل فی الصورۃ الرابعة وھی رضا الولی بغیر الکفء مع علمه بأنه کذلك"

"صرف ایک صورت ہے عورت کے حلال ہونے کی اور وہ یہ کہ ولی یہ جانتے ہوئے کہ وہ شخص غیر کفوء ہے نکاح پر راضی ہوجائے اور کوئی صورت (حلالہ کے درست ہونے کی) نہیں۔"

اسی طرح فقہ کی دیگر تمام متداول اور مشہور کتب میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ حلالہ کرنے والے مرد کا کفوء ہونا شرط ہے غیر کفوء ہونے کی صورت میں ولی اگر راضی ہو تو نکاح درست ہوگا ورنہ مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح سرے سے کالعدم ہوگا۔ ہمارے ذکر کردہ حوالے میں مسئلہ کی علت بھی ذکر ہے اور وہ ہے "**لفساد الزمان**" یعنی زمانے میں پیدا شدہ بگاڑ کی وجہ سے لڑکی کا غیر کفوء میں نکاح علی الاطلاق کالعدم قرار دیا جانا مفتی بہ قرار پایا ہے۔

زمانے کا فساد حلالے کے مسئلے میں یہ ہے کہ لوگ آئے روز طلاقیں دیں گے اور پھر کسی رذیل اور گھٹیا قسم کے انسان کو حلالہ پر خفیہ طور پر راضی کر کے حلالہ کروائیں گے جو کہ معاشرے میں فحاشی پھیلنے کا سبب بنے گا اور حلالہ ایک کاروبار بن کر رہ جائے گا اس لئے شریعت نے غیر کفوء میں نکاح کی صورت میں اولیاء کی لڑکے سے باضابطہ جان پہچان اور ان کی رضامندی کو شرط ٹھہرایا ہے کیونکہ لڑکی کے والدین کے علم میں بات لانا ضروری ہوگا تو لوگ طلاق کے معاملے میں سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کریں گے۔

یہ تو مسئلے کا ایک رخ تھا لیکن دوسری طرف بعض دفعہ شرفاء کے گھرانوں میں ایسے حادثات پیش آجاتے ہیں اور اس صورت میں اولیاء کو خبر ہونا، خاندان میں بے عزتی کا سبب بنتا ہے۔ اس صورت میں لڑکی کے سرپرست عموماً لڑکی کو گھر بٹھا لیتے ہیں اور پھر بچوں کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے لہٰذا ایسے گھرانوں کیلئے کوئی جائے خلاصی ہونی چاہیئے۔ انہیں مطلقاً غیر کفء میں بغیر اولیاء کو اعتماد میں لئے نکاح کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی کیونکہ وہ تو مذہب مختار کے مطابق کالعدم اور غیر قابلِ وسعت حکم ہے اس لئے نکاح کیلئے بہر حال کفوء کا لڑکا دیکھنا شرط ہوگا۔

Marfat.com

البتہ ان کیلئے یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کسی عالم کے سامنے جا کر اپنا مسئلہ رکھیں اور چونکہ عالم کا علم ہر چیز کا کفوء ہے حتی کہ عالم عربیہ کا بھی کفوء قرار دیا گیا ہے اس لئے کسی عالم کو تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا مسئلہ بیان کریں اور انہیں حلالہ کے نکاح کیلئے راضی کریں اور وہ عالم بچوں کی اصلاح اور میاں بیوی کے مستقبل کو بچانے کیلئے نیز دیگر امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر یہ سمجھیں کہ یہ خاندان اس امر کا محتاج ہے تو وہ یہ نکاح کرلیں اور بعد از مباشرت بغیر کسی دباؤ کے خود ہی طلاق دے دیں تو وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہوجائے گی کیونکہ وہ عالم سب کا کفوء ہے اور لڑکی کا از خود بغیر اولیاء کی رضامندی کے کفوء میں کیا گیا نکاح نافذ اور منعقد ہے اس لئے یہ نکاح درست شمار ہوگا اور وہ عورت شوہر اول کیلئے حلال ہوجائے گی اس طرح فحاشی کا دروازہ بھی نہ کھلے گا اور دوسری طرف شریف خاندانوں میں واقع ایسے نادر واقعات کے سد باب کیلئے حل بھی نکل آئے گا۔

یہ ہماری ذاتی رائے ہے اس فتوے پر عمل سے پہلے دیگر اصحاب فتاویٰ سے بھی رجوع کرلیا جائے نیز صورت مسئولہ میں اگر وہ لڑکا جس سے حلالہ کا نکاح کیا گیا تھا لڑکی کا کفوء ہو تو نکاح صحیح ہوا اور عورت حلال ہے ورگرنہ حلالہ درست نہ ہوگا۔

لمافی الخانية على هامش الهندية (۳۵۱/۱): الفقيه يكون كفأ للعلوية لأن شرف الحسب فوق شرف النسب۔

وفی الشامية (۹۲/۳): فالعالم العجمي يكون كفؤا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب وارتضاه في فتح القدير وجزم به البزازي وزاد والعالم الفقير يكون كفؤا للغني الجاهل والوجه فيه ظاهر لأن شرف العلم فوق شرف النسب فشرف المال أولى۔

Marfat.com

رسالة

إعلاء السافل

بان

العالم العجمی یکون کفؤ العربی العالم والجاهل

کفاءت میں ایک عجمی عالم ہر عربی اور عجمی کا کفوء ہوگا یا صرف جاہل عربی کا؟

کتب فقہ میں موجود عبارت "العالم العجمی یکون کفؤ للجاهل العربی" کی وضاحت،

عالم کے علم کا ہر فضیلت سے افضل ہونے کا بیان

اور مسئلہ ھذا پر مدلل و محقق فتوی

Marfat.com

(۵۳۱) عالم کے ہر شخص کے کفوء ہونے سے متعلق اشکال کا جواب

سؤال

مفتی صاحب! کفاءت سے متعلق ایک مسئلے کی تحقیق مطلوب ہے ایک عالم ہر شخص کا کفو ہے یہاں تک کہ عربیہ کا بھی کفو ہے مفتی صاحب یہ مطلق حکم ہے یا اس میں جاہل اور عالم کی قید ہے؟ شامیۃ کی عبارت یہ ہے:

" فالعالم العجمي یکون کفؤا للجاهل العربي" (الشامیۃ ۲/۹۲)

اس سے تو عرب کا جاہل ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ سے ان دو باتوں کا تحقیقی جواب مطلوب ہے۔

(۱) عالم کا عرب کے کفوء ہونے کا قول مفتی بہ ہے یا نہ ہونے کا قول؟ ...... بظاہر بحر میں تو کفوء نہ ہونے کے قول کو ظاہر الروایۃ اور تنویر الابصار میں "وهو الأصح" کہا گیا ہے پھر عالم کے کفوء ہونے کے قول کی تصحیح وترجیح کہاں سے ثابت ہوتی ہے؟

(۲) اگر کفوء ہونے کا قول ہی راجح ہو تو مطلقا کفوء ہوگا یا عربی جاہل کا کفوء ہوگا نیز اس پر بھی غور کرلیں کہ جاہل کی قید لڑکی سے متعلق ہے یا لڑکی کے باپ سے؟؟؟ ...... تحقیق فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولا تو یہ بات ملحوظ رہے کہ مسئلہ کفاءت میں نسب کا اعتبار ہے اور نسب میں صاحب بحر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ وغیرھما حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق ایک عجمی شخص عربی کا کفوء نہیں ہوسکتا۔ عرب آپس میں تو کفوء ہیں لیکن احناف کی ظاہر الروایۃ کے مطابق عجمی عربی کا مطلقا کفوء نہیں۔ بحر کی عبارت یہ ہے:

" وظاهر الروایۃ أن العجمي لا یکون کفئا للعربیۃ مطلقا " (البحر ۳/۲۳۰)

لیکن اس ظاہر الروایۃ کے اطلاق سے عالم مستثنی قرار دیا گیا ہے اور متقدمین ومتاخرین فقہاء نے عجمی عالم کو عربیہ وغیرہ کا کفوء قرار دیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس سلسلے میں بحر، نہر، فتح القدیر، طحطاوی، شامیہ وغیرہ تمام کتب میں قاضیخان رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الصغیر کی شرح **"جامع لقاضیخان"** کی عبارت کو مدار بنایا گیا ہے اور وہ عبارت یہ ہے:

"الحسیب یکون کفوءا للنسیب ، فالعالم العجمی کفؤا للجاهل العربي والعلویۃ لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب" (شرح الجامع لقاضیخان ... مقالۃ الدکتوراہ ۲/۶۳۹)

عجمی کے عربی کے مطلقا کفوء نہ ہونے سے عالم عجمی کے استثناء پر دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ پہلی دلیل تو نص قرآنی ہے:

Marfat.com

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ (الزمر:۹)

یہ آیت مطلقا عالم کی افضلیت ومنقبت بیان کرتی ہے اسی طرح اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر جزوی فضیلت حاصل ہے اور وہ فضیلت علم کے اعتبار سے ہے۔

شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي رحمه الله: "ولذا قيل إن عائشة أفضل من فاطمة رضي الله عنهما ذكره القهستاني"

وقال ابن عابدين رحمه الله تحتها: قوله (ولذا قيل الخ) أي لكون شرف العلم أقوى قيل إن عائشة أفضل لكثرة علمه۔ الخ۔ (شامية ۹۳/۳)

اس کے علاوہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم کے عربیہ کے کفوء ہونے پر ایک انتہائی عمدہ دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسے عجمی اکابر بلکہ مقتدا وائمہ وقت کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ عربیہ کا کفوء ہی نہیں بعید از عقل ہی نہیں بداہۃً غلط ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت یہ ہے:

"ولم يفرق سبحانه بين القرشي وغيره في قوله { هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ } إلى آخر ما أطال به فراجعه فحيث كان شرف العلم أقوى من شرف النسب بدلالة الآية وتصريحهم بذلك اقتضى تقييد ما أطلقوه هنا اعتمادا على فهمه من محل آخر فلم يكن ما ذكره المشايخ مخالفا لظاهر الرواية وكيف يصح لأحد أن يقول إن مثل أبي حنيفة أو الحسن البصري رحمهما الله وغيرهما ممن ليس بعربي أنه لا يكون كفؤا لبنت قرشي جاهل أو لبنت عربي بوال على عقبيه فلا جرم إنه جزم بما قاله المشايخ صاحب المحيط وغيره كما علمت وارتضاه المحقق ابن الهمام وصاحب النهر وتبعهم الشارح فافهم والله سبحانه وتعالى أعلم"

(الشامية ۹۲/۳)

یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تنویر الابصار (جو کہ درمختار کا متن ہے) میں عالم کے بھی عربیہ کے کفوء نہ ہونے کا قول کیا گیا ہے۔ تنویر کی عبارت یوں ہے:

"العجمي لا يكون كفوءا للعربية ولو عالماً وهو الأصح" (التنوير المطبوع مع الشامية ۹۲/۳)

تنویر الابصار میں ظاہر الروایہ کو اپنے اطلاق پر ہی رکھا گیا ہے اور عجمی عالم کو بھی غیر کفوء قرار دیا گیا ہے۔ درمختار اور ردالمحتار کی تصریح کے مطابق تنویر الابصار میں ینابیع کی عبارت کو مدار بنایا گیا ہے اور ینابیع میں حسیب (شرف والے انسان) کو عربیہ کا کفوء قرار نہیں دیا گیا اور اسے اصح کہا ہے۔

بندہ عرض کرتا ہے کہ تنویر الابصار میں اس مسئلہ میں تسامح ہوا ہے یہ صحیح نہیں انہوں نے ینابیع میں ذکر حسیب (صاحب شرف)

Marfat.com

سے عالم مراد لے لیا جبکہ وہاں حسیب سے مراد عالم نہیں بلکہ ذوالجاہ والمنصب یعنی دنیوی عزت ومنصب والا انسان مثلاً بادشاہ وغیرہ مراد ہیں۔ یہ بات مسلّم ہے کہ عجمی چاہے جتنا بڑا ذوالمنصب، عزت ووجاہت والا ہو، بادشاہ ہو یا افسر وہ ایک عربیہ کا کفوء نہیں۔ ینابیع میں بھی حسیب کا لفظ اسی سیاق میں ذکر کیا گیا ہے اور اسے اصح قرار دیا ہے اور اگر حسیب کی تفسیر عالم سے کی جائے تو یہ بات درست نہیں کیونکہ فقہاء کے جم غفیر نے عالم کو عربیہ کا کفوء قرار دیا ہے۔ تنویر الابصار پر یہ استدراک درمختار، منحۃ الخالق، طحطاوی علی الدر اور شامیہ وغیرہ کتب میں کیا گیا ہے۔ شامیہ کی عبارت یہ ہے:

"والعالم الفقير يكون كفؤا للغني الجاهل والوجه فيه ظاهر لأن شرف العلم فوق شرف النسب فشرف المال أولى نعم الحسب قد يراد به المنصب والجاه كما فسره به في المحيط عن صدر الإسلام وهذا ليس كفؤا للعربية كما في الينابيع اه كلام النهر ملخصا أقول حيث كان ما في الينابيع من تصحيح عدم كفاءة الحسيب للعربية مبنيا على تفسير الحسيب بذي المنصب والجاه لم يصح ما ذكره المصنف من تصحيح عدم الكفاءة في العالم وعزوه في شرحه إلى الينابيع وذكر الخير الرملي عن مجمع الفتاوى العالم يكون كفؤا للعلوية لأن شرف الحسب أقوى من شرف النسب۔ الخ۔"

(الشامية ۹۲/۳)

الغرض خانیہ، محیط، خلاصہ، جوہرہ، بنایہ، تبیین، فتح القدیر، البحر الرائق، منحۃ الخالق، النہر الفائق، تاتارخانیہ، ہندیہ، طحطاوی، شامیہ وغیرہ معتبرات ومعتمد علیہا کتب میں ایک عجمی عالم کو عربیہ کا کفوء قرار دیا گیا ہے اور عجمی کے عربی کے کفوء نہ ہونے کے قول کو مطلق نہیں رکھا گیا لہذا یہی راجح اور صحیح ہے۔

یہاں تک تو ہم نے عالم کے عربیہ کے کفوء ہونے کو مع نصوص ونقول حنفیہ کے ثابت کیا ہے اب ہم اس پر بحث کریں گے کہ کیا یہ عالم مطلقا عربیہ کا کفوء ہے یا یہاں جاہل کی قید احترازی ہے اور عالم صرف جاہل عربی شخص کا کفوء ہوگا عالم کا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک بات ہم نے ضمناً جواب کی ابتداء میں بھی ذکر کی تھی اور وہ یہ کہ عالم کے کفوء ہونے کے سلسلے میں جامع لقاضیخان کی عبارت کو مدار بنایا گیا ہے، بنایہ، فتح القدیر، بحر، نہر، طحطاوی، شامیہ وغیرہ میں اس استثناء کا مدار قاضیخان کی جامع کی عبارت کو بنایا گیا ہے وہ عبارت یہ ہے:

"الحسيب يكون كفؤا للنسيب، فالعالم العجمي كفؤا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب" (شرح الجامع لقاضيخان ۶۳۹/۲)

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ عالم صرف جاہل عربی کا کفوء ہوگا عالم عربی کا نہیں کیونکہ عبارت میں الفاظ یہ ہیں:

"فالعالم العجمي كفؤا للجاهل العربي والعلوية"

ایک عجمی عالم جاہل عربیہ اور علویہ کا کفوء ہوگا اور جاہل کی قید کو احترازی لیا جائے تو یہ استدلال واضح ہے۔ بندہ عرض کرتا ہے کہ جاہل کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ ایک عالم مطلقا ہر انسان کا کفوء ہے خواہ وہ عربی عالم ہو یا عربی جاہل اس میں کوئی قید یا احتراز

Marfat.com

نہیں۔

راقم اگلی سطور میں متعدد دلائل سے ثابت کرے گا کہ جن کتب میں بھی ظاہر الروایہ یعنی عجمی کے مطلقاً عربی کے کفوء نہ ہونے سے عالم کی تخصیص کرتے وقت جاہل کی قید آئی ہے وہ اتفاقی ہے صرف ترقیاً وتنبیہاً ذکر ہے، فی الحال صرف اتنا ذکر کرنا مقصود ہے کہ جامع لقاضیخان کے مقابلے میں فتاوی قاضیخان میں جاہل کی قید نہیں، نیز محیط برہانی، مجمع الفتاوی، المفصل، ہندیہ اور التحریر المختار وغیرہ میں بھی جاہل کی قید نہیں نیز "الحسیب کفوء للنسیب"، کو عام ہی ہونا چاہیئے اس پر تفریع کرتے وقت " **فالعالم العجمی کفوء الجاھل العربی** " کہتے ہوئے جاہل کی قید کا احترازی ہونا محتاج دلیل اور متقاضی منشا فرق ہے اور اگر کوئی دلیل یا عالم اور جاہل عربی میں فرق کا کوئی منشاء اور وجہ نہ ہو (جیسا کہ ہے بھی نہیں) تو پھر اس قید کو قید اتفاقی ماننا ہی راجح ہے، کسی فقیہ نے بھی جاہل کی قید کی کوئی وجہ یا احترازی ہونا بیان نہیں کیا۔ جو نصوص تخصیص کے لئے پیش کئے ہیں وہ مطلق ہیں اور کتب فقہ میں جب علویہ کے ساتھ جاہلہ وغیرہ کی کوئی قید نہیں جو کہ عام عربیہ سے درجے میں افضل ہے لہذا ایک عالم جب علویہ کا مطلقاً کفوء ہے جو کہ اعلیٰ ہے تو پھر ایک عربیہ جو کہ علویہ سے ادنی ہے اس کا بدرجہ اولیٰ مطلقاً کفوء ہوگا اس میں تفریق درست نہیں اور جاہل کی قید کو اتفاقی ماننا پڑے گا۔ یہ اتفاقاً ذکر ہے اور مقصد تنبیہ اور ترقی ہے یعنی ایک عجمی عالم (بالخصوص ائمہ وقت مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) ایک جاہل عربی کا بھی اس وجہ سے کفوء نہ ہوگا کہ وہ جاہل عربی ہے یہ تو عالم کے علم کی تنقیص ہے لہذا عالم ہر عربی کا کفوء ہوگا...... یہ قید اسی سیاق میں ہے اور ہم واضح دلائل سے عنقریب ثابت کریں گے کہ یہ قید اتفاقی ہی ہے اسے احترازی نہیں کہا جا سکتا۔

اس قید کے اتفاقی ہونے کی درج ذیل وجوہ ہیں:

(۱) جامع قاضیخان جس پر اس تخصیص کا مدار ہے یعنی ظاہر الروایہ تو مطلقاً عجمی کے عربی کا کفوء نہ بننے کی ہے اس میں تخصیص کے لئے بحر، فتح، شامیہ وغیرہ کتب میں جامع قاضیخان کی عبارت کو مدار بنایا گیا ہے۔ جامع قاضیخان، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الصغیر کی شرح ہے اور اس میں عالم کی تخصیص کے وقت "**للجاھل العربی**" عربی میں جاہل کی قید ذکر ہے لیکن قاضیخان کی جانب سے زیادہ معتبر اور متداول ومطبوع کتاب "فتاوی قاضیخان" میں یہ عبارت مطلق ہے اس میں عربی وغیرہ کے ساتھ کہیں جاہل کی قید نہیں۔ فتاوی کی عبارت یہ ہے:

"الفقیہ یکون کفوء اللعلوی لأن شرف الحسب فوق شرف النسب"

(فتاوی قاضیخان ۱/۱۶۴)

اور یہ اصول ہے کہ فتاوی کی عبارت شرح پر راجح ہوتی ہے لہذا قاضیخان کے فتاوی میں عالم کی تخصیص مطلق ہے تو اسے عربی جاہل کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جائیگا اور جہاں بھی جاہل کی قید ہو اسے اتفاقی قرار دیا جائیگا۔

(۲) فتاوی قاضیخان کی طرح محیط برہانی، مجمع الفتاوی، المفصل، ہندیہ، التحریر المختار وغیرہ میں بھی عالم کی تخصیص مطلقاً ہے بلکہ المفصل میں یہاں تک ہے:

Marfat.com

"أرجح أيضا ماتقرر فی المذهب الحنفی من أن العالم العجمی کفوء للعربية بل للعلويه و الفاطمية لأن شرف العلم فوق شرف النسب"
(المفصل ۲۳۴/۶)

یہ اطلاق بھی اس پر دال ہے کہ جاہل کی قید جن کتب میں ہے اسے اتفاقی مانا جائے۔

(۳) المفصل کی اس عبارت سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ علویہ اور فاطمیہ عربی سے افضل ہیں نیز جن کتب میں عربیہ میں جاہل کی قید ذکر ہے وہاں راقم نے عرض کیا تھا کہ علویہ میں کوئی قید نہیں لہٰذا بداہۃ یہ نتیجہ منتج ہوتا ہے کہ عربیہ میں بھی کوئی قید نہ ہو کیونکہ جب ایک عجمی عالم، علویہ اور فاطمیہ وغیرہ اعلیٰ ترین عرب کا مطلقاً کفوء ہے تو پھر عام عرب کے کفوء ہونے میں عرب کے جاہل ہونے کی قید لگانا محل نظر ہے لہٰذا یہ قید اتفاقی ماننا پڑے گی۔

(۴) ظاہر الروایۃ تو مطلقاً "العجمی لا یکون کفوءا للعربية" کی ہے یعنی عجمی مطلقاً کفوء نہیں ہوتا لیکن اس سے عالم کی تخصیص دلائل کی بنیاد پر کی گئی ہے ان دلائل میں نص قرآنی "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت اور علت تخصیص یعنی "شرف الحسب اقوی من شرف النسب" (حسب کا شرف نسب کے شرف سے زیادہ قوی ہونا) وغیرہ دلائل سرفہرست ہیں جن کی بنیاد پر ظاہر الروایۃ کے اطلاق سے عجمی عالم کو خاص کیا گیا ہے یہ دلائل عام ہیں اور استنباط کے وقت کسی بھی فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ اس سے عالم کی تخصیص تو ہوگی لیکن صرف جاہل عربی کی حد تک باقی عالم عربی اس سے درجے میں زیادہ ہی ہے لہٰذا عجمی عالم، عربی عالم کا کفوء نہ ہوگا۔ نیز جب دلائل عام ہیں اور ان کی بنیاد پر عالم کو عرب کا کفوء قرار دیا جارہا ہے اور شرف علم کو یہ اعزاز بخشا جارہا ہے، چنانچہ اسے مطلقاً عرب کا کفوء قرار دینا ہی قرینِ قیاس ہے لہٰذا دلائلِ تخصیص کا عموم بھی جاہل کی قید کے اتفاقی ہونے پر دال ہے۔

(۵) "**شرف الحسب فوق شرف النسب**" یعنی علم کی شرافت و اعزاز کا نسب سے بڑھ کر ہونا، جو کہ عالم کی تخصیص کی وجہ ہے، یہ وجہ تب ہی کامل ہوگی جب ایک عالم، جاہل اور غیر جاہل عربی، دونوں کا کفوء ہو ورنہ صرف جاہل عربی کا کفوء بنانا عالم کی ایک گونہ تنقیص ہے نیز جن کتب میں "للجاهل العربي" کی قید ہے وہاں "العالم العجمي كفوء للجاهل العربي" وغیرہ عبارت اصل میں اس علتِ تخصیص "الحسيب كفوء للنسيب" پر ہی تفریع ہے۔ جامع قاضیخان کی عبارت یوں ہے:

"الحسيب يكون كفؤا للنسيب ، فالعالم العجمي كفوء للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب"
(شرح الجامع لقاضیخان ۶۳۹/۲)

بعد کی کتب میں جاہل کی قید جامع کے مدار پر ہی ہے اور اس تفریع کا مدار جس علت "**شرف العلم فوق الحسب والنسب ومكارم الاخلاق**" پر ہے وہ عموم کی متقاضی ہے اس میں جاہل اور غیر جاہل عربی میں فرق اس علت میں خلل ڈالے گا لہٰذا جاہل کی قید اتفاقی ہے۔

(۶) خلاصۃ الفتاوی، بزازیہ، شامیہ اور دیگر معتبرات میں اس مقام پر نسب کے علاوہ مال کے مسئلے کو بھی ذکر کیا گیا ہے اور

Marfat.com

اتفاق سے وہاں بھی جاہل کی قید ذکر ہے۔

بزازیہ کی عبارت یہ ہے:

"العجمي العالم كفء للعربي الجاهل لأن شرف العلم أقوى وأرفع وكذا العالم الفقير للغني الجاهل" (الفتاوى البزازية ١/١١٦)

یعنی جس طرح ایک عجمی عالم عربی کا کفوء ہوتا ہے اور عالم کا علم نسب میں کفاءت کو کالعدم کر دیتا ہے اسی طرح ایک فقیر عالم مالدار کا کفوء ہوگا اور عالم کا علم مالداری میں کفاءت کو کالعدم کر دے گا "والوجه فيه ظاهر لان شرف العلم فوق شرف النسب، فشرف المال اولى" (شامیۃ ۹۲ / ۳) علم کی شرافت نے جب نسب کی شرافت سے فوقیت حاصل کر لی تو مال کی شرافت اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اب یہاں عبارت میں "للغني الجاهل" مالدار میں جاہل کی قید ہے جس کو بظاہر قید احترازی لینے کی صورت میں مطلب یہ بنے گا کہ فقیر عالم جاہل مالدار کا تو کفوء ہوگا لیکن عالم مالدار کا کفوء نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ بداہۃً محل نظر ہے۔ گزشتہ پانچوں نکات بھی اس پر متوجہ ہوتے ہیں نیز عرب میں جاہل اور عالم کا فرق محلِ نظر تھا لیکن مالدار میں عالم اور جاہل کا فرق زیادہ قابل اشکال ہوگا۔ یوں کہنا کہ ایک عالم صرف جاہل مالدار کا کفوء ہوگا عالم مالدار کا نہیں یہ باعث اشکال ہے۔ لہٰذا مالداری میں عالم (باوجود فقیر ہونے کے) کی مطلق تخصیص (چاہے مالدار عالم ہو یا جاہل) کی جائیگی اور یہ مطلق تخصیص نسب میں بھی عرب کے مطلقا کفوء ہونے پر دال ہوگی اور جاہل کی قید کو اتفاقی قرار دیا جائیگا۔

(۷) ایک وجہ ظاہر الروایۃ سے اس عالم کی تخصیص کے مطلق ہونے کی یہ بھی ہے کہ اصلاً تو کوئی عجمی عربیہ کا کفوء نہیں البتہ عالم کی تخصیص مشائخ کے تفقہات ہیں، صاحب بحر فرماتے ہیں:

"فالعالم العجمي يكون كفؤا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب ومكارم الأخلاق وفي المحيط عن صدر الإسلام الحسيب الذي له جاه وحشمة ومنصب وفي الينابيع الأصح أنه ليس كفؤا للعلوية ـــ وكله تفقهات المشايخ وظاهر الرواية أن العجمي لا يكون كفؤا للعربية مطلقا" (البحر الرائق ۳/۲۳۰)

اور مشائخ نے دلائل کی بنیاد پر علم کے شرف کو نسب کے شرف سے افضل جانا لہٰذا عالم کی تخصیص کی گئی۔ یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ یہ تخصیص جاہل عربی کے کفوء ہونے کی حد تک قرار دی جائے اور عالم عربی کا کفوء نہ مانا جائے باقی جن کتب میں جاہل کی قید ہے وہ قید اتفاقی اور ظاہر الروایۃ سے تخصیص کے لئے استجاباً معلوم ہوتی ہے۔

(۸) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ کہ:

"وكيف يصح لأحد أن يقول إن مثل أبي حنيفة أو الحسن البصري وغيرهما ممن ليس بعربي أنه لا يكون كفؤا لبنت قرشي جاهل أو لبنت عربي بوال على عقبيه۔" (الشامیہ ۳/۹۳)

Marfat.com

اس میں "لبنت عربی بوال علی عقبیہ" (ایڑیوں کے بل پیشاب کرنے والے کی بیٹی) کے الفاظ اس طرف مشیر ہیں کہ عبارت میں جاہل کی قید عالم کے مقابلے میں نہیں بلکہ اس جاہل سے مراد گنوار دیہاتی اور اجڈ انسان ہے جو ایڑی کے بل پیشاب کرتا ہو اور یہ قید صرف ترقیانہ تنبیہ کے لئے ہے کہ کیا عجمی علماء اور ائمہ اتنے نچلے درجے میں ہوں گے کہ ایک عربی اجڈ دیہاتی کے بھی کفوء نہ بن سکیں؟ اس کا یہ مطلب لینا مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ ایک عالم صرف ''اجڈ دیہاتی'' کا ہی کفوء بنے گا باقی عالم عربی کا کفوء نہ ہوگا۔ گویا اس قید کی تشریح "لبنت قرشي جاهل أو لبنت عربي بوال علي عقبيه" سے کرنا اس طرف مشیر ہے کہ یہ جاہل عالم کے مقابلے میں نہیں اور نہ عالم سے احتراز مقصود ہے بلکہ استیجابا بطور استدلال کے ذکر ہے اور اتفاقی ہے۔

ان دلائل کثیرہ کی بنیاد پر یہ بات واضح ہوگئی کہ عجمی عالم عرب کا کفوء ہے اور اس کفوء ہونے میں عربی کے عالم یا جاہل ہونے کی کوئی قید نہیں باقی عجمی عالم مطلقاً عربیہ کا کفوء ہے صرف عربیہ کا ہی نہیں علویہ اور فاطمیہ کا بھی کفوء ہے اور مالدار سے مالدار شخص کا بھی ایک غریب عالم کفوء ہے گویا عالم کا علم نسب اور مال دونوں سے بڑھ کر ہے اور عالم کو علم کے بعد نسب یا مالداری کے نہ ہونے کی بنیاد پر غیر کفوء نہیں قرار دیا جائیگا "**لكون شرف العلم اقوى من جميع الاشراف...**"

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ یہی بات قرین عقل، موافق نصوص، قریب از علل اور استنباط وتفقہ سے نزدیک تر ہے اس میں کوئی فرق یا احتراز واستثناء بجائے علم کی شرافت کے تنقیص کا سبب بنے گا لہٰذا درج بالا کلام کی روشنی میں آپ کے دونوں سوالوں کے جواب واضح ہیں۔

(۱) عجمی عالم مطلقاً عربیہ کا کفوء ہے یہی راجح ہے تنویر اور دیگر کتب میں جہاں عالم کے لئے عرب کے کفوء نہ بننے کی تصریح ہے وہ محل نظر ہے اور متاخرین حنفیہ نے اس پر استدراک کیا ہے ان حضرات سے تسامح کیوں ہوا؟ اس پر تفصیلی کلام کر دیا گیا ہے۔

(۲) عجمی عالم مطلقاً عرب کا کفوء ہے چاہے عرب عالم ہو یا جاہل، ہر قسم کے عرب کا کفوء ہے۔ علوی خاندان سے ہو یا فاطمی اس میں کوئی استثناء نہیں اور کتب میں ذکر جاہل کی قید اتفاقی اور تنبیہاً ہے۔ اس سے عالم عربی سے احتراز مقصود نہیں۔

مختلف دلائل سے ہم نے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے مفصل کلام ہم نے تحریر کر دیا ہے اس پر نظر کرتے ہوئے ہر صاحب دانش فیصلہ کر سکتا ہے۔ باقی یہ مسئلہ ہذا میں ہماری ناقص رائے ہے جو طویل جستجو اور تحقیق کے بعد بنی ہے دیگر مفتیان کرام سے بھی مسئلہ ھذا میں رجوع کر لیا جائے۔

لما في المحيط البرهاني (۴/۲۷): والعالم يكون كفؤا للعلوية لأن للعالم شرف الكسب يعني به كسب العلم وللعلوية شرف النسب، وشرف الكسب أولى، وعن هذا قيل: إن عائشة أفضل من فاطمة رضي الله عنهما؛ لأن لعائشة شرف كسب العلم، قال عليه السلام: تأخذون ثلثي دينكم من عائشة ولفاطمة شرف النسب.

وفي فتح القدير (۳/۲۹۷): وفي الجامع لقاضيخان قالوا الحسيب يكون كفؤا للنسيب فالعالم

Marfat.com

العجمي كفء للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب ومكارم الأخلاق وفي المحيط عن صدر الإسلام الحسيب هو الذي له جاه وحشمة ومنصب وفي الينابيع والأصح أنه ليس كفؤاً للعلوية وأصل ما ذكره المشايخ من ذلك ما روى عن أبي يوسف أن الذي أسلم بنفسه أو أعتق إذا أحرز من الفضائل ما يقابل به نسب الآخر كان كفؤاً له ولا يعتبر بالبلاد۔

وفي البحر الرائق (٢٣٠/٣) وأفاد المصنف أن غير العربي لا يكافئ العربي وإن كان حسيبا أو عالما لكن ذكر قاضيخان في جامعه قالوا الحسيب يكون كفؤا للنسيب فالعالم العجمي يكون كفؤا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب ومكارم الأخلاق وفي المحيط عن صدر الإسلام الحسيب الذي له جاه وحشمة ومنصب وفي الينابيع الأصح أنه ليس كفؤا للعلوية وأصل ما ذكره المشايخ من ذلك ما روي عن أبي يوسف أن الذي أسلم بنفسه أو أعتق إذا أحرز من الفضائل ما يقابل نسب الآخر كان كفؤا له كذا في فتح القدير وكله تفقهات المشايخ وظاهر الرواية أن العجمي لا يكون كفؤا للعربية مطلقا۔

وفي الخانية(١٦٣/١): وقال الشيخ الإمام الزاهد فخر الإسلام علي بن محمد البزدوي رحمه الله تعالى الفقيه يكون كفؤاً للعلوية لأن شرف الحسب فوق شرف النسب۔

وفي الدر المختار(٩٢/٣):(العجمي لا يكون كفؤا للعربية ولو) كان العجمي (عالما) أو سلطانا (وهو الأصح) فتح عن الينابيع وادعى في البحر أنه ظاهر الرواية وأقره المصنف لكن في النهران فسّر الحسيب بذي المنصب والجاه فغير كفؤٍ للعلوية كما في الينابيع وإن بالعالم فكفء لأن شرف العلم فوق شرف النسب والمال كما جزم به البزازي وارتضاه الكمال وغيره والوجه فيه ظاهر ولذا قيل : إن عائشة أفضل من فاطمة رضي الله عنهما ذكره القهستاني۔

وفي الشامية(٩٢/٣)باب الكفاءة: قوله (لكن في النهر الخ) حيث قال ودل كلامه على أن غير العربي لا يكافئ العربي وإن كان حسيبا لكن في جامع قاضيخان قالوا الحسيب يكون كفؤا للنسيب فالعالم العجمي يكون كفؤا للجاهل العربي والعلوية لأن شرف العلم فوق شرف النسب وارتضاه في فتح القدير وجزم به البزازي وزاد والعالم الفقير يكون كفؤا للغني الجاهل والوجه فيه ظاهر لأن شرف العلم فوق شرف النسب فشرف المال أولى نعم

Marfat.com

الحسب قد يراد به المنصب والجاه كما فسره به في المحيط عن صدر الإسلام وهذا ليس كفؤا للعربية كما في الينابيع اه كلام النهر ملخصا.

أقول حيث كان ما في الينابيع من تصحيح عدم كفاءة الحسيب للعربية مبنيا على تفسير الحسيب بذي المنصب والجاه لم يصح ما ذكره المصنف من تصحيح عدم الكفاءة في العالم وعزوه في شرحه إلى الينابيع وذكر الخير الرملي عن مجمع الفتاوى العالم يكون كفؤا للعلوية لأن شرف الحسب أقوى من شرف النسب وعن هذا قيل إن عائشة أفضل من فاطمة رضى الله عنهما لأن لعائشة شرف العلم كذا في المحيط وذكر أيضا أنه جزم به في المحيط والبزازية والفيض وجامع الفتاوى وصاحب الدرر ثم نقل عبارة المصنف هنا ثم قال فتحرر أن فيه اختلافا ولكن حيث صح أن ظاهر الرواية أنه لا يكافئها فهو المذهب خصوصا وقد نص في الينابيع أنه الأصح اهـ.

أقول قد علمت أن ما صححه في الينابيع غير ما مشى عليه المصنف وأما ما ذكره من ظاهر الرواية فقد تبع فيه البحر وقول الشارح وادعى في البحر الخ يفيد أن كونه ظاهر الرواية مجرد دعوى لا دليل عليها سوى قولهم في المتون وغيرها والعرب أكفاء أي فلا يكافئهم غيرهم ولا يخفى أن هذا وإن كان ظاهره الإطلاق ولكن قيده المشايخ بغير العالم وكم له من نظير فإن شأن مشائخ المذهب إفادة قيود وشرائط لعبارات مطلقة استنباطا من قواعد كلية أو مسائل فرعية أو أدلة نقلية وهنا كذلك فقد ذكر في آخر الفتاوى الخيرية في قرشي جاهل تقدم في المجلس على عالم أنه يحرم عليه إذ كتب العلماء طافحة بتقدم العالم على القرشي ولم يفرق سبحانه بين القرشي وغيره في قوله { هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون } إلى آخر ما أطال به فراجعه فحيث كان شرف العلم أقوى من شرف النسب بدلالة الآية وتصريحهم بذلك اقتضى تقييد ما أطلقوه هنا اعتمادا على فهمه من محل آخر فلم يكن ما ذكره المشائخ مخالفا لظاهر الرواية وكيف يصح لأحد أن يقول إن مثل أبي حنيفة أو الحسن البصري وغيرهما ممن ليس بعربي أنه لا يكون كفؤا لبنت قرشي جاهل أو لبنت عربي بوال على عقبيه فلا جرم إنه جزم بما قاله المشائخ صاحب المحيط وغيره كما علمت وارتضاه المحقق ابن الهمام وصاحب النهر وتبعهم الشارح فافهم والله سبحانه وتعالى أعلم.

Marfat.com

(۵۳۲) عالم کون ہے؟ مسئلہ کفاءت میں ذکر عالم کے مصداق کا بیان

سؤال

مفتی صاحب! عالم سے شرعاً کیا مراد ہے؟ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عالم ہر شخص کا کفو ہوگا چاہے وہ عربی بھی ہو، اس عالم سے کیا مراد ہے؟ درس نظامی کا فاضل ہی عالم کہلائے گا؟ نیز اس عالم کی ضد میں جاہل سے کیا مراد ہے؟ اجڈ گنوار ہی جاہل کہلائے گا یا عصری تعلیم یافتہ بھی جاہل ہے؟ نیز اسلامیات میں ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کرنے والا کیا عالم نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مسئلے کو سمجھنے سے قبل مسئلے کا تاریخی پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔ خیر القرون سے لے کر بعد تک عالم کسے کہا جاتا تھا۔ ابتدائی ادوار میں چاہے انسان کتنا صاحب علم ہوا سے اس وقت تک عالم نہیں کہا جاتا تھا جب تک وہ علمِ دین کیلئے وقف نہ ہوا ہو۔ اسی طرح اس نے دین کا حصول کیا ہو اور پھر اسے پھیلا رہا ہو۔ اس وقت کے خلیفہ بھی انتہائی صاحب علم بلکہ مسائل پر دسترس کامل رکھتے تھے مثلاً ہارون الرشید وغیرہ کا علم اور تقویٰ آج بھی زبانِ زدِ عام ہے لیکن ہارون الرشید کو عالم نہیں کہا گیا کیونکہ وہ مستقل بنیاد پر علم کے ساتھ نہیں جڑا تھا بلکہ اصلاً خلیفہ تھا۔ اسی طرح ابتدائی قرون کے سائنسدان، انجینئرز، طبیب، قانون دان، تاجر، ملازمت پیشہ افراد ہر شخص علم میں بلند مقام اور قرآن وسنت پر بھی کافی دسترس رکھتا تھا مگر عالم نہیں کہلاتا تھا اگر عالم کہا جاتا تو امام مالک کو مدینہ کا عالم کہا جاتا تھا۔ اس طرح کے ائمہ جو اپنی زندگیاں وقف کر کے علم دین حاصل کرتے اور پھر اسے نشر کرتے عالم کہلاتے تھے جن کا اوڑھنا بچھونا یہ علم تھا لوگ دینی مسائل کیلئے ان علماء کی طرف ہی رجوع کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ آج بھی عوام مسائل دریافت کرنے دارالافتاء میں علماء کے پاس آتے ہیں اسلامیات میں ماسٹرز کرنے والوں کو نہ عالم کہتے ہیں اور نہ ان سے مسائل پوچھتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات امراء اور خلفاء کے بچے بھی درس میں شریک ہوتے تھے مگر کیونکہ وہ اپنے آپ کو وقف نہیں کرتے تھے لہذا انہیں عالم نہیں کہا جاتا تھا بلکہ وہ امورِ سلطنت میں لگ جاتے تھے۔

اس علمی وعملی توارث کو لے کر کہا جاسکتا ہے کہ عالم وہ ہے جو علم دین کے حصول کیلئے زندگی وقف کردے اور پھر اس علم کو پھیلانے میں لگ جائے اس کے ساتھ خشیت الٰہی اور عقیدہ وعمل میں پختگی بھی ضروری ہے۔ الغرض عالم کی کوئی لگی بندھی تعریف تو نہیں کی جاسکتی لیکن اس توارث کو لے کر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ عالم وہ شخص ہے جو علم دین کیلئے زندگی وقف کر چکا ہو نیز آج بھی عالم وہی کہلاتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ عالم کیلئے درسِ نظامی یا کسی خاص مسلک کی قید نہیں دنیا کے کسی گوشے میں بھی وہ لوگ جو اخلاص وتقویٰ کے ساتھ علم دین کے حصول کے لئے اپنی زندگیاں لگا چکے ہیں اور اسے پھیلا رہے ہیں وہ علماء ہیں چاہے وہ کسی مسلک سے متعلق ہوں۔ کسی کی تخصیص نہیں۔ فقط اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد اور علم دین سے پختہ وابستگی شرط ہے۔ نیز اسلامیات میں ماسٹرز یا پی

Marfat.com

ایچ ڈی کرنے سے کوئی شخص قطعاً عالم نہیں بن سکتا کیونکہ دین کے بنیادی علوم صرف ،نحو، منطق ، بلاغت ،ادب ،فقہ ،حدیث ،تفسیر اور بے شمار بنیادی علوم پر از حد دسترس کے بغیر کوئی شخص کیسے عالم کہلا سکتا ہے اور اسلامیات میں ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کا مطلب ہر شخص جانتا ہے کہ چند سال میں علوم دینیہ کے کسی خاص فن کے خاص حصے کو بھی بالاستیعاب نہیں پڑھا جاتا تو تمام علوم دینیہ ماسٹرز میں کہاں اخذ کئے جاسکتے ہیں نیز عرفِ عام میں بھی انہیں عالم نہیں کہا جاتا اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات نے زندگیاں اس مقصد کے لئے وقف نہیں کی ہوتیں بلکہ بوجوہ اسلام کے علوم کے کسی خاص گوشے پر بحث و تحقیق کرتے ہیں ۔ایسے لوگ اسکالرز وغیرہ کہلائے جاتے ہیں۔ علماء اور اسکالرز کا فرق آج بھی عوام جانتی ہے۔

درسِ نظامی کے کورس میں چونکہ ایک ترتیب سے دس سال سے زائد عرصے میں بچپن سے لے کر زندگی کے عین شباب تک پہنچنے پر علوم دینیہ میں ایک حد تک دسترس دے دی جاتی ہے لہٰذا درسِ نظامی کے فضلا بھی عالم کہلاتے ہیں ۔مدارس میں ہی عوام کیلئے دراسات دینیہ کے نام سے تین سال کا شارٹ کورس ہے یا اسی طرح بنین و بنات کے مختلف مختصر کورسز کرائے جاتے ہیں ان سب سے فارغ طلبہ کو عالم نہیں کہا جاتا اگرچہ علمِ دین کی مبادیات انہیں آجاتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ اولاً یہ لوگ دوسرے پیشوں سے متعلق ہوتے ہیں علم دین ضمناً حاصل کرتے ہیں اور مختصر عرصے میں سرسری طور پر بعض کتب پڑھتے ہیں لہٰذا انہیں قرآن وحدیث سے استفادے کی وہ صلاحیت حاصل نہیں ہو پاتی جو مطلوب ہے، چنانچہ انہیں عالم بھی نہیں کہا جاتا۔

بہرصورت یہ کوئی اتنا تفصیلی اور پیچیدہ مسئلہ نہیں کہ اس پر تفصیلی کلام کیا جائے خلاصہ بندے نے عرض کر دیا کہ عالم وہ ہے جو معتمد علماء سے اپنی زندگی لگا کر علم دین حاصل کرے اور پھر خود کو اس کے نشر کے لئے وقف کردے ۔نیز اس کے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کے متفقہ عقائد سے منحرف نہ ہوں جنہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "ما أنا عليه وأصحابي" سے بیان فرمایا ہے۔ یہی خیر القرون سے عالم کے بارے میں تعارف چلا آرہا ہے اور یہی توارث اب بھی باقی ہے یہی شخص عالم کہلاتا ہے اور یہی عالم ہر شخص حتیٰ کہ عربیہ کا بھی کفو ہے۔ اپنی صبح و شام، شب و روز کو علمِ دین میں اخلاص کے ساتھ لگا دینے اور اساتذہ کی جوتیاں سیدھی کرنے کے عوض اسے مختلف اعزاز قرآن وحدیث میں دیئے گئے ہیں۔ یہ عالم ہر عورت کا کفوء ہے، چاہے وہ عربیہ ہو یا عجمیۃ ، مالدار ہو یا غریب ، یہ شرف بھی اس عالم کیلئے بڑا اعزاز ہے۔

کچھ اسی پیرائے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر [علم کو بنیاد بناء کر] جزوی فضیلت دی گئی ہے جبکہ سیدنا فاطمہ بھی بڑی صاحبِ علم تھیں لیکن اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی علم حدیث وغیرہ کیلئے وقف کر دی تھی۔ بہر حال یہ کوئی معین افراد سے متعلق تفصیلات نہیں جو ان کا مصداق ہو وہ عالم ہے قابلِ احترام ہے۔ اس کے برخلاف عصری علوم کے ماہر کو جاہل اس طور پر تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ عالم بایں معنیٰ نہیں لیکن چونکہ علوم عصریہ میں وہ صاحبِ علم ہے اور مطلقاً ان پڑھ اور گنوار نہیں لہٰذا اسے جاہل نہ کہا جائے اس کے اپنے عہدے ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر وغیرہ سے پکارا جائے۔

لما فی القرآن الکریم (آل عمران :١٨) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا

Marfat.com

بِالْقِسْطِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

وفیه أیضاً(الفاطر:٢٨):إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ۔

وفیه أیضاً (العنكبوت:٤٩):بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۔

وفیه أیضاً(التوبة:١٢٢): وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔

وفی احیاء علوم الدين (١٦/١) كتاب العلم، الباب الاول (رشيدية):قال عليه الصلاة والسلام "أفضل الناس العالم الذى ان احتيج اليه نفع وان استغنى عنه أغنى نفسه"۔۔۔ أما أهل العلم فدلوا الناس على ما جاءت به الرسل۔۔۔اللفظ الثانى:العلم۔۔۔ ولكن ماورد من فضائل العلم أكثره فى العلماء بالله تعالى وبأحكامه وبأفعاله وصفاته وقد صار الآن مطلقاً على من لا يحيط من علوم الشرعى بشئ سوى رسوم جدلية فى مسائل خلافية فيعد بذلك من فحول العلماء مع جهله بالتفسير والاخبار و علم المذهب وغيره وصار ذلك سبباً مهلكاً لخلق كثير من أهل الطالب للعلم۔۔۔ وعنه صلى الله عليه وسلم أنه قال ''لا يكون المرء عالماً حتى يكون بعلمه عاملاً ۔۔۔ قال ابن مسعود رضى الله عنه: ليس العلم بكثرة الرواية انما العلم الخشية؛ وقال الحسن، تعلموا ماشئتم فوالله لايأجركم الله حتى تعملوا فان السفهاء همتهم الرواية والعلماء همتهم الرعاية۔

وفى الشامية (٣٥/١) مقدمة۔۔۔ فالشرعية علم التفسير والحديث والفقه والتوحيد ۔۔۔(قوله : والجاهلون) أي بالعلم الشرعي .فيشمل العالمين بغيره ، بل هم أشد عداوة لعلماء الدين من العوام۔۔۔ واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه وفرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غيره ۔۔۔ والنحو واللغة ۔۔۔ كل هذه آلة لعلم التفسير والحديث الخ۔

وفى الموسوعة الفقهية (٢٩١/٣٠):فمن العلوم التي تعلمها فرض عين تعلم ما يحتاجه الإنسان من علم الفقه والعقيدة ۔۔۔ وأما العلوم التي هي من فروض الكفاية ، فهي العلوم التي لا بد للناس منها في إقامة دينهم من العلوم الشرعية ، كحفظ القرآن والأحاديث،وعلومهما والأصول والفقه واللغة والتصريف ومعرفة رواة الحديث ، والإجماع ، والخلاف ۔۔۔ و العلوم المندوب هى التوسع الخ۔

Marfat.com

(۵۳۳) کیا نیم پاگل شخص کفوء ہے

سؤال

ایک آدمی جو کہ معتوہ یعنی بیوقوفوں والی حرکتیں کرتا ہے ایسے لڑکے نے دھوکہ سے ایک تعلیم یافتہ لڑکی سے نکاح کرلیا۔ اب لڑکی کے والدین اور خود وہ لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں تو کیا اب ان کو اختیار ہے کہ اس نکاح کو فسخ کردیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

لڑکی اور اس کے والدین کو بوقتِ عقد علم تھا کہ فلاں لڑکے سے عقد ہو رہا ہے لیکن لڑکے کے معتوہ ہونے کا علم نہ تھا جو کہ بعد از عقد ہوا ہے۔ اس صورت میں نہ لڑکی کو حق فسخ حاصل ہے اور نہ لڑکی کے والدین اس نکاح کو فسخ کرسکتے ہیں کیونکہ جب بوقتِ عقد لڑکی والوں نے لڑکے کو دیکھا ہوا ور عقد ہوجائے تو بعد از عقد لڑکے کے غیر کفوء نکلنے سے بھی حق فسخ نہیں ملتا۔ جیسا کہ شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي رحمه الله: "فلو نكحت رجلا ولم تعلم حاله فإذا هو عبد لا خيار لها بل للأولياء ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا لا خيار لأحد"

وفي الرد تحته: "قوله (فلو نكحت الخ) تفريع على قوله لا حقها وفيه أن التقصير جاء من قبلها حيث لم تبحث عن حاله كما جاء من قبلها وقبل الأولياء فيما لو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا رحمتي" (الشامية: ۳/۸۴)

علامہ حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں: ''اگر لڑکی از خود کسی مرد سے نکاح کرتی ہے اور وہ اس مرد کے بارے میں نہیں جانتی اور بعد میں پتہ چلے کہ وہ تو غلام ہے تو لڑکی کو فسخ کا اختیار نہیں البتہ اولیاء کو خیار فسخ ملے گا اور اگر اولیاء لڑکی کی رضامندی سے نکاح کردیں اور انہیں (بھی) کفوء یعنی ہمسر نہ ہونے کا علم نہ ہو اور پھر بعد از عقد پتہ چلے (کہ لڑکا تو کفوء نہیں) تو کسی ایک کو بھی خیار فسخ نہ ملے گا۔''

ردالمحتار میں ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ درمختار کے قول (فلو نکحت) کے تحت فرماتے ہیں: ''پہلی صورت میں کوتاہی لڑکی کی ہے کیونکہ اس نے لڑکے کی جانچ پڑتال نہیں کی جیسا کہ دوسری صورت میں کوتاہی لڑکی اور اس کے سرپرستوں دونوں کی ہے جبکہ وہ لڑکی کی رضامندی کے ساتھ غیر کفوء میں نکاح کردیں اور بعد میں (غیر کفوء ہونا) پتہ چلے۔''

درج بالا عبارت سے واضح ہوگیا کہ لڑکے کی جانچ پڑتال عقد سے قبل کرنا ضروری ہے بعد از عقد لڑکے کا غیر کفوء نکلنا بھی خیارِ فسخ نہیں دیتا اور ہمارے مسئلے میں تو لڑکا صرف معتوہ (بے وقوف یا کم عقل) نکلا ہے جو کہ کفاءت میں داخل ہی نہیں، درمختار میں عبارت ہے:

Marfat.com

"فلا عبرة بالبلد کما لا عبرة بالجمال خانية ولا بالعقل ولا بعيوب يفسخ بها البيع"

(الدر المختار ۲/۹۳)

"(کفاءت میں) شہر کا اعتبار نہیں جیسا کہ خوبصورتی کا اعتبار نہیں، خانیہ، اور اسی طرح عقل کا بھی اعتبار نہیں اور نہ ان عیوب کا اعتبار ہے جن سے بیع کو فسخ کیا جا سکتا ہے۔"

لہٰذا عقل وغیرہ تو کفوء میں داخل ہی نہیں تو بیوقوف نکلنے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ کسی ایک کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہ ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نکاح منعقد ہو چکا ہے اور اب لڑکی اور اس کے والدین کسی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں۔

لمافی الهندية (۱/۲۹۳): المرأة إذا زوجت نفسها من رجل ولم تشترط الكفاءة ولم تعلم أنه كفء أو غير كفء ثم علمت أنه غير كفء لا خيار لها ولكن للأولياء الخيار وإن كان الأولياء هم الذين باشروا عقد النكاح برضاها ولم يعلموا أنه كفء أو غير كفء فلا خيار لواحد منهما۔

(۵۳۴) سید لڑکی کا نکاح غیر سید سے اولیاء کی رضامندی کے ساتھ درست ہے

سوال

مفتی صاحب! سیدہ لڑکی کا نکاح غیر سید لڑکے سے جائز ہے اگر سیدہ لڑکی خود یہ نکاح کرلے تو کیا اسے منعقد سمجھا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

سیدہ لڑکی کا نکاح اگر کسی ایسے لڑکے سے ہوا جو سید تو اگرچہ نہیں لیکن ہاشمی علوی وغیرہ ہے تو یہ بھی سیدہ کا کفوء ہے اور یہ نکاح منعقد ہو جائیگا البتہ اگر لڑکا سیدہ کا کفو نہیں مثلاً عجمی ہے یا عرب قبائل سے نہیں تو اگر عقد سے قبل لڑکی کے اولیاء اس عقد پر راضی ہو جائیں تو یہ نکاح منعقد ہوگا ورنہ مفتی بہ قول کے مطابق کالعدم ہو جائے گا۔

لمافی سنن البیهقی فی فصل فی الکفاءة (۷/۱۳۳): عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاتنكحوا النساء الا الأكفاء، ولا يزوجهن الا الأولياء، ولامهردون عشرة دراهم"

وفی بدائع الصنائع (۳/۵۷۷): فصل وأما الثالث في بيان ما تعتبر فيه الكفاءة فما تعتبر فيه الكفاءة أشياء منها النسب والأصل فيه قول النبي صلى الله عليه وسلم قريش بعضهم أكفاء لبعض والعرب بعضهم أكفاء لبعض حي بحي۔

وفی الهندية (۱/۲۹۰): الكفاءة تعتبر في أشياء منها النسب فقريش بعضهم أكفاء لبعض كيف كانوا حتى أن القرشي الذي ليس بهاشمي يكون كفئا للهاشمي وغير القرشي من العرب لا يكون

Marfat.com

كفئا للقرشي۔

وفي الدرالمختار (۸۶/۳): (وتعتبر) الكفاءة للزوم النكاح خلافا لمالك (نسبا فقريش) بعضهم (أكفاء) بعض۔

وفي الرد تحته: قوله (بعضهم أكفاء بعض) أشار به إلى أنه لا تفاضل فيما بينهم من الهاشمي والنوفل والتيمي والعدوي وغيرهم۔

وفي الشامية (۸۴/۳): فإن حاصله أن المرأة إذ زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفء لا يلزم أو لا يصح۔

(۵۳۵) شراب نوش اور غیر قانونی اسلحہ رکھنے والا کفوء نہیں

سوال

ہماری فیملی بشمول ہماری بیٹی فاطمہ بنت محمد عباس ایف سی ایریا میں گزشتہ ۲ سال سے رہائش پذیر تھے۔ ابھی ایک ماہ قبل ناتھ کراچی میں شفٹ ہوئے ہیں۔ ہماری بیٹی کا پڑوس میں ایک لڑکے رضوان کے ساتھ کچھ پسند کا سلسلہ تھا بحیثیت والدین ہم نے اپنی بیٹی کو بہت سمجھایا کیونکہ لڑکا ٹھیک نہیں تھا تعلیم نہیں، روزگار نہیں، شراب نوشی، ڈکیتی، رہزنی اور غیر قانونی اسلحہ رکھنے میں ملوث ہے لہٰذا ہم اس رشتے کے سخت خلاف ہیں۔ یہ سلسلہ چار سال سے تھا اس دوران ہم نے اپنی بیٹی پر سخت پابندی عائد کردی وہ کہیں نہیں جاتی تھی۔ مار پیٹ پیار محبت سے اس کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔ چار ماہ قبل میری بیٹی فاطمہ نے اس لڑکے سے خفیہ نکاح کرلیا مگر ہمیں ابھی ایک ہفتہ پہلے پتہ چلا۔ نکاح کی پوزیشن کچھ واضح نہیں لڑکی کا کہنا ہے کہ میں نے گھر کے نیچے گاڑی میں بیٹھ کر ایک گواہ اور مولوی کے سامنے قبول کر کے دستخط اور انگوٹھا لگایا۔ یہ کام صرف پندرہ منٹ میں ہوا اور پھر لڑکی واپس اپنے گھر چلی گئی یاد رہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک گواہ اور مولوی گاڑی میں تھے۔ نکاح نامہ میں کسی کی NIC کا پی یا نمبر نہیں صرف دستخط تھے دوسری طرف لڑکے کا کہنا ہے کہ ہم چار ماہ قبل ۹ بجے صبح کورٹ گئے۔ وہاں ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح کر کے ڈیڑھ گھنٹے میں واپس لڑکی کو اس کے گھر چھوڑ دیا۔ والدین کا کہنا یہ ہے کہ ہماری لڑکی اکیلے گھر سے باہر کبھی گئی نہیں تو گاڑی میں نکاح کیسے ہوا۔

والدین قطعی نہیں چاہتے کہ اس لڑکے کے ساتھ کوئی رابطہ رکھا جائے مگر ہماری بیٹی کسی صورت نہیں مان رہی۔ لڑکا رخصتی کروانا چاہتا ہے مگر ہم نہیں چاہتے، اس مسئلہ کا حل کیا ہوگا؟ لڑکا اصلی نکاح نامہ بھی لے کر نہیں آرہا اور نہ ہی لڑکے کے والدین اس کی ذمہ داری لینے کو تیار ہیں۔ اس درخواست کے ساتھ نکاح نامہ کی فوٹو کاپی جو لڑکے نے یونٹ میں دی تھی وہ لگادی ہے۔ آپ مشورہ دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ وہ لڑکا صحیح کردار کا نہیں۔ چوری، رہزنی اور غیر قانونی کاموں میں ملوث ہے۔ ایسے میں ہم اپنی بیٹی کبھی اس کے حوالے نہیں

Marfat.com

کریں گے اور ایک مرتبہ ملاقات کیلئے شادی ہال میں لڑکا برقعہ پہن کر آیا تھا جو کہ موقع پر پکڑا گیا تھا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے حسن معاشرت کیلئے کچھ اصول وضوابط مقرر کیے ہیں۔ انسان کی معاشرتی زندگی میں نکاح ایک انتہائی اہم معاملہ ہے۔ جسکے صحیح ہونے کے لئے شریعت مطہرہ نے اصول وضوابط مقرر کیے ہیں اور نکاح کا صحیح ہونا ان اصول وضوابط پر موتوف ہے۔ ان میں سے ایک ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکی اپنے والدین کی اجازت ورضامندی کے بغیر غیر کفوء میں نکاح کرلے جو گھر والوں کے لئے عار کا باعث ہو تو اس صورت میں مفتیٰ بہ قول کے مطابق نکاح منعقد نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ فاطمہ بنت عباس کا اپنے والدین کی رضامندی کے بغیر سوال میں مذکورہ صفات کے حامل شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لمافی الشامیة (۳/۵۷):قوله (بعدم جوازه أصلا) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده بحر۔۔۔ قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل۔

وفی الشامية (۳/۸۸):فظاهر كلام الشارحين أن العبرة لصلاح أبيها وجدها فإنهم قالوا لا يكون الفاسق كفؤا لبنت الصالحين ۔۔۔وبعد أسطر:۔۔۔ قلت اقتصارهم بناء على أن صلاحها يعرف بصلاحهم لخفاء حال المرأة غالبا لا سيما الأبكار والصغائر اھ۔۔۔قلت والحاصل أن المفهوم من كلامهم اعتبار صلاح الكل وإن من اقتصر على صلاحها أو صلاح آبائها نظر إلى الغالب من أن صلاح الولد والوالد متلازمان فعلى هذا فالفاسق لا يكون كفؤا لصالحة بنت صالح بل يكون كفؤا لفاسقة بنت فاسق ۔۔۔ قوله (معلنا كان أو لا) أما إذا كان معلنا فظاهر وأما غير المعلن فهو بأن يشهد عليه أنه فعل كذا من المفسقات وهو لا يجهر به فيفرق بينهما بطلب الأولياء ط۔

(۵۳۶) مختلف فرقوں سے نکاح میں کفاءت کا حکم

سؤال

اہل حدیث (یعنی غیر مقلد جو ائمہ کو برا بھلا کہتے ہوں) کا نکاح سنی حنفی لڑکی سے جائز ہے یا نہیں؟ نیز دیوبندی لڑکی کا نکاح بریلوی لڑکے سے جائز ہے یا نہیں؟ یہ لوگ آپس میں کفوء ہیں یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملك الوهاب

عقیدہ کفریہ کے حامل سے کسی بھی مسلمان مرد/عورت کا نکاح درست نہیں البتہ اگر کوئی فسق وفجور میں مبتلا ہوتو اگر چہ (اپنے فسق کی وجہ سے) وہ گنہگار ہوگا لیکن نکاح درست ہوجائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر چہ غیر مقلدین جوائمہ کو برا بھلا کہتے ہیں، فاسق وفاجر کہلائیں گے، لیکن ان سے کسی دیوبندی، سنی کا نکاح درست ہوگا۔ اسی طرح بریلوی حضرات اگر چہ بدعت کی وجہ سے ظلمت وگمراہی میں مبتلا ہیں، لیکن ان سے، کسی بھی دیوبندی کا نکاح درست ہوگا، بشرطیکہ یہ لوگ کسی عقیدہ کفریہ کے قائل نہ ہوں البتہ ایسے رشتوں میں مودت ومحبت نہیں ہوتی، اس لئے اجتناب کیا جائے۔ نیز ائمہ واسلاف کو برا بھلا کہنے والے اور بدعات وخرافات کے مرتکب اشخاص ایک صالح اور صحیح العقیدہ لڑکی کے کفوء نہیں لہذا اگر لڑکی کے سرپرست یہ نکاح کرائیں تب تو نکاح منعقد ہوگا لیکن اگر لڑکی از خود، سرپرست کی رضا مندی کے بغیر ایسے شخص سے نکاح کرے تو وہ کالعدم ہے۔

لمافي القرآن الكريم (البقرة:٢٢١): وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ...الآية.

وفي صحيح البخاري (٧٦٢/٢): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك"

وفي الدرالمختار(٤٨٣/٥): (أو يظهر سب السلف) لظهور فسقه بخلاف من يخفيه لأنه فاسق مستور عيني قال المصنف وإنما قيدنا بالسلف تبعا لكلامهم وإلا فالأولى أن يقال سب مسلم لسقوط العدالة بسبب المسلم وإن لم يكن من السلف كما في السراج والنهاية وفيها الفرق بين السلف والخلف أن السلف الصالح الصدر الأول من التابعين منهم أبو حنيفة رضي الله تعالى عنه والخلف بالفتح من بعدهم في الخير وبالسكون في الشر بحر۔

وفي الشامية (٤٥/٣): وفي الفتح ويدخل في عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية وفي شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده اه--- وبعد أسطر: وأما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم لأن الحق عدم تكفير أهل القبلة وإن وقع إلزاما في المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومة بالضرورة من الدين مثل القائل بقدم العالم ونفي العلم بالجزئيات على ما صرح به المحققون۔

Marfat.com

(۵۳۷) کیا بریلوی لڑکا صحیح العقیدہ لڑکی کا کفوء ہے

سوال

مفتی صاحب درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) کیا بریلوی حضرات "ہری پگڑی والے" مشرک ہیں؟ اگر ہیں تو کس وجہ سے؟ تفصیل سے جواب دیں۔

(۲) کیا کسی ہری پگڑی والے لڑکے سے کسی دیوبندی عقیدے کی لڑکی کا نکاح جائز ہے اگر نہیں تو کیوں؟

(۳) کیا "عیدی دینا" ناجائز ہے، گناہ ہے؟ جبکہ بچے تو عیدی مانگتے ہیں اور عیدی دینا ایک خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔

محترم جلد از جلد ان سوالوں کے جواب دے کر ہمیں شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) واضح رہے کہ اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ مذکورہ جماعت بہت ساری بدعات کا مجموعہ ہے نیز ان کے بہت سے عقائد قرآن وحدیث سے متصادم ہیں۔ قرآن وحدیث میں اپنی مرضی سے غلط تاویلیں کر کے خود بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ اُن کے غلط عقائد اور بدعات عام ومشہور ہیں جن کا احاطہ کرنا اس مختصر تحریر میں مشکل ہے البتہ مذکورہ جماعت والے چونکہ قرآن وحدیث میں غلط تاویلیں کر کے غلط عقائد وبدعات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے مشرک اور کافر تو نہیں البتہ فاسق و فاجر اور بدعتی ہیں۔

(۲) نکاح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرد، عورت ایک دوسرے کے کفوء (برابر) بھی ہوں اور جیسا کہ اُوپر معلوم ہوا کہ بریلوی مسلک والا شخص فاسق اور بدعتی ہے اور فاسق آدمی صحیح العقیدہ نیک لڑکی کا کفوٴ (برابر) نہیں ہے۔ نیز کسی بریلوی سے صحیح العقیدہ نیک لڑکی کا نکاح کرنے سے لڑکی کے عقائد خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہے اس لئے اس سے بچا جائے تاہم اگر لڑکی کے اولیاء کسی بریلوی سے نکاح کرادیں تو مفاسد کے باوجود نکاح صحیح سمجھا جائے گا۔

(۳) بچوں کو عیدی دینا جائز ہے تاہم اگر اس سے بچوں کے اخلاق خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ بچوں کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں اور اُن کے اخلاق بھی خراب نہ ہوں۔

لما في الهندية (۱/۲۹۱): ومنها الديانة تعتبر الكفاءة في الديانة وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى وهو الصحيح كذا في الهداية فلا يكون الفاسق كفئا للصالحة كذا في المجمع سواء كان معلن الفسق أو لم يكن كذا في المحيط۔

Marfat.com

(۵۳۸) دونومسلم آپس میں کفوء ہیں

سؤال

ہمارے علاقے میں ایک برادری عیسائیوں کی رہتی تھی ان کے ایک لڑکے نے دل سے اسلام قبول کرلیا آیا دوسرے علاقے کی نومسلم ہندولڑکی سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے؟ کیا یہ کفوء کہلائیں گے؟ اور کیا ہمارے علاقے کی کسی مسلمان لڑکی سے اس لڑکے کا نکاح ہوسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ درمختار میں تحریر فرماتے ہیں:

" (و) أما في العجم فتعتبر (حرية وإسلاما) فمسلم بنفسه --- غير كفء لمن أبوها مسلم --- و من أبوه مسلم أو حر غير كفء لذات أبوين"

"اور عجم میں کفاءت کا اعتبار آزادی اور اسلام میں ہوگا پس خود اسلام قبول کرنے والا شخص ایسی لڑکی کا کفوء نہ ہوگا جس کا باپ مسلمان ہو...... اور ایسا شخص جس کا باپ مسلمان اور آزاد ہو (لیکن ماں مسلمان نہ ہو) ایسی لڑکی کا کفوء نہ ہوگا جس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں۔" (درمختار، ۳/۸۷)

عبارت بالا سے درج ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) عجم میں کفاءت کے اندر اسلام کا لحاظ کیا جائے گا لہٰذا جس کے صرف والد مسلمان ہوں وہ ایسی لڑکی کا کفوء نہیں جس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں اور ایسا شخص جو خود اسلام قبول کرے اور اس کے والدین بدستور غیر مسلم ہوں ایسی لڑکی کا کفوء نہیں جس کے والد مسلمان ہوں۔

(۲) اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونو مسلم آپس میں کفوء ہیں کیونکہ دونوں ہی خود اسلام لائے ہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں نومسلم عیسائی لڑکے کا نکاح نومسلم ہندو لڑکی سے جائز ہے یہ دونوں آپس میں کفوء شمار ہوں گے البتہ نومسلم عیسائی لڑکا آپ کے علاقے کے جدی پشتی مسلمان لڑکی کا کفوء نہیں، اولیاء اگر راضی ہوں تو نکاح کرایا جاسکتا ہے، وگرنہ نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لما في الهندية (۱/۲۹۰): ومنها إسلام الآباء من أسلم بنفسه وليس له أب في الإسلام لا يكون كفئا لمن له أب واحد في الإسلام كذا في فتاوى قاضي خان ومن له أب واحد في الإسلام لا يكون كفئا لمن له أبوان فصاعدا في الإسلام كذا في البدائع والذي أسلم بنفسه لا يكون

Marfat.com

كفئا للتي لها أبوان أو ثلاثة في الإسلام ويكون كفئا لمثله۔

(۵۳۹) کسی لڑکی کو اغواء کرکے نکاح کرنے کا حکم

سؤال

ایک شخص نے کسی بالغہ لڑکی کو اغوا کرکے دو گواہوں کی موجودگی میں مہر مقرر کرکے نکاح کرلیا ہے جبکہ یہ نکاح دونوں کے والدین ورشتہ داروں کی بدنامی کا باعث ہے نیز دونوں ہم کفو بھی نہیں آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح منعقد ہی نہیں اس لئے کہ غیر کفؤ میں اولیاء کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا ان کی بدنامی کا سبب ہے لہٰذا یہ نکاح کالعدم ہے۔

لمافي الهندية (۲۹۲/۱): المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفء صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وهو قول أبي يوسف رحمه الله تعالى آخرا وقول محمد رحمه الله تعالى آخرا أيضا حتى أن قبل التفريق يثبت فيه حكم الطلاق والظهار والإيلاء والتوارث وغير ذلك ولكن للأولياء حق الاعتراض وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أن النكاح لا ينعقد وبه أخذ كثير من مشايخنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط۔

(۵۴۰) نکاح کے لئے کن صفات کو ترجیح دینی چاہیئے؟

سؤال

ہمارے معاشرے میں یہ ایک عجیب وبا پھیل گئی ہے کہ لڑکے والے ایسی لڑکی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو خوبصورتی میں لاثانی ہو اور لڑکی والے ایسے لڑکے کی جستجو میں ہوتے ہیں جو خوب مال ودولت والا ہو۔ آپ ہماری یہ راہنمائی فرمائیں کہ شرعاً والدین پر کیسا رشتہ ڈھونڈنا لازم ہے اور انہیں لڑکی اور لڑکے کی کن صفات کو ترجیح دینی چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت میں مالداری کو شادی کا معیار نہیں بنایا گیا بلکہ دینداری کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگر حسب ونسب، مال ودولت اور

Marfat.com

دینداری سب چیزیں مل جائیں تو اس سے بہتر اور کیا ہوگا لیکن اگر حسب ونسب اور مالداری نہ ہو البتہ دینداری ہو تو دینداری کو ترجیح دینی چاہیئے جس سے دین ودنیا دونوں کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

لمافی البخاری (۲/۷۶۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك "

وفی الشامیة (۳/۸۹): ذكر شيخ الإسلام أن الفاسق لا يكون كفؤا للعدل عند أبي حنيفة وعن أبي يوسف ومحمد أن الذي يسكر إن كان يسر ذلك ولايخرج سكران كان كفؤا لامرأة صالحة من أهل البيوتات وإن كان يعلن ذلك فلا قيل وعليه الفتوى اه قلت والحاصل أن المفهوم من كلامهم اعتبار صلاح الكل وإن من اقتصر على صلاحها أو صلاح آبائها نظر إلى الغالب من أن صلاح الولد والوالد متلازمان فعلى هذا فالفاسق لا يكون كفؤا لصالحة بنت صالح بل يكون كفؤا لفاسقة بنت فاسق وكذا لفاسقة بنت صالح كما نقله في اليعقوبية۔

(۵۴۱) ایک بے دین پروفیسر دیندار لڑکی کا کفوء ہے یا نہیں؟

سؤال

ہمارے ایک عزیز (جن کا گھرانہ دیندار اور پابند شرع ہے) کی بیٹی نے کالج کے ایک پروفیسر (جو کہ بے دین اور تارک صوم وصلوۃ ہے) کے ساتھ عدالت میں جا کر کورٹ میرج کر لی۔ اب لڑکی کے والد کسی طرح بھی اس شادی پر راضی نہیں ہیں تو یہ شادی صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب کوئی عاقلہ بالغہ عورت والدین کی مرضی کے بغیر غیر کفوء میں نکاح کر لیتی ہے تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا اور ایک ایسا بے دین شخص جو نماز روزے کا اہتمام نہ کرتا ہو وہ ایک دیندار گھرانے کی لڑکی کا کفو نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں نکاح صحیح نہیں۔

لمافی الترمذی (۱/۲۰۶): عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له: يا علي ثلاث لا تؤخرها الصلاة إذا أتت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفؤا۔

وفی الدرالمختار (۳/۵۷): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)۔

Marfat.com

وفی الرد تحته: قوله (وهو المختار للفتوى) وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط كذا في تصحيح العلامة قاسم لأنه ليس كل ولي يحسن المرافعة والخصومة ولا كل قاض يعدل ولو أحسن الولي وعدل القاضي فقد يترك أنفة للتردد على أبواب الحكام واستثقالا لنفس الخصومات فيتقرر الضرر فكان منعه دفعا له فتح۔

وفی الدر المختار (۸۹/۳): (و) تعتبر في العرب والعجم (ديانة) أي تقوى فليس فاسق كفؤا لصالحة أو فاسقة بنت صالح معلنا كان أولا۔

(۵۴۲) باپ کا بچی کا نکاح پاگل سے کرادینے کا حکم

سؤال

ایک باپ نے اپنی شیر خوار کم سن یا نابالغہ بیٹی کا نکاح معذور پاگل، نشہ خور، گنوار، آوارہ، بیروزگار نوجوان سے کردیا ہے جبکہ بچی اور لڑکے کی عمر میں سات سے سولہ سال کی عمر تک کا تفاوت ہے۔ وہ اس لئے کہ درحقیقت باپ نے اپنے بھائی یا کسی رشتہ دار کی شادی کرنی تھی اور گھر آباد کرنا تھا، بطور وٹہ سٹہ باپ نے اس شادی کے بدلے اور عوض میں اپنی معصوم بیٹی کا نکاح کردیا تھا۔ والد نے نابالغہ بچی کے عوض رقم وصول کرلی ہے جس کا وہ خود بھی اقراری ہے اور اہل علاقہ اس پر گواہ ہیں۔

برادری نے باپ کو نابالغہ بچی کے نکاح کرنے پر مجبور کیا۔ باپ نے مجبور ہوکر برادری کے اصرار پر اپنی نابالغہ بچی کا نکاح کردیا جبکہ باپ اب تک انتہائی نادم اور پریشان ہے۔ باپ کم عقل، سادہ اور بھولا ہے جو شفقت پدری کے احساس سے محروم ہے۔ اس وقت دونوں خاندانوں میں دشمنی خوفناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ فوجداری مقدمات گرفتاریاں مارکٹائی اور ہر طرح کی انتقامی کارروائیاں پولیس اور کچہری کے ذریعے تاحال جاری ہیں۔ اب یہ نابالغہ بچی جوان اور بالغہ ہوچکی ہے۔ کسی صورت باپ کے نکاح کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں اور اس نکاح سے چھٹکارا چاہتی ہے۔ اس صورت میں باپ کا کیا ہوا نکاح شرعاً منعقد ہوا تھا یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں اگر منعقد ہوا تھا تو کیا اب خیارِ بلوغ یا تنسیخ کے لئے آپ کے دارالافتاء اور آپ علماء حق کوئی کردار ادا کریں گے؟ یا انگریزی دیوانی عدالتوں میں دولت، عزت اور ضیاع کے بعد کوئی آزادی میسر آسکے گی اور کوئی حل نکل سکے گا؟ خدارا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت اور دین رحمت کے تناظر میں فقیہانہ اور محدثانہ علم سے علمی اور فقہی مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی ناعاقبت اندیش باپ اپنی نابالغہ بچی کی شادی و بیاہ میں نابالغہ بچی کی مصلحت اور فائدہ کو نظرانداز کرتے ہوئے محض طمع زر کی خاطر نابالغہ بچی کا نکاح جان بوجھ کر غیر کفؤ (پاگل و فاسق وغیرہ) میں کردے تو وہ نکاح سرے سے ہوتا ہی نہیں اور ایسے باپ کو

Marfat.com

اصطلاح شرع میں معروف بسوء الاختیار (اپنے اختیار کا برا استعمال کرنے میں معروف شخص) کہا جاتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ چونکہ باپ نے جان بوجھ کر محض لالچ اور پیسوں کی خاطر نابالغہ بچی کا نکاح پاگل اور فاسق سے کیا ہے جو معصوم بچی کے حق میں سراسر نقصان اور ظلم ہے لہٰذا یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ لڑکی آزاد ہے دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے۔

لما في فتح القدير (۳/۳۰۲): لو كان الأب معروفا بسوء الاختيار مجانة وفسقا كان العقد باطلا على قول أبي حنيفة على الصحيح ومن زوج بنته الصغيرة القابلة للتخلق بالخير والشر ممن يعلم أنه شرير فاسق ظهر سوء اختياره ولأن ترك النظر هنا مقطوع به فلا يعارضه ظهور إرادة مصلحة تفوق ذلك نظرا إلى شفقة الأبوة۔

وفي الشامية (۳/۵۴): قوله (ما لم يكن متهتكا) ۔۔۔ وحاصله أن الفسق وإن كان لا يسلب الأهلية عندنا لكن إذا كان الأب متهتكا لا ينفذ تزويجه إلا بشرط المصلحة۔۔۔ وبه ظهر أن الفاسق المتهتك وهو بمعنى سيء الاختيار لا تسقط ولايته مطلقا لأنه لو زوج من كفء بمهر المثل صح۔

وفيه أيضاً (۳/۹۳): قوله (ليس بكفء للعاقلة) قال في النهر لأنه يفوت مقاصد النكاح فكان أشد من الفقر ودناءة الحرفة وينبغي اعتماده لأن الناس يعيرون بتزويج المجنون أكثر من ذي الحرفة الدنيئة۔

Marfat.com

باب فی المهر

(مہر کابیان)

(۵۴۳) نکاح کے وقت مہر کی تعیین صراحۃً کی جائے

سؤال

میرا نکاح کراچی میں سات سال قبل مساۃ رخسانہ سے اسلامی قوانین کے مطابق انجام پایا اور رخصتی بھی ہوئی تھی۔ میرے نکاح کا مہر شریعت کے مطابق پاکستانی سکہ رائج الوقت میں مہر شرعی دینا قرار پایا تھا۔ کچھ عرصے بعد میرے اور رخسانہ کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہونا شروع ہوگئیں لہٰذا مجبوراً میں دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں۔ برائے مہربانی مفتی صاحب سکہ رائج الوقت کے مطابق جو شرعی حق مہر بنتا ہو وہ تصدیق کر کے لکھدیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ میں نکاح کیلئے مہر مقرر کرنا ضروری ہے صرف یوں کہنا کہ "شریعت کے مطابق پاکستانی سکہ رائج الوقت میں مہر شرعی دوں گا" یہ کافی نہیں۔ اب اگر نکاح کے وقت الگ سے پاکستانی سکہ رائج الوقت کے مطابق روپوں کو متعین نہیں کیا گیا تو نکاح کے بعد حقِ زوجیت اداء کرنے یا خلوتِ صحیحہ (ایسی تنہائی جس میں ہمبستری سے کوئی مانع نہ ہو) کے پائے جانے کی صورت میں لڑکی کو مہر مثل ملتا ہے مہر مثل ایک حَکَم اور ثالث ہے جب مہر مقرر نہ کیا جائے تو پھر ضرورتاً مہر مثل لازم آتا ہے اور اس میں لڑکی کے ددھیال کی عورتوں (بہنوں، پھوپھیوں وغیرہ) کا اعتبار ہوتا ہے اور اگر مہر الگ سے متعین کیا ہو یا [بعض علاقوں میں مہر شرعی سے مہر فاطمی یا اقل مہر یعنی دس دراہم مراد ہوتے ہیں اور] آپ کے عرف میں [بھی] مہر فاطمی یا دس دراہم میں سے کوئی مراد ہوتی ہو تو ان کی قیمت مہر میں اداء کرنا لازم ہوگی۔ محقق قول کے مطابق مہر فاطمی کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور دس درہم کی مقدار 2.625 تولہ چاندی ہے۔ اگر مہر کو مہر فاطمی یا اقل مہر کی مقدار کی صورت میں اداء کیا جائے تو اس دن کے چاندی کے ریٹ معلوم کر کے مہر اداء کر دیا جائے۔

الغرض بہتر اور آسان صورت یہ ہے کہ بوقتِ نکاح مہر کی مقدار روپوں میں بھی متعین کر دی جائے اس طرح مبہم مہر رکھ دینا بعد میں مشکلات پیدا کرتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں "شرعی حق مہر" سے مراد اگر مہر فاطمی (ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی) یا دس دراہم

Marfat.com

(2.625 تولہ چاندی) مراد ہوتو ان کی قیمت یا اگر بوقت عقد الگ سے مہر متعین کیا ہوتو پھر فقط اسی کو اداء کرنا ہوگا اور اگر بوقت عقد نہ مہر متعین ہوا ورنہ ہی شرعی حق مہر سے مہر فاطمی یا اقل مہر مراد لیا جاتا ہوتو پھر مہر مثل لڑکی کو ملے گا۔

لما في القرآن الكريم: (النساء:۲۴): فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً.

وفي القدوري (ص۲۱۵): وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها أو مات عنها۔

وفي الشامية (۱۰۸/۳): قوله (فيما إذا لم يسم مهرا) أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه نهر فدخل فيه ما لو سمى غير مال كخمر ونحوه أو مجهول الجنس كدابة وثوب۔

(۵۴۴) علاقہ والوں کا مہر کی حد مقرر کرنے کا حکم

سؤال

ہمارے علاقے میں پورا گاؤں مہر کی رقم کی زیادتی سے پریشان تھا اس لئے با اثر حضرات نے بیٹھ کر یہ مقرر کیا کہ گاؤں میں کسی لڑکی کی شادی اب 20 ہزار مہر سے زیادہ پر نہ ہوگی کیا اس طرح قانون بنانا درست ہے اور کیا شریعت میں مہر کی مقدار متعین ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر شرعاً عورت کا حق ہے۔ عورت کی رضامندی سے طے کیا جانا چاہیئے۔ شرعاً مہر کی کم از کم مقدار 2.625 تولہ چاندی (یا اس کی رقم) مقرر و متعین ہے لیکن زیادہ کی کوئی حد نہیں جتنا مہر مقرر کرنا چاہیں مقرر کر سکتے ہیں البتہ بعض علاقوں میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ جس سے معاشرہ متاثر ہو رہا ہے مثلاً لاکھوں میں مہر متعین کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے درج ذیل مفاسد پیدا ہوتے ہیں:

۱)......لڑکے اتنے با استطاعت نہیں ہوتے لہٰذا وہ شادیاں نہیں کر پاتے۔

۲)......لڑکیاں بن بیاہی گھروں پر اپنے بال سفید کر لیتی ہیں لیکن اتنا مالدار لڑکا میسر نہیں آپاتا جو وہ مہر ادا کرے اور جب لڑکے لڑکیوں کی شادیاں بلوغ کے بعد مؤخر ہوں تو احادیث میں وارد ہوا ہے کہ زمین میں فساد عظیم برپا ہوتا ہے۔

۳)......مہر کی ادائیگی کیلئے لڑکے یا اس کے باپ وغیرہ کو سودی قرضے لینا پڑتے ہیں۔

۴)......مہر عورت کا حق ہونے کے بجائے اس کی قیمت بن جاتا ہے جس کے سبب لڑکے والے غلط رویہ اختیار کرتے ہیں اور جہیز میں بھی زیادتی کا مطالبہ سامنے آتا ہے۔

۵)......عموماً اتنا مہر اداء نہیں ہو پاتا اور لڑکا یہ بار اپنے سر لے کر قبر میں چلا جاتا ہے یا اپنی عزت نفس مجروح کر کے لڑکی سے اسے معاف کراتا ہے۔

Marfat.com

نیز دیگر بھی بہت سے مفاسد ہیں جن کے باعث شریعت میں مہر کی زیادتی ممدوح نہیں اور بعض احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم مہر والی عورت کا زیادہ بابرکت ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! عورتوں کے مہر کی رقموں میں زیادتی نہ کرو کیونکہ اگر مہر کی رقم کا زیادہ ہونا کوئی کرامت یا شرافت ہوتا تو ازواج مطہرات اور بنات طیبات اس کی زیادہ مستحق تھیں (جبکہ ان مقدس اور معزز خواتین کا مہر زیادہ نہ تھا) لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر گاؤں والے مل کر کوئی ایسا قانون بناتے ہیں جس میں مہر کی متوسط مقدار مقرر کردیں (وہ مقدار اتنی کم بھی نہ ہو کہ شرفاء کو اپنی بچی بیاہتے ہوئے عار ہو اور اتنی زیادہ بھی نہ ہو کہ غرباء عاجز ہوجائیں) اور اس مقدار کو معیار بنالیا جائے یعنی کوئی اس سے زیادتی نہ کرے البتہ اگر بوقت ضرورت جانبین کی رضامندی سے اس معیار سے کم پر عقد طے ہوتو اس میں کوئی حرج نہ سمجھا جائے تو امید ہے ہر لڑکی بھی بخوشی راضی ہوجائے گی اور یہ اقدام معاشرے میں اچھے اثرات مرتب کرے گا نیز شادیاں آسان ہوجائیں گی اس لئے تمام گاؤں والوں کو چاہیئے کہ اس قانون پر عمل کریں اور خواہ مخواہ اپنی وجہ سے تمام گاؤں والوں کو حرج میں نہ ڈالیں۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔

وفی الهندية (۱/۳۱۳): وإن حطت عن مهرها صح الحط كذا في الهداية ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح ومن أن تكون مريضة مرض الموت هكذا في البحر الرائق۔

وفی الشامية (۳/۱۱۳): مطلب في حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف على إجازتها ولا بد من رضاها۔

(۵۴۵) مہر مثل کیا ہے؟

سؤال

ایک عورت کی شادی ہوئی نکاح کے وقت مہر متعین نہیں کیا گیا، بعد میں وہ کس طرح کا مہر لینے کی مستحق ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر شادی کے وقت مہر متعین نہ کیا گیا ہوتو اس عورت کو مہر مثل دیا جائے گا اور مہر مثل میں اس کے والد کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا نہ کہ والدہ کے خاندان کا مثلاً حقیقی یا باپ شریک بہن، پھوپھی، چچازاد بہن جبکہ وہ عورت اس لڑکی کی ہم پلہ ہو مثلاً عمر، حسن، شہر، زمانے، عقل، دیانت، کنوارا پن، علم اور ادب وغیرہ میں ہمسر ہو، اگر برابر کی عورت اس خاندان میں نہ ہو تو وہ عورت جو ان اوصاف میں

Marfat.com

اس عورت کے ساتھ برابر ہو اُس کا اعتبار ہوگا۔

لمافی الهندية (۱/۳۰۴): وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها۔

وفيه أيضا (۱/۳۰۶): ومهر مثلها يعتبر بقوم أبيها إذا استويا سنا وجمالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة وكذا يشترط أن تستويا في العلم والأدب وكمال الخلق وأن لا يكون لها ولد كذا في التبيين ---- وقوم أبيها أخواتها لأبيها وأمها أو لأبيها وعماتها وبنات عمها---- فإن لم يوجد فمن الأجانب من قبيلة هي مثل قبيلة أبيها كذا في التبيين۔

وفی الدر المختار (۳/۱۰۸): (وكذا يجب) مهر المثل (فيما إذا لم يسم) مهرا۔

وفی الرد تحته: قوله (فيما إذا لم يسم مهرا) أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه نهر۔

وفی الدرالمختار(۳/۱۳۷): (و) الحرة (مهر مثلها) الشرعي (مهر مثلها) اللغوي أي مهر امرأة تماثلها (من قوم أبيها) لا أمها إن لم تكن من قومه كبنت عمه وفي الخلاصة ويعتبر بأخواتها وعماتها فإن لم يكن فبنت الشقيقة وبنت العم انتهى ----وتعتبر المماثلة في الأوصاف (وقت العقد سنّا وجمالا ومالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة وثيوبة وعفة وعلما وأدبا وكمال خلق) وعدم ولد۔

(۵۴۶) مہر مثل کب واجب ہوتا ہے؟

سؤال

مہر مثل کب دیا جاتا ہے اور کن وجوہات کی بناء پر مہر مثل واجب ہوتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر مثل مندرجہ ذیل صورتوں میں واجب ہوجاتا ہے:

۱)......اگر کوئی نکاح کرتے وقت مہر کو مقرر نہ کرے۔

۲)......یا مہر کی عدم ادائیگی کی شرط لگائے۔

۳)......یا ایسی چیز کو مہر مقرر کیا جائے جو مال متقوم نہ ہو جیسے شراب خنزیر وغیرہ۔

۴)......یا کسی ایسی چیز کو مہر مقرر کرے جس کی جنس مجہول ہو مثلاً کپڑا دوں گا، جانور دوں گا۔

Marfat.com

نیز مہر مثل ہو یا مہر مسمی تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے پائے جانے کے بعد اس کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے:

۱)......دخول

۲)......خلوت صحیحہ (نکاح کے بعد زوجین کا کسی ایسی جگہ اکٹھا ہونا جہاں وطی سے کوئی مانع نہ ہو۔)

۳)......زوجین میں سے کسی ایک کا مرجانا۔

لمافی بدائع الصنائع (۴۸۴/۲): ویجوز النکاح بدون المهر حتی أن من تزوج امرأة ولم یسم لها مهرا بأن سکت عن ذکر المهر أو تزوجها علی أن لا مهر لها ورضیت المرأة بذلك یجب مهر المثل بنفس العقد عندنا حتی یثبت لها ولایة المطالبة بالتسلیم ولو ماتت المرأة قبل الدخول یؤخذ مهر المثل من الزوج ولو مات الزوج قبل الدخول تستحق مهر المثل من ترکته۔

وفیه أیضاً (۵۲۰/۲): فصل وأما بیان ما یتأکد به المهر فالمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت أحد الزوجین سواء کان مسمی أو مهر المثل حتی لا یسقط شيء منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق۔

وفی الخانیة (۱۶۳/۱): (باب في ذکر مسائل المهر) المهر لا یکون إلا من مال متقوم فإن سمی مالاً مجهول الجنس بأن تزوج امرأة علی دابة أو ثوب کان لها مهر المثل بالغاً ما بلغ لأن التسمیة لم تصح وکذا لو تزوجها علی دار ولم یبین موضع الدار۔

وفی الشامیة (۱۳۷/۳): ثم اعلم أن اعتبار مهر المثل المذکور حکم کل نکاح صحیح لا تسمیة فیه أصلا أو سمی فیه ما هو مجهول أو ما لا یحل شرعا وحکم کل نکاح فاسد بعد الوطء سمي فیه مهر أو لا۔

(۵۴۷) مہر مثل کیا ہے؟

سؤال

لڑکی کا مہر اگر نکاح کے وقت طے نہ کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ مہر مثل دیا جائے گا لیکن یہ مہر مثل کیا ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ پھوپھی کا مہر مطلب ہے یعنی باپ کی بہن اور مہر مثل میں اعتبار باپ کا ہوتا ہے اور دوسرے صاحب کا کہنا ہے کہ بہن کا اعتبار ہوگا۔ برائے مہربانی تفصیل فرمادیں اور اس بات کا جواب بھی دیدیں کہ پھوپھی کا اعتبار ہو تو ان کا نکاح تو عموماً ۱۵ سال قبل ہوا ہوتا ہے اور اس وقت مہر ۱۰ ہزار آج کے ۲۵ ہزار بنتے ہیں تو پھر کیا کیا جائے گا؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ جب کسی لڑکی کیلئے عقد نکاح کے وقت مہر طے نہ کیا جائے تو اس کو مہر مثل دیا جائے گا اور مہر مثل میں باپ کی طرف سے رشتہ داروں کا اعتبار ہوگا، مثلاً لڑکی کی بہن، پھوپھی، پھوپھی زاد بہن، چچازاد بہن وغیرہ اور ماں کی طرف کے رشتہ داروں کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً خالہ، خالہ زاد اور ماموں زاد لڑکیاں وغیرہ۔

لیکن فقہاء کرام نے دونوں عورتوں کے آٹھ اوصاف میں مشترک ہونے کو شرط قرار دیا ہے۔ مال، جمال، دین، عمر، عقل، زمانہ، شہر، بکارت، ثیبہ ہونے میں دونوں کا برابر ہونا، جبکہ بعض فقہاء نے پندرہ اوصاف ذکر کئے ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں مہر مثل لڑکی کی بہن کا معتبر ہوگا البتہ پھوپھی کا اعتبار تب ہوگا جب پھوپھی میں بھی یہ اوصاف پائے جائیں، یعنی دونوں ہم عمر ہوں، دونوں کا زمانہ ایک ہو، دونوں کا شہر ایک ہو، وغیرہ، ورنہ اگر دونوں کا شہر جدا ہو یا زمانہ دونوں کا الگ الگ ہو جس طرح کہ سوال میں مذکور ہے تو پھر اگرچہ پھوپھی باپ کی جانب سے رشتہ دار ہے لیکن مہر مثل میں پھر اس پھوپھی کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ زمانے اور شہر کے اختلاف کی بنا پر مہر مثل کی قیمت میں کمی بیشی کا پایا جانا ظاہر ہے۔

لمافی الشامية (۱۳۸/۳) باب المهر: قوله (سنا) أراد به الصغر أو الكبر بحر ومثله في غاية البيان وظاهره أنه ليس المراد تحديد السن بالعدد كعشرين سنة مثلا بل مطلق الصغر أو الكبر فيما لا يعتبر فيه التفاوت عرفا فبنت عشرين مثل بنت ثلاثين ولذا قال في المعراج لأن مهر المثل يختلف باختلاف هذه الأوصاف ـــ قوله (وبلدا وعصرا) فلو كانت من قوم أبيها لكن اختلف مكانهما أو زمانهما لا يعتبر بمهرها لأن البلدين تختلف عادة أهلهما في غلاء المهر ورخصه فلو زوجت في غير البلد الذي زوج فيه أقاربها لا تعتبر بمهورهن فتح ومثله في كافي الحاكم الذي هو جمع كتب محمد حيث قال ولا ينظر إلى نسائها إذا كن من غير أهل بلدها لأن مهور البلدان مختلفة اهـ ومقتضى هذا أنه لا بد من اعتبار الزمان والمكان وإن قلنا بالاكتفاء ببعض هذه الصفات على ما يأتي فافهم۔

(۵۴۸) نکاح فاسد میں عورت کیلئے مہر کا حکم

سوال

اگر مرد و عورت کے درمیان نکاح فاسد ہوا ہو تو کیا عورت کے لئے مرد پر مہر لازم ہے یا نہیں اور کن صورتوں میں لازم ہے اور کن صورتوں میں نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ مدلل جواب دیجئے۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

اگرکسی مرد وعورت کے درمیان نکاح فاسد ہوگیا ہوتو عورت کیلئے مرد پر دخول سے پہلے مہر واجب نہیں ہے اور دخول کے بعد مہر مثل اور مقرر کردہ مہر میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے۔

لمافی الھندیة (۱/۲۷۷): ولو علم القاضي بذلك يفرق بينهما فإن فارقها قبل الدخول لا يثبت شيء من الأحكام وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل وعليها العدة۔

وفی الشامية(۲/۱۳۲): مطلب في النكاح الفاسد قوله (في نكاح فاسد) وحكم الدخول في النكاح الموقوف كالدخول في الفاسد فيسقط الحد ويثبت النسب ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل۔

(۵۴۹) حلالہ کے نکاح میں بھی مہر لازم ہے

سؤال

مفتی صاحب! حلالہ کی صورت میں بھی کیا نکاح کیلئے مہر کا ذکر کرنا یا متعین کرنا ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو جب پہلی مرتبہ نکاح کر کے مہر لیا ہے اب دوبارہ نکاح (چاہے پہلے شوہر کے ساتھ ہو یا اس دوسرے شوہر کے ساتھ ہو) کی صورت میں بھی مہر ملے گا؟ اور اگر ضروری نہیں تو کیا حلالہ کیلئے جو نکاح کیا جاتا ہے اس کے وہی احکامات نہیں ہوتے جو دوسرے نکاح کے ہوتے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح کے احکامات وہی ہیں جو دوسرے نکاح کے ہیں چنانچہ عام نکاح میں چونکہ تعیینِ مہر اور ذکرِ مہر عقد کرتے وقت ضروری نہیں اور اس کے متعین نہ کرنے سے نکاح کے منعقد ہونے میں کچھ فرق نہیں پڑتا تو اسی طرح حلالہ کیلئے کئے گئے نکاح میں بھی عدمِ تعیینِ مہر اور عدمِ ذکر سے نکاح کے منعقد ہونے میں کچھ فرق نہیں آئے گا لیکن چونکہ مہر تو دینا لازم ہے اس لئے اگر عقد کرتے وقت مہر مقرر کیا ہے تو وہی مہر مسمی ادا کرنا لازم ہے ورنہ مہرِ مثل دینا ہوگا۔

لمافی اعلاء السنن (۱۱/۲۳۹): وقال من ذهب الى صحة نكاح المحلل: ان الله تعالىٰ قال "فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" وهذا زوج قد عقد بمهر وولي ورضاها عن الموانع الشرعية وهو راغب في ردها الى زوجها الأول فيدخل في حديث ابن عباس رضي الله عنهما : ان رسول الله ﷺ قال: لا الا نكاح رغبة وهذا نكاح رغبة في تحليلها للمسلم۔

Marfat.com

وفی الدرالمختار(۳/۴۰۹): (لا) ینکح (مطلقة) من نکاح صحیح نافذکما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتین لو أمة) --- (حتی یطأها غیره ولو) الغیر (مراهقا) یجامع مثله وقدره شیخ الإسلام بعشر سنین --- (بنکاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف فلو نکحها عبد بلا إذن سیده ووطئها قبل الإجازة لا یحلها حتی یطأها بعدها۔

وفی الفقه الاسلامی (۹/۶۵۸۸): الزواج الصحیح النافذ تترتب علیه جمیع آثاره من الحقوق الزوجیة کالمهر ونفقة الزوجة --- أي أنه تثبت أحکام ستة بمجرد عقد الزواج الصحیح: وهي وجوب المهر، واستحقاق النفقة الزوجیة۔

(۵۵۰) مہر فاطمی کی صحیح مقدار اور مروجہ کرنسی میں اس کا ریٹ

سؤال

مہر فاطمی کتنا تھا ہم نے سنا ہے کہ مہر فاطمی ۱۳۱ تولہ چاندی تھا جس کے حساب سے آجکل (جبکہ چاندی تقریباً 800 روپے تولہ ہے) مہر فاطمی کی رقم ایک لاکھ پانچ ہزار تک بنتی ہے لیکن ہم نے ایک معتبر عالم دین سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آجکل مہر فاطمی کی رقم ۷۰ ہزار بنتی ہے۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) مہر فاطمی کتنا تھا (چاندی کے اعتبار سے) کیا مہر فاطمی کی تعیین میں اختلاف ہے؟

(۲) آجکل ایک تولہ چاندی جبکہ آٹھ سو روپے سے زیادہ رقم کی ہے تو مہر فاطمی کتنا بنے گا؟ محقق قول عنایت فرمائیں۔

(۳) ان عالم دین نے جو ستر ہزار کی رقم بتائی، کیا وہ صحیح ہے؟

(۴) براہِ کرم جس تاریخ کا چاندی کا ریٹ آپ جواب میں لکھیں وہ تاریخ بھی درج کردیں۔ ہم نے جو ریٹ لکھے ہیں وہ نومبر 2013 کے شروع کے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

مہر فاطمی کی تحدید و تعیین میں روایات کے اختلاف کی وجہ سے اگرچہ علماء کا اختلاف ہے لیکن زیادہ راجح اور محقق قول کے مطابق مہر فاطمی 500 دراہم تھا اور 500 دراہم ایک سو اکتیس تولہ اور تین ماشہ ہوتے ہیں اور تین ماشہ تولہ کا چوتھائی حصہ (۱/۴) ہوتا ہے تو گویا مہر فاطمی [131.25] تولہ چاندی ہوا[1]۔ چاندی کی قیمت آئے دن مارکیٹ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اس لئے کسی خاص دن کی قیمت لکھ

---

[1] مزید تفصیلات کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی نمبر 552 ”شرعِ محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟“ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب

Marfat.com

دینے سے غلط فہمی ہوسکتی ہے لہذا آپ خود صرافہ مارکیٹ سے معلوم کرسکتے ہیں اور ان عالم دین نے ہوسکتا ہے پہلے کسی دن کی قیمت کے اعتبار سے بتایا ہو اور اس وقت قیمت کم ہو۔

لما فی ابی داؤد کتاب النکاح باب الصداق (۲۸۷/۱): عن أبي العجفاء السلمي قال خطبنا عمر رضی الله عنه فقال ألا لا تغالوا بصدق النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها النبي صلى الله عليه وسلم ما أصدق رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة من نسائه ولا أصدقت امرأة من بناته أكثر من ثنتي عشرة أوقية.

وفي مسلم (۴۵۸/۱) وأبي داود كتاب النكاح (۲۸۷/۱): واللفظ لأبي داود:عن أبي سلمة قال سألت عائشة رضى الله عنها عن صداق النبي صلى الله عليه وسلم قالت اثنتا عشرة أوقية ونش. فقلت وما نش قالت نصف أوقية.

وفي مرقاة المفاتيح (۳۲۹/۶):باب الصداق: ولا أنكح أي زوج شيئا من بناته على أكثر أي مقدارا أكثر من اثنتي عشرة أوقية وهي أربعمائة وثمانون درهما --- ثم ذكر السيد جمال الدين المحدث في روضة الأحباب أن صداق فاطمة رضي الله عنها كان أربعمائة مثقال فضة وكذا ذكره صاحب المواهب ولفظه أن النبي قال لعلي إن الله عز وجل أمرني أن أزوجك فاطمة على أربعمائة مثقال فضة والجمع أن عشرة دراهم سبعة مثاقيل مع عدم اعتبار الكسور۔

وفي أنوار المحمود على سنن أبي داود(۲۵/۲): ومهر البنات الطاهرات خمسمائة درهم (مائة وإحدى وثلاثون تولجه وثلث ماشه)۔

وفي حاشية المشكوة (ص۲۷۷)باب الصداق:مهر أزواج مطهرات وجمله صاحبزاديان ۵۰۰ درهم۔

(۵۵۱) مہر فاطمی سے متعلق ایک اشکال کا ازالہ

سؤال

مفتی صاحب! (مشکوۃ ۲ / ۱۷۷) پر روایت ہے کہ عورتوں کا مہر نہ بڑھاؤ کیونکہ اگر یہ اکرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کے زیادہ اہل تھے۔ میں نے جب یہ روایت سنی تو مجھے کچھ تذبذب ہوا کہ یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

Marfat.com

اور دختر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مہر پانچ سو درہم تھے جو کہ میری معلومات کی حد تک آج کل کے تقریباً ڈیڑھ لاکھ بنتے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں فرمایا کہ آپ کی ازواج کا مہر کم تھا اور زیادہ مہر رکھنا اگر فضیلت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے جبکہ آج کل عام نکاح تیس ہزار مہر پر ہوتے ہیں جس کے مقابلے میں ڈیڑھ لاکھ جو کہ مہر فاطمی کی رقم بنتی ہے یہ تو بہت زیادہ بلکہ کئی گنا ہے؟ اس کی تشریح فرما دیں۔ بظاہر جو تضاد معلوم ہو رہا ہے اس کا رفع فرما دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جواب سے پہلے بطور تمہید چند باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) ازواج مطہرات اور بنات طیبات کا مہر پانچ سو درہم تھا جس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی بنتی ہے (تین ماشہ، ایک تولہ کا چوتھائی ۴/۱ حصہ ہوتا ہے) گویا مہر فاطمی (131.25) تولہ چاندی ہوا۔ اس باب میں راجح قول یہی ہے [1]۔

(۲) چاندی کا ریٹ مارکیٹ میں کم، زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ کوئی بھی خاص ریٹ لکھنا پورے مہر فاطمی کی مقدار میں اشتباہ کا سبب بن سکتا ہے لیکن چونکہ جواب کا مدار اس پر ہے اس لئے (مارچ 2014ء) کے چاندی ریٹ کے حساب سے مہر فاطمی کی رقم تحریر کی جارہی ہے (مارچ 2014ء) میں چاندی فی تولہ تقریباً آٹھ سو روپے ہے لہذا ایک تولہ چاندی کی رقم اگر آٹھ سو روپے ہو تو مہر فاطمی کی رقم ایک لاکھ پانچ ہزار بنتی ہے۔ یاد رہے کہ چاندی کا ریٹ کم، زیادہ ہونے سے مہر فاطمی کی کل رقم بھی کم زیادہ ہوگی۔ اصل مدار ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ (131.25) چاندی پر ہے چاہے اس کی رقم جو بھی بنے۔

(۳) یہاں تک کی بحث اگر سمجھ میں آگئی تو اگلی بات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مطلب سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اصل مدار ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی پر ہے۔ باقی جس کرنسی سے اس کا حساب لگایا جائے اس اعتبار سے فرق ہوگا۔ پاکستانی روپیہ عالمی مارکیٹ میں کم قوت رکھتا ہے جبکہ مارچ 2014ء میں ایک ڈالر تقریباً ایک سو روپے کے برابر ہے، لہذا ایک تولہ چاندی اگر آج روپے میں آٹھ سو روپے کی ہے یہی ایک تولہ چاندی آج ڈالر میں خریدی جائے تو آٹھ ڈالر میں آجائے گی اور مہر فاطمی (131.25) تولہ چاندی، تقریباً ایک ہزار پچاس ڈالر میں آئیگی۔ یعنی وہی مہر فاطمی جو مارچ 2014ء میں ایک لاکھ سے زائد روپوں کی بقدر ہے وہی اسی مارچ میں تقریباً ہزار ڈالر کے بقدر ہے، لہذا مہر فاطمی کے طور پر ایک ہزار پچاس ڈالر بھی دے دیئے جائیں تو مہر فاطمی مسنون اداء ہو جائیگا۔ اسی طرح یورو اور دیگر کرنسیاں حساب لگائی جاسکتی ہیں۔ گویا کہ اس وقت مہر فاطمی کے پانچ سو درہم پانچ سو روپے ہی تھے۔ ان کیلئے اس کی اہمیت ہمارے پانچ سو روپے سے زیادہ نہ تھی تب ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ ہی چار سو اسی درہم میں بیچ کر انتظام کرلیا تھا۔ اب وہ زرہ ظاہر ہے کہ لاکھوں کی نہ تھی بلکہ ان کے پانچ سو درہم ہمارے پانچ سو روپے کی طرح تھے۔ جب روپے کی قوت خرید زیادہ تھی تب ایک وقت ایسا بھی تھا کہ مہر فاطمی کے ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی بتیس روپے میں آجاتی تھی جیسا

---

[1] مزید تفصیلات کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی نمبر 552 ''شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟'' کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ از مرتب

Marfat.com

کہ آج کل بعض لوگ اس مغالطے میں رہتے ہیں کہ مہر فاطمی بتیس روپے ہے، یہ غلط نظریہ ہے۔ایک وقت میں ایسا تھا لیکن اب مہر فاطمی ایک لاکھ سے زائد کا ہے۔یعنی اصل مدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی پر ہے، اسکی قیمت چاہے جتنی بنے۔

بندہ ایک بار پھر عرض کردے کہ چاندی، روپے، ڈالر یا کسی بھی چیز کی جو قیمت فتوی میں درج کی گئی ہے وہ رواں سال مارچ 2014ء کی ہے اسے حتمی نہ سمجھا جائے۔حتمی صرف ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ مہر فاطمی کی مقدار ہے۔باقی سب میں اتار چڑھاؤ، روزانہ کا معمول ہے۔

(۴) دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج سکہ دینار تھا جو قوت میں درہم سے کہیں زیادہ تھا ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی تقریبا پینتالیس دینار کے بقدر ہے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مہر فاطمی اور دیگر ازواج کا مہر صرف پینتالیس دینار کے قریب تھا۔آج کل کے ڈالر وغیرہ کے اعتبار سے تقریبا ہزار ڈالر کے قریب جو کہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے بلکہ انتہائی معمولی رقم ہے۔اسی لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مہر کی رقم زیادہ نہ کرو اگر یہ شرف ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ اہل تھے۔اسی بنیاد پر ابتدائی قرون میں (جب مسلمانوں پر فتوحات ہو چکی تھیں) چالیس ہزار درہم پر بھی نکاح ہوئے ہیں۔چالیس ہزار درہم، مہر فاطمی کے پانچ سو درہم سے اسی گنا زیادہ ہیں۔اس مقدار کو زیادہ شمار کیا جاسکتا ہے جو کہ آج کل کے روپوں کے اعتبار سے تقریبا ایک کروڑ بنتے ہیں لیکن مہر فاطمی وغیرہ کی رقم ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ کو زیادہ سمجھنا درست نہیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف زرہ بیچ کر اداء کردی تھی۔

(۵) روپیہ کی قوت کم ہونے کی بنیاد پر اگرچہ پاکستان میں یہ رقم ایک لاکھ سے اوپر بنتی ہے لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد اور اس دور کے پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور تو کچھ اشکال نہیں ہوتا لیکن ہمارے ہاں یہ رقم بہرحال زیادہ تصور کی جاتی ہے جسکی وجہ روپے کی قوت کم ہونا ہے اس کا کیا حل ہو؟؟؟

اس کا جواب آسان ہے کہ مہر فاطمی کوئی واجب یا فرض نہیں لہذا اپنی حیثیت کے بقدر کم سے کم مہر مقرر کیا جائے تاکہ معاشرے میں نکاح آسان ہو اور مہر کی رقم کا بار نکاح کی قلت یا نکاح سے عدول کا سبب نہ بنے۔آج بھی بعض مسلم ممالک میں مہر کی رقم زیادہ رکھنے کے پرزور رواج نے وہاں عورتوں کے نکاح میں کمی واقع کی ہے، جس کے برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔جو شخص صاحب حیثیت ہو یا کسی وقت روپے کی قوت اتنی ہو جائے کہ کم روپوں میں ایک سو اکتیس تولہ، تین ماشہ چاندی آجائے تو پھر مہر فاطمی ہی مہر رکھا جائے ورنہ حسب حیثیت کم مہر رکھا جاسکتا ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چار سو اسی درہم میں اپنی زرہ فروخت کر کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر اداء کیا تھا، اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت چاندی یا درہم کی حیثیت کیا تھی کہ ایک زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت ہوگئی اور مہر ادا کر دیا گیا۔امید ہے اتنی وضاحت کے بعد سوال میں موجود شکوک کا ازالہ ہو گیا ہوگا۔

لما في سنن ابي داؤد (۱/۲۸۷) باب الصداق : عن أبي العجفاء السلمي قال خطبنا عمر رضي الله عنه فقال ألا لا تغالوا بصدق النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها النبي صلى الله عليه وسلم ما أصدق رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة من نسائه ولا

Marfat.com

أصدقت امرأة من بناته أكثر من ثنتى عشرة أوقية.

وفى المسلم (۱/۴۵۸): عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه قال سألت عائشة رضى الله عنها زوج النبى صلى الله عليه وسلم كم كان صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت كان صداقه لأزواجه ثنتى عشرة أوقية ونشا. قالت أتدرى ما النش قال قلت لا. قالت نصف أوقية. فتلك خمسمائة درهم فهذا صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم لأزواجه.

وفى التعليق المحمود (۱/۲۸۷): وكان مهر فاطمة رضى الله عنها أربع مائة مثقال من فضة وهو يكون فوق خمس مائة درهم بشيئ يسير۔

وفى أنوار المحمود على سنن ابي داؤد (۲/۲۵): ومهر بنات الطاهرات خمسمائة درهم (مائة واحدى وثلاثون تولجة وثلث ماشه)۔

وفى حاشية المشكوة (۲/۲۷۷): مهر أزواج مطهرات وجمله صاحبزاديان ۵۰۰ درهم است۔

وفى مرقاة المفاتيح (۶/۲۴۶): فإن قلت: نهيه عن المغالاة مخالف لقوله تعالى وآتيتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا (النساء) قلت: النص يدل على الجواز لا على الأفضلية والكلام فيها لا فيه لكن ورد في بعض الروايات أنه قال لا تزيدوا في مهور النساء على أربعين أوقية فمن زاد ألقيت الزيادة في بيت المال فقالت امرأة ما ذاك لك قال ولم قلت لأن الله يقول وآتيتم إحداهن قنطارا فقال عمر رضي الله عنه امرأة أصابت ورجل أخطأ۔

وفى الشامية (۲/۲۹۶): قوله (والدينار) أي الذي هو المثقال كما في الزيلعي وغيره قال في الفتح و الظاهر أن المثقال اسم للمقدار المقدر به والدينار اسم للمقدر به بقيد ذهبيته اهـ وحاصله أن الدينار اسم للقطعة من الذهب المضروبة المقدرة بالمثقال فاتحادهما من حيث الوزن۔

(۵۵۲) شرعِ محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! میری شادی آج سے ۴۵ سال قبل ہوئی نکاح میں ساس نے مہر شرعی محمدی لکھوایا تھا۔ ان کا خیال ساڑھے بتیس روپے تھا۔ میں اپنی بیوی کا مہر نہیں دے سکا ہوں۔ اب دینا چاہتا ہوں۔ آپ حضرات راہنمائی فرمائیں مجھے کتنا مہر دینا ہوگا نیز شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہوتا ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

شرع محمدی سے عموماً مہر فاطمی مراد ہوتا ہے جس کی مقدار حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ نے جواہر الفقہ (۱/۴۲۴) پر ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی [یعنی 131.25 تولہ چاندی، کیونکہ ایک تولہ میں 12 ماشہ ہوتے ہیں] بیان کی ہے۔ اگر آپ نے شرعِ محمدی مہر رکھا ہو، اور اس وقت شرعِ محمدی سے مہر فاطمی ہی مراد لیا جاتا ہو تو آپ کو ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی یا اس کی رقم بطورِ مہر دینا ہوگی۔ 32 روپے دینا جائز نہیں۔

دوسرے بعض علاقوں میں شرع محمدی سے مراد مہر کی کم از کم مقدار یعنی دس دراہم (جو کہ 2.625 تولہ چاندی[1] کے بقدر ہوتے ہیں) مراد ہوتی ہے اگر اس معنی میں شرعِ محمدی مہر رکھوایا ہو تو آپ کو 2.625 تولہ چاندی یا اس کے بقدر رقم بیوی کو بطورِ مہر دینا ہوگی۔

لہٰذا آپ کی شادی کے وقت اگر مہر کی کم از کم مقدار یعنی 2.625 تولہ چاندی کی رقم ساڑھے بتیس روپے بنتے ہوں تو ابھی ادائیگی کے وقت 2.625 تولہ چاندی یا اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی اور اگر آپ کے عرف میں ساڑھے بتیس روپے کو ہی مطلقاً شرعِ محمدی کہا جاتا ہو تو یہ عرف درست نہیں کیونکہ شرعِ محمدی میں یا تو مہر فاطمی سنت ہے یا دس درہم اقل مہر ہے اس کے علاوہ کوئی مقدار شریعت

---

[1] کیونکہ ایک درہم 25.2 رتی کے برابر ہوتا ہے اور ایک ماشے میں آٹھ رتیاں ہوتی ہیں لہٰذا ایک درہم میں 3.15 ماشے ہوں گے۔

25.2 (ایک درہم میں رتی)÷8 (ایک ماشہ میں رتی)=3.15 (ایک درہم میں ماشے)

اور ایک تولہ بارہ ماشے کا ہوتا ہے لہٰذا ایک درہم 0.2625 تولے کا ہوگا۔

3.15 (ایک درہم میں ماشے)÷12 (ایک تولہ میں ماشے)=0.2625 (ایک درہم میں تولہ)

اسے 10 سے ضرب دیا تو معلوم ہوا کہ دس دراہم 2.625 تولے کے ہوتے ہیں۔

0.2625 (ایک درہم میں تولہ)×10 (دراہم)=2.625 (دس دراہم میں تولے)

گویا مہر کی کم از کم مقدار 2.625 تولہ چاندی (دس دراہم) ہے۔ اسی طرح مہر فاطمی کی مقدار بھی معلوم کی جا سکتی ہے مہر فاطمی راجح قول کے مطابق 500 دراہم تھا لہٰذا ایک درہم میں تولہ کی جو مقدار (0.2625) نکلی ہے اسے 500 سے ضرب دیا تو معلوم ہوا کہ مہر فاطمی (131.25 تولہ چاندی) تھا۔

0.2625 (ایک درہم میں تولہ)×500 (دراہم)=131.25 (500 دراہم میں تولے)

اوزان کی مزید تفصیلات اور تمام متعلقات کو جاننے کیلئے نجم الفتاوی، جلد ثالث، کتاب الزکوۃ "فصل فی المسائل المتفرقۃ" کے ذیل میں ذکر مسائل ملاحظہ ہوں۔ اوزان کی مکمل و مدلل تفصیلات اس مقام پر کر دی گئی ہیں۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

میں متعین نہیں اس صورت میں بھی دس درہم کی قیمت مہر دینا ہوگی۔

نیز اگر آپ اس وقت مہر میں ساڑھے بتیس روپے کی صراحت کردیتے اور یہ ساڑھے بتیس روپے اس وقت کے مہر کی کم ازکم مقدار یعنی 2.625 تولہ چاندی کی رقم کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتے تو آپ کو اب بھی ساڑھے بتیس روپے ہی دینا ہوتے لیکن آپ نے صرف شرع محمدی لکھا ہے لہٰذا آپ کو مہر فاطمی یا مہر کی کم ازکم مقدار (جو بھی اس وقت عرفاً مراد ہو) کا مہر دینا ضروری ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بہتر صورت مہر رکھنے کی یہ ہے کہ اس طرح مبہم مہر رکھنے کے بجائے وضاحت کے ساتھ اس کی رقم بھی مستقل طے کرلی جائے یا سونا چاندی وغیرہ کو تولوں کے حساب سے معین کرکے مہر مقرر کرلیا جائے تاکہ بعد میں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آج کل مہر کی کم ازکم مقدار (2.625 تولہ چاندی) کا نرخ 32 روپے سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا آپ کیلئے 2.625 تولہ چاندی کی موجودہ رقم سے کم کا مہر میں اداء کرنا جائز نہیں۔

لمافی اعلاء السنن(ص۸۱): عن جابر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ قال: ولا مهر أقل من عشرة۔

وفی جامع الترمذی (۱/۲۱۱): عن أبي العجفاء السلمي قال قال عمر بن الخطاب ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من ثنتي عشرة أوقية.

(۵۵۳) نکاح کے بعد زوجین کا آپس میں مہر متعین کرنا

سوال

زوجین کے درمیان عقدِ نکاح میں مہر مقرر نہیں ہوا اور نہ کسی نے عقدِ نکاح میں اس کا ذکر کیا اور نکاح کے بعد بیوی مطالبہ کرتی ہے کہ مجھے صرف پچیس ہزار روپے دیدو تو کیا اس طرح مہر مقرر کرنا نکاح کے بعد درست ہے؟ اور اگر مذکورہ رقم مہر مثل سے زیادہ ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ برائے کرم قرآن وسنت کی رو سے جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر بوقت عقدِ نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو تو شرعاً مہر مثل کے ساتھ نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور عقد نکاح کے بعد اگر زوجین اتفاق رائے سے کوئی مقدار مقرر کرنا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے البتہ اگر مقدار کی تعیین میں زوجین کا اختلاف ہوجائے تو مہرِ مثل کو معیار وفیصل بنایا جائے گا لہٰذا صورت مسئولہ میں جب بوقت عقد مہر مقرر نہیں ہوا تو اب اگر بیوی پچیس ہزار کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ رقم اگر مہر مثل

Marfat.com

کے برابر یا اس سے کم ہے تو شوہر کے ذمہ ادا کرنا لازم ہے اور اگر مہر مثل سے زائد ہے تو شوہر کی رضامندی پر موقوف ہوگا، خوشی سے دیدے تو ٹھیک ہے ورنہ فقط مہر مثل ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔

وفی البحرالرائق (۳/۲۶۰): باب المھر: قوله (وما فرض بعد العقد أو زيد لا يتنصف) أي بالطلاق قبل الدخول أما ما فرض بعد العقد فلأن هذا الفرض تعيين للواجب بالعقد وهو مهر المثل بدليل أنه لا شفعة للشفيع لو فرض لها دارا بعد العقد بخلاف ما لو دفع لها الدار بدلا عن المسمى في العقد فإن له الشفعة لأنه بيع بدليل أنها لو طلقت قبل الدخول ترد نصف المسمى لا نصف الدار وذلك لا يتنصف فكذا ما نزل منزلته۔

وفی الشامیة (۳/۱۰۸): قوله (إذا لم يتراضيا) أي بعد العقد قوله (وإلا) بأن تراضيا على شيء فهو الواجب بالوطء أو الموت۔

وفیه أیضاً(۳/۱۳۷): مطلب فی بیان مھر المثل: قلت وتظهر الثمرة فيما لو ساوتها أختها وبنت عمها مثلا في الصفات المذكورة واختلف مهراهما فعلى ما في الخلاصة تعتبر الأخت۔

(۵۵۴) مہر اور دیگر گفٹ عورت کا حق ہیں

سوال

میرے ایک بھائی کا انتقال ہوا۔ مرحوم کی اہلیہ کے پاس ایک جہیز کا سامان ہے اور دوسرا وہ ہے جو اس کے مرحوم شوہر نے کچھ استعمال کیلئے لا کر دیا تھا اور کچھ سامان ہمارے گھر والوں نے دیا تھا اسی طرح مہر بھی دیا گیا تھا تو اب مندرجہ بالا سامانوں کا کیا کیا جائے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مرحوم کی اہلیہ (بیوہ) کے پاس جو جہیز ہے اور دیگر سامان جو کہ آپ (سسرال والوں) نے اور جو مرحوم نے بطور مہر دیا تھا وہ سب اس کا ہوگا۔ اگر وہ اپنے ساتھ یہ سب لے جانا چاہے تو چونکہ یہ اس کا حق ہے لہٰذا لے جاسکتی ہے اور اگر اپنی رضامندی سے سب یا کچھ سامان اپنے سسرال میں چھوڑ کر جانا چاہتی ہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ مگر طیب نفس کا ضرور خیال رکھا جائے نیز یہ کہ مرحوم نے جو سامان گھر میں استعمال کیلئے لا کر دیا تھا اور بوقت انتقال مرحوم کی ملکیت میں تھا تو وہ بھی مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگا لہٰذا مرحوم کے ترکہ میں سے بیوی کو ثمن (آٹھواں حصہ) ملے گا اگر بوقت انتقال مرحوم کی اولاد موجود ہو ورنہ ربع (چوتھائی حصہ) ملے گا۔

Marfat.com

لما في القرآن الكريم (النساء:٢٤): فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۔۔الآية۔

وفي عمدة القاري (١٣/١٤٨): (باب هبة الرجل لامرأته والمرأة لزوجها)أي هذا باب في بيان حكم هبة الرجل لامرأته وحكم هبة المرأة لزوجها وحكمها أنه يجوز فإذا جاز هل لأحدهما أن يرجع على الآخر فلا يجوز۔

وفي الدر المختار (٣/١٥٦): (جهز ابنته ثم ادعى أن ما دفعه لها عارية وقالت هو تمليك أو قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه وقال الأب) أو ورثته بعد موته (عارية ف) المعتمد أن (القول للزوج ولها إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية و) أما (إن مشتركا) كمصر والشام (فالقول للأب)۔

وفي الرد تحته: مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية: والعادة الفاشية الغالبة في أشراف الناس وأوساطهم دفع ما زاد على المهر من الجهاز تمليكا سوى ما يكون على الزوجة ليلة الزفاف من الحلي والثياب فإن الكثير منه أو الأكثر عارية۔

(۵۵۵) عورت کو صرف مقرر کردہ مہر کے مطالبے کا حق ہے

سؤال

ایک شخص نے اپنی بیوی کا پچاس ہزار مہر مقرر کیا تھا۔شادی کے پانچ سال بعد بیوی نے کہا کہ مجھے مہر کے بجائے ایک پلاٹ دو۔اب سوال یہ ہے کہ کیا عورت رقم کے بجائے کسی دوسری چیز کا مطالبہ کرسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت کا مہر کی رقم کے بجائے پلاٹ کا مطالبہ کرنا درست نہیں،شوہر کے ذمے وہی مہر واجب ہے جو عقدِ نکاح کے وقت طے ہوا تھا البتہ شوہر اپنی رضامندی سے بیوی کے مطالبہ پر مہر کے بجائے پلاٹ دیدے تو درست ہے۔

لما في المصنف لابن ابي شيبة (٣/٤٨٢): حدثنا حفص بن غياث عن عمرو عن الحسن قال: ما تراضى عليه الزوج والمرأة من شئ فهو مهر۔

وفي خلاصة الفتاوى(٢/٣٦): ولو كتب خط المهر مائة دينار والعقد بالدراهم يجب الدراهم ولا يجب الدنانير بالخط۔

وفي الهندية (١/٣٠٣): ثم الأصل في التسمية أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ينظر إن

Marfat.com

كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلك۔

(۵۵۶) مہر معجل اور مؤجل کی تعریف

سؤال

مہر معجل یا مہر مؤجل کسے کہا جاتا ہے اگر مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی تعیین نہ کی جائے تو پھر شوہر پر کس وقت اس کی ادائیگی واجب ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر معجل: اس مہر کو کہا جاتا ہے جسے فی الفور ادا کرنا قرار پائے۔ مہر معجّل کی جو بھی رقم طے ہو اس کی ادائیگی سے قبل بیوی شوہر کو ہمبستری سے منع کرسکتی ہے بہرحال مہر معجّل کا فی الفور اداء کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مہر مؤجل: مہر مؤجل کی دوصورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ کوئی خاص مدت متعین کردی جائے مثلاً ۵ سال بعد مہر دوں گا تو یہ مہر مؤجل کہلائے گا اور اس مدت کے آنے سے قبل بیوی کو مطالبۂ مہر کا حق نہیں۔

(۲) دوسری صورت مہر مؤجل کی یہ ہے کہ عقد کے وقت کوئی خاص مدت متعین نہ کی جائے اس صورت میں بھی مہر مؤجل شمار ہوگا اور اس کی مدت خود ہی فرقت (طلاق یا موت) شمار ہوگی اور بوقت طلاق یا میاں بیوی میں سے ایک کی موت کے وقت اس مہر کی ادائیگی لازم ہوجائے گی البتہ اس صورت میں اگر کچھ رقم فی الفور دینے کا عرف ہو تو وہ رقم فی الفور ادا کرنا ضروری ہوگی بقیہ رقم موت یا طلاق پر لازم ہوگی۔ ہمارا عرف فی الفور ادائیگی کا نہیں۔

لمافی الهندية (۳۱۸/۱): لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينصا على غاية معلومة كذا في المحيط وبالطلاق الرجعي يتعجل المؤجل۔

وفی الدرالمختار (۱۴۴/۳): (ولها منعه من الوطء) دواعيه ـــ (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتي لأن المعروف كالمشروط. (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية إلا التأجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف بزازية۔

Marfat.com

(۵۵۷) جس مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی صراحت نہ ہو

سؤال

ایک عورت عالیہ بیگم کا مہر ۳۰ ہزار روپے طے ہوا لیکن بوقت نکاح یہ صراحت نہیں کی گئی کہ یہ مہر معجل ہے یا مؤجل۔ یعنی فوری ادا کرنا ہے یا بعد میں۔ اب عالیہ خاتون کو مہر کے مطالبے کا حق ہے یا انہیں مہر مثل ملے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر نکاح میں بوقت عقد مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کی تصریح نہ کی جائے تو یہ بھی مہر مؤجل کہلاتا ہے اور عرف میں مشہور ہونے کی وجہ سے خود ہی اس کی مدت موت یا طلاق ہوتی ہے اس سے قبل بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق نہیں البتہ اگر کہیں کچھ رقم معجلاً دینے کا عرف ہو تو اتنی رقم فی الفور معجلاً ادا کرنا ہوگی باقی رقم موت یا طلاق پر مؤجل ہوگی۔

لمافی فتح القدير (۳۷۰/۳): وإن لم يشترط تعجيل شيء بل سكتوا عن تعجيله وتأجيله فإن كان عرف في تعجيل بعضه وتأخير باقيه إلى الموت أو الميسرة أو الطلاق فليس لها أن تحتبس إلا إلى تسليم ذلك القدر --- فما وقع في غاية البيان من إطلاق قوله فإن كان يعني المهر بشرط التعجيل أو مسكوتا عنه يجب حالا ولها أن تمنع نفسها حتى يعطيها المهر ليس بواقع بل المعتبر في المسكوت العرف۔

وفی الهندية (۳۱۸/۱): لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينصا على غاية معلومة كذا في المحيط۔

وفی الدر المختار (۱۴۴/۳): (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة۔

Marfat.com

(۵۵۸) مہر مؤجل میں مدت غیر متعین ہونے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! آجکل لوگ نکاح کے وقت مہر مؤجل مقرر کرتے ہیں جو کہ لڑکی کو تا طلاق یا تا عمر نہیں ملتا۔ آجکل بعض لوگ مہر مؤجل اسی لئے مقرر کرتے ہیں تا کہ مہر ادا کرنے سے بچ جائیں کیونکہ لڑکی شرم یا طلاق کے خوف سے مطالبہ نہیں کرتی اور اس کو مہر نہیں دیا جاتا۔ براہ مہربانی مہر مؤجل کی کوئی حد وغیرہ بتائیں تا کہ لڑکیوں کو ان کا حق مل سکے اور شریر لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر بیوی کا حق ہے جو شوہر پر لازم ہوتا ہے اگر شوہر اس کو ادا نہیں کرے گا تو وہ ظلم کرنے والا ہوگا۔ مہر مؤجل مقرر کیا جائے یا معجل، شرعاً دونوں طرح درست ہے۔ مہر مؤجل کی کوئی حد شرعاً متعین نہیں، باہمی رضامندی سے عقد نکاح کے وقت جو حد مقرر کی جائے درست ہے جب وہ مدت گزر جائے تو شوہر کو چاہیئے کہ مہر ادا کر دے اور اگر مہر مؤجل تو رکھا گیا لیکن اس کی کوئی مدت عقد نکاح میں متعین نہیں کی گئی تو اس صورت میں اس کی حد فرقت (جدائی) زوجین ہوگی خواہ فرقت موت کے ذریعہ سے ہو یا طلاق وغیرہ کے ذریعہ سے۔ باقی جس آدمی سے خطرہ ہو کہ یہ مہر ادا نہیں کرے گا اس کیلئے یہی صورت ہے کہ مہر معجل مقرر کیا جائے یا مؤجل کی کوئی حد عقد نکاح میں مقرر کر دی جائے۔

لمافی الهندية (۳۱۸/۱): ولو قال نصفه معجل ونصفه مؤجل كما جرت العادة في ديارنا ولم يذكر الوقت للمؤجل اختلف المشايخ فيه قال بعضهم لا يجوز الأجل ويجب حالا وقال بعضهم يجوز ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالموت أو بالطلاق وروى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى ما يؤيد هذا القول كذا في البدائع لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت ألا يرى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم ينصا على غاية معلومة كذا في المحيط۔

وفی الدرالمختار(۱۴۴/۳): (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية إلا التأجيل لطلاق أو موت فيصح للعرف بزازية۔

وفی الرد تحته: قوله (فكما شرطا) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أو عجل كله۔

Marfat.com

وفي الفقه الاسلامي وأدلته (٩/٦٧٨٩): وأخذ القانون السوري بمذهب الحنفية، فنص على ما يلي:

(م 55): يجوز تعجيل المهر أو تأجيله كلاً أو بعضاً، وعند عدم النص يتبع العرف.

(م 56): التأجيل في المهر ينصرف إلى حين البينونة أو الوفاة، ما لم ينص في العقد على أجل آخر.

Marfat.com

رسالة

الجواب المفصل

لمن

سئل عن تعيين مدة المهر المؤجل

مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ میں مدت ادائیگی

موت ہوگی یا طلاق یا معجلاً ادائیگی ضروری ہوگی؟

مسئلہ ھذا میں مہر کی صورتیں، ان میں فرق کی تنقیح، ہر صورت سے متعلق صریح فقہی عبارات،

دیگر اردو فتاوی میں پایا جانے والا تعارض

محیط، بدائع، ھندیۃ اور شامیۃ کے صریح حوالہ جات کی روشنی میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت

اور مہر مسکوت عنہ سے متعلق ایک نادر اور مکمل تحقیقی فتوی

Marfat.com

(۵۵۹) مہر مؤجل کے مصداق کے تعیّن سے متعلق تفصیلی فتویٰ

سؤال

مفتی صاحب! مجھے ایک اہم مسئلے سے متعلق استفتاء کرنا ہے ایک عزیز نے مہر مؤجل پچیس ہزار پر نکاح کرلیا کسی نے انہیں بتایا کہ فی الفور دینا ہوگا۔ انہیں حیرت ہوئی وہ تو تاخیر کا ارادہ کئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا میں چونکہ عالم ہوں لیکن افتاء نہیں کیا ہوا البتہ فقہی کتب اور اردو فتاوی جات میرے پاس ہیں، میں نے ان میں مراجعت کی تو مجھے شدید اضطراب معلوم ہوا۔ فتاوی دار العلوم دیوبند میں تو موت یا طلاق تک ادائیگی تحریر تھی لیکن خیر الفتاوی میں عرف کے اعتبار سے دینے کا لکھا تھا، کفایت المفتی میں سب رقم فی الفور دینے کا لکھا تھا، کتاب الفتاوی نام کے فتاوی میں لکھا تھا کہ شوہر اداء کے موقف میں ہو تو اداء کرنا ہوگا ورنہ نہیں الغرض جو کتاب کھولتا تو اس میں کچھ الگ لکھا ہوتا۔ میں شش و پنج میں پڑگیا۔ آپ کو اسی سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں۔

آج کے دور میں تحقیق طلب مسائل پر بحث کرنا مشکل ہے بالخصوص آپ جیسے مصروف حضرات کے لئے لیکن مسئلہ کچھ عجیب نوعیت کا ہے، فقہی عبارات بھی بندہ سمجھ نہیں پا رہا، کیا کسی ایک فتوی کو اپنے ذوق کے اعتبار سے ترجیح دی جاسکتی ہے؟ یہ دوسرے کی گستاخی تو نہیں؟ ترجیح کا کیا معیار ہے؟ نیز مسئلہ ہذا میں مفتی بہ کیا ہے اور مختلف فتاوی میں یہ شدید اختلاف کیوں واقع ہوا ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مسئلہ ہذا میں کافی تتبع و تفحص کے بعد احقر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ وہ مہر مؤجل جس میں ادائیگی کی مدت کا تعین نہ ہو مثلاً یوں کہا جائے دس ہزار مہر مؤجل کے عوض نکاح کیا تو ایسے مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں اگرچہ فقہ حنفی میں دو طرح کے اقوال موجود ہیں لیکن محیط، بدائع اور ھندیہ میں اس قول کی تصحیح کی گئی ہے کہ ایسا مہر موت یا طلاق تک ہوگا کیونکہ موت اور طلاق مدتِ معلومہ ہیں جبکہ دوسرے قول کا بھی ذکر ہے وہ یہ کہ کل مہر فی الفور دینا ہوگا لیکن اس کی تصحیح کسی نے نہیں کی۔ غایۃ البیان میں بھی دونوں اقوال مسئلہ ہذا میں موجود ہیں لیکن کسی کی ترجیح نقل نہیں۔

نیز مہر کی ایک اور صورت ہے کہ مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو مثلاً صرف یوں کہا جائے کہ "دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا" اس میں مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کی کوئی تصریح نہیں اس میں محیط، خانیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، ھندیہ، درمختار، طحطاوی علی الدرر اور شامیہ ان تمام معتبرات میں اس پر فتوی نقل ہے کہ اس میں عرفاً معجّل رقم معجّل دی جائیگی باقی رقم موت یا طلاق پر خود ہی مؤجل ہو

Marfat.com

گی مثلاً تین ہزار معجلاً فی الفور دینے کا عرف ورواج ہو تو تین ہزار فی الفور دینے ہوں گے باقی سات ہزار موت یا طلاق تک مؤجل ہوں گے اور اگر عرفاً کوئی رقم دینے کا رواج نہ ہو تو کل مہر موت یا طلاق پر مؤجل ہوگا کیونکہ مؤجل بلاتعیین مدت کی اجل خود ہی موت یا طلاق معین ہے۔

اس دوسری صورت جس میں مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو ایک قول تعجیلِ کل یعنی کل مہر فی الفور دینے کا بھی ہے یہ غایۃ البیان اور عنایۃ شرح الہدایۃ میں لیا گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں صرف یہی قول ذکر ہے، دوسرا مفتی بہ قول ذکر نہیں کیا گیا لیکن غایۃ البیان پر البحر الرائق اور فتح القدیر میں استدراک کیا گیا ہے۔ فتح القدیر میں تو غایۃ البیان کے اس طرز سے متعلق "لیس بواقع یعنی اسکی کوئی حقیقت نہیں" تک کے الفاظ ہیں لہذا راجح اور مفتی بہ عرف والا قول ہی ہے کہ عرف میں جتنا معجلاً فی الفور دینا رائج ہو وہ فی الفور باقی مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگا۔

مہر کی پہلی صورت جس میں مہر کے مؤجل ہونے کا ذکر ہو لیکن اجل معین نہ ہو اسے مہر مؤجل بلاتعیین مدت کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو جس میں معجّل یا مؤجل ہونے کا ذکر ہی نہ ہو مہر مسکوت عنہ (یعنی تعجیل یا تاجیل کی قید سے خاموش مہر) کہتے ہیں۔ ہماری بحث مہر مؤجل بلاتعیین مدت میں ہے جس میں محیط، بدائع، ہندیہ نے مؤجل الی الطلاق او الموت کی تصحیح کی ہے جبکہ دوسرے مہر یعنی مسکوت عنہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کیونکہ یہاں تو معجّل یا مؤجل کی ہی تعیین نہیں صرف مہر کہا گیا ہے اس صورت میں بھی محیط، خانیہ، فتح القدیر، بحر، ہندیہ، طحطاوی، شامیہ میں اسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے کہ فقط عرفاً معجّل رقم فی الفور دینا ہوگی باقی رقم مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی تو یہاں مہر مؤجل بلاتعیین مدت میں تو بدرجہ اولیٰ کل مہر مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگا اور دونوں صورتوں میں اجل تو خود معلوم ہے اور وہ طلاق یا موت ہے، باقی مہر مؤجل بلاتعیین مدت تو کل کا کل مؤجل الی الطلاق او الموت ہوجائیگا جبکہ مہر مسکوت عنہ (جس میں معجّل یا مؤجل ہونے کا ذکر نہ ہو) میں صرف اتنی رقم معجّل دینا ہوگی جس کا عرف ہو (اور اگر عرف نہ ہو تو کچھ بھی معجلاً نہ دینا ہوگا) باقی رقم مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی۔

مذکورہ بالا تنقیح سے معلوم ہوا کہ مہر مؤجل بلاتعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں ایک قول تعجیل کل کا ہے جیسا کہ ذکر ہوا لیکن کسی نے اس کی تصحیح نہیں کی بلکہ مہرِ مسکوت عنہ سے متعلق غایۃ البیان کے فقط تعجیل کے قول کو اختیار کرنے پر استدراکات کئے گئے ہیں نیز عقلاً بھی یہی راجح ہے کیونکہ جب مدت معلوم ہے اور وہ موت یا طلاق ہے تو پھر تعجیل کل کا قول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ ہذا پر بقدر استطاعت تحقیق کرنے کے بعد احقر پر یہی واضح ہوا جس کا خلاصہ تحریر کر دیا گیا مسئلہ کی تمام صورتیں ان سے متعلقہ کتب فقہ کی عبارات، فقہ حنفی میں موجود اقوال اور متعلقہ ابحاث پر انشاء اللہ تعالیٰ بالتفصیل روشنی ڈالیں گے البتہ سرِ دست علماء پاک وہند کے فتاوی جات اس ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں، ہر فتوی کے ساتھ تشریحی نوٹ کے عنوان سے ہم یہ وضاحت کردیں گے کہ فتوی میں مفتی علام نے کس قول کو اختیار فرمایا ہے۔ ان فتاوی جات کو ذکر کرنے کے بعد ہم اصل مقصد پر آئیں گے۔

Marfat.com

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند:

حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی اس ذیل میں یہ ہے:

[عنوان: مہر مؤجل یا معجّل کسے کہتے ہیں]

سوال (۱) مہر معجّل یا مؤجل کس کو کہتے ہیں آیا معجّل اور مؤجل کے جو لغوی معنی ہے وہی کتب فقہ میں معتبر ہے یا فقہاء نے اپنی اصطلاح میں کوئی دوسرا معنی لے کر فقہ میں استعمال کیا ہے؟

(۲) کسی مرد کا نکاح کسی عورت سے ہوا اور اس سے مہر نصف معجّل اور نصف مؤجل قرار پایا اور بعد بیس برس نکاح عورت قبل طلاق اور قبل موت احد الزوجین مطالبہ مہر کا کیا یہ مطالبہ عورت کا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) کسی مرد کا نکاح کسی عورت سے ہوا اور مقدار مہر ذکر کی گئی لیکن معجّل اور مؤجل کا کچھ تذکرہ نہیں ہوا تو بلا طلاق اور بلا موت احد الزوجین کے عورت کو حق مطالبہ مہر کا حاصل ہے یا نہیں؟

جواب: (۱ تا ۳) مہر معجّل یا مؤجل کے جو معنی لغوی ہیں وہی اصطلاح فقہاء میں ہیں جو مہر فی الحال دیا گیا یا فی الحال دینا اس کا قرار پایا وہ معجّل ہے اور جس مہر کی کچھ مدت اداء کے لئے مقرر کی گئی یا لاعلی التعیین چھوڑا گیا ہو وہ مؤجل ہے اور غیر معین مدت کے لئے مدت موت طلاق ہے پس اگر نصف مہر معجّل اور نصف مؤجل ہے تو معجّل کا مطالبہ عورت فی الحال کر سکتی ہے اور مؤجل غیر معین کا مطالبہ بدون مفارقت کے یعنی بدون طلاق یا موت کے نہیں ہو سکتا اور تیسرے سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ بلا طلاق یا موت کے مطالبہ مہر کا نہیں ہو سکتا۔

کما فی العالمگیریہ:

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت۔"

(فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد ۸ / ۱۸۰)

نوٹ: اس فتوی میں سائل نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں سے متعلق سوال کیا ہے، سوال کا دوسرا جز مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور تیسرا جز مہر مسکوت عنہ سے متعلق ہے اس کے جواب میں حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو مؤجل الی الطلاق او الموت کر دیا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مسکوت عنہ میں بھی عرف کا اعتبار ذکر نہیں فرمایا۔

Marfat.com

(۲) فتاوی محمودیہ

فتاوی محمودیہ میں حضرت مفتی محمود گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی اس ذیل میں یہ ہے:

[عنوان: رخصتی سے پہلے مطالبہ مہر]

سوال: زید نے بایں شرائط اپنی دختر کا نکاح بکر سے کردیا کہ پانصد کا زیور، پارچہ اور یک ہزار پانصد میں دو دکانیں مہر میں تحریر کر کے رجسٹری کرادی، نکاح پڑھادیا اب دختر کو رخصت نہیں کرتا......الخ

الجواب: اگر مہر معجّل پر نکاح ہوا تو شرعاً عورت کو حق ہے کہ اپنے نفس کو شوہر کے حوالے نہ کرے اگر کل مہر معجّل ہے تو عورت کو کل مہر کے مطالبے کا حق حاصل ہے، اگر کچھ معجّل ہے اور کچھ مؤجل تو معجّل کے مطالبے کا حق حاصل ہے اگر کل مہر مؤجل ہے تو عورت کا قبل مدت تاجیل مطالبہ کرنا جائز نہیں، اگر وقت نکاح معجّل یا مؤجل کی کوئی تصریح نہ ہوئی تو عرف کا اعتبار ہوگا۔ اگر کل مہر مؤجل ہوتا ہے تو عورت کو مطالبہ کرنا جائز نہیں۔ اگر کل معجّل ہوتا ہے تو تمام کا مطالبہ جائز ہے، اگر بعض معجّل اور بعض مؤجل ہو تو معجّل کا مطالبہ جائز ہے نہ کہ مؤجل کا۔

"إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر فإن كان في موضع يعجل البعض ويترك الباقي في الذمة إلى وقت الطلاق أو الموت كما هو عرف ديارنا كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل وهو الذي يقال بالفارسية دست و بيمان وليس لها أن تطالبه بكل المهر فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك وإن لم يبينوا شيئاً ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلك معجلاً ولا يقدر ذلك بالربع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف لأن الثابت عرفاً كالثابت شرطاً وإن شرطوا في العقد تعجيل كل المهر تجعل الكل معجلاً ويترك العرف۔"

(فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۸۳)

نوٹ: اس فتوے میں سائل نے طے شدہ مہر کی نوعیت واضح نہیں کی لہذا حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً احکام درج فرما دیئے ہیں کہ اگر مہر معجّل ہو تو فی الفور دینا ہوگا، نصف معجّل نصف مؤجل طے ہو تو معجّل کا مطالبہ جائز ہے باقی مؤجل بلا تعیین مدت ہے اس کا مطالبہ ابھی نہیں ہوسکتا اور اگر کل مؤجل ہے اور مدت معلوم ہے تو بعد از مدت معلومہ مطالبہ کا حق ہوگا، آخری صورت مہر مسکوت عنہ کی ذکر کردی کہ اس میں عرف کا اعتبار ہے۔

Marfat.com

فتاوی محمودیہ میں اسی ذیل میں ایک فتوی اور ہے اسے بھی تحریر کیا جارہا ہے۔

[عنوان: مہر مؤجل کے مطالبے کا حق]

سوال: باکرہ کے والدین باکرہ کی طرف سے مہر حاصل کرنے کے طالب ہیں وہ بھی از روئے عدالت مجاز، تو کیا اس مطالبے کی بناء پر بکر کے ذمے باکرہ کے والدین کو دینا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر بکر اپنی رضامندی سے نہیں بلکہ غیر شرعی امور کے تحت باکرہ یا اس کے والدین کی طلبی پر از روئے عدالت مجاز طلاق دے تو کیا اس کا تعلق باکرہ سے ہمیشہ کے لئے مانند طلاق بائن منقطع ہو جائے گا یا نہیں؟ اور کیا باکرہ بعد عدت کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے؟ براہ کرام حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر مہر مؤجل تھا (جس کا مطالبہ طلاق، تفریق، موت پر کیا جاتا ہے) تو ابھی شوہر کے ذمے اس کا اداء کرنا لازم نہیں عدالت میں اس کا دعوی کرنا بھی غلط ہے اگر مہر معجّل تھا یعنی جب بیوی طلب کرے تو بیوی کو بلا عدالت کے بھی اس کے طلب کرنے کا حق ہے اور اس کی طرف سے اس کے والدین کو بھی مطالبہ کا حق ہے۔

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت"

(عالمگيرية ۳۱۸/۱)

(فتاوی محمودیہ جلد ۱۲ / ۸۵)

نوٹ: اس فتوی میں حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل کی تشریح یہی فرمائی ہے کہ جس کا مطالبہ موت یا طلاق پر ہو اس سے پہلے مطالبہ جائز نہ ہو باقی مہر مسکوت عنہ وغیرہ کا اس میں ذکر نہیں۔

(۳) خیر الفتاوی:

خیر الفتاوی میں اس سلسلہ میں یہ فتوی ہے:

[عنوان: جس مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کی تصریح نہ کی گئی ہو]

سوال: بعض اوقات نکاح کے وقت مہر تو مقرر کر دیا جاتا ہے مگر یہ تصریح نہیں کی جاتی کہ یہ معجّل ہے یا مؤجل، تو ایسے مہر کی ادائیگی خاوند پر کب لازم ہوگی؟

الجواب: جس مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کی کوئی تصریح نہ کی جائے وہ عرف پر محمول ہوگا اگر اس کو معجّل سمجھتے ہوں تو معجّل ہوگا اور اگر وہ عرف میں مؤجل سمجھا جاتا ہو تو مؤجل ہوگا۔

"(ولها منعه من الوطء والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما لأخذ ما بين تعجيله او قدر ما

Marfat.com

یعجل لمثلها عرفا) به یفتی لأن المعروف کالمشروط" (الدر المختار ۴/۵۴۳)

(خیر الفتاوی جلد ۴/ ۵۴۳)

نوٹ: خیر الفتاوی کے اس فتوے میں سائل نے مہر مسکوت عنہ (جس میں معجّل یا مؤجل ہونے کا ذکر نہ ہو) سے متعلق سوال کیا ہے اور جواب میں عرف کو فیصل قرار دیا گیا ہے۔

(۴) فتاوی حقانیہ:

فتاوی حقانیہ میں اس سلسلے میں یہ فتوی درج ہے:

[عنوان: تاجیل وتعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے]

سوال: اگر بوقت نکاح مہر کی تاجیل یا تعجیل کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو کیا عورت مہر فوراً لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مہر کی تاجیل وتعجیل کا ذکر بوقت انعقادِ نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر عرف کا تابع ہو کر جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

"(ولها منعه من الوطء والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما لأخذ ما بين تعجيله او قدر ما يعجل لمثلها عرفا وان لم يوجل)--- قال الحصكفي به يفتي لان المعروف كالمشروط"

(رد المحتار ۲/۳۸۹، باب المهر)

(فتاوی حقانیہ جلد ۴/ ۳۶۳)

نوٹ: سوال مہر مسکوت عنہ سے متعلق تھا مجیب نے عرف کا اعتبار کیا ہے، باقی جواب کے یہ الفاظ (جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے) یہاں مؤجل کا لفظ کتابت کی غلطی ہے یہ لفظ معجّل ہونا چاہیے، فتوی میں مؤجل مقدار کی ادائیگی کی مدت کا ذکر نہیں لیکن ظاہر ہے کہ وہ موت یا طلاق ہے لہذا ذکر کی ضرورت نہیں۔

(۵) کتاب الفتاوی

[عنوان: مہر مؤجل کس طرح اداء کرے]

سوال: مہر مؤجل اداء کرنے کی شرعی مدت کیا ہوتی ہے؟ زید نے آج سے ۲۹ سال پہلے اپنی بیوی سے ۲۵ ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت اور پانچ سرخ دینار کے عوض نکاح کیا تھا اور وہی رقم مہر اداء کرنا چاہتا ہے جو ۲۹ سال پہلے مقرر کیا تھا کیا یہ بیوی کے حق میں شرعی حیثیت سے درست ہوگا یا نہیں؟ جب کہ وہ ۲۵ لاکھ سے زیادہ کا مالک ہے شرعی نقطہ نگاہ سے اس مہر کی کیا حیثیت ہے؟ کیا بیوی کو انتظار کرواکر تاحیات یہ مہر اداء کیا جاسکتا ہے؟ نیز سرخ دینار سے کیا مراد ہے؟

Marfat.com

الجواب: مہر مؤجل سے ایسا مہر مراد ہے جو فوراً واجب الاداء نہ ہو اگر مہر اداء کرنے کی کوئی مدت عقد کے وقت متعین کی گئی ہو مثلاً پانچ سال یا دو سال وغیرہ تو اس مدت کے اندر مہر اداء کرنا واجب ہے اور اگر کوئی مدت متعین نہیں ہوئی تھی تو جب بیوی مہر کا مطالبہ کرے اور شوہر مہر اداء کرنے کے موقف میں ہو تو مطالبہ کے وقت مہر اداء کر دینا ضروری ہے کیونکہ مہر شوہر کے ذمہ دین ہے اور جب بھی دین والا دین کا مطالبہ کرے اس کا اداء کرنا واجب ہے......الخ (کتاب الفتاوی جلد ۴ / ۳۸۴)

نوٹ: فتوے میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت (جس میں صرف مہر مؤجل مقرر ہو مدت کی تعیین نہ ہو) کو بیوی کے مطالبہ اور شوہر کے اداء کرنے کے موقف میں ہونے پر ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے۔ مجیب کے نزدیک مہر مؤجل، تعیین مدت کے ساتھ میں بھی اس مدت معینہ مثلاً دو سال کے اندر اندر مہر اداء کرنا واجب ہے۔

(۶) کفایت المفتی

کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے فتاوی اس ذیل میں تحریر فرمائے ہیں ایک فتوی یہ ہے:

[عنوان: عورت مہر مؤجل کا مطالبہ کب کر سکتی ہے]

سوال: کیا فاطمہ اپنے مہر مؤجل کو معجّل طریقے پر زید سے طلب کرنے کا حق رکھتی ہے جب کہ زید کی نیت طلاق دینے کی نہ تھی اور فاطمہ اپنے خیال میں سمجھ رہی ہے کہ میں مطلقہ ہو چکی ہوں۔

الجواب: مہر مؤجل جو بلا تعیین مدت کے ہو معجّل کے حکم میں ہو جاتا ہے اس لئے زوجہ اپنے ایسے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے جو صرف مؤجل بلا تعیین مدت کے لکھا گیا ہو۔ (کفایت المفتی جلد ۵ / ۱۱۷)

نوٹ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود تو مسئلے کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا البتہ مخرّج نے حاشیہ پر در مختار کی عبارت تحریر فرمائی ہے: "الا اذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا" یعنی مہر مؤجل کے اداء کی مدت جب جہالت فاحشہ والی متعین کر دی جائے تو مہر فی الفور اداء کرنا واجب ہوگا۔

بہر حال حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی کے مختلف فتاوی میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت کو مطلقاً معجّل قرار دیا ہے حضرت کے نزدیک مہر مؤجل وہی ہے جس میں ادائیگی کی مدت معین ہو صرف مؤجل مقرر کرنا اور مدت کی تعیین نہ ہو یہ مہر مؤجل نہیں بلکہ معجّل ہی ہے۔

(۷) امداد الفتاوی:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت سے متعلق جو رائے اختیار

Marfat.com

فرمائی ہے وہ کفایت المفتی میں اختیار کی گئی رائے سے قریب ہے۔امداد الفتاوی میں اس ذیل میں یہ تحقیق ہے:

[عنوان: تحقیق مہر مؤجل بالموت]

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں بابت کہ مسمی زید کا نکاح پانچ چھ سال ہوئے مسمات ہندہ کے ساتھ بعوض دو ہزار دین مہر مؤجل ہوا تھا، مہر کا کوئی جز وپیشگی اداء ہونا بروقت نکاح قرار نہیں پایا تھا بعد نکاح زوجہ ہمیشہ اپنے زوج کے پاس رہی اور اس کے دوتین بچے پیدا ہوئے جو فوت ہوگئے، اب زوجہ بوجہ رنجش باہمی اپنے والدین کے ہاں بلا رضامندی اپنے شوہر کے چلی گئی ہے اور اپنے عزیزوں کے اغواء سے اپنا کل زر مہر طلب کرتی ہے اور شوہر کے یہاں آنے سے انکار ہے، در آنحالیکہ شوہر اس کے بلانے پر رضامند اور اصراری ہے اب تک کسی قسم کی طلاق وغیرہ بھی نہیں ہوئی ہے ایسی صورت میں زوجہ کا زر مہر طلب کرنا شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں؟ زید کی برادری کا رواج مہر مؤجل ہی کا ہے اور آج تک کسی مسمات کو قبل طلاق شوہر کی حیات میں مہر نہیں اداء کیا گیا اور نہ کسی نے طلب کیا اور نہ ایسا رواج ہے البتہ طلاق بالموت، وفات شوہر مہر کے لین دین کا رواج ہے۔

الجواب: مؤجل وہ ہے جس میں تاجیل شرط ہو اور جس میں کوئی شرط نہ ہو وہ معجّل ہے گو تعجیل شرط نہ ہو، پس اگر یہ شرط ٹھہر جائے کہ طلاق یا موت تک کی مہلت ہے تب تو مؤجل ہوگا اور اگر یہ شرط نہیں ٹھہری گو یہ بھی نہیں کہ پہلے ہی لیں گے تو وہ معجّل ہی ہوگا غالباً سائل نے جیسا کہ طرز عبارت سے معلوم ہوتا ہے تعجیل کی شرط نہ ٹھہرانے سے مہر کو مؤجل سمجھ لیا ہے سو یہ صحیح نہیں ہے اور فقہاء نے جو تاجیل بالطلاق والموت کو جائز کہا ہے معنی اس کے یہی ہے کہ اس طرح تاجیل کی شرط ٹھہر جاوے اور اگر شبہ ہو کہ واقعی تاجیل شرط ہی سے ہوتی ہے مگر عرف بمنزلہ شرط ہی کے ہے اور سوال میں تصریح ہے کہ ہندہ کا فعل خلاف رواج ہے پس عرف سے مؤجل بالطلاق والموت ہو جانا چاہیئے جیسا کہ شرط سے ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے یہ عرف اسی وقت تک ہے جب تک باہم موافق رہے ورنہ رنجش میں مطالبہ کا بھی عرف ہے پس میرے نزدیک شرعاً ہندہ کو استحقاق مطالبہ مہر کا حاصل ہے۔

(امداد الفتاوی جلد ۲/۳۱۷)

نوٹ: حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر مؤجل صرف وہی ہے جس میں تاجیل شرط ہو باقی سب معجّل ہے، چاہے مہر مؤجل بلا تعیین مدت ہو یا مہر مسکوت عنہ، یہ سب معجّل فی الفور اداء کرنے ہونگے۔ باقی تاجیل الی الطلاق والموت کے جواز کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صرف شرطاً تاجیل الی الطلاق والموت مؤجل ہونا قرار دیا ہے یعنی یہ شرط ٹھہر جائے کہ مہر موت یا طلاق تک مؤجل ہے تب تو یہ دونوں مدت ہوں گی بصورت دیگر مہر بہر صورت معجّل ہوگا۔

(۸) احسن الفتاوی

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہ کا فتوی اس ذیل میں یہ ہے:

[عنوان: مہر غیر مؤجل میں حق مطالبہ کی تفصیل]

سوال: زید نے مثلاً زینب سے ایک سو اشرفی طلاء کے عوض عقد نکاح کیا ان میں سے چالیس اشرفی معجلاً اداء کردیں، بقیہ

Marfat.com

ساٹھ اشرفی کے بارے میں صرف یہ کہا کہ ان میں سے تیس کی نقرہ اور تیس اشرفی طلاء کی دونگا اور ادائیگی کا کوئی وقت خاص نہیں بتایا صرف یہ کہا کہ آئندہ اداء کرونگا اتفاقاً چند ماہ کے بعد زوجین میں ناراضگی پیدا ہوگئی زوجہ اپنے میکے چلی گئی۔ خاوند نے جب واپس بلایا تو وہ کہنے لگی کہ بقیہ ساٹھ اشرفی ابھی اداء کروگے تو ساتھ آونگی ورنہ نہیں، تو کیا شرعاً زینب کو بقیہ مہر طلب کرنے کا حق حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں امداد الفتاوی میں دو مقامات پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کا قول فرمایا ہے جبکہ فتاوی ہندیہ اور بدائع میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اگر بقیہ مہر کے لئے وقت خاص برائے ادائیگی مہر مقرر نہیں کیا تو موت یا طلاق کے صورت میں مطالبہ کرسکتی ہے اس سے قبل نہیں، چونکہ وقت معین نہ کرنے کے صورت میں باب النکاح کے اندر وقت خود بخود معلوم ہے ورنہ وہ تفریق الزوجین بصورت طلاق یا موت ہے اسی قول کو صاحب محیط نے اختیار فرما کر **"وهو الصحيح"** فرمایا ہے۔ جواب سے تشفی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بدائع اور ہندیہ میں اختلاف لکھا ہے اور علائیہ اور شامیہ میں صرف حق مطالبہ تحریر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی راجح ہے اس لئے امداد الفتاوی میں اس پر فتوی دیا گیا ہے۔ عرف التاجیل الی الموت او الطلاق کا جواب بھی امداد الفتاوی میں موجود ہے کہ یہ عرف حالت مراضات میں ہے حالت مخالفت میں موت وطلاق سے قبل ہی مطالبے کا عرف ہے۔

"ولها منعه من الوطء (الی قوله) إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية"

وفی الشامية: "قال في البحر فإن كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح كما في الظهيرية بخلاف البيع فإنه لا يجوز بهذا الشرط وإن كانت متفاحشة كإلى الميسرة أو إلى هبوب الريح أو أن تمطر السماء فالأجل لا يثبت ويجب المهر حالا كذا في غاية البيان"

(رد المحتار ۲/۳۸۹)

(احسن الفتاوی جلد ۵ / ۳۳)

نوٹ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع اور ہندیہ میں مذکور اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد شامیہ کے حوالہ سے مہر مؤجل میں حق مطالبہ کو ترجیح دی ہے نیز امداد الفتاوی کی تحقیق کو لیا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اسی سے متصل ایک اور فتوی یہ ہے:

[عنوان: سوال مثل بالا]

سوال: ایک عورت کا مہر نصف معجل اور نصف مؤجل مقرر ہوا، مؤجل کی کوئی مدت معین نہیں کی گئی، نصف معجل بروقت اداء کر دیا گیا بیوی شوہر کے گھر آباد ہوگئی۔ کچھ عرصے کے بعد بیوی نے نصف مؤجل کا مطالبہ کیا، شوہر کے اداء نہ کرنے پر میکے چلی گئی۔ کیا عورت کو اس کا اختیار ہے؟ اور اس صورت میں بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: جہاں تاجیل مجہول سے تاجیل بالطلاق او الموت کا عرف ہو وہاں زوجہ کو منع نفس کا اختیار نہیں اور جہاں یہ عرف نہ

Marfat.com

ہو وہاں تاجیل مجہول بحکم تعجیل ہے لہذا زوجہ کو حق منع ہے۔ تاجیل بالطلاق او الموت معروف ہونے کی صورت میں بھی غیر مؤجل میں مشاجرہ کے مواقع میں مطالبہ مہر معروف ہے لہذا حالت مشاجرہ میں عورت کو حق منع حاصل ہوگا۔ (احسن الفتاوی جلد ۵ ص ۳۴)

نوٹ: اس دوسرے فتوی میں حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں اولا عرف اور پھر عند المخاصمہ مطالبہ کے حق پر فتوی دیا ہے۔

(۹) فتاوی مفتی محمود:

حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی اس ذیل میں یہ ہے:

[عنوان: مہر معجّل اور غیر معجّل میں کیا فرق ہے؟ مہر غیر معجّل کب وصول کیا جائے؟]

سوال: (۱) حق مہر معجّل اور غیر معجّل میں کیا فرق ہے؟ وضاحت کریں۔

(۲) ایک عورت کا کل حق مہر دس ہزار ہے بوقت سرمیل دو ہزار روپے معجّل ادا کیا جاتا ہے اور باقی آٹھ ہزار غیر معجّل کے لئے دو ماہ کی مدت مانگی جاتی ہے وضاحت کریں کہ بقایا آٹھ ہزار غیر معجّل مدت مقرر گزرنے کے بعد کیسے اور کس صورت میں حاصل کرسکتی ہے؟

جواب: مہر معجّل اور غیر معجّل (مؤجل) کے جو لغوی معنی ہیں وہی اصطلاح فقہاء میں ہیں۔ جو مہر نکاح کے وقت فی الفور دیا گیا یا فی الحال دینا قرار پائے یعنی اس میں مدت کی شرط نہ ٹھہری گویا یہ بھی نہیں ٹھہرا کہ پہلے لیں گے تو یہ معجّل ہے اور اس کا حکم ہے کہ عورت فی الحال مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے اور خاوند پر فوری ادائیگی واجب ہو جاتی ہے اور جس مہر کی کچھ مدت اداء کے لئے مقرر کی گئی مثلاً یہ شرط ٹھہر جائے کہ دو ماہ تک مہلت ہے یا مدت کو لا الی التعیین چھوڑا گیا ہو تو یہ غیر معجّل ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں اسے مؤجل کہتے ہیں اور غیر معین مدت کے لئے مدت موت یا طلاق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ مدت مقررہ نہ گزرے عورت یا اس کے ورثہ مہر کا دعوی نہیں کر سکتے۔

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت" (عالمگيرية ۳۱۸/۱)

(۲) مدت مقررہ دو ماہ گزرنے کے بعد خاوند کے ذمے یکمشت آٹھ ہزار کی ادائیگی واجب ہے، اگر زوجین اقساط کے ساتھ ادائیگی پر رضامند ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے اگر خاوند باہمی مصالحت سے مہر کی ادائیگی نہیں کرتا تو عورت وصولی مہر کے لئے عدالت کی طرف رجوع کرے۔ (فتاوی مفتی محمود جلد ۵ ص ۳۳۰)

نوٹ: حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے فتوے میں مہر معجّل اور مسکوت عنہ (جس میں معجّل یا مؤجل کی تصریح نہ ہو) کو فی الفور اداء کرنا ضروری قرار دیا ہے جبکہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور بتعیین مدت دونوں کو مؤجل قرار دیا ہے، بلا تعیین مدت کی مدت طلاق یا موت

Marfat.com

ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

یہاں تک تو معروف فتاوی جات میں سے جن میں احقر کو یہ مسئلہ ملا ان کا ذکر مع تشریحی نوٹ کے تھا۔ ان فتاوی میں مختلف آراء اختیار کی گئی ہیں۔ تنقیح مسئلہ سے متعلق کچھ وضاحت ہمارے جواب کے ابتداء میں آ گئی ہے لیکن مسئلے کی نوعیت کو صحیح طرح سمجھنے کے لئے مسئلے کی مختلف صورتیں اور مختلف فیہ صورت کا تعین ضروری ہے، کیونکہ بعض اردو فتاوی میں تعیینِ صور میں اشتباہ واقع ہو گیا ہے۔

اولا مسئلے کی صورتیں تحریر کی جا رہی ہیں۔

مہر کی صورتیں:

مہر یا تو معجل ہوگا یا مؤجل یا دونوں قیدوں سے خالی ہوگا۔ مہر معجل تو وہ ہے جسے فی الفور اداء کرنا لازم ہو مثلاً دس ہزار مہر معجل پر نکاح ہو تو دس ہزار فی الفور اداء کرنا ضروری ہونگے۔

عقلی طور پر مہر مؤجل میں اجل (مدت اداء) کے اعتبار سے چار صورتیں بن سکتی ہیں۔

(۱) اجل معلوم ہو مثلاً ایک مہینے یا ایک سال بعد اداء کرونگا اس کا حکم واضح ہے کہ یہ تاجیل درست ہے اور معینہ مدت سے قبل نہ عورت کو مطالبہ پر اداء کرنا لازم ہے اور نہ اس کی بناء پر عورت شوہر کو ہمبستری سے منع کر سکتی ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے۔

"لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح" (الهندية ۱/۱۱۸)

''کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں کہ مہر کو مدتِ معینہ تک مؤجل کرنا مثلاً ایک مہینہ یا ایک سال تک یہ صحیح ہے۔''

"قوله (لأن الصريح الخ) أي يعتبر ما شرطا وإن تعورف تعجيل البعض لأن الشرط صريح والعرف دلالة والصريح أقوى۔۔۔ وبعد أسطر: لو إلى مدة معينة لا يتعجل بالطلاق"

''(کیونکہ صراحت دلالت سے برتر ہے) یعنی جو شرط قرار پا جائے اس کا اعتبار ہوگا اگرچہ بعض کی تاجیل معروف ہو کیونکہ شرط صریح ہے اور عرف دلالت ہے اور صریح زیادہ قوی ہوتا ہے...... چند سطروں بعد فرماتے ہیں اگر مہر معین مدت تک مؤجل ہو تو وہ طلاق سے بھی معجل نہیں ہوتا۔'' (شامیہ جلد ۳/ ۱۴۴)

(۲) اجل مجہول ہو لیکن جہالت یسیرہ ہو مثلاً کھیتی کٹنے تک وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بھی اجل معلوم کی طرح ہے اور شرعا اس کا اعتبار ہے لہذا ایسی اجل جس میں جہالت یسیرہ ہو اس کا اعتبار ہوگا اور اس مدت کے پورا ہونے پر مہر کا اداء کرنا لازم ہوگا۔ شامیہ میں ہے۔

"قال في البحر فإن كانت جهالة متقاربة كالحصاد والدياس ونحوه فهو كالمعلوم على الصحيح كما في الظهيرية بخلاف البيع فإنه لا يجوز بهذا الشرط" (شامیہ ۱/۱۴۴)

''بحر میں ہے کہ اگر (مہر کی ادائیگی کی مدت میں) جہالت متقاربہ ہو مثلاً کٹائی کے وقت یا گاہنے کے وقت ادائیگی طے ہو تو یہ صحیح قول کے مطابق معلوم مدت کی طرح ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے، برخلاف بیع کہ وہ ایسی مدت تک ادائیگی کی شرط کے

Marfat.com

ساتھ جائز نہیں ہوتی۔"

(۳) اجل مجہول ہو اور جہالت فاحشہ ہو مثلاً ہوا چلنے کے وقت یا بارش برسنے کے وقت ادائیگی طے ہو یہ اجل مجہول جہالت فاحشہ ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ شرعاً اس کا اعتبار نہیں اور مہر فی الفور معجلا اداء کرنا ہوگا۔

درمختار میں ہے:

"إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية"

"الا یہ کہ مدت مجہول ہو جہالت فاحشہ کے ساتھ تو پھر حالا دینا واجب ہوگا"

اس کے تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"وإن كانت متفاحشة كإلى الميسرة أو إلى هبوب الريح أو أن تمطر السماء فالأجل لا يثبت ويجب المهر حالا وكذا في غاية البيان اهـ" (شامیہ ۱/۱۴۴)

"اگر مدت میں جہالت فاحشہ ہو مثلاً کشادگی تک یا ہوا چلنے تک یا آسمان برسنے تک تو مدت ثابت نہ ہوگی اور مہر فی الفور اداء کرنا لازم ہوگا اسی طرح غایۃ البیان میں ہے۔"

مہر مؤجل کی ان تین صورتوں میں کسی کا اختلاف نہیں، پہلی اور دوسری صورت میں جب کہ مدت معلوم ہو یا مدت میں جہالت یسیرہ ہو بالاتفاق مہر کی تاجیل درست ہے اور تیسری صورت میں جب کہ مہر مؤجل کے مدت میں جہالت فاحشہ ہو مہر کا فی الفور اداء کرنا واجب ہے۔ اختلاف فقط چوتھی صورت میں ہے اور وہ یہ ہے۔

(۴) مہر مؤجل کی چوتھی صورت یہ ہے کہ مدت کا ذکر ہی نہ ہو فقط مہر مؤجل کہہ کر نکاح پڑھا دیا جائے۔ مثلاً دس ہزار مہر مؤجل کے عوض نکاح کیا۔ ایسے مہر کو مہر مؤجل بلا تعیین مدت کہتے ہیں کیونکہ پہلی تین صورتوں میں مہر کا ذکر بہر حال موجود تھا لیکن اس صورت میں صرف مؤجل ہونے کا ذکر ہے۔ بعض جگہوں پر اس کی صورت یہ بھی ہے کہ آدھا مہر معجّل اور آدھا مؤجل طے کر دیا جاتا ہے اب معجّل تو فی الفور دینا ہوگا لیکن نصف مؤجل کی مدت معلوم نہیں ہوتی، یہ نصف بھی مہر مؤجل بلا تعیین مدت ہوتا ہے۔

اس کے بارے میں دو طرح کے اقوال ملتے ہیں، مہر مؤجل کی اس چوتھی صورت کا ذکر محیط، بدائع اور ہندیہ میں ہے۔ وہ دو قول یہ ہیں کہ اس صورت میں کل مہر معجلاً فی الفور دینا ہوگا اور مؤجل فقط وہ ہے جس میں اجل معین ہو ورنہ معجّل ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اجل معلوم ہے اور وہ موت یا طلاق ہے لہذا مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں اجل موت یا طلاق ہوگی۔ اس دوسرے قول کو محیط اور ہندیہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے۔

محیط میں ہے:

"وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ (فيه). بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت"

Marfat.com

(المحيط البرهاني ۴/۱۳۹)

غیر معلوم مدت تک کی تاجیل ہو تو اس میں مشایخ رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ تاجیل درست نہیں اور بعض کہتے ہیں درست ہے اور یہ دوسرا قول صحیح ہے کیونکہ مدت انتہاء خود ہی معلوم ہے اور وہ طلاق یا موت ہے۔

اسی طرح ھندیہ میں ہے:

"ولو قال نصفه معجل ونصفه مؤجل كما جرت العادة في ديارنا ولم يذكر الوقت للمؤجل اختلف المشايخ فيه قال بعضهم لا يجوز الأجل ويجب حالا وقال بعضهم يجوز ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالموت أو بالطلاق وروى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى ما يؤيد هذا القول كذا في البدائع لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت" (الهندية ۱/۳۱۸)

"اگر وہ کہے کہ نصف معجل اور نصف مؤجل ہوگا جیسا کہ ہمارے شہروں کا عرف ہے اور مؤجل کی مدت بیان نہ کرے تو مشایخ کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں تاجیل درست نہیں اور حالاً مہر اداء کرنا واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تاجیل جائز ہے اور مدت اس کی موت یا طلاق کے ذریعے فرقت ہوگی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ایک مسئلہ اس کی تائید کرتا ہے، یہی بدائع میں ہے۔ کسی ایک کا اختلاف نہیں کہ مہر کو مدت معلومہ تک مؤجل کرنا صحیح ہے اور اگر مدت معلوم نہ ہو تو اس میں مشایخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ تاجیل صحیح ہے اور یہی قول صحیح ہے یہ اس لئے کیونکہ مدت انتہاء خود ہی معلوم ہے اور وہ طلاق یا موت ہے۔"

غایۃ البیان شرح الہدایہ میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں دونوں طرح کے اقوال ذکر ہیں نیز بدائع الصنائع میں بھی مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں تاجیل الی الطلاق او الموت والے قول کی ترجیح نقل ہے۔ ان تین کتابوں میں تاجیل الی الطلاق او الموت کے قول کی تصحیح و ترجیح نقل ہے دوسرے قول (تعجیل کل) کی کسی نے تصحیح نہیں کی لہذا مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں مہر کی تاجیل درست ہوگی اور موت یا طلاق سے فرقت کے وقت اس کی ادائیگی واجب ہوگی۔

یہ تو مہر مؤجل کی اجل کے اعتبار سے چار صورتوں کا ذکر تھا۔ ان صورتوں کو ذکر کرنے سے قبل ہم نے تحریر کیا تھا کہ مہر یا تو معجل ہوگا یا مؤجل یا دونوں قیدوں سے خالی ہوگا، معجل تو وہ ہے جسے فی الفور اداء کرنا طے ہو مؤجل کی اجل کے اعتبار سے چار صورتیں بیان ہوئیں۔ اب آخر میں اس مہر کا ذکر بھی ضروری ہے جو تعجیل و تاجیل دونوں قیدوں سے خالی ہو۔ مثلاً دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا۔ یہاں مہر کے معجل یا مؤجل ہونے کا ذکر نہیں اسے فقہاء مہر مسکوت عنہ (یعنی تعجیل اور تاجیل کی قید سے خاموش) مہر کہتے ہیں۔

مہر مسکوت عنہ کا حکم کیا ہے تو اس سلسلے میں بھی اختلاف ہے اور دونوں طرح کے اقوال پائے جاتے ہیں ایک قول تعجیلِ کل کا ہے

Marfat.com

جبکہ دوسرے قول کے مطابق عرف کا اعتبار ہے یعنی عرف میں مہر کی جتنی رقم فی الفور دینا رائج ہو اتنی فی الفور دینا ہوگی باقی موت یا طلاق تک مؤجل ہوگی، عنایۃ اور غایۃ البیان میں پہلا قول لیا گیا ہے۔

غایۃ البیان کی عبارت ہے:

"أما اذا كان مؤجلا ففيه اختلاف بين اصحابنا بيانه أن المهر لا بد من أحد الأمور الثلاثة اما أن يكون بشرط التعجيل أو بشرط التأجيل أو مسكوتا عنه فان كان بشرط التعجيل أو مسكوتا عنه يجب حالا لأنه عقد معاوضة فيقتضى المساواة من الجانبين وقد تعين حق الرجل فى البضع فلا بد من أن يتعين حقها فى المهر"

(غایۃ البیان ۲ / ۱۸ مخطوطہ لیس مطبوع)

"بہر حال مہر مؤجل ہو تو اسمیں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مہر تین حال سے خالی نہ ہوگا، بشرطِ تعجیل ہوگا یا بشرطِ تاجیل یا مسکوت عنہ ہوگا (یعنی تعجیل و تاجیل کی شرط سے خالی ہو) اگر بشرطِ تعجیل یا مسکوت عنہ ہو تو اسے فی الحال اداء کرنا لازم ہے کیونکہ نکاح عقد معاوضہ ہے جس کا تقاضہ جانبین سے تساوی کا ہے مرد کا حق بضع میں متعین ہوگیا اس لئے ضروری ہے کہ عورت کا حق مہر میں متعین ہو جائے۔"

لیکن اس کے مقابلے میں محیط، خانیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، ہندیہ، درمختار، طحطاوی علی الدر اور شامیہ میں دوسرے قول کی ترجیح اور مفتی بہ ہونا نقل کیا گیا ہے یعنی مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار ہوگا عرفاً معجّل رقم فی الفور دینا ہوگی باقی رقم موت یا طلاق پر مؤجل ہوگی نیز فتح القدیر اور البحر الرائق میں غایۃ البیان پر استدراک بھی کیا گیا ہے۔

فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" فما وقع في غاية البيان من إطلاق قوله فإن كان يعني المهر بشرط التعجيل أو مسكوتا عنه يجب حالا ولها أن تمنع نفسها حتى يعطيها المهر ليس بواقع بل المعتبر في المسكوت العرف" (فتح القدير ۳/۳۵۰)

"پس غایۃ البیان میں مصنف" نے مطلقاً جو یہ کہا ہے کہ اگر مہر بشرطِ تعجیل یا مسکوت عنہ ہو تو فی الفور اداء کرنا لازم ہوگا اور عورت کو اپنے آپ کو مہر کی ادائیگی تک دور رکھنا جائز ہوگا یہ واقع اور حقیقت نہیں بلکہ مسکوت میں اعتبار عرف کا ہے۔"

بحر میں غایۃ البیان پر استدراک کے بعد تحریر ہے:

" وأما على المفتى به فالمعتبر فى المسكوت عنه العرف" (البحر الرائق ۳/۳۱۱)

"بہر حال مفتی بہ قول کے مطابق مسکوت مہر میں اعتبار عرف کا ہے۔"

Marfat.com

شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي:"(لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة"

قال ابن عابدين في رد المحتار تحت قوله: "(أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا) أي إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لأخذ ما يعجل لها منه عرفا وفي الصيرفية الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أو النصف وفي الخانية يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا قلت والمتعارف في زماننا في مصر والشام تعجيل الثلثين وتأجيل الثلث ---
قوله (إن لم يؤجل) شرط في قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعني أن محل ذلك إذا لم يشترطا تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه في قوله كلا أو بعضا۔ وفي الفتح حكم التأجيل بعد العقد كحكمه فيه ۔ قوله (فكما شرطا) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أو عجل كله"

(شامیہ ۳/۱۴۴)

دیگر کتب کے حوالہ جات فتوی کے آخر میں تحریر کردیئے گئے ہیں۔ الغرض مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار مفتی بہ ہے عرفاً معجل رقم فی الفور دینا ہوگی اور بقیہ مؤجل الی الطلاق اَوالموت ہوگی۔ آخر میں طحطاوی علی الدر کا حوالہ بھی نقل کیا جارہا ہے۔ مہر مسکوت عنہ سے متعلق طحطاوی میں تحریر ہے:

"قال الزاهدى: صارت تاخير الصداق الى الموت أو الطلاق بخوارزم عادة مأثورة وشريعة معروفة عندهم ومحله فيما اذا لم يشرطا تعجيله أو تاجيله وهو خلاف الواقع فى مصر وشام وما والاهما من البلاد اه قاسمية قلت وفى مصر المتعارف الآن تعجيل الثلثين وتأخير الثلث الى الموت أوالطلاق الخ ۔"

(الطحطاوی علی الدر ۲/۶۳)

یہاں تک مہر کی اقسام اوران میں اختلاف کی نوعیت نیز صحیح اور مفتی بہ کا تعین ذکر کردیا گیا، گویا مہر کی درج ذیل کل چھ صورتیں بنتی ہیں:

(۱) مہر معجل	(اسے فی الفور اداء کرنا لازم ہے)
(۲) مہر مؤجل مع تعیین مدت	(بالاتفاق اس مدت تک مؤجل ہوگا)
(۳) مہر مؤجل مع اجل جہالت یسیرہ	(بالاتفاق اجل معتبر ہے)
(۴) مہر مؤجل مع جہالت فاحشہ	(بالاتفاق معجل ہوگا اجل کا اعتبار نہیں)

Marfat.com

(۵) مہر مؤجل بلا تعیین مدت (صحیح قول کے مطابق موت یا طلاق تک مؤجل ہوگا)

(۶) مہر مسکوت عنہ (مفتی بہ قول کے مطابق عرفاً معجل فی الفور باقی موت یا طلاق تک مؤجل ہوگا)

ان تمام تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ مہر سے متعلق مختلف صورتیں اور ان کے احکامات الگ الگ ہیں۔ یہ تعیین صور ضروری ہے ورنہ اشتباہ فی الجواب لازمی ہوگا۔ مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں احقر کے نزدیک تاجیل الی الطلاق اَو الموت پر فتوی ہے اور مہر مسکوت عنہ (جس میں تعجیل یا تاجیل کا ذکر ہی نہ ہو) میں عرف کا اعتبار کرنے پر فتوی ہے۔ باقی ہمارے عرف میں چونکہ فی الفور رخصتی کے وقت جو رقم دی جاتی ہے اسے منہ دکھائی یا دیگر نام دیئے جاتے ہیں مہر شمار نہیں کیا جاتا لہٰذا ان رقوم پر ہدایا کے احکام جاری ہوں گے اور مہر مسکوت عنہ میں بھی کل مہر موت یا طلاق پر مؤجل ہوگا جیسا کہ شامیہ میں وضاحت ہے:

"قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة. فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة"

(شامية ۳/۱۵۳)

''میں کہتا ہوں کہ اسی میں سے ہیں وہ کپڑے اور زیورات جو زفاف سے قبل عیدوں اور مختلف مواقع پر دیئے جاتے ہیں یا اسی طرح وہ دراہم اور دنانیر جو لڑکی کو دیئے جائیں رخصتی کے دن۔ جنہیں عرف میں صبحۃ کہا جاتا ہے ان سب کا ہمارے عرف میں ہدیہ ہونا معروف ہے نہ کہ مہر بالخصوص صبحۃ کا ہدیہ ہونا۔''

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کی طرح ہمارے زمانے میں بھی رخصتی کے دن اور اس سے قبل دی گئی رقم کا بطور ہدیہ ہونا معروف ہے لہٰذا مہر مسکوت عنہ (یعنی صرف یہ کہا جائے کہ دس ہزار کے عوض نکاح کرتا ہوں) میں کل کا کل مہر مؤجل الی الطلاق اَو الموت ہوگا۔ یہی عبارات فقہ سے قریب تر اور راجح ہے لہٰذا مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں مہر موت یا طلاق پر مؤجل ہو گا۔ اس سے قبل مطالبے پر ادائیگی ضروری نہیں اور نہ بیوی اس بناء پر ہمبستری سے منع کرسکتی ہے۔

مسئلہ ہذا میں ذکر کردہ اردو فتاوی جات پر ایک نظر:

اب ہم اس تفصیل کے مطابق نقل کردہ اردو فتاوی کا نمبروار جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) فتاوی دار العلوم دیوبند سے حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کا جو فتوی نقل کیا گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ دونوں میں مطلقاً تاجیل الی الطلاق او الموت کا قول کیا ہے جبکہ مہر مسکوت عنہ میں مفتی بہ معجلاً معروف رقم کا معجلاً اور بقیہ کا مؤجل الی الطلاق اَو الموت ہونے کا ہے لیکن ممکن ہے کہ عرف کے اعتبار سے چونکہ معجلاً رقم بطور مہر دینا معروف نہیں لہٰذا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو مطلقاً مؤجل الی الطلاق او الموت قرار دیا ہو (جیسا کہ ہمارے زمانے کا عرف بھی یہی ہے)۔

Marfat.com

(۲) فتاوی محمودیہ سے نقل دونوں فتاوی میں سے پہلے فتوے میں حضرت مفتی محمود گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں تأجیل الی الطلاق أو الموت اور مہر مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار کیا ہے یہی راجح ہے۔ دوسرے فتوے میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت کا مؤجل الی الطلاق أو الموت ہونا ذکر ہے۔

(۳) خیر الفتاوی میں سائل نے مہر مسکوت عنہ سے متعلق سوال کیا ہے جس کا جواب عرف کو فیصل بنا کے دیا گیا ہے۔ یہی راجح ہے۔

(۴) فتاوی حقانیہ میں بھی مہر مسکوت عنہ سے متعلق عرف کو فیصل قرار دیا گیا ہے، یہی قول مفتی بہ ہے۔

(۵) کتاب الفتاوی میں مجیب نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت کو بیوی کے مطالبے اور شوہر کے اداء کرنے کے موقف میں ہونے پر ادائیگی کا قول کیا ہے۔ مجیب نے حوالہ نقل نہیں کیا بظاہر یہ قول کتب میں ذکر نہیں۔ مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں صحیح قول تأجیل کل الی الطلاق او الموت کا ہے۔

(۶) کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت کو فی الفور واجب الاداء قرار دیا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ تحریر نہیں فرمایا لیکن بظاہر حضرت کا استدلال کتب میں ذکر دونوں اقوال میں سے تعجیل کل والے قول کی ترجیح سے ہے البتہ ہم نے ذکر کر دیا تعجیل کل کے قول کی کسی نے تصحیح نہیں کی جبکہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں تأجیل کل الی الطلاق او الموت کے قول کی تصحیح محیط اور ہندیہ میں اور ترجیح و تائید بدائع میں نقل ہے۔

ہم نے کفایت المفتی سے فتوی نقل کرنے کے بعد گزشتہ صفحات میں بھی ذکر کیا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود تو حوالہ تحریر نہیں فرمایا لیکن مخرج نے حاشیے پر درمختار کی جو عبارت نقل کی ہے، وہ یہ ہے:

"إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية" (الدرالمختار ۲/۱۴۴)

یعنی جب مہر مؤجل کے اداء کی مدت میں جہالت فاحشہ ہو تو اسے فی الفور اداء کرنا واجب ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تعجیل کل کے حوالے میں تخریج میں یہ عبارت پیش کرنا مخرّج کا تسامح ہے یہ عبارت مہر مؤجل کی چار میں سے تیسری صورت سے متعلق ہے اور اس کا حکم تو بالاتفاق تعجیلِ کل کا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کر دیا۔ باقی مہر مؤجل کی چوتھی صورت جوزیر بحث ہے یعنی مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت اس کا شامیہ (درمختار اور ردالمحتار) میں ذکر نہیں البتہ اس عبارت سے قبل مہر مسکوت عنہ میں عرف کے اعتبار پر فتوی کا ذکر ہے:

"(لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط (إن لم يؤجل) أو يعجل (كله) فكما شرط لأن الصريح يفوق الدلالة إلا إذا جهل الأجل جهالة فاحشة فيجب حالا غاية" (الدرالمختار ۲/۱۴۴)

لہٰذا مخرج کا مہر مؤجل مع اجل جہالت فاحشہ میں واقع یجب حالاً کے قول کو مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں حضرت مفتی کفایت

Marfat.com

اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کے طور پر پیش کرنا درست نہیں۔ نیز اس ''جہالت فاحشہ'' کے اطلاق میں مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت کو شامل کرنا (بایں طور کہ اس میں تو جہالت ہے بلکہ مدت کا ذکر ہی نہیں) یہ درست نہیں کیونکہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت کا مسئلہ اولاتو خود منصوص ہے دیگر کتب میں صراحۃ ذکر ہے ثانیاً درمختار کی عبارت کے تحت ردالمحتار میں جہالت فاحشہ کی بہت سی مثالیں ذکر ہیں کہ ہوا چلنے یا بارش ہونے پر مہر کی ادائیگی طے ہو لیکن بلا تعیین مدت صرف مہر مؤجل کہہ کر نکاح کو جہالت فاحشہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر نہیں فرمایا، ثالثاً مہر مسکوت عنہ میں عرف کا قول شامیہ میں خود مفتی بہ قرار دیا گیا ہے یعنی عرفاً معجّل دی جانے والی رقم معجّل باقی مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی کیونکہ موت یا طلاق مؤجل غیر معین کی مدتِ معلومہ ہیں لہٰذا جب مہر مسکوت عنہ میں یہ حکم ہے تو مہر مؤجل میں جہاں اگرچہ تعیینِ مدت نہ ہو لیکن مؤجل کی صراحت تو ہے وہاں بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا۔

(۷) امداد الفتاویٰ سے حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق نقل کر دی گئی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر مؤجل صرف وہ ہے جس میں تاجیل شرط ہو (یعنی مدت معلوم ہو) باقی سب معجّل ہے، چاہے مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت، ہو یا مہر مسکوت عنہ ہو۔ تاجیل الی الطلاق او الموت کے قول کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شرط کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی جب یہ شرط ہو کہ یہ مہر مؤجل طلاق یا موت پر اداء کروں گا تو موت یا طلاق پر تاجیل ہوگی ورنہ نہیں۔ باقی عرف سے بھی تاجیل الی الطلاق او الموت ہونا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرجوح ہے کیونکہ جیسے عرف تاجیل الی الطلاق أو الموت کا ہے ویسے ہی عند المخاصمۃ طلب کا بھی ہے لہٰذا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت کو فی الفور اداء کرنا لازم ہے یا حد سے حد مخاصمت تک تاخیر ہوگی۔ جھگڑے کے وقت مطالبے پر ادائیگی ضروری ہے۔

بندہ نے حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل فتویٰ مع سوال و جواب کے نقل کر دیا تھا۔ اسے دوبارہ مطالعہ کر لیا جائے اس کا خلاصہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا نچوڑ پھر عرض کر دیا گیا ہے۔ یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:

۱۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت میں کتب فقہ میں ذکر دو اقوال میں سے پہلا قول یعنی تعجیلِ کل کو لیا ہے اور مہر مسکوت عنہ میں بھی ذکر دو اقوال میں سے پہلا قول یعنی تعجیل کل کو لیا ہے۔

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا ''مؤجل وہ ہوتا ہے جس میں تاجیل شرط ہو جس میں کوئی شرط نہ ہو وہ معجّل ہے'' یہ اسی تعجیلِ کل والے قول کے مطابق ہے ورنہ مہر مؤجل بلا تعیین مدت میں محیط اور ہندیہ کے تصحیح شدہ قول کے مطابق تاجیل الی الطلاق او الموت ہوگی اور مہر مسکوت عنہ میں فتح القدیر، بحر، ھندیہ، درمختار، طحطاوی اور شامیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق عرفاً معجّل رقم فی الفور باقی مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگی۔ مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت سے متعلق ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

"وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت" (الهندية ۱/۳۱۸)

مہر مسکوت عنہ سے متعلق درمختار اور شامیہ کی عبارات گزشتہ صفحات پر نقل کر دی گئیں۔ کتب کے مکمل حوالہ جات فتویٰ کے آخر

Marfat.com

میں نقل ہیں، یہاں فقط بحر کا حوالہ نقل کیا جارہا ہے:

"وأما على المفتى به فالمعتبر في المسكوت عنه العرف" (البحر ٣/ ٣١١)

شامیہ کی اس عبارت کو ایک بار پھر ملاحظہ کرلیا جائے:

"قوله (أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا) أي إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لأخذ ما يعجل لها منه عرفا وفي الصيرفية الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أو النصف وفي الخانية يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا۔۔۔ قوله (إن لم يؤجل) شرط في قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعني أن محل ذلك إذا لم يشترطا تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه في قوله كلا أو بعضا" (شامية ٣/ ١٤٤)

۲۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ ''اگر یہ شرط ٹھہر جاوے کہ طلاق یا موت تک کی مہلت ہے تب تو مؤجل ہوگا...... اگر یہ شبہ ہو کہ واقعی تاجیل شرط ہی سے ہوتی ہے مگر عرف بمنزلہ شرط ہی کے ہے الخ ...... حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد بھی کتب فقہ کے حوالوں کے مطابق نہیں کیونکہ موت یا طلاق تک مؤجل ہونے کے لئے عرف کی قید نہیں۔ مہر مؤجل بالتعیینِ مدت تو محیط، ہندیہ اور بدائع کے قول کے مطابق مطلقاً مؤجل الی الطلاق او الموت ہوگا اور مہر مسکوت عنہ میں بھی مفتی بہ قول کے مطابق معجلاً دی جانے والی رقم میں عرف کا اعتبار ہے باقی رقم خود ہی مؤجل الی الطلاق أو الموت ہوگی۔ محیط میں مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت سے متعلق ہے کہ:

" وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت، ألا ترى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم يتفقا على غاية معلومة نحو الشهر أو السنة"

(المحيط ٤/ ١٣٩)

بدائع میں ہے:

"وقال بعضهم يجوز ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالطلاق أو الموت وروي عن أبي يوسف ما يؤيد هذا القول" (بدائع ٢/ ٣١٥)

ھندیہ میں ہے:

"وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت۔ الخ۔" (الهندية ١/ ٣١٨)

ھندیہ میں مہر مسکوت عنہ سے متعلق ہے:

"وإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك وإن لم يبينوا شيئا ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في

Marfat.com

العقد أنه کم یکون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فیجعل ذلك معجلا ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وإنما ینظر إلی المتعارف" (الهندیة ۳۱۸/۱)

مہر مسکوت عنہ میں فقہاء نے ایک حد تک تاجیل الی الطلاق اوالموت کے لئے عرف کا اعتبار کیا بھی ہو تو اصل اس میں بھی موت یا طلاق کا فی نفسہ مدت معینہ ہونا ہے۔

۳۔حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ ''اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے یہ عرف اسی وقت تک ہے جب تک باہم موافقت رہے ورنہ رنجش میں مطالبے کا بھی عرف ہے'' حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی بناء بھی اس پر ہے کہ مؤجل الی الطلاق او الموت بھی عرف کی بناء پر ہوتا ہے جبکہ حقیقت یہ نہیں " لأن الغایة معلومة فی نفسها وهی الطلاق أو الموت" هندیة ۔۔ لہٰذا اس پر تفریع بے محل ہے نیز مطالبے کے وقت عرف کا اعتبار کرتے ہوئے ادائیگی لازم قرار دینے پر فقہاء کی اتنی تصریحات، تصحیحات اور قولِ مفتی بہ کا تعین بے معنی رہ جاتا ہے کیونکہ رنجش کے وقت مطالبے کے عرف کے معنی ہے کہ جب بھی معمولی سی رنجش پر عورت مہر مانگ لے تو اسے مہر اداء کرنا لازم ہوا تو یہ مہر معجّل کا حکم ہوسکتا ہے مہر مؤجل کا نہیں، ثانیا کسی کتاب میں یہ استثناء یا قید (رنجش کے وقت مطالبے کا عرف کی) موجود نہیں۔ ثالثا اس پر یہ اشکال ہوگا کہ پھر تو مہر مؤجل کی پہلی قسم جہاں مدت معلومہ ہو مثلاً دس سال ہو وہاں بھی مطالبے کے وقت ادائیگی کے عرف کا اعتبار کر کے ادائیگی عند المخاصمۃ لازم ہو۔ اس اشکال کا یہی جواب دیا جائیگا کہ وہاں دس سال مدت معلومہ ہے لہٰذا رنجش کے وقت مطالبے کے عرف کا اعتبار نہیں لہٰذا اسی طرح مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت میں موت یا طلاق بتصریح فقہاء مدت معلومہ ہیں لہٰذا عرف کے اعتبار کی حاجت نہیں۔

(۸) احسن الفتاوی میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رنجش کے وقت مطالبے کے عرف والے قول کو اختیار فرمایا ہے جس پر تفصیلی بحث امداد الفتاوی پر بحث کے دوران آگئی۔

باقی احسن الفتاوی کے فتوے میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہ حوالہ تحریر فرمایا ہے:

قال فی شرح التنویر :"ولها منعه من الوطء (الی قوله)الا اذا جهل الأجل جهالة فاحشة فیجب حالا، غایة" وفی الشامیة: "قال في البحر فإن کانت جهالة متقاربة کالحصاد والدیاس ونحوه فهو کالمعلوم علی الصحیح کمافي الظهیریة بخلاف البیع فإنه لا یجوز بهذا الشرط وإن کانت متفاحشة کإلی المیسرة أو إلی هبوب الریح أو أن تمطر السماء فالأجل لا یثبت ویجب المهر حالا وکذا في غایة البیان اه" (احسن الفتاوی ۵/ ۳۳)

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت سے متعلق سوال کے جواب میں مہر مؤجل کی تیسری قسم مہر مؤجل جہالت فاحشہ کے حوالے کو تحریر فرما دیا ہے یہ اسی نوعیت کا تسامح ہے جو کفایت المفتی کے حاشیے، پر مخرج سے ہوا تھا جسے تحریر کر دیا گیا۔

Marfat.com

البتہ زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مہر مؤجل بلا تعیین مدت کو مہر مؤجل جہالت فاحشہ کے حکم میں قیاساً داخل فرمایا ہے۔ یعنی ایسا مہر جس میں اجل مجہول ہو اور جہالت فاحشہ ہو مثلاً بارش برسنے کے وقت وغیرہ اس میں مہر فی الفور دینا واجب ہوتا ہے اسی طرح ایسا مہر مؤجل جس میں مدت کا بیان ہی نہ ہو اس میں بدرجہ اولیٰ فی الفور ادائیگی ضروری ہوگی کیونکہ جہالت فاحشہ والے مہر مؤجل میں تو پھر مدت کا ذکر تو ہے لیکن یہاں تو مدت کا بیان ہی نہیں، لہٰذا یہاں بدرجہ اولیٰ فی الفور ادائیگی ہونی چاہیئے لیکن یہ استدلال (جہالت فاحشہ کی متفق علیہ صورت پر بلا تعیینِ مدت کی مختلف فیہ صورت کو قیاس) اس وقت درست ہوتا جب مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت کی صورت خود منصوص نہ ہوتی لیکن وہ خود منصوص ہے تو پھر قیاس کی ضرورت نہیں۔

" وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ (فيه). بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت"

(المحیط ۱۳۹/۴)

اس لئے مسئلہ زیر بحث میں مذکورہ بالا حوالے سے استدلال محلِ نظر ہے۔

(۹) فتاویٰ مفتی محمود میں مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت میں مؤجل الی الطلاق او الموت کا قول لیا گیا ہے جبکہ مہر مسکوت عنہ میں غیر مفتی بہ قول کے مطابق تعجیل کا قول لیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام:

اس پوری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مہر مؤجل کی چار صورتیں ہیں۔

۱۔ مدت معلوم ہو۔

۲۔ مدت مجہول ہو جہالت متقاربہ ہو۔

۳۔ مدت مجہول ہو جہالت فاحشہ ہو۔

۴۔ مدت کا تعین ہی نہ ہو۔

پہلی تین صورتیں متفق علیہ اور چوتھی صورت مختلف فیہ ہے۔ چوتھی صورت سے متعلق کتب فقہ میں دو قول ہیں ایک تعجیلِ کل کا، دوسرا تاجیل کل الی الطلاق اَو الموت کا۔ پہلے قول کی کسی نے تصحیح نہیں کی جبکہ دوسرے قول کی محیط اور ھندیہ نے تصحیح اور بدائع نے ترجیح وتائید نقل کی ہے۔

(۲) مہر کی ایک اور صورت مہر مسکوت عنہ ہے جس میں تعجیل یا تاجیل کا ذکر ہی نہ ہو مثلاً دس ہزار مہر کے عوض نکاح کیا اس میں

Marfat.com

بھی دوقول کتب فقہ میں ہیں ایک تعجیلِ کل کا اور دوسرا عرف کا قول ہے یعنی عرفاً معجّل رقم معجّل باقی مؤجل الی الطلاق اَوالموت ہوگی۔ پہلے قول کو عنایہ اور غایۃ البیان نے لیا ہے جبکہ دوسرے قول کو محیط، خانیہ، فتح القدیر، بحر، ہندیہ، درمختار، طحطاوی علی الدر اور شامیہ میں لیا گیا ہے۔ اسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔ بحر اور فتح القدیر میں غایۃ البیان کے پہلے (تعجیلِ کل کے) قول کو لینے پر استدراک کیا گیا ہے۔

(۳) البتہ مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت سے متعلق بعض اردو فتاوی میں پہلے قول پر بھی فتوی دیا گیا ہے جس کی مدلل تنقیح ہم نے تحریر کردی۔ اسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

(۴) مسئلہ زیر بحث میں مہر مؤجل کی چار میں سے چوتھی صورت اور مہر مسکوت عنہ کی صورت میں موجود اختلاف، فقہاء کی عبارات، مسئلے کی تنقیح، تصحیحات، نقل فتوی اور حتی المقدور نقول پیش کردی گئیں۔ تمام حوالہ جات اور اردو فتاوی سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔ ان سب دلائل کی روشنی میں بندہ جس نتیجے پر پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مہر مؤجل جس میں اجل کا تعین نہ ہو موت یا طلاق پر مؤجل ہوگا اس سے قبل مطالبہ پر ادائیگی لازم نہیں۔ نیز مہر مسکوت عنہ جس میں تعجیل اور تاجیل کا ذکر ہی نہ ہو اس میں عرفاً معجّل رقم فی الفور باقی مؤجل الی الطلاق اوالموت ہوگی۔ ہمارے عرف میں چونکہ معجلاً رقم دینا معروف نہیں بلکہ وہ ہدایا اور منہ دکھائی شمار ہوتے ہیں لہٰذا مہر مسکوت عنہ بھی کل کا کل مؤجل الی الطلاق اَوالموت ہوگا، اس سے قبل ادائیگی ضروری نہ ہوگی۔ یہی کچھ عباراتِ فقہاء سے قریب تر اور تصحیحات کے موافق معلوم ہوتا ہے۔

(۵) مسئلہ زیر بحث میں موجود مختلف متضاد عبارات اور متعارض اردو فتاوی جات کا جتنا ممکن ہوا حل پیش کردیا گیا اور حتی المقدور اس اغلاق کو دور کیا گیا۔ احقر نے امانت اور دیانت کے ساتھ یہ تحقیق نقل کردی ہے اس میں جن حضرات کا ذکر آیا یا اختلاف کیا گیا وہ اہل نظر فی الدلیل ہیں۔ حاشا وکلا کسی پر محض اعتراض وتنقید پیش نظر نہیں۔ فقط قوت دلیل اور تصحیحاتِ فقہاء کو مدنظر رکھتے ہوئے جو جواب منقح ہوا تحریر کردیا گیا۔

(۶) آپ نے پوچھا ہے کہ ''کسی ایک کی ترجیح دوسرے کی گستاخی تو شمار نہ ہوگی'' اس سلسلے میں عرض ہے کہ فقہ میں اعتبار قوتِ دلیل کا ہوتا ہے نہ کہ کسی کی شخصیت کا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقود رسم المفتی میں اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ نیز مسئلہ ہذا میں اردو فتاوی کے تعارض اور فقہی عبارات میں اشتباہ آپ کے سامنے ہیں لہٰذا عبارات سے تنقیح کے ذریعے اشتباہ کا رفع کرنا اور تعارض میں ترجیح کے ذریعے ایک کو واضح کرنا ضروری ہے اسے گستاخی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس کے بغیر مسئلے پر عمل ہی ممکن نہیں، دلیل کی بنیاد پر تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے شاگردوں نے اختلاف فرمایا ہے بلکہ خود امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت ہے کہ جب دلیل قوی آجائے تو میرے قول کو چھوڑ دو اور آج تک اصاغر اکابر سے اختلاف کرتے رہے ہیں سب کی بنیاد دلیل پر ہوتی ہے اور اکابر کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے جو بات دلیل اور تفقہ کے زیادہ قریب ہو ذکر کردی جاتی ہے۔ نیز مسئلہ ہذا میں فتاوی محمودیہ، حقانیہ اور خیر الفتاوی میں مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت اور مہر مسکوت عنہ سے متعلق وہی رائے اختیار کی گئی ہے جو بعد از تحقیق احقر نے ذکر کی ہے ان حضرات نے فقط مسئلہ کی تنقیح وغیرہ مفصل انداز میں تحریر نہیں فرمائی لیکن فتوی اسی قول پر دیا ہے۔ فتاوی دار العلوم دیوبند اور فتاوی مفتی محمود میں مہر مؤجل بلا تعیینِ مدت سے متعلق

Marfat.com

یہی رائے اختیار کی گئی ہے کہ وہ مطلقا موت یا طلاق تک مؤجل ہوگا کیونکہ موت یا طلاق خود ہی مہر مؤجل کی معینہ مدت ہیں لہٰذا اسے سوء ادب یا گستاخی سمجھنا درست نہیں۔

لمافی المحیط البرهانی(۱۳۹/۴): وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشايخ فيه بعضهم قالوا: لا يصح، وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق أو الموت، ألا ترى أن تأجيل البعض صحيح وإن لم يتفقا على غاية معلومة نحو الشهر أو السنة، وإنما يصح بالطريق الذي قلنا. قال مشايخنا رحمهم الله: وفي عرف ديارنا ليس للمرأة أن تمنع نفسها من زوجها حتى تستوفي جميع المهرلأن في عرفناالبعض مؤجل و البعض معجّل والمعجل يسمى دست بيمان والمؤجل يسمى كابين كردني والمعروف كالمشروط، فإن بينا مقدار المعجل ومقدار المؤجل فهو على ما بينا، وإن لم يبينا شيئاًينظر إلى المسمى وإلى المرأةان مثل هذه المرأة كم يكون لها من مثل هذا المسمى معجلاً، وكم يكون لها مؤجلاً في العرف فيقضى بالعرف.وما ذكر في مجموع النوازل أنه يقضي لها نصف المهر معجلاً فإنما ذلك بناء على عرف أهل سمرقند أنهم يعجلون النصف من المسمى، وهو اختيار الفقيه أبي الليث رحمه الله إلا أن ذلك يختلف باختلاف البلاد، والصحيح ما ذكرنا. وإن شرطا تعجيل الكل في العقد فهو كما شرطا، ووجب تعجيل الكل، إذ لا تعتبر دلالة العرف إذا جاء الصريح بخلافها۔

وفی الخانية(۱۷۷/۱):إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر فإن كان في موضع يعجل البعض ويترك الباقي في الذمة إلى وقت الطلاق أو الموت كما هو عرف ديارنا كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المعجل وهو الذي يقال بالفارسية دست بيمان وليس لها أن تطالبه بكل المهر فإن بينوا قدر المعجل يعجل ذلك وإن لم يبينوا شيئاً ينظر إلى المرأة وإلى المهر المذكور في العقد أنه كم يكون المعجل لمثل هذه المرأة من مثل هذا المهر فيجعل ذلك معجلاً ولا يقدر ذلك بالربع ولا بالخمس وإنما ينظر إلى المتعارف لأن الثابت عرفاً كالثابت شرطاً وإن شرطوا في العقد تعجيل كل المهر تجعل الكل معجلاً ويترك العرف ۔

وفی غاية البيان شرح الهداية،نسخة مخطوطة عندنا(۱۸۸/۲) باب المهر:أما اذا كان مؤجلا ففيه اختلاف بين أصحابنا بيانه أن المهر لا بد من أحد الأمور الثلاثة اما أن يكون

Marfat.com

بشرط التعجيل أو بشرط التأجيل أو مسكوتا عنه ، فان كان بشرط التعجيل أو مسكوتا عنه يجب حالا لأنه عقد معاوضة،وان قال نصفه مؤجل ونصفه معجل كما جرت العادة ولم يزد على ذلك يجوز الأجل ويقع ذلك على وقوع الفرقة بالموت أو الطلاق وقال بعضهم لا يجوز الأجل ويجب حالا۔

وفي الطحطاوي على الدر(۲/۶۳):ومثال الجهالة الفاحشة الى الميسرة او الى هبوب الريح ۔۔۔ (قوله لطلاق أو موت)قال الزاهدي: صارت تأخير الصداق الى الموت أو الطلاق بخوارزم عادة مأثورة وشريعة معروفة عندهم ومحله فيما اذا لم يشترطا تعجيله أو تاجيله وهو خلاف الواقع في مصروشام وماوالاهما من البلادقاسميه قلت وفي مصرالمتعارف الآن تعجيل الثلثين و تأخير الثلث الى الموت أوالطلاق وفي بعض اعمالها تعورف تعجيل النصف وتأخير النصف الى عشر سنوات مثلا وهذا التنجيم لازم ولا يحل بالطلاق۔

وفي الشامية(۳/۱۴۴): قوله (أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا) أي إن لم يبين تعجيله أو تعجيل بعضه فلها المنع لأخذ ما يعجل لها منه عرفا وفي الصيرفية الفتوى على اعتبار عرف بلدهما من غير اعتبار الثلث أو النصف وفي الخانية يعتبر التعارف لأن الثابت عرفا كالثابت شرطا قلت والمتعارف في زماننا في مصر والشام تعجيل الثلثين وتأجيل الثلث ولا تنس ما قدمناه عن الملتقط من أن لها المنع أيضا للمشروط عادة كالخف والمكعب وديباج اللفافة ودراهم السكر كما هو عادة سمرقند فإنه يلزم دفعه على من صدق العرف من غير تردد في إعطاء مثلها من مثله ما لم يشرطا عدم دفعه والعرف الضعيف لا يلحق المسكوت عنه بالمشروط قوله (إن لم يؤجل) شرط في قوله أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها يعني أن محل ذلك إذا لم يشترطا تأجيل الكل أو تعجيله ط وكذا البعض كما قدمه في قوله كلا أو بعضا۔

Marfat.com

(۵۶۰) مہر معجل ادا نہ کرنے پر بیوی کا ہمبستری سے انکار کرنا

سؤال

نکاح کے وقت مہر معجل طے کیا گیا، رخصتی کے بعد لڑکی نے مہر کا مطالبہ کیا تو لڑکا آج اور کل پر ٹالتا رہا، اب لڑکی شوہر کو نہ اپنے قریب آنے دیتی ہے اور نہ ہی گھر کے کسی کام کاج کو ہاتھ لگاتی ہے۔ آیا لڑکی کو اس کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اگر حاصل ہے تو کب تک؟ اگر شوہر کچھ رقم ادا کردے تو کیا اس کے بعد بھی لڑکی کو انکار کا حق حاصل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب نکاح کے وقت مہر معجل طے کیا گیا اور رخصتی کے بعد لڑکی نے مہر کا مطالبہ کیا تو جب تک خاوند پورا مہر ادا نہ کرے لڑکی خاوند کو اپنے اوپر قدرت دینے سے روک سکتی ہے۔

لمافي الشامية (۱۴۳/۳،۱۴۴): قوله (ودواعيه الخ) لم يصرح به في شرح المجمع وإنما قال لها أن تمنعه من الاستمتاع بها فقال في النهر إنه يعم الدواعي ط ... قوله (لأخذ ما بين تعجيله) علة لقوله ولها منعه أو غاية له واللام بمعنى إلى فلو أعطاها المهر إلا درهما واحدا فلها المنع وليس له استرجاء ما قبضت هندية عن السراج۔

(۵۶۱) تجدید نکاح میں مہر کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صرف تجدید نکاح ہو مثلا کوئی کلمہ کفر نہ ہو اور نہ طلاق کا وقوع ہوا ہو فقط تجدید ہو برائے تجدید۔ کیا اس صورت میں دوبارہ مہر اور گواہ کا ہونا ضروری ہے؟ اگر اس تجدید میں بھی گزشتہ کی طرح دس ہزار مہر طے ہو تو بیس ہزار مہر ہو جائیگا یا یہ دوسرا لغو ہے؟ از راہ کرم تجدید نکاح کے تمام مسائل (اس میں مہر شرط ہے یا نہیں وغیرہ) تفصیلا تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر ملک بضع کے بدلے میں واجب ہوتا ہے۔ جہاں پر حرمت پہلے سے ہو وہاں اگر وطی ہوگی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر حرمت کے بعد بضع حلال ہو تو اس کے بدلے بھی مہر لازم ہوگا مثلا اگر وطی بالشبہ ہو جائے یا طلاق بائن یا ردت کے بعد تجدید

Marfat.com

نکاح ہوتو ان تمام صورتوں میں ہر بار نیا مہر لازم ہوگا۔ وطی بالشبہ میں مہر مثل اور نکاح صحیح میں مہر مسمی یا مہر مثل واجب ہوگا۔

تجدید نکاح اگر بغیر کسی علت (طلاق یا ردّت) کے ہو تو چونکہ اس صورت میں حرمت پہلے سے نہیں (کیونکہ بیوی تو پہلے سے حلال ہے) لہذا اس صورت میں مہر لازم نہیں آئے گا لیکن اگر اضافہ کی غرض سے ہی نکاح کرے اور پچھلے دس ہزار مہر پر یہ دس ہزار اضافہ کرنا مقصود ہو تو پھر اس اضافے کا اعتبار ہے اور بیس ہزار مہر دینا ہوگا۔ اگر اضافہ نہ ہو تو صرف احتیاطاً تجدید میں کوئی مہر لازم نہیں آتا البتہ تجدید نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا لہذا اگر کوئی تجدید نکاح احتیاطاً کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں نیا مہر لازم نہیں ہوگا بلکہ پہلے والا مہر ہی واجب ہوگا البتہ گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

لما في الدر المختار (۱۱۲/۳) وفي الكافي جدد النكاح بزيادة ألف لزمه ألفان على الظاهر۔

وفي الردّ تحته: ثم ذكر أن قاضيخان أفتى بأنه لا يجب بالعقد الثاني شيء ما لم يقصد به الزيادة في المهر۔۔۔ أقول بقي ما إذا جدد بمثل المهر الأول ومقتضى ما مر من القول باعتبار تغيير الأول إلى الثاني أنه لا يجب بالثاني شيء هنا إذ لا زيادة فيه وعلى القول الثاني يجب المهران۔

(تنبيه) في القنية جدد للحلال نكاحا بمهر يلزم إن جدده لأجل الزيادة لا احتياطا اه أي لو جدده لأجل الاحتياط لا تلزمه الزيادة بلا نزاع كما في البزازية۔

وفي الشاميه (۲۱/۳): قوله (وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد۔

(۵۶۲) نکاح سے قبل خرچ کی گئی رقم کو مہر کہنا

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص ایک عورت پر شادی سے قبل خرچہ کرتا ہے اور جب نکاح کا وقت آتا ہے تو وہ نکاح کی تقریب میں کہتا ہے کہ اس عورت کا حق مہر وہی پیسہ ہے جو میں نے شادی سے پہلے اسے کھلایا تھا اور مزید کوئی حق مہر نہیں تو کیا اس طرح شادی سے قبل کیا گیا خرچہ حق مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

مہر کو نکاح سے قبل ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن صراحۃً ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ جو رقم میں دے رہا ہوں یہ مہر ہے اور اگر صراحت نہ کی ہو تو پھر عرف پر مدار ہوتا ہے اور ہمارے عرف میں مختلف مواقع پر نکاح سے قبل بھیجی گئی رقوم عموماً ہدیہ ہی ہوتی ہیں اس کو مہر نہیں سمجھا جاتا لہذا صورت مسئولہ میں اس شخص نے نکاح سے قبل خرچہ کرتے وقت یہ تصریح کی ہو کہ یہ مہر ہے تب تو وہ مہر بن سکتا ہے ورنہ وہ رقم

Marfat.com

بطورِ ہدیہ کے ہوگی اسے مہر قرار نہیں دیا جاسکتا، بوقتِ نکاح دوبارہ تقرر مہر ضروری ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔

وفیه ایضاً (النساء:۲۴): فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً۔

وفی الشامیة (۳/۱۵۳): قوله (لأن الظاهر يكذبه) قال في الفتح والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها يكون القول فيها قول المرأة لأن المتعارف في ذلك كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه ۔۔۔ قال في النهر وأقول وينبغي أن لا يقبل قوله أيضا في الثياب المحمولة مع السكر ونحوه للعرف اه قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

(۵۶۳) بغیر رجسٹری کے مکان مہر مقرر کرنے کا حکم

سؤال

ایک شخص کا نکاح کسی لڑکی سے ہوا اور مہر میں مکان مقرر کیا اور رجسٹری نہیں کراتا ہے اس وقت کہا کہ رجسٹری بعد میں کراؤں گا اب وہ رجسٹری نہیں کرا رہا تو اس کیلئے شرعاً کیا حکم ہوگا آیا نکاح صحیح ہوگا یا ختم ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

نکاح میں مہر مقرر کیا جائے یا مقرر نہ کیا جائے دونوں صورتوں میں نکاح درست ہوجاتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نکاح درست ہے، اور جو مہر مقرر ہے وہ خاوند کے ذمہ لازم ہے، اگر وہ نہیں دیتا اور انکار کرتا ہے تو اس صورت میں گنہگار ہوگا، تاہم نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

لما فی الهندیة (۱/۳۰۳): ثم الأصل في التسمية أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ينظر إن كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلك وإن كان دون العشرة يكمل عشرة عند أصحابنا الثلاثة۔

وفی الشامیة (۳/۱۰۲): (ويتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس

Marfat.com

العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه وبه ظهر أن ما في الدرر من أن قوله عند وطء متعلق بالوجوب غير مسلم كما أفاده في الشرنبلالية قال في البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع اهـ

(۵۶۴) بیوی کو مہر سے زیادہ دیکر واپسی کا مطالبہ کرنا

سؤال

میں نے اپنی بیوی کا مہر مہر فاطمی رکھا اور شادی کے وقت میرے پاس وسعت تھی لہٰذا میں نے بیوی کو ۱۰ تولہ سونا دے دیا میری شادی ۲۰۱۰ء میں ہوئی تھی جب چاندی تقریباً ۷ سو روپے تولہ تھی جس حساب سے مہر فاطمی تقریباً ایک لاکھ بنتا تھا لیکن میں نے تقریباً ۵ لاکھ کا سونا مہر میں دے دیا اور لڑکی کو ہدیہ کر دیا۔ اس وقت کوئی ناچاقی نہ تھی اب ۲ سال بعد بہت سے جھگڑے پیدا ہو گئے ہیں، سسرال والے دھمکی دے رہے ہیں کہ ہم لڑکی کو بھی واپس لے جائیں گے اور مہر کی رقم بھی واپس نہ دیں گے اور میں مہر فاطمی سے زیادہ رقم جو میں نے ویسے ہی دے دی تھی واپس لینا چاہتا ہوں اگرچہ یہ اچھی حرکت نہیں لیکن اگر شرعاً اس کی گنجائش ہو تو میرے سسرال والوں اور بیوی کا دماغ کچھ درست ہو جائے گا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں آپ کا اپنی اہلیہ کو مہر فاطمی سے زائد ہدیہ کئے ہوئے سونے کا رجوع درست نہیں ہے۔

لمافی الهندية (۳۸۶/۴) كتاب الهبة: وإذا وهب أحد الزوجين لصاحبه لا يرجع في الهبة وإن انقطع النكاح بينهما ولو وهب لأجنبية ثم تزوجها أو وهبت لأجنبي ثم زوجت نفسها منه كان للواهب أن يرجع في الهبة لأن النكاح بعد الهبة لا يمنع الرجوع كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الدرالمختار(۷۰۴/۵)باب الرجوع فی الهبة: (والزاي الزوجية وقت الهبة فلو وهب لامرأة ثم نكحها رجع ولو وهب لامرأته لا) كعكسه۔

Marfat.com

(۵۶۵) مہر کو قسطوں میں ادا کرنے کا حکم

سؤال

اگر کوئی شخص نکاح کے وقت مہر ادا نہ کرسکا کسی مجبوری کی بنا پر اور ابھی تک اس کے حالات ایسے ہیں کہ وہ ایک ساتھ سارا مہر ادا نہیں کرسکتا۔ اس کا یہ پوچھنا ہے کہ اگر تھوڑا تھوڑا دے کر مہر ادا کردیں تو مہر ادا ہوجائے گا یا نہیں اور اگر وہ مہر ادا نہ کرسکا تو مہر معاف ہوجائے گا یا نہیں؟ اسی طرح بعض لوگ مہر معاف کرالیتے ہیں اس سے مہر معاف ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

مہر کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ معجّل: جسے فی الفور جب بھی بیوی مانگے اداء کرنا لازم ہوتا ہے۔

۲۔ مؤجل: جسے اداء کرنے کی مدت معین ہو یا اگر مدت معین نہ ہو تو فی الفور ادا کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ طلاق یا موت کے وقت ادا کرنا ہوتا ہے البتہ اگر کہیں کچھ رقم معجلاً اداء کرنے کا بھی عرف ہو تو ایسے مہر مؤجل جس میں ادائیگی کی مدت معین نہ ہو اس میں اتنی رقم فی الفور دی جائے گی[1] لہٰذا اگر آپ نے مہر مؤجل رکھا ہے تب تو تھوڑا تھوڑا ادا کرنے سے مہر ادا ہوجانے میں کوئی شک ہی نہیں اور اگر آپ نے مہر معجّل رکھا ہے تو بیوی کی رضامندی سے اس طرح وقفہ وقفہ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ مہر ادا کرنا بہر حال ضروری ہے اگر آخری عمر تک بیوی کو مہر ادا نہ کیا تو یہ مہر اس کے ذمے بیوی کا قرض رہ جائے گا۔ اسی لئے شریعت اتنا مہر طے کرنے کی ترغیب دیتی ہے جو بآسانی ادا کیا جاسکے اور مہروں کا زیادہ ہونا ممدوح نہیں نیز اگر بیوی سے زندگی میں مہر معاف کروالیا تو وہ اس شرط کے ساتھ کہ بیوی پوری رضامندی کے ساتھ معاف کردے تو مہر معاف ہوجائے گا لیکن بیوی پر کسی قسم کا ظاہری یا ذہنی دباؤ نہ ہونا چاہئے ورنہ مہر معاف نہ ہوگا مروّجہ طریقہ کہ باوجود قدرت اور وسعت کے ہوتے ہوئے بھی بیوی سے مہر معاف کروالیا جاتا ہے اور وہ چار ونا چار شرم وحیاء کی وجہ سے معاف کردیتی ہے اس سے قطعاً مہر معاف نہیں ہوتا بلکہ بدستور شوہر کے ذمہ باقی رہتا ہے۔

لما فی الکلام المجید (نساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

---

[1] مہر معجل اور مؤجل کی تعیین، مہر کی مختلف صورتیں، ان میں فرق کی تنقیح، ہر صورت سے متعلق صریح فقہی عبارات، دیگر اردو فتاوی میں پایا جانے والا تعارض، محیط، بدائع، ھندیۃ اور شامیۃ کے صریح حوالہ جات کی روشنی میں مہر مؤجل بلا تعیین مدت اور مہر مسکوت عنہ سے متعلق مکمل تحقیقی فتوی نجم الفتاوی کی اسی جلد میں **"الجواب المفصل لمن سئل عن تعیین مدة المهر المؤجل"** کے عنوان سے ملاحظہ ہو۔ از مرتب ابو عزام فرحان حسن عفی عنہ

Marfat.com

فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا۔

وفی الهندية (۳۱۹/۱): لاخلاف لأحدان تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر أو سنة صحيح وإن كان لا إلى غاية معلومة فقد اختلف المشائخ فيه قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة فی نفسها وهو الطلاق او الموت الايرى ان تأجيل البعض يصح وإن لم ينصا على غاية معلومة كذا فی المحيط۔

وفی الدرالمختار (كتاب الاكراه) (۱۴۱/۶): (خوفها الزوج بالضرب حتى وهبته مهرها لم تصح) الهبة (إن قدرالزوج على الضرب) وإن هددها بطلاق أو تزوج عليها أو تسر فليس بإكراه، خانية وفي مجمع الفتاوى منع امرأته المريضة عن المسير إلى أبويها إلا أن تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطلة لأنها كالمكره قلت ويؤخذ منه جواب حادثة الفتوى وهي زوج بنته البكر من رجل فلما أرادت الزفاف منعها الأب إلا أن يشهد عليها أنها استوفت منه ميراث أمها فأقرت ثم أذن لها بالزفاف فلا يصح إقرارها لكونها في معنى المكرهة وبه أفتى أبو السعود مفتي الروم قاله المصنف في شرح منظومته تحفة الأقران في بحث الهبة۔

(۵۶۶) بدنامی سے بچنے کیلئے مجمع میں زیادہ مہر کہلوانے کا حکم

سوال

میں نے جب شادی کی تو سسر نے مجھے کہا میری لڑکی کا مہر تو 5,000 روپے ہے لیکن مجلس نکاح میں آپ پچاس ہزار لکھوانا تاکہ لوگ ہمیں اچھے گھرانے کا تصور کریں البتہ ہم آپ سے صرف پانچ ہزار لیں گے۔ میں نے بھی ان پر اعتبار کر کے لکھ دیا، اب وہ میرے سے پچاس ہزار کا مطالبہ کر رہے ہیں تو اب میرے اوپر کتنا مہر لازم ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر لڑکی کا حق ہے اس میں سسرال والوں کا کوئی دخل نہیں۔صورت مسئولہ میں جبکہ خفیہ اور علانیہ مہروں کی مقداروں میں کافی فرق بھی ہے تو اس صورت میں اگر آپ کے پاس خفیہ طور پر طے کئے جانے والے (پانچ ہزار روپے) مہر کے بارے میں کوئی گواہ یا ثبوت ہے تو پھر علانیہ مہر (50,000) آپ کے ذمے واجب نہیں ہے۔

(۲)......اور اگر خفیہ مہر پر کوئی گواہ یا ثبوت نہیں ہے تو پھر اگر لڑکی راضی ہو جائے تو دیانتاً پانچ ہزار ہی واجب ہیں لیکن اگر بیوی عدالت چلی جائے تو قضاءً پچاس ہزار (50,000) کی ادائیگی کرنی ہوگی۔

Marfat.com

لمافی الجرھرة النیرة (۱/۵۵۵): ومن أقر لغیرہ بمال کاذبا ، والمقر له یعلم أنه کاذب لا یحل له دیانة إلا إذا سلمه بطیب نفسه فإنه یحل۔

وفیه أیضاً: اذا اقرالحر البالغ العاقل علی نفسه بحق لزمه اقرارہ۔

وفی الشامیة (۳/۱۶۱): مطلب في مهر السر ومهر العلانیة (قوله المهر مهر السر إلخ) المسألة علی وجهین الأول تواضعا في السر علی مهر ثم تعاقدا في العلانیة بأکثر والجنس واحد ، فإن اتفقا علی المواضعة فالمهر مهر السر وإلا فالمسمی في العقد ما لم یبرهن الزوج علی أن الزیادة سمعة۔

وفیه أیضاً(۳/۱۶۲): الوجه الثاني أن یتعاقدا في السر علی مهر ثم أقر في العلانیة بأکثر فإن اتفقا أو أشهدا أن الزیادة سمعة فالمهر ما ذکر عند العقد في السر وإن لم یشهد فعندهما المهر هو الأول وعنده هو الثاني ویکون جمیعه زیادة علی الأول لو من خلاف جنسه وإلا فالزیادة بقدر ما زاد علی الأول اهـ ملخصا من الذخیرة .

وفیه أیضاً(۴/۴۱۳): لأن القاضي إنما یقضي بالحجة والحجة إنما هي البینة أو الإقرار ، أما الصك فلا یصلح حجة لأن الخط یشبه الخط۔

(۵۶۷) اعلانیہ شہرت کیلئے زیادہ مہر لکھوانے کا حکم

سؤال

ایک شخص نے نکاح کا ارادہ کیا اس کے پاس وافر رقم موجود نہ تھی کافی پریشان تھا آخر اس نے قرض وغیرہ لے کر کسی طرح سارا بندوبست کیا لیکن مسئلہ مہر کا پھنس گیا۔ خاندان میں عزت وشرافت باقی رکھنے کیلئے کم از کم ایک لاکھ مہر مقرر کرنا ضروری تھا جو ظاہر ہے یہ شخص ادا نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے ذہن میں عجیب ترکیب آئی، اس نے لڑکی کے والدین وغیرہ سے مل کر بیس ہزار مہر طے کرلیا اور یہ طے کیا کہ مجلسِ نکاح میں ڈیڑھ لاکھ مہر لکھوائیں گے الغرض اس طرح تمام مراحل طے ہوگئے لیکن شادی کے بعد لڑکی اور اس کے والدین بیس ہزار لینے سے مکر گئے اور ڈیڑھ لاکھ کا مطالبہ کرنے لگے اب یہ شخص سخت پریشان ہے کیونکہ پچھلے معاہدے کا کوئی تحریری ثبوت بھی نہیں۔ آپ بتائیں لڑکے پر کون سا مہر دینا واجب ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اولاً تو یہ بات یاد رہے کہ اس طرح شہرت وسمعت کیلئے مجلس نکاح میں زیادہ مہر مقرر کرانا اور پہلے کم مہر پر نکاح یا معاہدہ خفیہ طور پر کرنا یہ صحیح طریقہ نہیں۔ اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اگر کہیں ایسے حالات ہوں تو سب کے سامنے کم مہر پر نکاح کیا جائے اور

Marfat.com

اس برے رواج کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے اگرچہ کہنے والے کچھ بھی کہتے رہیں۔ ان اعتراض کرنے والوں کو بھی اپنی عاقبت سے متعلق غور وفکر کرنا چاہیئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"وعن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة". (مشكوة ص ۲۶۸)

"بیشک سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچہ جتنا کم ہو"

ایک اور حدیث میں ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: ألا لا تغالوا صدقة النساء فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عند الله لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من اثنتي عشرة أوقية. رواه أحمد والترمذي وأبو داود والنسائي وابن ماجه والدارمي" (مشكوة ص۲۷۷)

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں خبردار عورتوں کا مہر نہ بڑھاؤ کیونکہ مہر کی زیادتی اگر دنیا میں شرافت اور اللہ کے ہاں تقویٰ کا معیار ہوتی تو اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حق دار تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کسی زوجہ یا اپنی کسی بیٹی کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو۔"

اس لئے اولاً تو شہرت کیلئے آپ کو یہ حرکت نہیں کرنی چاہیئے تھی لیکن اگر ایسا واقعہ ہو گیا ہے تو شرعاً جو نکاح مجلس عقد میں ہوا اس میں طے شدہ مہر معتبر ہوگا الا یہ کہ خفیہ معاہدے پر آپ کے پاس دو گواہ ہوں۔ اگر آپ خفیہ بیس ہزار مہر مقرر کرنے پر دو گواہ لے آتے ہیں تو مہر بیس ہزار ادا کرنا ہوگا ورنہ عورت کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور بظاہر جو مجلسِ نکاح میں ڈیڑھ لاکھ طے ہوئے ہیں آپ پر اس ڈیڑھ لاکھ کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لما في المصنف عبدالرزاق(۶/۱۸۷): عبد الرزاق عن الثوري عن جابر وغيره عن الشعبي قال إذا تزوج في السر بمهر وفي العلانية بمهر أكثر منه فالصداق الذي سمى في العلانية قال سفيان إلا أن تقوم البينة أنه كان سمعة (أي سمع به وأذاعه كذبا أو سمعة)۔

وفی الشامية (۳/۱۶۲): الوجه الثاني أن يتعاقدا في السر على مهر ثم أقر في العلانية بأكثر فإن اتفقا أو أشهدا أن الزيادة سمعة فالمهر ما ذكر عند العقد في السر وإن لم يشهد فعندهما المهر هو الأول. وعنده هو الثاني ويكون جميعه زيادة على الأول لو من خلاف جنسه وإلا فالزيادة بقدر ما زاد على الأول اھ ملخصا من الذخيرة. والحاصل في الوجه الأول أن العقد إنما جرى في العلانية فقط، وفي الوجه الثاني بالعكس أو جرى مرتين مرة في السر ومرة في العلانية

Marfat.com

كما قدمناه مبسوطا عن الفتح ـ الخ ـ

وفيه أيضاً(۲/۱۶۱): مطلب في مهر السر ومهر العلانية (قوله المهر مهر السر إلخ) المسألة على وجهين الأول تواضعا في السر على مهر ثم تعاقدا في العلانية بأكثر والجنس واحد ، فإن اتفقا على المواضعة فالمهر مهر السر وإلا فالمسمى في العقد ما لم يبرهن الزوج على أن الزيادة سمعة ـ

(۵۶۸) انچاس دراہم مہر مقرر کرنے کا حکم

سؤال

ہمارے علاقے میں ایک خاندان ہے جن میں پرانے زمانے سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ جب ان کے خاندان میں کسی کی شادی ہونے لگتی ہے تو نکاح کے وقت مہر میں ایک کم پچاس چاندی والے دراہم مقرر کرتے ہیں، یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ دراہم تو نہیں ہیں تو یہ لوگ جب مہر ادا کریں گے تو کتنا ادا کرنا پڑے گا اور آج کے دن ان کو کتنی رقم مہر میں دینا لازم ہوگی جبکہ یہ لوگ اس رسم کو بھی نہیں چھوڑ رہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر سے تین قسم کے حقوق متعلق ہوتے ہیں۔ اولاً اس میں شریعت کا حق ہے کہ دس دراہم سے کم نہ ہو۔ دوسرا اس میں اولیاء کا حق ہے کہ مہر مثل سے کم نہ ہو، مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے جو کسی بھی خاندان میں عام طور پر عورتوں کا مقرر کیا جاتا ہے، اس میں اعتبار عورت کے باپ کے خاندان کی عورتوں کا کیا جائے گا۔ جن میں عورت کی بہنیں اس کی پھوپھیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں شامل ہیں لہٰذا ان عورتوں کے مہر کا خیال کرتے ہوئے جو بھی مہر مقرر کیا جائے شرعاً درست ہے بشرطیکہ وہ دس دراہم سے کم نہ ہو۔ تیسرا حق مہر میں عورت کا ہے کہ اسے مہر کا مالک بنایا جائے البتہ اگر نکاح کے بعد عورت اپنی خوشی سے کچھ مہر یا پورا مہر معاف کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے اور شرعاً اس کا معاف کرنا درست ہوگا۔ صورت مسئولہ میں ۴۹ دراہم کی مقدار سے متعلق سوال کیا گیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ایک درہم 3.0618 گرام کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے مہر کی کم سے کم مقدار 30.618 گرام چاندی (برابر 2.625 تولہ چاندی) بنتی ہے[1]۔ پھر اسی حساب سے 49 دراہم برابر ہیں 150.0282 گرام اور 12.8625 تولہ چاندی کے بنتے ہیں۔ چاندی کی قیمت بازار سے معلوم کر کے مہر ادا کر سکتے ہیں۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۲۴): وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ

---

[1] مزید تفصیلات کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی نمبر 552 ''شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟'' کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ ازمرتب

Marfat.com

غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔

وفی التاتارخانية (٣/٨٣): والنساء اللاتی يعتبر مهرها بمهورهن: قوم أبيها أخواتها لأبيها وأمها أو لأبيها وعماتها وبنات عمها ۔۔۔ فإن لم تكن لها أخت ولا عمة فبنت الأخت لأب على ما ذكرنا من التفسير وبنت العم الخ۔

وفی الدر المختار (٣/١٠١): (أقله عشرة دراهم) لحديث البيهقي وغيره لا مهر أقل من عشرة دراهم۔

وفی الشامية تحته: قوله (لحديث البيهقي وغيره) رواه البيهقي بسند ضعيف ورواه ابن أبي حاتم وقال الحافظ ابن حجر إنه بهذا الإسناد حسن كما في فتح القدير في باب الكفاءة۔

(۵۶۹) ساس کے قرضے سے بیوی کا مہر منہا کرنا

سؤال

میری شادی میں جو مہر طے ہوا تھا وہ میں بیوی کو ادا نہیں کر پایا اور بیوی کا انتقال ہو گیا۔ ظاہر ہے مہر بیوی کے گھر والوں کو دوں گا لیکن میری ساس پر میرا قرض ہے۔ میں چاہتا ہوں مہر کی رقم اس قرض سے منہا کر دوں کیا اس طرح بیوی کا مہر ادا ہو جائے گا؟ ازراہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قرضہ میں مہر کی ادائیگی نہیں ہو سکتی نیز آپ کا یہ کہنا کہ "ظاہر ہے مہر بیوی کے گھر والوں کو دوں گا" یہ درست نہیں۔ مہر صرف بیوی کا حق تھا اور بیوی کے مرجانے کی صورت میں بیوی کے ترکہ میں شامل ہو کر تمام ورثہ کو بقدر حصص مہر میں سے بھی رقم ملے گی لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو چاہیئے کہ مرحومہ کے مہر کی رقم کو ان کے ترکہ میں شامل کر دیں اور اگر مرحومہ کی کوئی اولاد نہ ہو تو آپ کو اس مہر سے نصف یعنی آدھا ملے گا اور اگر اولاد ہو تو پھر ایک چوتھائی حصہ اس مہر میں آپ کا (بطورِ میراث) ہے بقیہ رقم دیگر ورثہ پر ان کے حصوں کی بقدر تقسیم ہو گی اور ساس کا قرضہ، ساس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ آپ اپنا قرضہ ان سے وصول کریں۔ یہ مہر کی رقم اب تمام ورثہ کا حق ہے اسے قرضے میں منہا کرنا جائز نہیں۔

لما في القرآن الكريم (النجم: ٣٨): اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔

وفی الدر المختار (٣/١٠٩): باب المهر: (وكذا يجب ۔۔۔ إن وطىء) الزوج (أو مات عنها) الخ۔

وفی الرد تحته: (قوله إن وطئ الزوج) أي ولو حكما نهر أي بالخلوة الصحيحة فإنها كالوطء في تأكد المهر كما سيأتي (قوله أو مات عنها) قال في البحر: لو قال أو مات أحدهما لكان أولى

Marfat.com

لأن موتها کموته کما في التبین۔

وفیه أیضاً (۵۹۷/۲) باب الحج عن الغیر: وأما قوله علیه الصلاة والسلام لا یصوم أحد عن أحد ولا یصلي أحد عن أحد فهو في حق الخروج عن العهدة لا في حق الثواب کما في البحر۔

(۵۷۰) نابالغ لڑکے کا مہر ادا کرنا کس پر واجب ہے؟

سؤال

میں نے اپنے لڑکے کا دس سال کی عمر میں نکاح کر دیا تھا دس ہزار (10,000) روپے مہر مقرر کیا تھا۔ اب وہ لڑکی مہر کا مطالبہ کر رہی ہے تو کیا یہ مہر میرے اوپر لازم ہوگا یا میرے بیٹے پر جبکہ ابھی وہ نابالغ ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

مہر آپ کے بیٹے پر لازم ہے اگرچہ وہ نابالغ ہے اگر اس کی ملکیت میں مال ہے تو مہر کی ادائیگی اُس کے مال سے لازم ہے اور اگر وہ فقیر ہے تو جب تک مہر کی ادائیگی نہیں ہو جاتی عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے سپرد نہ کرے، اگر باپ تبرعاً مہر ادا کر دے تو مہر ادا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر باپ نکاح کے وقت مہر کا ضامن بنا تھا تو عورت یا اس کے ولی کو (اگر زوجہ نابالغہ ہو) یہ حق حاصل ہے کہ باپ سے مہر کا مطالبہ کریں۔

لمافي فتح القدیر (۳۰۳/۳): [قوله: وإذا زوج الأب ابنته الصغیرة ونقص من مهرها أو ابنه الصغیر وزاد في مهر امرأته جاز ذلك علیهما] ولزم عند أبي حنیفة سواء کان بغبن فاحش أو قلیل وثبت المال کله في ذمة الصغیرة في الثانیة لا في ذمة الأب سواء کان الأب موسرا أو معسرا فیقضیه من مال الصغیر۔

(۵۷۱) رخصتی کے وقت بیوی کو دیئے گئے زیور کا حکم

سؤال

سید عامر علی ولد سید مظفر علی نے عاصمہ بنت سید عابد علی سے نکاح کیا اور عقد نکاح کے وقت فریقین کی رضامندی سے پچاس ہزار (-/50,000) حق مہر طے ہوا جو کہ نکاح فارم میں درج کر دیا گیا۔ رخصتی کے بعد عامر علی نے اپنی اہلیہ عاصمہ بیگم کو زیور چڑھایا جو کہ عام طور پر شادی کے موقع پر چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد عامر علی نے اپنی اہلیہ عاصمہ کو حق مہر ادا نہیں کیا جو کہ -/50,000 روپے

Marfat.com

رقم طے تھی اور پھر کچھ سال بعد تین طلاقیں دے کر اپنی اہلیہ عاصمہ کو اپنی زوجیت سے فارغ کر دیا۔ اب بعد از طلاق عامر علی سے حق مہر کے ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا تو عامر علی نے کہا کہ جو میں نے زیور عاصمہ کو چڑھایا تھا بعد نکاح کے وہی زیور مہر کے عوض ہے جبکہ عامر علی نے زیور چڑھاتے وقت نہ تو اس کی نیت کی کہ یہ حق مہر کے عوض ہے نہ اس کا تذکرہ اپنی اہلیہ عاصمہ سے کیا اور نہ اس کے گھر والوں سے اور نہ نکاح فارم میں اس کی وضاحت کی۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح سے عامر علی حق مہر کے ادا کرنے سے بری ہو جائیں گے اور کیا وہ چڑھایا ہوا زیور شرعاً حق مہر کے عوض میں شمار کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ طلاق کے بعد عامر کہتے ہیں کہ میں نے تو اس وقت یعنی زیور چڑھاتے وقت حق مہر کی نیت کی تھی جبکہ اس سے پہلے خود واضح کر چکے تھے کہ میں نے نیت نہیں کی تھی، سو انہوں نے اب اپنا بیان بدل لیا ہے۔ آپ تمام باتوں کا قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

سید عامر علی ولد سید مظفر علی نے عقد نکاح کے وقت جو مہر طے کیا تھا وہی حق مہر شمار کیا جائے گا۔ رخصتی کے وقت جو زیور چڑھایا گیا ہے اس کو حق مہر میں شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ جب عامر علی نے الگ سے مہر کی رقم مقرر کر دی تھی اور زیور دیتے وقت بھی اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ بطور مہر کے ہے تو طلاق کے بعد ان کا یہ کہنا کہ "زیور بطور مہر کے تھے" معتبر نہیں کیونکہ آجکل عام طور پر رخصتی کے وقت جو زیور دیئے جاتے ہیں وہ بطور ہدیہ ہوتے ہیں جب تک وضاحت نہ کر دی جائے کہ یہ بطور حق مہر کے ہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں سید عامر علی پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔

لمافی الهندية (۱/۳۲۳): وفي مجموع النوازل بعث إلى امرأته أيام العيد دراهم فقال عيدي أو قال سيم شكر ثم ادعى أنه من المهر لا يصدق كذا في المحيط۔

وفی الشامية (۲/۱۵۳): قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

(۵۷۲) شوہر کا بیوی سے مہر واپس لے کر ادا نہ کرنا

سؤال

ایک لڑکی کا مہر جو کہ سونے کی شکل میں مقرر ہوا تھا (مثلاً ۳ یا ۴ تولہ سونا) شوہر نے زیورات کی شکل میں بیوی کو ادا کر دیا۔

Marfat.com

چندون بعد اس لڑکی کی ساس اور اس کے شوہر نے وہ زیورات اُس سے لے لئے اور شوہر نے کہا کہ میں تمہیں بعد میں ادا کردوں گا۔ اس کے بعد میاں بیوی کے درمیان کچھ اَن بن پیدا ہوگئی تو بیوی سسرال چھوڑ کر ماں باپ کے گھر چلی گئی اور لڑکی نے ان زیورات کا مطالبہ کر دیا۔ شوہر نے کہا کہ میں تمہیں نہ تو طلاق دوں گا اور نہ ہی وہ زیورات دوں گا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا شوہر پر اُن زیورات کا لوٹانا ضروری ہے؟ بیوی کا فی الفور طلاق سے پہلے زیورات کا مطالبہ کرنا صحیح ہے؟ براہ کرم جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جب مذکورہ لڑکی کا مہر جو کے سونے کی شکل میں مقرر ہوا تھا، زیورات کی صورت میں ادا کر دیا گیا تو اب یہ زیورات لڑکی کی ملکیت ہوگئے اور جب یہ زیورات اس لڑکی سے شوہر نے یہ کہہ کر واپس لے لئے کہ میں تجھے بعد میں دیدوں گا تو اب شوہر کے ذمہ دین (قرض) ہوگیا اور شرعاً لڑکی کے فی الفور مطالبہ پر ان زیورات کا لوٹانا شوہر کے ذمہ لازم ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔

وفی الشامیة (۳۰۲/۵): الدین الصحیح ما لا یسقط إلا بالأداء أو الإبراء۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۷۵۹/۹): الأول۔ مجرد العقد الصحیح: وقد یسقط کله أو نصفه ما لم یتأکد بالدخول أو بالموت، أو بالخلوة عند الحنفیة والحنابلة.

الثاني۔ الدخول الحقیقي: کما في حالة الوطء بشبهة، أو في الزواج الفاسد. ولا یسقط حینئذ إلا بالأداء أو بالإبراء.

(۵۷۳) زیورات کی صورت میں مہر کی ادائیگی

سؤال

مفتی صاحب! میرے چھوٹے بھائی کی شادی ہونے والی ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے حق مہر کی رقم مبلغ پچیس ہزار روپے (25,000/-) طے ہوئی ہے جبکہ میرے بھائی کی دلہن کا جو سونے کا زیور ہے اس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ وہ زیور جو سونے کا ہے اس کا چوتھائی حصہ حق مہر میں اداء ہو جائے جسے دلہن جب چاہے فروخت کر کے حق مہر لے لے۔ آپ سے التماس ہے کہ ہمیں شریعت کے حکم سے آگاہ کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ طریقہ سے لڑکی کا مہر اداء کرنا جائز ہے البتہ صراحۃً بتادیا جائے کہ حق مہر میں فلاں فلاں چیز مثلاً بالیاں وغیرہ ہیں اور دیگر زیور ہدیہ ہے۔ اگر صراحۃً نہیں بتایا (کہ اس سونے میں سے ایک چوتھائی یا مخصوص اشیاء مہر میں سے ہیں) تو چونکہ شادی کے موقع پر

Marfat.com

جانے والا زیور عموماً ہدیہ ہوتا ہے اس لئے عرف کے مطابق پورا زیور ہدیہ بن جائے گا۔

لمافی الشامية (۱۵۳/۳): قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

(۵۷۴) ۱۲ سال بعد بھی مقرر کردہ رقم ہی مہر دینی ہوگی

سؤال

مفتی صاحب! گزارش یہ ہے کہ میرے بیٹے کا نکاح ۲۲/اپریل ۱۹۹۸ء میں ہوا تھا جس میں حق مہر کی رقم بیس ہزار رکھی گئی تھی۔ اب بیٹے نے ۱۴/اکتوبر ۲۰۱۰ء کو طلاق دے دی ہے۔ مجھ کو معلوم یہ کرنا ہے کہ اس حق مہر کی رقم بیس ہزار روپے ہی ہوگی یا بیس ہزار سے بڑھ جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح کے وقت جو مہر طے کیا جائے وہی دینا واجب ہوتا ہے، چاہے طلاق کتنے ہی عرصہ کے بعد دی جائے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے بیٹے نے عقد نکاح کے وقت بیس ہزار (20,000) حق مہر رکھا تھا تو اب بھی بیس ہزار (20,000) ہی دینا ہوں گے زیادہ دینا ضروری نہیں۔

لمافی الهندية (۳۰۳/۱) الباب السابع فی المهر: ثم الأصل في التسمية أنها إن صحت وتقررت يجب المسمى ثم ينظر إن كان المسمى عشرة فصاعدا فليس لها إلا ذلك ـ ـ ـ وفی (ص۳۱۲): الفصل السابع في الزيادة في المهر والحط عنه فيما يزيد وينقص الزيادة في المهر صحيحة حال قيام النكاح عند علمائنا الثلاثة كذا في المحيط ـ ـ ـ وهكذا روى بشر عن أبي يوسف رحمه الله تعالى وصورة ما روى بشر إذا طلق امرأته ثلاثا قبل الدخول بها أو بعده ثم زادها في المهر لم تصح۔

وفی الدر المختار (۱۰۲/۳) باب المهر: (وتجب) العشرة (إن سماها أو دونها و) يجب (الأكثر منها إن سمى) الأكثر ويتأكد (عند وطء أو خلوة صحت) من الزوج (أو موت أحدهما)۔

وفی الشامية (۱۰۴/۳): اذا طلقها الزوج بعد الخلوة الصحيحة لوجوب المهر كاملاً على الزوج۔

Marfat.com

(۵۷۵) سنہ ۱۹۶۵ء میں مقرر 256 روپے ہی مہر دینا لازم ہے

سؤال

مفتی صاحب! میرا نکاح چند ماہ قبل ہوا ہے۔شادی سے اب تک تعلقات خوشگوار نہیں رہے۔نتیجہ یہ کہ کچھ دنوں کے بعد مکمل علیحدگی ہوگئی۔میرا اس سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے اور وہ ایک بیٹے کے ہمراہ اس کے مکان میں رہ رہی ہے۔اس کا حق مہر شادی کے وقت (1965 میں) دوسو چھپن روپے اور چالیس پیسے (256.40) طے ہوا تھا۔سوال یہ ہے کہ میں اب اس کا حق مہر ادا کرنا چاہتا ہوں۔اس کا حق مہر موجودہ وقت کے حساب سے کیا ہوگا؟ کیا مہر کے علاوہ میرے ذمہ کوئی ادائیگی بنتی ہے؟ اگر بنتی ہو تو بتادیں،تاکہ میں ادا کردوں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی پکڑ سے بچ جاؤں۔

نوٹ: میرے پاس میری سابقہ بیوی کی ملکیت کا کوئی سامان نہیں ہے اور نہ ہی رقم ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر اداء کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے ذمہ وقتِ عقد جو مہر مسمی طے ہوا تھا (یعنی دوسو چھپن روپے اور چالیس پیسے) وہی ادا کرنا لازم ہے نیز مستحب یہ ہے کہ آپ اپنی مطلقہ بیوی کو متعہ (یعنی ایک جوڑا کپڑا اور بڑی چادر) دیدیں۔

لمافی احکام القرآن للجصاص (۱/۴۲۳، ۴۲۴): قال الله تعالى وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعاً بِالْمَعْرُوفِ ولم يقدر أصحابنا لها مقدارا معلوما لا يتجاوز به ولا يقصر عنه وقالوا هي على قدر المعتاد المتعارف في كل وقت وقد ذكر عنهم ثلاثة أثواب درع وخمار وإزار والإزار هو الذي تستتر به بين الناس عند الخروج۔

وفی الهندية (۱/۳۰۳): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا في البدائع ـــ المتعة عندنا على ثلاثة أوجه متعة واجبة وهي للمطلقة قبل الدخول ولم يسم لها مهرا ومستحبة وهي للمطلقة بعد الدخول ولا واجبة ولا مستحبة وهي للمطلقة قبل الدخول وقد سمى لها مهرا كذا في السراج الوهاج۔

Marfat.com

(۵۷۶) لڑکی کی اجازت کے بغیر ولی کیلئے اس کا مہر استعمال کرنا

سؤال

مفتی صاحب! گزشتہ سال میں تبلیغ کے سلسلے میں چار ماہ کیلئے گیا۔ ایک جگہ ہماری تشکیل ہوئی تو مسجد کے امیر صاحب کے بیٹے کی شادی ہو رہی تھی۔ انہوں نے ہم کو بھی دعوت دی اور دورانِ دعوت ہم کو وہاں کے رواج کے بارے میں پتہ چلا کہ وہاں یہ رواج ہے کہ لڑکا لڑکی کو جو مہر دیتا ہے تو لڑکی کا جو بھی ولی ہوتا ہے وہ اس مہر میں سے لڑکی کیلئے زیورات وغیرہ بنواتا ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ بعض اولیاء یہ بھی کرتے ہیں کہ لڑکی کے مہر میں سے لڑکے کیلئے انگوٹھی یا گھڑی وغیرہ بنواتے ہیں اور لڑکے کے گھر والوں کیلئے بھی اسی مہر میں سے کپڑے وغیرہ بنواتے ہیں اور لڑکی کی اگرچہ صراحتاً تو اجازت نہیں ہوتی مگر چونکہ وہاں کا رواج ہے تو دلالۃً گویا کہ لڑکی بھی راضی ہے کیونکہ لڑکی اپنے بڑوں کے رواج کے آگے کچھ نہیں بولتی تو اب میرے ذہن میں یہ سوال ہے کہ کیا شریعت میں یہ طریقہ کہ لڑکی کے مہر سے لڑکے اور ان کے گھر والوں کو چیزیں دینا جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر کے متعلق اصل حکم یہ ہے کہ مہر کی مستحق لڑکی ہوگی، اولیاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ تاہم اگر بالغہ لڑکی ولی کو مہر پر قبضہ کرنے کی اجازت دیدے تو ولی کیلئے قبضہ کرنا درست ہے اور اسی طرح اگر لڑکی ولی کو مہر میں تصرف کرنے کی اجازت دیدے یا ولی کے تصرف کرنے پر دل سے راضی ہو تو ولی کیلئے اس طرح کا تصرف کرنا درست ہے اور اگر لڑکی نے تصرف کی اجازت نہیں دی اور ولی کے اس طرح کے تصرف کو دل سے قبول نہیں کرتی تو ولی کیلئے لڑکی کے مہر میں کسی قسم کا کوئی تصرف کرنا درست نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی آدمی کیلئے حلال نہیں کہ دوسرے کے مال میں بغیر اُس کی اجازت اور دلی رضامندی کے کسی قسم کا تصرف کرے لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی چونکہ رواج اور بڑوں کی وجہ سے خاموش ہے لڑکی کی اجازت اور رضامندی دل سے نہیں پائی جا رہی اس لئے ولی کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر کوئی لڑکی بالکل دل سے راضی ہو کر مہر میں تصرف کی اجازت دے دے تو یہ تصرف جائز ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً.

وفی احکام القرآن للجصاص (۵۸/۲): قال قتادة في هذه الآية ما طابت به نفسها من غيره كره فهو حلال وقال علقمة لامرأته أطعميني من الهني ء والمريء فتضمنت الآية معاني منها أن المهر لها وهي المستحقة له لا حق للولي فيه ومنها أن على الزوج أن يعطيها بطيبة من نفسه

Marfat.com

ومنها جواز هبتها المهر للزوج والإباحة للزوج في أخذه بقوله تعالى فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَرِيئاً۔

وفی مشكوة المصابيح(ص۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " ألا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه " . رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى۔

وفی الشامية (۱۴۱/۳): وولاية قبض المهر له بحكم الأبوة لا باعتبار أنه عاقد ولذا لا يملك قبضه بعد بلوغها وإذا نهته بخلاف البيع وتمامه في الفتح۔

(۵۷۷) مہر کے لئے مال متقوم (جوشرعاً مال ہو) ہونا ضروری ہے

سؤال

مفتی صاحب! عمر نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ بیوی سے عمر کی ایک بچی ہے۔ مہر پچاس ہزار روپے مقرر ہوا تھا۔ عمر نے طلاق نامہ میں لکھا کہ میں مہر میں یہی بچی بیوی کو دیتا ہوں۔ کیا یہ درست ہے اور وہ بچی مہر بن جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوهاب

مہر میں ایسی چیز دینا ضروری ہے جو کہ مال ہو۔ بچی چونکہ مال نہیں ہے لہٰذا مہر نہیں بن سکتی اور خاوند کا طلاق نامہ میں بچی کو مہر ٹھہرانا درست نہیں بلکہ جو پچاس ہزار مقرر کیا گیا تھا وہی ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی التفسير المظهری (۶۷/۲):فائدة:هذه الآية تقتضى أن المهر لا بد أن يكون مالا لأن الحلّ مقيّد بالابتغاء بالأموال والمنافع المعلومة ملحق بالأموال شرعا۔

وفی الهندية (۳۰۲/۱) الباب السابع فی المهر: المهر انما يصح بكل ماهو مال متقوم۔

(و فی ص ۳۰۳):الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء۔

وفی ردالمحتار(۱۰۰/۳): باب المهر:ثم عرف المهر في العناية بأنه اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد --- ومن ثم عرفه بعضهم بأنه اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطء۔

Marfat.com

(۵۷۸) زنا میں مہر [عقر] کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی عورت سے زنا کرتا ہے تو کیا وہ عورت مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے نیز بچہ زنا کرے تو کیا حکم ہے؟؟؟ مہر لازم آتا ہے یا عقر؟ عقر کسے کہتے ہیں؟ ازراہِ کرم مسئلے کا تفصیلی اور تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر بالغ مرد اور بالغہ عورت زنا کے مرتکب ہوں تو کسی قسم کا مہر یا عقر لازم نہیں آتا بلکہ حد جاری ہوتی ہے۔ یہ اصول ہے کہ دارالاسلام میں کوئی بھی وطی ہوگی وہ حد یا مہر سے خالی نہ ہوگی نکاح صحیح سے ہو تب تو مہر کامل ادا کرنا ہوگا جو کہ عورت کیلئے شرف وعظمت ہے، وطی حرام زنا ہو تو حد جاری ہوگی لیکن اگر وطی حرام میں شبہ آجائے مثلاً بچہ زنا کرلے یا عورت پر بچہ اکراہ کرکے جماع کرے تو یہ سب شبہات ہیں، ان کی بناء پر حد ساقط ہوجائیگی اور عقر لازم آئیگا۔

عقر سے مراد آزاد عورت کا مہر مثل ہے اور باندی کا عقر اسکی قیمت کا دسواں حصہ اگر کنواری ہو اور بیسواں حصہ اگر ثیبہ ہو۔ الغرض عقر کی تحدید میں مہر کا دخل ہے اور وطی حرام میں شبہ ہو تو حد نہیں لیکن عقر آئیگا۔

لما فی التاتار خانیة (۶/۳۶۳): واذا زنی صبی بصبیة فلا حدّ علیهما و علیه المهر ولو أقر الصبی بذلك لا یلزمه شیء باقراره ولو زنی صبی بامرأة حرة بالغة فأذهب عذرتها الصبی وهی مکرهة فانه یضمن المهر بخلاف ما اذا کانت مطاوعة۔

وفی الهندیة (۱/۳۲۵): وتفسیر العقر الواجب بالوطء في بعض المواضع وتقدیره قال الشیخ الإمام نجم الدین سألت القاضي الإمام الإسبیجابي عن ذلك بالفتوی فکتب هو العقر أنه ینظر بکم تستأجر للزنا لو کان حلالا یجب ذلك القدر کذا نقل عن مشایخنا کذا في الخلاصة وفي الحجة روي عن أبي حنیفة رحمه الله تعالی قال تفسیر العقر هو ما یتزوج به مثلها وعلیه الفتوی کذا في التتارخانیة۔

وفی الدر المختار (۳/۱۶۰): الوطء في دار الإسلام لا یخلو عن حد أو مهر۔

وفی الشامیه تحته: وکذا لو زنی بثیب وهي نائمة فلا حد علیه ولا عقر أو بکر بالغة دعته إلی نفسها وأزال عذرتها وعلیه المهر لو مکرهة أو صغیرة أو أمة۔

Marfat.com

وفيه أيضا(۲/۱۰۰): العقر هو مهر مثلها في الجمال أي ما يرغب به في مثلها جمالا فقط۔

وفی الموسوعة الفقهيه(۲۶۲/۳۰): العقر بضم ما تعطاه المراة على وطئ الشبهة ۔۔۔ وفي الاصطلاح نقل ابن عابدين عن الجوهرة أن العقر: في الحرائر مهر المثل، وفي الإماء عشر القيمة لو بكرا ونصف العشر لو ثيبا۔

(۵۷۹) موقوفہ زمین کو مہر بنانا درست نہیں

سؤال

حضرت مفتی صاحب! ایک مولانا صاحب مدرسے کے مہتمم تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ آخری اوقات میں حضرت نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ مدرسہ کی جو جگہ اور مکانات ہیں ان کو اپنی وراثت میں شامل نہیں کرنا، یہ مدرسہ کی جگہ تمہارے پاس بطور امانت ہے اس میں خیانت نہیں ہونی چاہیئے۔ پھر جب مولانا اپنے رب کو پیارے ہوئے تو ان کے بڑے بیٹے نے مدرسہ کو سنبھالا بعد ازاں جب اپنے چھوٹے بھائی کیلئے ایک آدمی سے رشتہ مانگا تو اس آدمی نے یہ شرط رکھی کہ ایک مکان لڑکی کے نام پر میرے حوالے کرو پھر رشتہ دوں گا تو اس مہتمم نے مدرسہ کا ایک مکان کاغذات سمیت لڑکی کے نام پر گواہوں کے ساتھ حوالے کیا، پھر رشتہ طے ہوا اور منگنی بھی ہوگئی۔ عنقریب شادی ہونے والی ہے آیا اس وقف شدہ زمین کو مہر میں دینا مرحوم کے بیٹے کیلئے جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

مہتمم اوّل کا اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے وقت مذکورہ الفاظ کہنا کہ "مدرسہ کی جگہ اور جو مکانات ہیں، ان کو وراثت میں شامل نہیں کرنا، یہ مدرسہ کی جگہ تمہارے پاس بطور امانت ہے اس میں خیانت نہیں ہونی چاہیئے" سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی زمین اور مکانات مہتمم اوّل کے پاس وقف کے طور پر تھے لہٰذا ان کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے کی طرف بھی بطور وقف اور امانت کے منتقل ہوئے اور شریعت میں وقف شدہ زمین یا مکان وغیرہ کو بیچنا، کسی کو ہبہ کرنا یا مالک بنانا جائز نہیں لہٰذا اب موجودہ مہتمم صاحب کا مدرسہ کے مکان کو لڑکی کے نام کرنا درست نہیں تھا، اس لئے اس مکان کی واپسی ضروری ہے نیز ابھی عقد نہیں ہوا ہے لہٰذا اس مکان کی جگہ باہمی رضامندی سے کوئی دوسری چیز مہر مقرر کرلی جائے۔

لمافی صحيح البخاری (۳۸۹،۳۸۸/۲) باب الوقف وكيف يكتب: عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: أصاب عمر بخيبر أرضا، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: أصبت أرضا لم أصب مالا قط أنفس منه، فكيف تأمرني به؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها، فتصدق عمر أنه لا يباع أصلها ولا يوهب ولا يورث في الفقراء، والقربى والرقاب وفي سبيل الله والضيف وابن

Marfat.com

السبيل، لا جناح على من وليها أن يأكل منها بالمعروف، أو يطعم صديقا غير متمول فيه۔

وفي الهندية (۲/۳۵۰): ولا يلزم إلا بطريقتين إحداهما قضاء القاضي بلزومه والثاني أن يخرج مخرج الوصية فيقول أوصيت بغلة داري فحينئذ يلزم الوقف كذا في النهاية وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث كذا في الهداية وفي العيون واليتيمة إن الفتوى على قولهما كذا في شرح أبي المكارم للنقاية۔

وفي الشامية (۴/۳۳۸): قوله (على حكم ملك الله تعالى) قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالى الذي لا ملك فيه لأحد سواه وإلا فالكل ملك الله تعالى واستحسن في الفتح قول مالك رحمه الله، أنه حبس العين على ملك الواقف فلا يزول عنه ملكه لكن لا يباع ولا يورث ولا يوهب۔

(۵۸۰) وقف زمین مہر رکھنے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی

سؤال

مفتی صاحب! ایک آدمی کے پاس وقف کیا ہوا مکان تھا۔ اس کے پاس کوئی اور مکان نہیں تھا۔ اس نے بھائی کی شادی پر وہ مکان حق مہر میں دیدیا اور بعد میں استفتاء لے لیا تو وہ مکان واپس کرنے کا فتویٰ ملا۔ کیا وہ آدمی مکان واپس لے سکتا ہے؟ اگر لے سکتا ہے تو حق مہر کتنا ادا کرنا چاہیئے اور مکان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے تو مکان کی قیمت چھ، سات لاکھ ہوتی ہے اور اب لڑکے والوں کے پاس اتنی رقم بھی نہیں ہے کہ مکان کی قیمت ادا کرسکیں۔ اگر ان کو پتہ ہوتا کہ یہ مکان شریعت کے تحت نہیں دے سکتے ہیں تو ہرگز نہیں دیتے۔ لڑکی کے باپ مکان کے کاغذات بھی لے چکے ہیں اور شادی کو تین ماہ گزر چکے ہیں لہٰذا لڑکے والے زیادہ حق مہر دینے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اور لڑکی والے کم حق مہر پر راضی نہیں ہیں تو کیا صورت اختیار کی جائے جس میں وقف کیا ہوا مکان واپس ہوجائے اور مہر بھی ادا ہوجائے۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں اور ہمارے اس تنازع کو شریعت کے مطابق حل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

نکاح کے اندر جب کسی ایسی چیز کو مہر بنایا جائے جو مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، مگر کسی وجہ سے مہر میں نہ دی جاسکے تو اس صورت میں اس کی قیمت دینی ہوتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاً لڑکی والوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقف شدہ مکان جو ان کو بطور مہر ملا

Marfat.com

تھا واپس کردیں، کیونکہ جس طرح وقف شدہ چیز کا کسی کو دینا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی سے لینا بھی جائز نہیں ہے۔ لڑکے والوں نے مہر میں جو مکان دیا تھا وہ فی نفسہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن وقف شدہ ہونے کی بنا پر اس کو مہر میں نہیں دے سکتے تو اس کی قیمت ان پر بطور مہر لازم ہوگی البتہ اگر لڑکی اس قیمت میں سے اپنی مرضی اور خوشی سے کم کردے تو پھر جائز ہے اور مکان کی قیمت مہر ہونے کی وجہ سے اس لڑکی ہی کا حق ہے لہٰذا اسے معاف کرنے اور کم کرنے کا حق بھی صرف لڑکی ہی کو ہے، اگر لڑکی معاف نہیں کرتی تو پھر پوری قیمت دینی پڑے گی۔

لمافی الهندية (۱/۳۰۳): وإذا تزوجها على هذا العبد وهو ملك الغير أو على هذه الدار وهي ملك الغير فالنكاح جائز والتسمية صحيحة فبعد ذلك ينظر إن أجاز صاحب الدار وصاحب العبد ذلك فلها عين المسمى وإن لم يجز المستحق لا يبطل النكاح ولا التسمية حتى لا يجب مهر المثل وإنما تجب قيمة المسمى كذا في المحيط۔

وفی الشامية (۳/۱۳۱): (كما لو استحق أحدهما) أي أحد العبدين المسمين فإن لها الباقي وقيمة المستحق ولو استحقا جيمعا فلها قيمتهما وهذا بالإجماع كما شرح الطحاوي۔

(۵۸۱) حج کرانے کو مہر بنانا

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص نے دو سال قبل شادی کی تھی۔ لڑکی کے والدین نے یہ شرط لگائی تھی کہ ہماری لڑکی کا مہر یہ ہے کہ آپ اس کو حج کرائیں گے تو کیا حج کرانے کو مہر قرار دیا جاسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

کسی لڑکی کا مہر اگر حج کرانا مقرر کیا جائے تو مہر مثل واجب ہوگا چونکہ حج کرانا مال نہیں لہٰذا اسے مہر نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

لمافی البحرالرائق (۳/۲۷۵): وأشار المصنف إلى أنه لو تزوجها على أن يحج بها وجب مهر المثل لكن فرق في الخانية بين أن يتزوجها على أن يحج بها وبين أن يتزوجها على حجة فأوجب في الأول مهر المثل وفي الثاني قيمة حجة وسط۔

وفی الهندية (۱/۳۰۳): ولو تزوج امرأة على طلاق امرأة له أخرى أو على دم عمد له عليها أو على أن يحج بها كان لها مهر مثلها كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامية (۳/۱۰۸): ولهذا ذكر في فتح القدير هنا أنه لما جوز الشافعي أخذ الأجر على تعليم

Marfat.com

القرآن صح تسميته مهرا فكذا نقول يلزم على المفتي به صحة تسميته صداقا ولم أر من تعرض له والله الموفق للصواب اهـ

(۵۸۲) تعلیم قرآن کو مہر بنانا جائز نہیں

سوال

مفتی صاحب! تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست ہے یا نہیں؟ ایک غیر مقلد کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر بنایا ہے۔ احناف کا تعلیم قرآن کو مہر بنانے سے منع کرنا حدیث کے خلاف ہے۔ برائے مہربانی یہ بیان فرمائیں کہ ان صاحب کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست نہیں۔ ان صاحب کا یہ کہنا کہ احناف کا تعلیم قرآن کو مہر بنانے سے منع کرنا حدیث کے خلاف ہے، درست نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ تم مال کے ذریعے عورتوں کو تلاش کرو اور تعلیم قرآن مال نہیں۔ جس حدیث مبارکہ میں تعلیم قرآن کو مہر بنانے کا ذکر ہے، اوّل تو وہاں اس بات کی صراحت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاوہ کوئی اور چیز مہر مقرر نہ فرمائی ہو۔ بلکہ عرب کا یہ طریقہ تھا کہ وہ عورت کو جماع سے پہلے کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ جب صحابی نے عرض کیا کہ کچھ نہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس جو قرآن ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کیا۔ یعنی جماع سے پہلے عورت کو دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہیں، لیکن تمہارے پاس قرآن کی نعمت ہے اس کی برکت سے نکاح کیا اور اگر تعلیم قرآن کے مہر بنانے کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ان صحابی کی خصوصیت ہوگی نہ کہ عام حکم۔

لما في القرآن الكريم (النساء:٢٤): وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفي البخاري (٧٧٣/٢): حدثنا علي بن عبد الله، حدثنا سفيان، سمعت أبا حازم، يقول: سمعت سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه يقول: إني لفي القوم عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذ قامت امرأة فقالت: يا رسول الله، إنها قد وهبت نفسها لك، فرأ فيها رأيك، فلم يجبها شيئا، ثم قامت فقالت: يا رسول الله، إنها قد وهبت نفسها لك، فرأ فيها رأيك، فلم يجبها شيئا، ثم قامت الثالثة فقالت: إنها قد وهبت نفسها لك، فرأ فيها رأيك، فقام رجل فقال: يا رسول

Marfat.com

الله أنكحنيها، قال: هل عندك من شيء؟ قال: لا، قال: اذهب فاطلب ولو خاتما من حديدفذهب فطلب، ثم جاء فقال: ما وجدت شيئا ولا خاتما من حديد، فقال: هل معك من القرآن شيء؟ قال: معي سورة كذا وسورة كذا، قال: اذهب فقد أنكحتكها بما معك من القرآن۔

وفي الشامية (۳/۱۰۲): قلت ولا بد من كونها مما يستحق المال بمقابلتها ليخرج ما يأتي من عدم صحة التسمية في خدمة الزوج الحر لها وتعليم القرآن۔

وفيه أيضاً (۳/۱۰۱): فيحمل المنع المذكور على الندب أي ندب تقديم شيء إدخالا للمسرة عليها تألفا لقلبها وإذا كان ذلك معهودا وجب حمل ما خالف ما رويناه عليه جمعا بين الأحاديث وهذا وإن قيل إنه خلاف الظاهر في حديث التمس ولو خاتما من حديد لكن يجب المصير إليه لأنه قال فيه بعده زوجتكها بما معك من القرآن فإن حمل على تعليمه إياها ما معه أو نفي المهر بالكلية عارض كتاب الله تعالى وهو قوله تعالى { أن تبتغوا بأموالكم } فقيد الاحلال بالابتغاء بالمال فوجب كون الخبر غير مخالف له وإلا لم يقبل لأنه خبر واحد وهو لا ينسخ القطعي في الدلالة وتمام ذلك مبسوط في الفتح۔

(۵۸۳) بچے کے نکاح میں ولی مہر کی ضمانت لے سکتا ہے

سوال

مفتی صاحب! اگر ولی نے نابالغ بچے کی طرف سے مہر کی ضمانت اُٹھائی تو یہ ضمانت صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو لڑکی کو مہر نہ ملنے کی صورت میں لڑکی ولی سے مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں اور مہر ولی کے ذمے واجب الادا ہو گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر ولی نے صغیر کی طرف سے مہر کی ضمانت اٹھائی تو یہ ضمانت صحیح ہے اور لڑکی کو مہر نہ ملنے کی صورت میں ولی سے مطالبہ کیا جائے گا کیونکہ یہ مہر ولی کے ذمہ واجب ہے۔

لمافي الهداية المطبوع مع فتح القدير (۳/۳۶۸): [وإذا ضمن الولي المهر صح ضمانه] لأنه من أهل الالتزام وقد أضافه إلى ما يقبله فيصح [ثم المرأة بالخيار في مطالبتها زوجها أو وليها] اعتبارا بسائر الكفالات ويرجع الولي إذا أدى على الزوج إن كان بأمره۔

Marfat.com

والی عورت کا زیادہ بابرکت ہونا

سؤال

رجتنا کم ہو وہ اتنی ہی بابرکت ہوتی ہے اور جس نکاح پر جتنی کم لاگت آئے وہ اتنا ہی بابرکت ہوتا ہے، کیا یہ صحیح

ت بات کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت زیادہ بابرکت ہوتی ہے

یت میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ نکاح زیادہ بابرکت ہوتا ہے جس پر کم خرچہ آئے۔

ن (۱۰۴/۱۱): عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها: ان رسول الله ﷺ قال ان أعظم

ره مؤنة۔

على الصحيحين (۱۹۴/۲): عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم

اء بركة أيسرهن صداقا هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه۔

بيح (ص۲۶۸): وعن عائشة رضى الله عنها قالت : قال النبي صلى الله عليه وسلم :

كاح بركة أيسره مؤنة " . رواهما البيهقي في شعب الإيمان ۔

(۲۹۳/۱۶، ۲۹۲): خيرهن أيسرهن صداقا۔

کو لاعلم رکھ کر اس کا مہر ادا کرنا

سؤال

اس طرح مہر ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور تھوڑی تھوڑی رقم دینے سے بعد میں جبکہ مہر کی رقم پوری ہو چکی ہو، بیوی کو مطالبہ کا حق حاصل ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

آپ نے جو مسئلہ قرض اور غصب کی چیز کا سنا کہ اگر وہ اس کے مالک کو اس کی لاعلمی میں دیدی جائے تو ادا ہو جاتی ہے درست ہے لیکن اس مسئلے اور شوہر پر بیوی کے مہر کے لازم ہونے میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ مقروض اور غاصب کے ذمہ (عموماً) دائن یا مغصوب منہ کو صرف وہی مال واپس کرنا لازم ہوتا ہے جو اس نے بطور قرض یا غصب کے لیا ہوتا ہے، بخلاف شوہر کہ اس کے ذمہ بیوی کے مہر کے ساتھ ساتھ اس کا نان ونفقہ وغیرہ بھی ہوتا ہے اس لئے اگر شوہر روزانہ تھوڑی تھوڑی رقم بیوی کو دے اور اسے مہر کا بتائے بغیر مہر کی نیت کرے تو چونکہ یہ ظاہراً عرف کے خلاف ہے اس لئے اس ادائیگی کے بعد شوہر اگر مہر کی ادائیگی کا دعویٰ کرے اور بیوی انکار کرے تو بیوی کی بات مانی جائے گی اور اسے مہر کے مطالبہ کا حق بدستور حاصل رہے گا۔

اس لئے آپ کا روزانہ تھوڑی تھوڑی رقم بیوی کو دے کر مہر کی نیت کرنا درست نہیں ہاں اگر آپ مہر کی صراحت کے ساتھ دیں یا اپنے حالات کے پیشِ نظر بیوی کو خرچے کے علاوہ روزانہ دی جانے والی تھوڑی رقم جوڑنے کا کہیں اور جب وہ معتد بہ مقدار میں ہو جائے تو بیوی کو مہر کی صراحت کے ساتھ حوالے کر دیں تو اس صورت میں آپ کی بیوی کو وہ رقم ایک اچھی مقدار میں مل جائے گی اور آپ اپنے فریضے سے بھی سبکدوش ہو جائیں گے اور ادائیگی کی یہ صورت دونوں کیلئے سہولت والی ہوگی۔

لمافی الهندية(۱/۳۲۲): أعطاها مالا وقال من المهر وقالت من النفقة فالقول للزوج إلا أن تقيم هي البينة كذا في فتح القدير۔

وفيه أيضاً(۵/۱۳۴، ۱۳۵): وثبوت يد المالك يوجب سقوط الضمان عن الغاصب سواء عرف ذلك أو لم يعرف لأن الحكم يبتني على السبب دون العلم ـ ـ ـ وكذلك لو أن الغاصب كسا الثوب رب الثوب فلبسه حتى تخرق عرفه أو لم يعرفه وكذا إذا باعه صاحبه أو وهبه له ولا يعرفه حتى لبسه وتخرق۔

وفي (۵/۱۳۵): إذا رد الغاصب المغصوب على المغصوب منه فجواب الكتاب أنه يبرأ مطلقا وقال الشيخ المعروف بخواهر زاده في كتاب الإقرار المسألة في الحاصل على وجوه إن كان المأخوذ منه كبيرا بالغا فالجواب ما قال في الكتاب۔

Marfat.com

تمامه بالوطء ونحوه۔

وفی الدر المختار (۱۰۸/۲): (وكذا يجب) مهر المثل (فيما إذا لم يسم) مهرا (أو نفى إن وطئ) الزوج۔

وفی الردتحته: قوله (فيما إذا لم يسم مهرا) أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه نهر۔۔۔ قال في البحر ومن صور ذلك ما إذا تزوجها على ألف على أن ترد إليه ألفا ۔۔۔ قوله (أو نفى) بأن تزوجها على أن لا مهر لها ط۔

(۵۸۷) مہر مقرر کرنے کے بعد اس میں زیادتی کا حکم

سؤال

زید نے خالدہ سے دوسری شادی کی، مہر بارہ ہزار مقرر کیا گیا۔ جب رخصتی کے بعد خالدہ زید کے گھر آ گئی تو اسے پتہ چلا کہ زید کی پہلی بیوی کا مہر پچیس ہزار روپے ہے تو اس نے زید سے کہا کہ میرا مہر بھی پچیس ہزار کرو۔ اس کے اصرار پر زید نے مہر بڑھا کر پچیس ہزار کر دیا۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی کا مہر بڑھانے کا مطالبہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت کی رو سے عقد نکاح میں مہر مقرر کرنے کے بعد اگر میاں بیوی مہر کو بڑھانے پر راضی ہو جائیں تو شوہر پر جو رقم زیادتی کے ساتھ طے ہو، اسی کا ادا کرنا لازم ہوگا البتہ طے ہونے سے قبل صرف بیوی مطالبہ کر رہی ہو تو بیوی کے مطالبے کا کوئی اعتبار نہیں اور اسے مذکورہ وجہ کے بسبب یہ حق ہے۔

لما فی القرآن الكريم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔

وفی الجوهرة النيرة (۸۱/۲): (وإن زادها في المهر بعد العقد لزمته الزيادة) يعني إذا قبلت المرأة الزيادة.

وفی الدر المختار (۱۱۱/۳): (وما فرض) بتراضيهما أو بفرض قاض مهر المثل (بعد العقد) الخالي عن المهر (أو زيد) على ما سمى فإنما تلزمه۔

وفی الشامية (۱۰۹/۳): او نفى ان وطئ الزوج أو مات عنها۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۷۹۵/۹): فقال الحنفية : إذا زاد الزوج الرشيد أو ولي الصغير على المهر المسمى شيئاً بعد تمام العقد وتراضي الطرفين على المهر، لزمت الزيادة بالوطء أو بالموت عن

Marfat.com

الزوجۃ۔

(۵۸۸) مہر کی زیادہ مقدار یا مہر مثل مقرر کرنے میں تقابل

سوال

مفتی صاحب! بعض لوگوں سے میں نے سنا ہے کہ زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں یعنی جتنا مہر بھی رکھا جائے مقرر کیا جا سکتا ہے لیکن دوسری طرف کتابوں میں یہ بھی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا یعنی ان کے مہر کے برابر مقرر کرنا چاہیئے؟ کیا یہ دونوں باتیں آپس میں متضاد نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ شریعت میں اصل تو یہی ہے کہ مہر مقرر کیا جائے اور مہر کے مقرر کرنے میں کوئی حد نہیں جتنا چاہے مہر مقرر کیا جا سکتا ہے البتہ دس درہم (2.625 تولہ چاندی کی مقدار) سے کم نہ ہو۔ باقی رہا مہر مثل تو وہ ایک حَکَم اور ثالث کی طرح ہے یعنی اگر کسی وجہ سے عقد میں مہر متعین نہ ہو پائے یا ایسی چیز مہر مقرر کر دی جو شرعاً مال ہی نہ ہو وغیرہ تو ان صورتوں میں مہر مثل کو بطورِ حکم کے مہر بنانا پڑتا ہے کیونکہ اصل مہر مقرر نہیں ہوا لہٰذا مہر مثل ادا کرنا ہوگا اور مہر مثل سے لڑکی کے ددھیال کی عورتوں کا مہر مراد ہوتا ہے جتنا مہر ان عورتوں کا ہو وہی مہر مثل کہلائے گا اور اس لڑکی کو وہی ادا کیا جائے گا۔

درج بالا تفصیل سے ثابت ہوا کہ مہر مقرر کرنے کی حد مقرر نہ ہونے اور مہر مثل مقرر کرنے میں کوئی تضاد نہیں پہلا اصل ہے اور دوسرا بوقتِ ضرورت حکم ہے۔

لمافی القدوری (ص۱۷۶): وأقل المهر عشرة دراهم فان سمى أقل من عشرة فلها العشرة ومن سمى مهرا عشرة فما زاد فعليه المسمى ۔الخ۔

وفی الهندية (۳۰۶/۱): وإذا مات أحد الزوجين في نكاح لا تسمية فيه فإنه يتأكد مهر المثل عند أصحابنا كذا في البدائع ومهر مثلها يعتبر بقوم أبيها إذا استويا سنا وجمالا وبلدا وعصرا وعقلا ودينا وبكارة ۔الخ۔

(۵۸۹) بطورِ مہر ۱۰ تولہ سونے کا مطالبہ کرنا

سوال

بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کی شادی کرنے کیلئے پانچ یا دس تولہ سونا لینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیا یہ شریعت

Marfat.com

میں جائز ہے اور جب تک کوئی سونا نہ دے شادی میں تاخیر کرنا شرعاً جائز ہے؟ قرآن سنت کی روشنی میں بندہ کی راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

پانچ یا دس تولہ سونا اگر مہر ہے تو اس صورت میں اپنی بیٹی کیلئے اس کا مطالبہ کرنا جائز ہے اگر مہر کے علاوہ اس کا مطالبہ کرتا ہے تو اس صورت میں یہ رواج قابل ملامت اور لائق ترک ہے۔ اس رواج کا شریعت سے کوئی تعلق اور کوئی نسبت نہیں ہے۔ غیر اسلامی طریقہ ہے اور مزاج شریعت کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو۔ اگر نکاح میں اس قسم کی پابندیاں اور غلط رواج جاری رہیں گے تو دنیا میں فتنہ عظیم برپا ہو جائے گا اور بہت سے لڑکے، لڑکیاں نکاح کی نعمت سے محروم ہو کر حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ نکاح کے موقعہ پر لڑکے والے کی طرف سے مہر کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ کرنا اور اس کا لینا دینا رشوت ہے اور رشوت شریعت میں حرام ہے چنانچہ پانچ یا دس تولہ سونا مہر کے علاوہ بطور رواج لینا حرام ہے لہٰذا اس کی وجہ سے شادی موخر کرنا جائز نہیں۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:١٨٨) وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ۔

وفي الهندية (١/٣٢٧): ولو أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة كذا في البحر الرائق۔

وفي الدر المختار (٣/١٥٦): (أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم فللزوج أن يسترده) لأنه رشوة۔

وفي الشامية تحته: قوله (عند التسليم) أي بأن أبى أن يسلمها أخوها أو نحوه حتى يأخذ شيئا وكذا لو أبى أن يزوجها فللزوج الاسترداد قائما أو هالكا لأنه رشوة بزازية۔

(۵۹۰) کیا عورت کے منہ کا بدبودار ہونا خلوت صحیحہ سے مانع ہے

سؤال

ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی رات کو جب ہمبستری کیلئے قریب ہوا تو اس کے منہ سے گندی بُو آ رہی تھی اس نے وطی نہیں کی۔ فوراً اس کو طلاق دیدی اس پر مہر لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دینے سے کامل مہر لازم آتا ہے، صورت مسئولہ میں عورت کی طرف سے ایسا کوئی عذر نہیں پایا گیا جو ہمبستری سے مانع ہو، عورت نے ہمبستری کی قدرت بھی دے دی، پھر اس کے بعد صرف بُو کی وجہ سے ہمبستری نہ کرنا، یہ خلوت صحیحہ کے لئے مانع نہیں چنانچہ اس صورت میں خلوت صحیحہ پائی گئی ہے لہٰذا اس کے بعد طلاق دینے سے شوہر پر پورا مہر ادا کرنا لازم ہے۔

Marfat.com

لمافى القدورى (ص١٧٧): واذا خلا الزوج بامرأته وليس هناك مانع من الوطئ ثم طلقها فلها كمال مهرها۔

وفى الهندية (١/٣٠٣): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء۔

وفيه أيضاً (ص٣٠٤): والخلوة الصحيحة أن يجتمعا في مكان ليس هناك مانع يمنعه من الوطء حسا أو شرعا أو طبعا كذا في فتاوى قاضي خان۔۔۔ أما المرض فالمراد به ما يمنع الجماع أو يلحق به ضرر۔

وفى الشامية (٣/١٠٤): إذا طلقها الزوج بعد الخلوة الصحيحة لوجوب المهر كاملا على الزوج۔

(۵۹۱) مطلقہ مزنیہ کے مہر کا حکم

سوال

اگر عورت شوہر کی نافرمان ہو یا زنا وغیرہ صادر ہو تو ایسی عورت کو طلاق دینے پر مہر لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینے سے مہر دینا واجب اور لازم ہو جاتا ہے اگرچہ عورت نافرمان ہو یا اس سے زنا کا صدور ہوا ہو، وہ طلاق کے بعد بہرحال اپنے مہر کی مستحق ہے۔

لمافى القرآن الكريم (النساء:٢٤): وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ۔

وفى صحيح البخارى كتاب الطلاق باب صداق الملاعنة (٢/٨٠٠): عن سعيد بن جبير، قال: قلت لابن عمر رضي الله عنهما: رجل قذف امرأته، فقال: فرق النبي صلى الله عليه وسلم بين أخوي بني العجلان، وقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبيا، وقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبيا، فقال: الله يعلم أن أحدكما كاذب، فهل منكما تائب فأبيا، ففرق بينهما قال أيوب: فقال لي عمرو بن دينار، إن في الحديث شيئا لا أراك تحدثه؟ قال: قال الرجل مالي؟ قال: قيل: لا مال لك، إن كنت صادقا فقد دخلت بها، وإن كنت

Marfat.com

كاذبا فهو أبعد منك۔

وفی الشامية (۱۰۲/۳) کتاب النکاح باب المهر: (ويتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه ۔۔۔ قال في البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع اهـ۔

(۵۹۲) ادائیگی مہر میں اختلاف کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! زید اپنی بیوی کو دو ہزار روپے ماہوار خرچہ دیتا تھا۔ ڈیڑھ سال قبل تین ہزار دینے شروع کردیئے، ڈیڑھ سال بعد بیوی نے اپنے مہر کا مطالبہ کیا تو زید نے کہا کہ ڈیڑھ سال سے جو تمہیں ایک ہزار روپے زائد رقم دے رہا ہوں، یہ مہر کی رقم تھی، اب میرے ذمہ تمہارا مہر نہیں۔ اب آپ بتائیں کہ کیا اس طرح مہر ادا ہوجاتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس سے پہلے کبھی زید نے یہ نہیں کہا کہ یہ تمہارا مہر ہے۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں زید کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف سے مہر ادا ہوگیا، اب دوبارہ مہر کی ادائیگی اس پر لازم نہیں ہے البتہ ڈیڑھ سال کی ماہوار سے زائد رقم کی مقدار اگر مہر کے برابر ہے تو زید پر کچھ لازم نہیں اور اگر کم ہے تو بقیہ مہر کی رقم زید کو ادا کرنا لازم ہے اور اگر مہر سے زائد رقم بیوی کے پاس جاچکی ہے تو زائد رقم کے مطالبہ کا زید کو حق حاصل ہے۔

لمافی المبسوط للسرخسی (۱۹۲/۵): قال: وإذا فرضت النفقة لها على زوجها ولها عليه شيء من مهرها فأعطاها شيئا من ذلك فقال الزوج هو من المهر وقالت المرأة بل هو من النفقة فالقول قول الزوج انه من المهر وكذلك هذا في جميع قضاء الديون إذا كان من وجوه مختلفة لأنه هو المملك فالقول قوله في بيان جهة التمليك وهو المحتاج إلى تفريغ ذمته فالقول قوله في أنه تفرغ ذمته بهذا الأداء من كذا دون كذا.

وفی الدرالمختار (۱۵۱/۳): (فقالت هو) أي المبعوث (هدية وقال هو من المهر) أو من الكسوة أو عارية (فالقول له) بيمينه والبينة لها فإن حلف والمبعوث قائم فلها أن ترده وترجع بباقي

Marfat.com

المهر ذكره ابن الكمال ولو عوضته ثم ادعاه عارية فلها أن تسترد العوض من جنسه زيلعي (في غير المهيأ للأكل) كثياب وشاة حية وسمن وعسل وما يبقى شهرا أخي زاده (و) القول (لها) بيمينها (في المهيأ له) كخبز ولحم مشوي لأن الظاهر يكذبه۔

وفی الشامية(۱۵۳/۳): قوله (لأن الظاهر يكذبه) قال في الفتح والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها يكون القول فيها قول المرأة لأن المتعارف في ذلك كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه ولا يكون القول قوله إلا في نحو الثياب والجارية اهـ۔ قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

وفی الشامية أيضا(۱۵۱/۳): مطلب فيما يرسله إلى الزوجة قوله (ولو بعث إلى امرأته شيئا) أي من النقدين أو العروض أو مما يؤكل قبل الزفاف أو بعد ما بنى بها نهر قوله (ولم يذكر الخ) المراد أنه لم يذكر المهر ولا غيره ط۔

(۵۹۳) طلاق کے بعد بھی مہر عورت کا حق ہے

سوال

مفتی صاحب! حلیمہ نے زید سے شادی کی، پانچ سال بعد زید نے حلیمہ کو طلاق دیدی۔ زید نے حلیمہ کو مہر ادا نہیں کیا تھا۔ طلاق کے ایک سال بعد حلیمہ نے خالد سے شادی کر لی۔ اب حلیمہ زید سے مہر لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر چونکہ عورت کا حق ہے جو کہ شریعت کی طرف سے مرد پر لازم کیا گیا ہے لہٰذا اگر عورت کو مہر ادا نہیں کیا، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو پھر عورت کو حق ہے کہ وہ اپنے مہر کے لئے اپنے پہلے شوہر سے مطالبہ کرے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ مہر معجّل ہو یا مؤجل ہو اور اس میں مدت متعین ہو، نیز مدت پوری بھی ہوگئی ہو اور اگر مہر مؤجل تھا لیکن مدت متعین نہیں تھی تو بھی مہر مؤجل، طلاق دینے سے معجّل ہو جائے گا اور عورت مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر مہر مؤجل تھا اور مدت متعین تھی اور مدت پوری نہیں ہوئی تو پھر عورت کو مدتِ مہر پوری ہونے سے قبل مطالبہ کا حق نہیں۔

Marfat.com

لمافی بدائع الصنائع(۲/۲۹۱):فصل وأما بيان ما يتأكد به المهر فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط شيء منه بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق أما التأكد بالدخول فمتفق عليه والوجه فيه أن المهر قد وجب بالعقد وصار دينا في ذمته والدخول لا يسقطه لأنه استيفاء المعقود عليه واستيفاء المعقود عليه يقرر البدل لا أن يسقطه كما في الإجارة ولأن المهر يتأكد بتسليم المبدل من غير استيفائه لما نذكر فلأن يتأكد بالتسليم مع الاستيفاء أولى۔

وفی الشامية (۳/۱۴۴):قوله (إلا التأجيل) استثناء من المستثنى ح قوله (فيصح للعرف) قال في البحر وذكر في الخلاصة والبزازية اختلافا فيه وصحح أنه صحيح وفي الخلاصة وبالطلاق يتعجل المؤجل ولو راجعها لا يتأجل اه يعني إذا كان التأجيل إلى الطلاق أما لو إلى مدة معينة لا يتعجل بالطلاق كما قد يقع في مصر من جعل بعضه حالا وبعضه مؤجلا إلى الطلاق أو الموت وبعضه منجما فإذا طلقها تعجل البعض المؤجل لا المنجم فتأخذه بعد الطلاق على نجومه كما تأخذه قبله۔

(۵۹۴)رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں کتنا مہر دیا جائے گا؟

سؤال

میرا نام ذکیہ بانو ہے میں ایک بیوہ ہوں۔میرا ایک ہی بیٹا ہے اس کا نام محمد سلیم ہے۔اس کی تنخواہ چار ہزار (۴۰۰۰) روپے ہے، میں نے اس کا نکاح ایک سال پہلے کردیا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔نکاح کے بعد مزاج میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے رخصتی سے قبل ہی طلاق کی نوبت آگئی۔اس نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ لڑکی کو چھوڑ دے گا جبکہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی قسم کا ازدواجی تعلق قائم ہوا ہے۔لڑکی کا مہر ۲۵ ہزار روپے طے پایا تھا۔آپ بتائیں کہ مہر کتنا ادا کیا جائے گا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

برتقدیر صحت واقعہ نکاح ہوچکا ہے لیکن ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی اور ازدواجی تعلقات قائم نہیں ہوئے، اگر شوہر نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی تو شوہر کو کل مہر پچیس ہزار روپے (25000) کا نصف بارہ ہزار پانچ سو روپیہ (12500) لڑکی کے حوالے کرنا ہوگا کیونکہ یہ لڑکی کا حق ہے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۷): وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ

Marfat.com

فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ...الآية۔

وفي الدر المختار (۱۰۴/۳): (و) يجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة)۔

وفي الرد تحته: قوله (ويجب نصفه) أي نصف المهر المذكور وهو العشرة أن سماها أو دونها أو الأكثر منها إن سماه والمتبادر التسمية وقت العقد۔۔۔ قوله (بطلاق) الباء للمصاحبة لا للسببية لما مر من أن الوجوب بالعقد۔۔۔ قوله (قبل وطء أو خلوة) هو معنى قول الكنز قبل الدخول فإن الدخول يشمل الخلوة أيضا لأنها دخول حكما كما في البحر عن المجتبى۔

(۵۹۵) صحبت اور خلوت صحیحہ سے پہلے کتنا مہر دینا لازم ہوگا؟

سؤال

مفتی صاحب! میں ایک اہم مسئلہ کا فتویٰ لینا چاہتا ہوں میں نے اپنے بیٹے کا نکاح اپنے بڑے داماد کی بھانجی سے کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ منکوحہ لڑکی کی والدہ عظمیٰ بیگم ہارٹ کی مریضہ تھیں اور ان کی حالت بہت خراب تھی تو میرے داماد اور بیٹی کو بچی کا ہاتھ دے کر یہ کہا کہ یہ بیٹی تمہاری ہے اور لڑکی کا نام مدیحہ ہے۔ میرے بیٹی داماد میرے گھر آئے اور انہوں نے میرے بیٹے محمد فیضان کو بلایا جو ڈیوٹی پر تھا اور میرے بیٹی داماد نے یہ کہا کہ امی آپ فیضان سے مدیحہ کا رشتہ کر دیں، عظمیٰ کی بہت حالت خراب ہے۔ مدیحہ کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے بچے سے یہ کہا کہ بیٹا یہ ثواب کا کام ہے بچی کے والد نہیں ہیں اور وہ بہن بھائیوں سے بھی محروم ہے وہ بچی اکلوتی ہے میرے بیٹے نے یہ کہا کہ امی جیسے آپ کی مرضی اور اس نے حامی بھر لی۔

اس نکاح کو تین سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور کوئی بھی شکایت نہیں ہوئی، میں اور میرا بیٹا اپنی حیثیت کے مطابق خرچہ اور کپڑے وغیرہ دیتا رہا اب کچھ عرصے سے دونوں میں نا اتفاقی ہوگئی ہے اور ایک دوسرے پر بیہودہ الزام لگا رہے ہیں اور معاملہ کافی سنجیدہ ہوگیا ہے چنانچہ میں بیٹے کی ماں ہونے کے حوالے سے ان لوگوں سے صلح کے ارادے سے گئی تو وہ لوگ نہیں مانتے اور زیادہ سے زیادہ الزام تراشی ہوئی تو میں واپس آگئی اب ہم خاندان کے لوگ دونوں بچوں کو سمجھا رہے ہیں لیکن میرا بیٹا راضی نہیں ہو رہا۔ میں نے اور والد صاحب نے اس کو بہت سمجھایا کہ بیٹا وہاں ہماری بیٹی ہے اور داماد صاحب بہت زیادہ برہم ہو رہے ہیں لیکن مدیحہ کے گھر والوں میں تھوڑی سی لچک نہیں آرہی ہے اس لئے میں بہت زیادہ پریشان ہو رہی ہوں۔ میرا بیٹا فیضان جس کو میں نے سمجھایا کہ بیٹا میری خاطر آپ یہ شادی کر لو تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ میں آپ کی خاطر یہ کر لوں گا لیکن کل کا جواب میرے پاس نہیں ہوگا۔

مدیحہ کے گھر والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم تمہیں کورٹ میں کھنچوا دیں گے۔ مدیحہ کا مہر پچاس ہزار (50,000) ہے، لڑکے کی تنخواہ چھ ہزار (6000) روپے ماہانہ ہے ہم نے دو مرتبہ جا کر صلح کی کوشش کی ہے لیکن وہ سمجھوتہ نہیں کر رہے ہیں۔ میرے داماد نے یہ کہا

Marfat.com

ہے فیضان میری دہلیز نہیں چڑھے گا۔ انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے اس پر میں نے بھی یہ کہا کہ مدیحہ اب میری دہلیز نہیں چڑھے گی۔ برائے مہربانی مجھے قرآنی ہدایت سے فتویٰ چاہیئے کہ مدیحہ کو طلاق دینے کے بعد میرے بیٹے کو اسے مہر دینا ضروری ہوگا یا نہیں؟ اگر ضروری ہوگا تو کتنا مہر ادا کرنا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر نکاح کے بعد صحبت اور خلوتِ صحیحہ (خلوت صحیحہ یعنی اپنی منکوحہ سے اکیلے میں ایسی حالت میں ملنا کہ صحبت سے کوئی مانع نہ ہو اگرچہ صحبت وغیرہ نہ کی جائے) سے پہلے طلاق دیجائے اور مہر کی رقم متعین ہو تو شوہر پر نصف مہر کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کا بیٹا اگر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور اس نے اب تک اپنی بیوی سے صحبت اور خلوت صحیحہ نہیں کی ہے تو پھر آپ کے بیٹے پر نصف مہر کا ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر صحبت اور خلوت صحیحہ پائی گئی ہے تو پھر کُل مہر کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۷) وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ...الآية۔

وفی الهندية (۳۱۳/۱): والزيادة إنما تتأكد بأحد معان ثلاثة إما بالدخول وإما بالخلوة الصحيحة وإما بموت أحد الزوجين فإن وقعت الفرقة بينهما من غير هذه المعاني الثلاثة بطلت الزيادة وتنصف الأصل ولا تتنصف الزيادة كذا في المضمرات۔

وفی (۳۰۹/۱): فمهرها يتنصف بالطلاق قبل الدخول كذا في العتابية۔

وفی الشامية (۱۰۳/۳): (ويتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه۔

(۵۹۶) بیوی کا مہر اس کے ترکے میں شامل کرنا ہوگا

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص کے پاس اس کی بیوی کا مہر ہے یعنی اس نے ابھی تک ادا نہیں کیا اور بیوی نے معاف بھی نہیں کیا اور بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اب اس مہر کو صدقہ کیا جائے یا وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر چونکہ عورت کا حق اور اس کی ملکیت ہے لہٰذا یہ مہر اس کے ورثہ میں بقدر حصص تقسیم کیا جائے گا۔

Marfat.com

لما في البناية (٢٦٥/٤): وإن علم أن المرأة ماتت أولا يسقط من المهر قدر نصيب الزوج من التركة لأنه ورث دينا على نفسه۔

وفي الهندية (٣٢١/١): إذا مات الزوجان وقد سمى لها مهرا ثبت ذلك بالبينة أو بتصادق الورثة فلورثتها أن يأخذوا ذلك من ميراث الزوج ۔۔۔ ولو اتفقت الورثة على عدم تسمية المهر في العقد يقضى بمهر المثل على قول صاحبيه وعليه الفتوى كذا في جواهر الأخلاطي۔

(۵۹۷) مہر وصول کرنے سے قبل عورت کا انتقال ہو جائے

سؤال

میری چھوٹی بہن کی شادی کو ابھی ۲ سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا حق مہر پچاس ہزار روپے تھا، نہ اس کے شوہر نے اس کا حق مہر دیا نہ معاف کروایا نہ ہماری بہن نے معاف کیا۔ برائے مہربانی آپ بتائیں کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے اور ہم لوگ کیا کریں نیز مہر کی رقم لینے کے بعد اس کا مستحق کون ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر عورت کا حق ہے اور تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی وجہ سے شوہر پر اس کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔

(۱) شوہر اپنی بیوی سے ہمبستری کرے۔

(۲) خلوت صحیحہ ہو جائے۔

(۳) ان دونوں (میاں و بیوی) میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے۔

صورت مسئولہ میں آپ کی بہن نے اپنا حق مہر وصول بھی نہیں کیا تھا اور نہ ہی معاف کیا تھا لہٰذا اس (مہر) کی ادائیگی ان کے شوہر پر واجب ہے اور یہ مہر آپ کی بہن کا ترکہ شمار ہوگا۔ ان (مرحومہ) کی تجہیز و تکفین اور اگر کسی کا ان پر قرضہ ہو تو اسے ادا کرنے کے بعد اور اگر کسی غیر وارث کیلئے انہوں نے وصیت کی ہو تو اسے بقیہ مہر کی رقم کے تہائی سے ادا کرنے کے بعد مرحومہ کے وارثوں میں اس مہر کی رقم کو شرعی طور پر تقسیم کیا جائے گا۔

لما في القرآن الكريم (النساء:٢٤): وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط

وفي الهندية (٣٠٣،٣٠٤/١): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا

Marfat.com

يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا في البدائع۔

وفی الشامية (۳/۱۰۲): وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه ۔۔۔ قال في البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع اھ

(۵۹۸) زوجین کی موت کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا طریقہ کار

سؤال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے: (۱) بغیر مہر کے نکاح ہو جاتا ہے یا مہر نکاح کیلئے شرط ہے؟

(۲) مہر معاف کرنے سے معاف اور ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے یا ذمہ میں باقی رہتا ہے؟

(۳) اگر کوئی مہر مؤجل مقرر کرے اور اس کی مدت متعین نہ کی گئی ہو تو ایسے مہر کی مدت فرقت ہے، خواہ فرقت موت کے سبب ہو یا طلاق کے ذریعہ۔ اگر فرقت موت کے ذریعہ ہو تو آدمی مہر کس طرح ادا کرے گا اور کس کو ادا کرے گا جبکہ لڑکی کو تو اس کا حق ملا نہیں اور اس صورت میں آدمی ظالم ہوگا؟

الجواب بعون الملك الوهاب

(۱) اگر نکاح کے وقت نہ مہر کا ذکر کیا گیا اور نہ ہی مہر مقرر کیا گیا تو بھی نکاح درست ہو جاتا ہے، البتہ نکاح کے بعد مہر مثل ادا کرنا واجب ہے۔

(۲) مہر عورت کا حق ہے اگر وہ بغیر کسی جبر کے دل سے معاف کر دے تو شوہر کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔

(۳) وہ مہر مؤجل کہ جس میں مدت مقرر نہیں کی گئی تو اس کی حد فرقت ہے، فرقت یا تو طلاق سے ہوگی یا موت سے۔ موت کے بسبب فرقت میں شوہر پر لازم ہے کہ وہ عورت کے ترکہ میں مہر کی رقم شامل کر دے پھر جب ترکہ تقسیم ہوگا تو دیگر ورثاء کی طرح شوہر کو بھی وراثت میں اس کے شرعی حصے (نصف یا ربع) کے تناسب سے حصہ ملے گا۔ اس صورت میں شوہر ظالم نہ ہوگا، اور اگر فرقت کا سبب شوہر کی موت ہے تو اگر اس نے اتنا مال ترکہ میں چھوڑا ہے کہ جس سے مہر ادا کیا جا سکے تو شوہر کے ورثاء پر لازم ہے کہ ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ عورت کو مہر ادا کریں اور اگر شوہر نے اتنا مال نہیں چھوڑا کہ جس سے مہر ادا ہو سکے تو شوہر ظالم ہوگا اور اس پر مہر ادا نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔

لما في الهندية (۱/۳۲۱): وأما إذا علم أنها ماتت أولا فيسقط منه نصيب الزوج كذا في فتح القدير ۔۔۔ ولو أبرأت زوجها من مهرها أو وهبته إياه ثم ماتت بعد مدة فقالت الورثة أبرأته في مرض

Marfat.com

موتها وأنكر الزوج فالقول قوله كذا في التبيين۔

وفي الدرالمختار (١١٣/٣) كتاب النكاح: (وصح حطها) لكله أو بعضه (عنه) قبل أو لا۔

وفي الرد تحته: مطلب في حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح ۔۔۔ ولو اختلف مع ورثتها فالقول للزوج أنه كان في الصحة لأنه ينكر المهر خلاصة ولو وهبته في مرضها فمات قبلها فلا دعوى لها بل لورثتها بعد موتها وتمام الفروع في البحر۔

وفي الدرالمختار (١٥٠/٣): (وموت أحدهما كحياتهما في الحكم) أصلا وقدرا لعدم سقوطه بموت أحدهما (وبعد موتهما ففي القدر القول لورثته)۔

(۵۹۹) شوہر کی موت کی صورت میں مہر کا حکم

سؤال

میرا نکاح ایک سال قبل احمد بن نذیر سے ہوا تھا ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ احمد کا انتقال ہو گیا۔ اب احمد کے والد صاحب کہتے ہیں چونکہ آپ کی رخصتی نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ کو مہر نہیں ملے گا اور میراث میں سے بھی کچھ نہیں ملے گا۔ آپ حضرات شرعی مسئلہ بتائیں کہ مجھے مہر ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو نصف مہر ملے گا یا پورا اور میراث میں میرا کتنا حصہ بنے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

احمد کے والد کا یہ کہنا کہ آپ کی رخصتی نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے نہ آپ کو مہر ملے گا اور نہ میراث یہ غلط ہے۔ مہر کا رخصتی سے کوئی تعلق نہیں۔ شوہر کے انتقال کی صورت میں بیوی کو پورا مہر ملے گا لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو مہر بھی پورا ملے گا اور میراث میں سے شرعی (یعنی چوتھا) حصہ بھی ملے گا۔

لما في القرآن الكريم (الاحزاب: ٥٠): قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

وفي الهندية (٣٠٣/١): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا في البدائع۔

وفي الدر المختار (١٠٢/٣): (وتجب)العشرة (إن سماها أو دونها و) يجب (الأكثر منها إن

Marfat.com

سمی) الأكثر ويتأكد (عند وطء أو خلوة صحت) من الزوج (أو موت أحدهما)۔

(۶۰۰) بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا مہر کو خیرات کرنا

سؤال

ایک شخص نے اپنی بیوی کا مہر بیس ہزار روپے رکھا، بیوی کو مہر ادا نہیں کیا تھا۔ کچھ ہی عرصے میں اس کی بیوی کا انتقال ہوگیا، کوئی اولاد وغیرہ بھی نہیں ہے۔ اب شوہر یہ چاہتا ہے کہ اس کے مہر کی رقم خیرات کردے جبکہ بیوی کے ماں باپ کہتے ہیں کہ مہر کی رقم ہمیں دیدو۔ اب آپ بتائیں کہ مہر کی رقم کا کیا کیا جائے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی رقم ورثاء کو ان کے حصص کے مطابق دینی ضروری ہے شوہر کیلئے ورثا کی مرضی اور اجازت کے بغیر صدقہ کرنا درست نہیں، البتہ مہر کا اتنا حصہ جو شوہر کو بطورِ وراثت ملتا ہے وہ حصہ صدقہ کرسکتا ہے۔

لمافي الهندية (۱/۳۰۳): الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق كذا في البدائع۔

وفي الدر المختار (۶/۷۷۰): (والربع للزوج) ۔۔۔ (مع أحدهما) أي الولد أو ولد الابن (والنصف له عند عدمهما) فللزوج حالتان النصف والربع۔

(۶۰۱) مطلقہ کیلئے مہر اور عدت کے خرچہ کے مطالبہ کا حق

سؤال

مفتی صاحب! مجھے شادی کے چھ سات ماہ بعد شوہر (کامران) نے تین طلاق دے دیں اور ابھی تک مہر ادا نہیں کیا۔ آیا اب میں شرعاً شوہر سے مہر اور عدت کے نان نفقہ کا مطالبہ کرسکتی ہوں یا نہیں اور شوہر پر ان کا دینا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟ شوہر کا کہنا ہے کہ طلاق آپ نے طلب کی ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملك الوهاب

مہر عورت کا حق شرعی ہے جو کہ نفسِ عقد ہی سے واجب ہوجاتا ہے اور شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے البتہ اگر عورت

Marfat.com

خود اپنا مہر معاف کر دے تو پھر شوہر پر کوئی ادائیگی واجب نہ ہوگی۔ نیز دورانِ عدت کا نان، نفقہ اور سکنیٰ (رہائشی مکان) شوہر پر لازم ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ اپنے مہر کا مطالبہ شوہر سے کر سکتی ہیں اور اسی طرح ایامِ عدت کے نفقہ کا مطالبہ بھی کر سکتی ہیں جو کہ از روئے شرع شوہر پر لازم ہے۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۔۔۔الآية۔

وفي الخانية:(۱/۱۷۷):إذا زوجت المرأة ولها مهر معلوم كان لها أن تحبس نفسها لاستيفاء المهر۔الخ۔

وفيه أيضاً(۱/۲۰۲):المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثالثاً حاملاً كانت أو لم تكن۔

وفي الشامية (۳/۱۰۲):(ويتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه ۔۔۔ قال في البدائع وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وإن كانت الفرقة من قبلها لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع اهـ۔

(۶۰۲) بیوی کے خفیۃً مہر معاف کر دینے کے بعد علانیۃً انکار کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! خالد کی بیوی نے تنہائی میں خالد کو مہر معاف کر دیا۔ ایک دفعہ جب بعض لوگوں کے سامنے خالد نے اس کا ذکر کیا تو اس کی بیوی نے انکار کر دیا، اور کہا کہ میں نے تو مہر معاف نہیں کیا۔ خالد کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔ اب خالد پر مہر کی ادائیگی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

خالد کے پاس چونکہ اپنے اس دعویٰ پر "کہ بیوی نے مہر معاف کر دیا ہے" گواہ موجود نہیں، لہٰذا اس کی بیوی سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ اس بات پر قسم کھائے کہ اس نے مہر معاف نہیں کیا۔ اگر وہ قسم کھا لیتی ہے تو خالد پر مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور اگر قسم سے انکار کر دے تو خالد کا دعویٰ معتبر سمجھا جائے گا اور مہر کی معافی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

لما في السنن الكبرى للبيهقي (۱/۲۵۲):عن ابن عباس رضي الله عنهما ان النبي ﷺ قال البينة

Marfat.com

على المدعى واليمين على المدعى عليه۔

وفی الدر المختار(۵/۵۴۷): (ويسأل القاضي المدعى عليه) عن الدعوى فيقول إنه ادعى عليك كذا فماذا تقول (بعد صحتها وإلا) تصدر صحيحة (لا) يسأل لعدم وجوب جوابه (فإن أقر) فيها (أو أنكر فبرهن المدعي قضى عليه) بلا طلب المدعي (وإلا) يبرهن (حلفه) الحاكم (بعد طلبه) إذ لا بد من طلبه اليمين في جميع الدعاوى إلا عند الثاني في أربع على ما في البزازية۔

(۶۰۳) عورت کے مہر معاف کرنے پر والد کا اعتراض کرنا

سؤال

بکر نے اپنی بیوی کا حق مہر چار ہزار روپیہ مقرر کیا۔ مذکورہ مہر عورت شادی کے دو سال بعد چار گواہوں کے روبرو بخوشی معاف کر چکی ہے۔ اب دونوں میاں بیوی راضی خوشی زندگی بسر کر رہے ہیں مگر لڑکی کے والد صاحب کہتے ہیں کہ مہر معاف کرنا ٹھیک نہیں بلکہ ادا کرو۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

وہ پیسے جو شوہر پر بطور مہر کے ادا کرنا ضروری ہوں اگر شادی کے بعد عورت اپنی صحت میں بخوشی ان تمام یا بعض کو ساقط کر دے تو شوہر ان ساقط شدہ پیسوں کی ادائیگی سے بری ہو جائے گا کیونکہ مہر خالصتاً عورت کا حق ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس عورت کا شوہر اس عورت کے مہر سے بری کر دینے کی وجہ سے چار ہزار روپے کی ادئیگی سے بری ہے پس عورت کے والد کو اعتراض کا حق حاصل نہیں۔

لما فی النہر الفائق (۲/۲۳۶) کتاب النكاح باب المهر: وصح حطها أی اسقاطها المهر كلا أو بعضا قبل أولا --- قيد بحطها لأن حط أبيها لو بالغة يتوقف على اجازتها ولو صغيرة بطل۔

وفی الشامية (۳/۱۱۳): مطلب في حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف عن إجازتها ولا بد من رضاها--- قوله (لكله أو بعضه) قيده في البدائع بما إذا كان المهر دينا أي دراهم أو دنانير لأن الحط في الأعيان لا يصح بحر ومعنى عدم صحته أن لها أن تأخذه منه ما دام قائما فلو هلكت في يده سقط المهر عنه لما في البزازية أبرأتك عن هذا العبد يبقى العبد وديعة عنده اھ

Marfat.com

(۶۰۴) عورت کے باپ کا مہر معاف کر دینے کا حکم

سؤال

ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح محمد عمر کے لڑکے سے کر دیا، نکاح کے وقت اس نے اپنی بیٹی کا مہر معاف کر دیا تھا کہ میں کوئی مہر وغیرہ نہیں لوں گا۔ اب لڑکی بالغہ ہو چکی ہے جب رخصتی ہوگئی تو لڑکی نے مہر کا مطالبہ کر دیا کہ میرا مہر ادا کرو۔ لڑکے نے کہا آپ کے والد مہر معاف کر چکے ہیں۔ لڑکی نے انکار کر دیا کہ میں مہر ضرور لوں گی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ والد کے مہر معاف کرنے کے بعد لڑکی کا شرعاً مہر کا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حقِ مہر شرعاً عورت کا حق ہے کوئی دوسرا شخص اس کو معاف نہیں کر سکتا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بوقت عقد مہر مقرر کیا گیا ہو، اور پھر باپ نے اسے معاف کرنا چاہا ہو تو وہی مقرر کردہ مہر لڑکی کو ملے گا اور اگر بوقت عقد بالکل مہر کا تعین ہی نہ ہو اور اسی وقت باپ نے مہر سے دستبرداری کا اظہار کیا ہو تو پھر لڑکی کو مہر مثل ملے گا لیکن دونوں صورتوں میں لڑکی کو مہر بہر حال ملے گا۔ باپ کے معاف کرنے سے مہر معاف نہ ہوگا اور لڑکی کو بدستور اپنے مہر کے مطالبہ کا حق رہے گا۔

لمافی البحر الرائق(۲۶۳/۳) باب المهر: قوله (وصح حطها) أي حط المرأة من مهرها لأن المهر في حالة البقاء حقها والحط يلاقيه حالة البقاء والحط في اللغة الإسقاط كما في المغرب أطلقه فشمل حط الكل أو البعض ـــ وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح فإن كانت صغيرة فهو باطل وإن كانت كبيرة توقف على إجازتها۔

وفى الشامية(۱۱۳/۳): مطلب في حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف عن إجازتها ولا بد من رضاها۔

(۶۰۵) مرض الموت میں عورت کا مہر معاف کرنا معتبر نہیں

سؤال

زید نے اپنی بیوی سے مرض الموت میں مہر معاف کرایا۔ بعد میں جب زید کے سسرال والوں نے کہا کہ مہر ادا کرو تو زید نے

Marfat.com

جواب دیا کہ میری بیوی نے مرض الموت میں مہر معاف کر دیا تھا۔ اب آپ بتائیں کہ مہر شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اگر معاف نہیں ہوا تو مہر کی رقم کا کیا کیا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مرض الموت (جس مرض میں موت واقع ہو جائے) میں عورت کا مہر معاف کرنا شوہر کے حق میں معتبر نہیں ہوگا۔ اب مہر شوہر کے ذمہ ہے اگر شوہر کی اولاد ہے تو اس صورت میں ربع (ایک چوتھائی) شوہر کو ملے گا اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں نصف آدھا ملے گا اور بقیہ رقم عورت کے ورثہ میں بقدر حصص تقسیم کی جائے گی۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً....الآیة۔

وفی الهندیة (۱/۳۱۳): وإن حطت عن مهرها صح الحط كذا في الهداية ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح ومن أن تكون مريضة مرض الموت هكذا في البحر الرائق۔

وفی الشامیة (۳/۱۱۳): مطلب في حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب وقيد بحطها لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف عن إجازتها ولا بد من رضاها۔

(۶۰۶) زبردستی مہر معاف کرانے کا حکم

سؤال

ایک شخص نے شادی کی اور تیس ہزار روپے مہر مقرر کیا بعد میں اس نے اپنی بیوی کو دھمکا کر اس سے مہر معاف کرایا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا زبردستی مہر معاف کرانے سے مہر معاف ہو جاتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

زبردستی مہر معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔ شوہر کے ذمے بدستور مہر کی ادائیگی واجب رہے گی۔

لما فی الدر المختار (۶/۱۴۱): (خوفها الزوج بالضرب حتى وهبته مهرها لم تصح) الهبة (إن قدر الزوج على الضرب) وإن هددها بطلاق أو تزوج عليها أو تسر فليس بإكراه خانية۔

Marfat.com

(۶۰۷) شادی کی رات بیوی سے مہر معاف کرانا

سؤال

مفتی صاحب! ایک ماہ بعد میری شادی ہونے والی ہے۔ میرے ایک دوست نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ شادی کی رات جب بیوی کے پاس جاتے ہیں تو سب سے پہلے مہر معاف کروایا جاتا ہے۔ مجھے آپ سے معلوم یہ کرنا تھا کہ آیا یہ شرعی اعتبار سے درست ہے؟ اگر بیوی مہر معاف نہ کرے تو کیا کیا جائے؟ کیا مہر بیوی کو بعد میں ادا نہیں کیا جا سکتا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر اس مال کو کہا جاتا ہے جو نکاح کے بدلے میں شوہر کے ذمے عورت کو ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اگرچہ نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ ہو یا مہر نہ رکھنے کی شرط ہو پھر بھی مہر مثل واجب ہو جاتا ہے لیکن یاد رہے! کہ مہر کا اصل مقصد ادا کرنا ہے نہ کہ معاف کروانا۔ مہر کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ معجّل: جو فی الفور ادا کرنا طے ہو۔

۲۔ مؤجل: جس میں ادائیگی فی الفور شرط نہ ہو بلکہ موت یا طلاق کے وقت یا زندگی میں کسی بھی وقت دینا طے ہو۔

لیکن بہر حال ادا کرنا ہوگا، یہ انتہائی بے ہودہ اور قبیح حرکت ہے کہ عورت سے حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مہر معاف کرایا جائے اور وہ بے چاری چار و ناچار مہر معاف کر دے۔ یاد رہے! کہ یہ جبر ہے اور اس طرح مہر معاف نہیں ہوتا بلکہ بدستور شوہر کے ذمے ادا کرنا لازم رہتا ہے اگرچہ بیوی زبان سے معاف بھی کر دے لہٰذا آپ کے دوست نے آپ کو جو کچھ کہا ہے، وہ سراسر غلط ہے۔ آپ نکاح کے وقت اتنا مہر طے کریں جو فی الفور سہولت سے ادا کر سکتے ہوں اور اگر کسی وجہ سے فی الفور ادا پر قادر نہ ہوں تو نکاح کے بعد کوئی وقت طے کر لیں، اس وقت ادا کریں لیکن مہر ادا نہ کرنا یا بیوی سے جبراً معاف کروانا جائز نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ بغیر کچھ کہے بیوی اپنی خوشی سے کسی جبر اور دھمکی کے بغیر خود ہی مہر معاف کر دے تو معاف ہو جاتا ہے لیکن یاد رہے کہ بیوی کی سو فیصد رضامندی ضروری ہے بصورتِ دیگر مہر معاف نہ ہوگا۔

لما فی الکلام المجید (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۱/۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ألا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه ".رواه البيهقي في شعب الإيمان والدارقطني في المجتبى۔

Marfat.com

وفی الدر المختار (۱۴۱/۶): (خوفها الزوج بالضرب حتى وهبته مهرها لم تصح) الهبة (إن قدر الزوج على الضرب) وإن هددها بطلاق أو تزوج عليها أو تسر فليس بإكراه خانية وفي مجمع الفتاوى منع امرأته المريضة عن المسير إلى أبويها إلا أن تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطلة لأنها كالمكره۔

وفی الشامية (۱۰۰/۳): ثم عرف المهر في العناية بأنه اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد واعترض بعد شموله للواجب بالوطء بشبهة ومن ثم عرفه بعضهم بأنه اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطء۔

(۶۰۸) عورت کا ناسمجھی میں مہر معاف کرنے کا حکم

سؤال

جب میری شادی ہوئی تو اس وقت میں بالکل ناسمجھ اور ناداں تھی، مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ مہر کیا ہوتا ہے۔ میرے سسر بار بار مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ بیٹی اپنے خاوند کا مہر معاف کر دو چنانچہ میں نے اس وقت اپنا مہر معاف کیا۔ کیا اس طرح سے مہر معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ اگر مجھے مہر کے بارے میں کچھ پتہ ہوتا تو میں مہر معاف نہیں کرتی۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر عورت حقیقتاً مہر کے لفظ اور اس کے معنی سے ناواقف تھی اور محض اپنے سسر کے اتنا کہنے سے کہ "بیٹی اپنے خاوند کا مہر معاف کردو" اس نے یہ کہہ دیا کہ میں نے معاف کر دیا تو اس طرح معاف کرنے سے مہر معاف نہ ہوگا اور شوہر کے ذمہ مہر دینا لازم ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۴): فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا۔

وفی البحر الرائق (۲۶۵/۳): ويشترط في صحة إبرائها عن المهر علمها بمعناها لما في التجنيس لو قال لها قولي وهبت مهري منك فقالت المرأة ذلك وهي لا تحسن العربية لا يصح فرق بين هذا وبين العتق والطلاق حيث يقعان أن الرضا شرط جواز الهبة وليس بشرط لجواز العتق و الطلاق اهـ

وفی حاشية الطحطاوی على الدر (۵۳/۲): واعلم أنه يشترط فی صحة براءتها عن المهر علمها بمعناها فلو قال لها قولی وهبت مهری منك فقالت وهی لاتحسن العربية لايصح۔

Marfat.com

(۶۰۹) بیوی اگر مہر معاف کر دے تو علیحدگی کے بعد مطالبہ کا حکم

سوال

سید ریحان علی نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی ہے بیوی کی رضامندی سے طلاق دی ہے۔ بیوی حق مہر ۵ سال قبل معاف کر چکی تھی۔ شادی کو سات سال ہوئے تھے۔ اس عرصے میں دو بیٹے ہیں۔ چھوٹا تین سال اور بڑا چھ سال کا ہے۔ جس دن سے شادی ہوئی ریحان کی نوکری ختم ہوگئی اور پھر گھر کا سامان بکتا رہا اور پھر گھر بک گیا۔ زیور بک گیا اور اس کے اخراجات پورے ہوتے رہے لیکن بیوی کے گھر والے یہی کہتے رہے کہ داماد پیر کی جوتی ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کسی بات پر ناراض ہو کر بیوی میکے گئی اور سارے میکے کو لے کر آئی اور کھڑے ہو کر ریحان کو پٹوایا اور پھر گھر آ گئی۔ میں برداشت کرتا رہا کہ بچے ہیں لیکن جب میری جان کی دشمن ہوگئی تو میں نے اسے طلاق دیدی، جس کے بعد سارا میکا سامان لینے کیلئے آیا تو غنڈے لے کر آئے اور جہیز کے علاوہ میرا سامان اور ٹی وی اور فریج میز بھی لے گئے اور اس کے علاوہ مہر بھی مانگ رہے ہیں۔ بچے میرے پاس پھینک کر گئی ہے اور کہہ گئی ہے کہ یہ بچے ریحان کے گلے کی ہڈی بن جائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) جب آپ نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو وہ اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اپنے جہیز کا سامان لے جائے البتہ وہ اپنے جہیز کے ساتھ جو آپ کا سامان بھی لے گئی ہے وہ اسے واپس کرنا ضروری ہے۔

(۲) مہر معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے لہٰذا جب آپ کی بیوی نے ایک دفعہ مہر معاف کر دیا تو دوبارہ مہر کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں اور اگر وہ انکار کرتی ہے کہ میں نے معاف نہیں کیا ہے تو مہر کے معاف کرنے پر شوہر کے پاس گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عورت کو قسم دی جائے گی اگر اس نے قسم اٹھالی تو اس کو پورا مہر دیا جائے گا اور اگر اس نے انکار کر دیا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اور مہر کو معاف سمجھا جائے گا۔

لمافی الهندية (۳۱۶/۱): الفصل العاشر في هبة المهر للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أو لم يدخل وليس لأحد من أوليائها أب ولا غيره الاعتراض عليها كذا في شرح الطحاوي۔

وفی الدرالمختار (۵۴۷/۵): (ولو كان) ما يدعيه (دينا) مكيلا أو موزونا نقدا أو غيره (ذكر وصفه) لأنه لا يعرف إلا به ـــ (ويسأل القاضي المدعى عليه) عن الدعوى فيقول إنه ادعى عليك كذا فماذا تقول (بعد صحتها وإلا) تصدر صحيحة (لا) يسأل لعدم وجوب جوابه (فإن أقر) فيها (أو أنكر فبرهن المدعي قضى عليه) بلا طلب المدعي (وإلا) يبرهن (حلفه) الحاكم (بعد طلبه)

Marfat.com

إذ لا بد من طلبه اليمين في جميع الدعاوى إلا عند الثاني في أربع على ما في البزازية ـــ (وإذا قال) المدعى عليه (لا أقر ولا أنكر لا يستحلف بل يحبس ليقر أو ينكر) درر ـــ (وقضى) القاضي (عليه بنكوله مرة) لو نكوله (في مجلس القاضي) حقيقة (بقوله لا أحلف) أو حكما كأن (سكت) وعلم أنه (من غير آفة) كخرس وطرش في الصحيح سراج وعرض اليمين ثلاثا ثم القضاء أحوط۔

(۶۱۰) مہر لکھ کر معاف کرنے کا حکم

سؤال

ایک عورت نے اپنے شوہر کو ایک کاغذ پر لکھ کر دیا کہ میں نے اپنا مہر معاف کر دیا، لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔ کیا مہر معاف ہو گیا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مہر خالص عورت کا حق ہے اس لئے اگر عورت اپنی رضامندی سے شوہر کو مہر معاف کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، چاہے زبانی طور معاف کر دے یا لکھ کر دیدے، دونوں صورتوں میں شوہر سے مہر کی ادائیگی ساقط ہو جائے گی۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۳۷): إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۔ الآية۔

وفي الهندية (۱/۳۱۳): وإن حطت عن مهرها صح الحط كذا في الهداية ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح ومن أن تكون مريضة مرض الموت هكذا في البحر الرائق۔

وفيه أيضاً (۴/۱۶۶): الإقرار بالكتابة على وجوه منها أن يكتب على وجه لا يكون مستبينا بأن كتب على الهواء أو على الماء أو على الجمد لا يجب به شيء وإن أشهد عليه ـــ منها أن يكتب على وجه يكون مستبينا وأنه على وجوه منها كتاب الرسالة وهو أن يكتب على بياض ويصدره بالتسمية ثم بالدعاء ثم يبين المقصود فيكتب أن لك علي ألف درهم من قبل كذا يكون إقرارا استحسانا ويحل لمن عاين كتابته أن يشهد عليه بذلك بشرط أن يعرف الشاهد ما كتب أشهد على ذلك أو لم يشهد هكذا في المحيط۔

وفي الدر المختار (۳/۱۱۳): (وصح حطها) لكله أو بعضه (عنه) قبل أو لا ويرتد بالرد كما في البحر۔

Marfat.com

وفيه أيضاً(۵/۶۰۰):(الأمر بكتابة الإقرار إقرار حكما) فإنه كما يكون باللسان يكون بالبنان فلو قال للصكاك اكتب خط إقراري بألف علي أو اكتب بيع داري أو طلاق امرأتي صح كتب أم لم يكتب۔

وفی الشامية (۵/۶۰۰): فرع ادعى المديون أن الدائن كتب على قرطاس بخطه أنه الدين الذي لي على فلان ابن فلان أبرأته عنه صح وسقط الدين لأن الكتابة المرسومة المعنونة كالنطق به وإن لم يكن كذلك لا يصح الإبراء ولا دعوى الإبراء ولا فرق بين أن تكون الكتابة بطلب الدائن أو لا بطلبه بزازية من آخر الرابع عشر من الدعوى۔

(۶۱۱) قبل القبض مہر معاف کرانے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! بعض عورتیں شادی کے بعد مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے مہر معاف کر دیتی ہیں تو کیا قبضہ سے پہلے مہر معاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر عورت مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے اپنی خوشی سے معاف کر دے تو یہ جائز ہے۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً. فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا.

وفی الدر المختار(۳/۱۱۳):(وصح حطها) لكله أو بعضه (عنه) قبل أو لا ويرتد بالرد كما في البحر۔

وفی الرد تحته: مطلب في حط المهر والابراء منه قوله (وصح حطها) الحط الإسقاط كما في المغرب ۔۔۔ قوله (ويرتد بالرد) أي كهبة الدين ممن عليه الدين ذكره في أنفع الوسائل بحثا وقال لم أره واستدل له في البحر بما في مداينات القنية قالت لزوجها أبرأتك ولم يقل قبلت أو كان غائبا فقالت أبرأت زوجي يبرأ إذا رده اه قال في النهر ولا يخفى أن المدعي إنما هو رد الحط وكأنه نظر إلى أن الحط إبراء معنى۔

Marfat.com

(۶۱۲) بعد القبض عورت کا مہر کو ہبہ کرنا

سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت جو کہ اپنے مہر پر قبضہ کر چکی ہے بوجہ اخراجات کی تنگی کے اپنی خوشی سے خاوند کو کاروبار کیلئے سونے یا نقدی کی شکل میں دینا چاہتی ہے۔ کیا عورت کیلئے ایسا کرنا جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں اس کا حکم بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت مہر پر قبضہ کر لینے سے مہر کی مالکہ ہو جاتی ہے اور مالکہ کو اپنے مال میں ہر جائز تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر عورت دل کی خوشی سے خاوند کو مال دینے پر راضی ہے تو یہ جائز ہے اور خاوند قبضہ کرنے سے اس مال کا مالک بن جائے گا لیکن اگر عورت اپنا مال بطور قرض دے رہی ہے تو خاوند پر اس کا واپس کرنا واجب ہوگا۔

لمافی التاتارخانية (۸۵/۳): وفی المهر حقوق ثلاثة حق الشرع وهو أن لا يكون أقل من عشرة ـــ وحق المرأة وهو كونه ملكا لها حتى لو زوجت نفسها من رجل بعشرة ثم أبرأته عن كلها أو عن بعضها جاز۔

وفی الفقه الإسلامی (۶۸۳۸/۹): ويجوز للمرأة الرشيدة أن تهب للزوج جميع الصداق الذي تقرر به النكاح؛ لأنها ملكته، وتقرر بالوطء، سواء قبضته منه أم لم تقبضه، لقوله تعالى: {فإن طبن لكم عن شيء منه نفساً، فكلوه هنيئاً مريئاً} [النساء].

(۶۱۳) مہر عند الطلب کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت کے نکاح کے وقت یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عند الطلب یعنی جب بھی بیوی مطالبہ کرے تو مہر ادا کرنا ضروری ہوگا تو مفتی صاحب اس طرح مہر مقرر کرنا درست ہے نیز یہ مہر جب بیوی مانگے تو ادا کرنا واجب ہوگا؟ کیا اس کے بعد بیوی ہمبستری سے روک سکتی ہے؟ جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

مہر کی دو قسمیں ہیں: ۔۱۔ معجّل۔ ۲۔ مؤجل۔ معجّل وہ مہر جسے فی الفور اداء کرنا لازم ہو اور مؤجل میں تاخیر ہوتی ہے۔

Marfat.com

مہر واجب عند الطلب (یعنی جب بیوی مانگے تب اداء کرنا واجب ہو) یہ الگ سے کوئی مہر کی قسم نہیں بلکہ مہر معجّل ہی کی ایک صورت ہے، فقط بیوی کے مطالبہ کو الفاظ میں بھی شرط قرار دے دیا جاتا ہے لہٰذا حقیقتاً تو یہ بھی مہر معجّل ہے، فی الفور اداء کر دینا چاہئے البتہ بیوی کے مطالبے تک تاخیر کی گنجائش ہے لیکن بیوی کے مطالبے کے بعد تو اسے اداء کرنا بہرحال لازم ہے۔

لما في الهندية (۳۱۸/۱): ولو شرط عليها أن يدخل بها قبل إيفاء المعجل صح الشرط۔

وفي الدر المختار (۱۴۳/۳): (ولها منعه من الوطء) دواعيه شرح مجمع (والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما) لأن كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لا يوجب تسليم الباقي (لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه۔

وفي الردّتحته: قوله (فكما شرطا) جواب شرط محذوف تقديره فإن أجل كله أو عجل كله ۔

(۶۱۴) مہر کیا ہے؟ تحفہ یا حق

سوال

مفتی صاحب! مہر کیا ہے اور شرعاً مہر مقرر کرنا کیا نکاح سے قبل ضروری ہے؟ یہ بیوی کا حق ہے یا صرف اس کے لئے ایک تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے؟ از راہِ کرم مہر سے متعلق مکمل تفصیل تحریر فرما دیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

مہر کی تعریف فقہاء نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالنسبة أو بالعقد" **(ردالمحتار ۱۰۱/۳)**

"مہر اس مال کا نام ہے جو عقد نکاح کی وجہ سے شوہر پر (عورت کی) ملک بضع کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے چاہے مقرر کر دے یا عقد سے ہی (مہر مثل لازم ہو جائے)"

اور بعض حضرات نے یہ تعریف بھی کی ہے:

"اسم لما تستحقه المرأة بعقد النكاح أو الوطء" **(الشامية ۱۰۱/۳)**

"مہر اس (مال) کا نام ہے، عورت عقدِ نکاح یا وطی کی وجہ سے جس کی مستحق ہو۔"

مہر مقرر کرنا عقد سے قبل ضروری ہے البتہ بغیر مہر مقرر کئے بھی عقد درست ہو جاتا ہے اور لڑکی کو مہر مثل (اپنی ددھیال کی عورتوں مثلاً بہن، پھوپھی وغیرہ کا مہر) ملتا ہے نیز اوپر ذکر کردہ مہر کی تعریف سے معلوم ہو گیا کہ مہر عورت کا حق ہے وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہے یہ تحفہ

Marfat.com

نہیں بلکہ نکاح کے عوض میں مقرر کیا گیا اس کا حق ہے۔

(۶۱۵) مہر اور جنازے سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ

سؤال

مفتی صاحب! آپ سے کچھ باتیں دریافت کرنی ہیں۔

(۱) مہر کی اقل مقدار دس دراہم ہے۔ اسے فقہاء قیاس کرتے ہیں سرقہ میں ہاتھ کاٹے جانے کی مقدار دس دراہم پر، اور جب سرقہ کا باب آتا ہے تو وہاں سرقہ کے دس دراہم پر ہاتھ کاٹے جانے کو مہر کی اقل مقدار دس دراہم پر قیاس کرلیا جاتا ہے!!! یہ تو مقیس پر قیاس ہے جو کہ بعید از اصول وعقل ہے۔ کیا مسئلہ اسی طرح ہے یا کوئی متفقہ نص اور اجماع ہے؟؟ کیونکہ ایک مقیس کو مقیس علیہ بنا دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح قنوت میں ہاتھ باندھنا (کیونکہ ذکر مسنون طویل ہے لہٰذا ہاتھ باندھے جائیں گے) اسے نماز جنازہ میں ذکر مسنون طویل میں ہاتھ باندھنے پر قیاس کیا جاتا ہے، اور جنائز کے باب میں جنازے کی نماز کو قنوت پر قیاس کرلیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟؟؟ ان دونوں مسئلوں کی وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ احناف کثر اللہ سوادھم کا تمام مسائل میں سب سے پہلا مرجع قرآن کریم، پھر سنت، پھر اجماع امت ہے۔ جب کوئی مسئلہ قرآن، سنت اور اجماع میں مذکور نہیں ہوتا تو پھر غیر منصوصہ مسئلہ کو منصوصہ مسئلہ پر قیاس کیا جاتا ہے، نیز جو مسائل قرآن یا سنت یا اجماع امت میں مذکور ہوں ہیں ان میں قیاس کو صرف بطور تائید وتقویت کے پیش کیا جاتا ہے، مذکورہ مسئلہ کا مبنیٰ اس قیاس پر نہیں ہوتا۔ سوال نمبر ایک کے پہلے مسئلہ (مسئلہ مہر) کا تعلق بھی دوسری قسم سے ہے [یعنی مسئلہ میں نص موجود ہے لیکن قیاس کو بطورِ تقویت کے ذکر کردیا جاتا ہے]۔

پہلے مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ مہر کی اقل مقدار دس دراہم ہیں۔ یہ مذہب بعینہ ایک حدیث سے نہیں بلکہ کئی احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ سنن کبریٰ (۱۰/۱۱) میں مذکور ہے:

قال رسول اللہ ﷺ:..... ولا مھر دون عشرۃ دراھم ۔ (دس دراہم سے کم مہر نہیں)

اس کے بعد اسی مضمون کی مزید پانچ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ سنن دارقطنی (۱۷۳/۳) میں بھی اس مضمون سے متعلق چھ احادیث منقول ہیں۔ مصنف عبدالرزّاق (۱۷۹/۶) میں بھی یہ مضمون مختلف روایات سے ثابت کیا گیا ہے چنانچہ مذکورہ مسئلہ کو سرقہ پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے سو وہ بھی ایک نہیں کئی احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب ''المصنف لابن ابی شیبہ''

Marfat.com

(۵/۳۷۴) میں ہے: "لا تقطع فی اقل من عشرۃ دراھم" کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اس عنوان کے تحت سات احادیث مذکور ہیں، جس سے مذہب حنفیہ کو مزید تقویت ملتی ہے۔

سنن نسائی (۲/۲۵۹) میں بھی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ ان دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ دونوں مسئلوں کی بنیاد احادیث پر ہے بلکہ دوسرا مسئلہ (دس دراہم پر ہاتھ کا ٹا جانا) تو اجماع سے بھی مؤید ہے کیونکہ دیگر تمام ائمہ کا قول تقریبا دس دراہم سے کم کا ہے لہٰذا دس درہم پر تو سب متفق ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دونوں مسئلے نص سے ثابت ہیں۔ اس بارے میں متعدد طرق سے احادیث مروی ہیں، لہٰذا یہ کہنا بھی باطل ہے کہ مذکورہ احادیث ضعیف ہیں، کیونکہ ضعیف احادیث جب متعدد طرق سے مروی ہوں تو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول وہ احادیث حسن بن جاتی ہیں۔ کما قال النووی رحمہ اللہ فی شرح المھذب.

فقہاء کرام رحمہم اللہ جو مہر کی اقل مقدار دس دراہم کو سرقہ پر قیاس کرتے ہیں تو قیاس سرقہ کے باب میں موجود نص پر قیاس ہے۔ جہاں تک دوسرے مسئلے کا تعلق ہے (سرقہ کو مہر پر قیاس کرنا) تو یہ قیاس تتبع وجستجو کے باوجود ہمیں نہیں ملا البتہ اگر ایسا کوئی قیاس کہیں مذکور بھی ہو تو اس کا جواب بھی یہی ہوگا (کہ سرقہ کو مہر پر نہیں بلکہ مہر کے باب میں جو نص وارد ہے اس پر قیاس کیا گیا ہے)۔

بہر حال دونوں مسئلے چونکہ نص سے ثابت ہیں اور فقہاء کرام کی اصطلاح میں مسائل منصوصہ کو مسائل منصوصہ پر بطور تائید وتقویت کے قیاس کرنا صحیح اور درست ہے بلکہ یہ تو فقہاء احناف کا اندازِ بیان اور طرزِ استدلال ہے، لہٰذا انہیں مقیس پر قیاس کہنا درست نہیں، بلکہ نصوص سے ناواقفیت کی بناء پر ہے۔

(۲) سوال نمبر ۲ کے مذکورہ دونوں مسئلوں کی وضاحت سے قبل ایک اصل بیان کرنا ضروری ہے جو اکثر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہ "ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون طویل ہو اس میں ہاتھ باندھنا ضروری ہے" مثلاً عام نمازوں میں قراءت میں ہاتھ باندھنا ضروری ہے، کیونکہ ذکر مسنون طویل موجود ہے۔ اس اصول کی دلیل مشہور حدیث ہے:

"إن من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة" (أخرجه أبو داؤد)

"نماز میں دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔"

ہر وہ قیام جس میں ذکر مسنون طویل نہ ہو اس میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے۔ نماز جنازہ میں تکبیر کے بعد ہاتھ باندھنے کی دلیل سنن دارقطنی (۲/۶۱) "باب وضع اليمنى على اليسرىٰ ورفع الايدى عند التكبير" کے تحت چونکہ مذکور ہے (لہٰذا نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی)۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی جنازۃ فوضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسریٰ"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا"

اسی طرح حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے دوسری حدیث ہے:

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیٰ علی الجنازۃ رفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم وضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ"

Marfat.com

البتہ نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنا کہیں مذکور نہیں اور پھر نماز جنازہ کو قنوت پر قیاس کرنا محل نظر بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ تتبع کے باوجود قنوت میں ہاتھ باندھنے کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملا، تو پھر منصوصہ مسئلہ کو غیر منصوصہ مسئلہ پر قیاس کرنا کہاں اور کیسے درست ہو سکتا ہے؟؟؟ البتہ قنوت کو نماز جنازہ پر قیاس کرنا اگرچہ صحیح اور درست ہے لیکن یہ بھی کہیں مذکور نہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قنوت میں ہاتھ باندھنے کا کوئی صریح نص موجود نہیں بلکہ اصل مذکور کے تحت اس کو ثابت کیا گیا ہے۔

شیخین رحمۃ اللہ علیہما اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان مذکورہ مسئلہ میں اختلاف ہے۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اعتماد (ہاتھ باندھنا) ہر اس قیام جس میں ذکر مسنون ہو، کی سنت ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اعتماد قراءت کی سنت ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قنوت اور نمازِ جنازہ میں ہاتھ چھوڑے جائیں گے اور شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہاتھ باندھے جائیں گے اور تعامل بھی اسی قول پر ہے۔

رہا یہ سوال کہ قومہ میں بھی ذکر مسنون ہے اور قومہ بھی محل تسبیح وتحمید ہے تو اس میں ہاتھ کیوں چھوڑے جاتے ہیں؟؟؟ اس کا جواب صاحب ''اعلاء السنن'' نے یہ دیا ہے کہ اصل میں مذکورہ قیام سے وہ قیام مراد ہے جس میں قرار وثبات ہو اور قومہ کا جو قیام ہے اس میں قرار نہیں لہٰذا قومہ میں ارسال ہوگا (ہاتھ چھوڑے جائیں گے) نیز صاحب اعلاء السنن نے اسی پر فریقین کا اجماع نقل کیا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں نہ تو قراءت مسنون ہے اور نہ ہی ذکر طویل ہے۔ بہر حال قنوت میں ہاتھ باندھنے کا کوئی صریح نص موجود نہیں اور اس کا اعتراف صاحب اعلاء السنن نے بھی فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"إن الوضع والارسال بعد الرفع مسكوت عنهما في الأحاديث"

''تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کا رکھنا یا چھوڑنا اس بارے میں حدیث میں کچھ نہیں آیا۔''

اگر کوئی اعتراض کرے کہ پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وامام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ قنوت میں ہاتھ باندھے جائیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ احادیث اس بارے میں خاموش ہیں لہٰذا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصل پر چلے ہیں۔ ان کے ہاں اصول یہ ہے کہ اعتماد قراءت کی سنت ہے اور قنوت میں قراءت نہیں ہوتی، اور قنوت میں ہاتھ باندھنا امر حادث ہے جو دلیل کا محتاج ہے، لہٰذا قنوت میں ارسال کیا جائے گا۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے قیاس پر عمل کیا ہے، ایک طویل مدت تک ہاتھ چھوڑنا خشوع کے خلاف ہے اور روافض کا مذہب بھی چونکہ ابتداء نماز میں ارسال کا ہے، لہٰذا ان کی مخالفت بھی مقصود تھی، لہٰذا ان کے نزدیک ہاتھ باندھے جائیں گے۔

قنوت کو احقر کی ناقص رائے کے مطابق نماز میں اصل قیام پر قیاس کیا گیا ہے۔ حدیث میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کو مطلقاً سنت کہا گیا ہے اور قنوت کا قیام بھی عام نماز کے قیام کے مشابہ ہے۔ اس سے مذکورہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا، اور مذکورہ اصول کے تحت قومہ میں ہاتھ باندھنا لازم آرہا تھا، لہٰذا ہم نے اس میں طویل ہونے کی قید لگائی جس کا ذکر ہو گیا۔ قومہ میں قیام یسیر ہونے کی بناء پر ہاتھ باندھنے اور پھر چھوڑنے میں حرج لازم آرہا تھا لہٰذا قومہ مذکورہ اصول کے تحت داخل نہیں ہوگا۔ نیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جن احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز بتایا ہے ان میں قومہ سے متعلق یہ مذکور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قومہ کی حالت میں ہاتھ باندھے

Marfat.com

ہوں، اگرچہ قومہ میں ارسال کا ذکر بھی نہیں لیکن قیام یسیر (تھوڑی دیر کے قیام) کی وجہ سے ہاتھ نہ باندھنا مشروع و معمول بہا ہے۔

لما فی قوله تعالی (المائدة :۳۸) وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

وفی قوله تعالی (النساء :۲۴) وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔۔۔۔وفی قوله تعالی (البقرة :۲۳۸) وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔

وفی السنن الکبری للامام البیهقی ۲۰/۱۱، کتاب الصداق (دارالفکر): عن جابر رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا صداق دون عشرة دراهم۔

وفی الکتاب المصنف لابن ابی شیبة (۴۷۳/۵) من قال لاتقطع فی اقل من عشرة دراهم (دار الکتب العلمیه): حدثنا شریك، عن عطیة بن عبد الرحمن، عن القاسم، قال: أتي عمر بسارق فأمر بقطعه، فقال عثمان: إن سرقته لا تساوی عشرة دراهم، قال: فأمر بها عمر فقومت ثمانية دراهم، فلم يقطعه.

وفی سنن البیهقی (۲۹/۲): عن ابن عمر رضی الله عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: إنا معاشر الأنبياء أمرنا بثلاث: بتعجيل الفطر، وتأخير السحور، ووضع اليد اليمنى على اليسرى فی الصلاة. (كذا فی مجمع الزوائد عن الطبرانی، ونقل الحافظ العینی عن الطبرانی)۔

وفی سنن النسائی (۲۵۹/۲): باب القدر الذی اذا سرقه السارق قطعت یده (قدیمی کتب خانه) عن أيمن قال: يقطع السارق في ثمن المجن وكان ثمن المجن على عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم دينارا أو عشرة دراهم۔

وفيه أيضاً (۲۵۹/۲): عن ابن عباس رضی الله عنه مثله كان ثمن المجن على عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم يقوم عشرة دراهم۔

وفی المصنف لعبد الرزاق (۲۳۳/۱۰) باب فی کم تقطع ید السارق (ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة): عن ابن مسعود رضی الله عنه قال كان لا تقطع اليد إلا في دينار أو عشرة دراهم۔

Marfat.com

فصل فی الجھاز وغیرہ

(جہیز وغیرہ کا بیان)

(۶۱۶) جہیز کی شرعی حیثیت

سؤال

مفتی صاحب! شادی کے موقع پر دلہن کو دیئے جانے والے جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اسلام اس کی ترغیب دیتا ہے اور بعض جگہ جو جہیز دیا جاتا ہے اس کی خوب نمائش ہوتی ہے اور پھر لڑکے والوں کے حوالے کیا جاتا ہے یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ نیز بعض لوگ اس کے خلاف اتنی سختی سے عمل کرتے ہیں کہ بیٹی کو شادی کا جوڑا تک نہیں دیتے ان کا عمل کیسا ہے؟ ازراہِ کرم خوب وضاحت اور تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی کے موقع پر لڑکی کو بقدرِ ضرورت معمولی سا سامان دینا ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک عدد چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ عطا فرمایا تھا لیکن آج کل جو جہیز کی مروّجہ صورت ہے جس کے میسر نہ ہونے کی وجہ سے لڑکیاں تا دمِ آخر اپنے گھروں پر بیٹھنے پر مجبور ہیں اور لڑکے والے بڑھ چڑھ کر جہیز کے سامان میں زیادتی کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے بسا اوقات والدین کو مجبوراً سودی قرضے لینے پڑتے ہیں جن کو اداء کرنے کیلئے ان کی زندگیاں گزر جاتی ہیں نیز بعض بسے بسائے گھر اس مروجہ جہیز کی وجہ سے اجڑ گئے۔ لڑکی اپنے گھر سے لڑکے والوں کے مطالبے کے مطابق جہیز نہ لاسکی اس پر ان کی طرف سے طعن وتشنیع اور گرے پڑے جملے زندگیوں میں دراڑ ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔ جہیز کی اس مروّجہ صورت اور اس نمود ونمائش وغیرہ کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ اس میں درج ذیل مفاسد واضح ہیں۔

۱)......لڑکیوں کا بے نکاحی زندگی گزارنے کا سبب بننا۔

۲)......لڑکی کے والدین کا اس جہیز کیلئے سودی قرضے لینا۔

۳)......لڑکے والوں کا ایک ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جو قطعاً ان کا حق نہیں بلکہ جہیز تو لڑکی کی ملکیت ہوتی ہے۔

Marfat.com

۴)......جہیز نہ ملنے یا کم ملنے پر لڑکے والوں کا طعن و تشنیع کرنا۔

۵)......جہیز میں ضرورت سے زیادہ اشیاء فقط نمود و نمائش کیلئے دینا جس میں ریاکاری اور اسراف دونوں خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

ان میں سے بعض مفاسد تو صریح حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ ایک مباح امر (لڑکی کا ہدیۂ رخصتی کے وقت بطورِ جہیز کچھ سامان دینا) کیلئے اتنے حرام امور کا ارتکاب جائز نہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ معاشرے میں پھیلے اس ناسور کو لگام دے اور اس میں پائے جانے والے غلو کا خاتمہ کرے البتہ اگر یہ مفاسد نہ پائے جاتے ہوں اور لڑکی کا والد اپنی خوشی سے لڑکی کو بقدرِ ضرورت بغیر کسی اسراف، نمود و نمائش اور سودی قرضے لئے کچھ سامان دے دیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے نیز لڑکے کو بھی حالات کو دیکھتے ہوئے یہ سامان قبول کرلینا چاہیئے البتہ اگر لڑکی والے وہی مروّجہ مفاسد والے جہیز دینے پر مصر ہوں تو لڑکا انکار کرسکتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکی کو بقدرِ ضرورت بغیر اسراف، نمود و نمائش اور سودی قرضے کے کچھ سامان دینا جائز ہے (نیز اس کی جگہ نقد پیسے یا کوئی زمین وغیرہ بھی دی جاسکتی ہے جو بعد میں بھی زوجین کے کام آسکے گی) البتہ جہیز کی مروّجہ صورت اور لڑکے والوں کا مطالبہ کرنا اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہ ایک منکر عمل ہے۔ اصحابِ استطاعت حضرات کو بھی چاہیئے کہ وہ اگر دلی رضامندی سے بھی بغیر مفاسد مذکورہ کے اپنی بیٹی کو ضرورت سے زیادہ سامان بطورِ جہیز دینا چاہ رہے ہوں تو وہ اس عمل سے باز رہیں اور اجتناب کریں کیونکہ ان کا یہ عمل (جہیز میں زیادتی) معاشرے میں اسے معیار بنائے گا اور پھر غریب کو بھی ان اشیاء کا التزام کرنا پڑے گا البتہ بقدرِ ضرورت حسبِ استطاعت کچھ سامان دے دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ بقدرِ ضرورت کچھ سامان حسبِ استطاعت دینا بھی چاہیئے کیونکہ شریعت نے بیٹیوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی کے معاملے کی تلقین کی ہے اور اظہارِ محبت کیلئے دے دینا چاہیئے بالکل نہ دینا بھی مروّت کے خلاف ہے۔

لمافی سنن النسائی (۲/۷۷): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی الله عنه قال جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة فى خميل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

وفى الشامية (۳/۵۸۴): قوله (وفي البحر الخ) وعبارته والحاصل أن المرأة ليس عليها إلا تسليم نفسها في بيته وعليه لها جميع ما يكفيها بحسب حالها من أكل وشرب ولبس وفرش۔

(۶۱۷) شریعت میں جہیز کا تصور اور حکومت کا جہیز پر پابندی لگانا

سوال

مفتی صاحب! شریعت میں جہیز کا کیا تصور ہے؟ کیا شریعت نے اس کی کوئی مقدار لڑکی کے مالدار اور تنگدست ہونے کے اعتبار سے مقرر کی ہے؟ کیا حکومت کو جہیز پر پابندی لگانے کا اختیار ہے؟ از راہِ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعتِ مقدسہ میں بقدرِ ضرورت رخصتی کے وقت لڑکی کو معمولی سامان دینا (بطورِ جہیز) ثابت ہے حضور اقدس ﷺ نے حضرت فاطمہ کو رخصتی کے وقت معمولی سامان دیا تھا جس میں ایک چادر ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ شامل تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دونوں جہانوں کے سرکار کی بیٹی فاطمۃ الزہراء کو رخصتی کے وقت کتنا سامان بطورِ جہیز دیا گیا اور آج کل ہمارے معاشرے میں جہیز کی کیا صورت ہے!!!

ہمارے معاشرے میں موجود مروّجہ جہیز اور اس کے لئے لاکھوں کے سامان کا اکٹھا کرنا نیز نمود ونمائش سودی قرضوں کا لینا وغیرہ اس سب کا شریعت میں کوئی جواز نہیں نہ شریعت میں ایسے کسی جہیز کا کوئی تصور ہے۔ قرون اولیٰ کی کسی شادی میں جہیز کا یہ اہتمام نہیں ملتا بلکہ وہاں انتہائی سادگی سے لڑکی کو لڑکے کے گھر پہنچا دیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس وقت شادی کرنا آسان تھا اور معاشرے میں عفت و پاکدامنی عام تھی اور آج ہم نے یہ بے جا التزامات اور ان میں موجود خرابیوں کے باوجود ان سب کو سینے سے چمٹایا ہوا ہے اور اس کے بے شمار مفاسد بھگت رہے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا مفسدہ یہ ہے کہ لڑکیاں بغیر شادی کے زندگیاں گزار رہی ہیں جو کہ معاشرے میں بے راہ روی کو پھیلا رہا ہے۔

(۲) آپ کا دوسرا سوال جہیز کی مقدار سے متعلق ہے اس سے متعلق عرض ہے کہ جہیز حقیقتاً ایک ہدیہ اور تحفہ ہے اور بقدر استطاعت ہدیہ دینے والے کی مرضی ہوتی ہے جتنا ہدیہ دیدے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بقدرِ ضرورت اپنی استطاعت کے مطابق جتنا بھی سامان دے دیا جائے یہ جائز ہے البتہ استطاعت سے باہر سودی قرضے لینا یا ضرورت سے زائد اشیاء لڑکی کو دینا یہ سب اسراف اور ناجائز امور ہیں، ان کی قطعاً اجازت نہیں۔ بقدرِ ضرورت کچھ سامان لڑکی کے ساتھ کر دینا چاہیئے لیکن اس سے زیادہ سامان مہیا کرنا درست نہیں۔

(۳) جہیز دینا ایک مباح امر تھا لیکن ہمارے معاشرے میں اس میں ایسے التزامات پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض تو صریح حرام ہیں۔ بعض مفاسد درج ذیل ہیں:

اوّلاً: جہیز کیلئے سودی قرضے لینا۔

ثانیاً: نمود ونمائش کرنا جو کہ ریاکاری ہے۔

ثالثاً: جہیز نہ لانے پر لڑکی پر طعن وتشنیع کرنا۔

رابعاً: اس مروّجہ جہیز کی وجہ سے سینکڑوں بچیوں کے نکاح میں رکاوٹ اور معاشرے میں پھیلتے فحاشی کے ذرائع۔

خامساً: جہیز کے سامان میں ضرورت سے زیادہ سامان کا مہیا کرنا اسراف ہے۔

سادساً: لڑکی والوں سے طیب خاطر کے بغیر سامان لینا جو کہ حرام ہے۔

Marfat.com

سابعاً: لڑکے والوں کا ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جو ان کا حق ہی نہیں کیونکہ جہیز تو لڑکی کا باپ لڑکی کو دیتا ہے اور وہ لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے۔

ان مفاسد کو سامنے رکھتے ہوئے اگر حکومت جہیز کی مخصوص مقدار سے زیادہ پر پابندی لگا دیتی ہے تو یہ جائز ہے بلکہ ان مفاسد کے سد باب کیلئے انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور حکومت کی ایسی پابندی کی اطاعت واجب ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۵۹): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ...الآية۔

وفی احکام القرآن للجصاص (۲/۲۱۱): فثبت أن أولی الأمر فی زمان النبی ﷺ کانوا أمراء وقد کان علی المولی علیھم طاعتھم مالم یأمروھم بمعصیة وکذلک حکمھم بعد النبی ﷺ فی لزوم اتباعھم وطاعتھم مالم تکن معصیة۔

وفی الشامیة (۳/۵۸۵): وأما ما ذکره صاحب النهر هنالك عن البزازية من أن الصحيح أنه لا يرجع على الأب بشيء لأن المال في النكاح غير مقصود اه فهو مبني على أن ذلك المعجل أدرك في العقد بدليل التعليل بأن المال وهو الجهاز غير مقصود في النكاح لأن المهر يجعل بدلا عن البضع وحده۔

(۶۱۸) لڑکی جو جہیز لاتی ہے وہ کس کی ملک ہوتا ہے؟

سوال

زوجین میں گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے بیوی کے مطالبے پر طلاق کے ذریعے جدائی ہوگئی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ شادی کے وقت لڑکی جو سامان بطور جہیز اپنے ساتھ لے کر آئی تھی وہ سامان کس کا حق ہے آیا لڑکا وہ سامان اپنے پاس رکھے یا لڑکی اس کو لینے کا حق رکھتی ہے۔ لڑکی جب سامان لے کر آئی تھی اس وقت کسی قسم کی کوئی وضاحت نہیں تھی کہ سامان کا مالک کون ہے؟؟؟ یہ بات بھی ملحوظ نظر رہے کہ طلاق کے مطالبے کے وقت کسی بھی قسم کی شرائط طے نہیں ہوئی تھیں۔ قرآن واحادیث مبارکہ کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جہیز ایک ایسا ہدیہ وتحفہ ہے جو والدین اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں اور یہ لڑکی ہی کی ملکیت شمار ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مطلقہ عورت شادی کے موقع پر جو سامان اپنے ساتھ لائی تھی وہ اسی کی ملکیت ہے اور طلاق کے بعد عورت کو جہیز کے مطالبہ کا حق

Marfat.com

حاصل ہے اس میں کسی کو منع کرنا جائز نہیں بلکہ خوشی سے لڑکی کا سامان اس کے حوالے کر دیا جائے۔

لما فی سنن النسائی (۲/۷۷): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی الله عنه قال جهز رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

وفی مشکوة المصابیح (ص۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "ألا تظلموا ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه". رواه البیهقي في شعب الإیمان والدارقطني في المجتبی۔

وفی الشامیة (۳/۱۵۵): قوله (لیس له الاسترداد منها) هذا إذا کان العرف مستمرا أن الأب یدفع مثله جهازا لا عاریة کما یذکره قریبا وکان یغنیه ما یأتي عما ذکره هنا۔

وفیه أیضا (۳/۵۸۵): یعلم أن الجهاز ملك المرأة وأنه إذ طلقها تأخذه کله وإذا ماتت یورث عنها ولا یختص بشيء منه الخ۔

(۶۱۹) لڑکے کا سسرال والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنے کا حکم

سؤال

بکر ایک شریر اور خلاف شرع کاموں کا مرتکب شخص ہے۔ اہل محلہ میں سے کوئی بھی اس کے بیٹے کو اپنی لڑکی دینے کو تیار نہ تھا بلکہ ہر ایک کنارہ کشی کرتا رہتا تھا۔ بالآخر حاجی مظفر خان کے اصرار پر حاجی گلاب خان نے اپنی بیٹی کا نکاح اس کے بیٹے سے کر دیا مگر بکر اور اس کا بیٹا (جو کہ باپ کے نقش قدم پر جا رہا ہے) جہیز میں بہت سارے سامان کے طلبگار ہیں کہ مثلاً گاڑی، فریج، صوفہ سیٹ، کئی درجن برتن وغیرہ اور اس کے ساتھ دو لاکھ روپے بھی دینے ہوں گے جبکہ حاجی گلاب خان کے بس سے یہ اشیاء باہر ہیں تو کیا شرع محمدی میں بکر اور اس کے بیٹے کا یہ مطالبہ درست ہے اور کیا حاجی گلاب خان اپنی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرا سکتا ہے؟ شرع شریف کے مطابق جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر اپنے سسرال والوں سے جہیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا لہٰذا صورت مسئولہ میں بکر اور اس کے بیٹے کا جہیز کا مطالبہ کرنا درست نہیں لیکن چونکہ آپ (حاجی گلاب خان) نے اپنی بیٹی کا نکاح بکر کے بیٹے سے کر دیا ہے لہٰذا اس نکاح کی موجودگی میں آپ اپنی بیٹی کا نکاح دوسری جگہ نہیں کرا سکتے، دوسری جگہ نکاح کیلئے پہلے اس شوہر سے طلاق یا خلع لینا ضروری ہے۔

لما فی الدر المختار (۳/۱۵۸) کتاب النکاح: فرع لو زفت إلیه بلا جهاز یلیق به فله مطالبة الأب

Marfat.com

بالنقد قنیة زاد في البحر عن المبتغى إلا إذا سكت طويلا فلا خصومة له لكن في النهر عن البزازية الصحيح أنه لا يرجع على الأب بشيء لأن المال في النكاح غير مقصود۔

وفی الشامية تحته: قلت وفي البزازية ما يفيد التوفيق حيث قال تزوجها وأعطاها ثلاثة آلاف دينار الدستيمان وهي بنت موسر ولم يعط لها الأب جهازا أفتى الإمام جمال الدين و صاحب المحيط بأن له مطالبة الجهاز من الأب على قدر العرف والعادة أو طلب الدستيمان قال وهذا اختيار الأئمة وقال الإمام المرغيناني الصحيح أنه لا يرجع بشيء لأن المال في النكاح غير مقصود وكان بعض أئمة خوارزم يعترض بأن الدستيمان هو المهر المؤجل كما ذكره في الكافي وغيره فهو مقابل بنفس المرأة حتى ملكت حبس نفسها لاستيفائه فكيف يملك الزوج طلب الجهاز والشيء لا يقابله عوضان ۔۔۔ وهذ المسألة نظير ما لو تزوجها بأكثر من مهر المثل على أنها بكر فإذا هي ثيب فقد مر الخلاف في لزوم الزيادة وعدمه بناء على الخلاف في هذه المسألة وقدم أن المرجح اللزوم فلذاكان المصحح هنا عدم الرجوع بشيء كما مر عن المرغيناني۔

(۶۲۰) کیا جہیز کا انتظام کرنا ضروری ہے؟

سؤال

میں ایک غریب آدمی ہوں میرے دو بیٹے ہیں ایک کی عمر ۱۶ سال ایک کی ۱۴ سال ہے۔ میں نے ۱۶ سالہ لڑکے کیلئے شادی کا پیغام حاجی عبدالصمد کی بیٹی کو بھیجا چونکہ ہمارے ہاں جہیز آسمان سے باتیں کرتا ہے (۱۰ لاکھ، ۲۰ لاکھ مہر ہوتا ہے) اور میں اتنی مقدار سے عاجز ہوں تو حاجی عبدالصمد نے مجھے اپنی بیٹی اس شرط پر دی کہ چلو ٹھیک ہے مہر معاف ہے بس صرف ایک ہزار دیدو البتہ جہیز آپ کے ذمے ہے، آپ ہی نے لڑکی کو جہیز دینا ہے اور حاجی مذکور نے اتنی بڑی لسٹ بنا کر دی کہ تقریباً ۵، ۶ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے اور یہ بھی میرے بس میں نہیں لہٰذا آپ حضرات فیصلہ کریں کہ جہیز کس کا حق ہے؟ لڑکی کے والدین کا یا سسر کا (لڑکے کے والد کا) اور اگر بالفرض میرے اوپر ہی لازم آتا ہو تو آپ سے امید ہے کہ کچھ نصیحتانہ کلمات حاجی مذکور کو لکھیں تاکہ ان کا دل نرم ہو جائے اور میرے ساتھ کچھ آسانی کا معاملہ کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جہیز کی جو صورت موجودہ دور میں لوگوں میں معروف ہے یہ لڑکی کے والدین پر لازم نہیں اور نہ شوہر پر لازم ہے۔ حسب توفیق

Marfat.com

باقرض جوممکن ہووالد اپنی بچی کورخصتی کے اعزاز میں دیدے، حقیقتاً جہیز یہ ہے نیز وہ تمام اشیاء جن کی زوجہ کوشوہر کے گھر جانے کے بعد عام طور پرضرورت پیش آئے گی،شوہر کے ذمہ لازم ہوں گی مثلاً کھانے پینے کی اشیاء، رہنے کا مکان کپڑے حسب موسم اوراسی طرح عام استعمال کی اشیاء مثلاً بستر، کھانے پینے کے عام استعمال کے برتن وغیرہ۔

مہرشوہر کے ذمہ واجب ہے جس کی زیادہ مقدار شوہر کی وسعت کے بقدر مناسب ہے اوراس کی کم ازکم مقدار دس درہم یعنی 30.618 گرام چاندی یااس کی قیمت ہے[1]۔ اگراس مقدار سے مہر کم مقرر کیا جائے تب بھی یہی مقدار واجب ہوگی۔صورت مسئولہ میں ایک ہزارروپے مہر مقرر کرنا آجکل کے حساب سے 30.618 گرام چاندی کی قیمت سے کم ہے لہٰذا ایک ہزارروپے کے بجائے کم ازکم موجودہ دور کے 30.618 گرام چاندی کی قیمت کے برابر مہر شوہر پر واجب ہوگا۔

لمافی سنن النسائی (٢/٧٧): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی الله عنه قال جهز رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

وفی اعلاء السنن ،أبواب المهر (١١/٧٩): عن جابر رضی الله عنه یقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ''لامهر أقل من عشرة دراهم۔''

وفی الهندیة(١/٣٢٧):الفصل السادس عشر في جهاز البنت لو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداد منها وعليه الفتوى ۔۔۔ جهز بنته وزوجها ثم زعم أن الذي دفعه إليها ماله وكان على وجه العارية عندها وقالت هو ملكي جهزتني به أو قال الزوج ذلك بعد موتها فالقول قولهما دون الأب۔

وفی الدرالمختار(٣/١٥٨) فرع لو زفت إليه بلا جهاز يليق به فله مطالبة الأب بالنقد قنية زادفي البحر عن المبتغى إلا إذا سكت طويلا فلا خصومة له لكن في النهر عن البزازية الصحيح أنه لا يرجع على الأب بشيء لأن المال في النكاح غير مقصود۔

وفی الفقه الاسلامی فی مبحث الملزم بالجهاز (٩/٦٨٢٢):ثاني عشر الملزم بالجهاز والاختلاف فيه:الجهازهو أثاث المنزل وفراشه وأدوات بيت الزوجية، وهنالك رأيان للفقهاء في الملزم بالجهاز:قال المالكية:الجهاز واجب على الزوجة بمقدار ما تقبضه من المهر، فإن لم تقبض شيئاً فلا تلزم بشيء إلا إذا اشترط الزوج التجهيز عليها، أو كان العرف يلزمها به. ودليلهم أن العرف جرى على أن الزوجة هي التي تعد بيت الزوجية وتجهزه بما يحتاج إليه، وإن الزوج

---

[1] مزید تفصیلات کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد کے فتوی نمبر 552 ''شرع محمدی مہر رکھنے سے کیا مراد ہے؟'' کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ازمرتب

Marfat.com

إنما يدفع المهر لهذا الغرض. ويلزمها أن تتجهز بالمهر على العادة من حضر أو بدو، ولا يلزمها أن تتجهز بأزيد منه إلا لشرط أو عرف. وخالفهم الحنفية : فرأوا أن الجهاز واجب على الزوج، كما يجب عليه النفقة وكسوة المرأة، والمهر المدفوع ليس في مقابلة الجهاز، وإنما هو عطاء ونحلة كما سماه الله في كتابه، أو هو في مقابلة حل التمتع بها، فهو حق على الزوج لزوجته. لكن إن دفع الزوج مقداراً من المال في مقابلة الجهاز: فإن كان المال زائداً على المهر مستقلاً عنه، فتلزم الزوجة بإعداد الجهاز لأنه كالهبة بشرط العوض۔

(۶۲۱) جہیز کیلئے قرض لینا

سؤال

ایک شخص اپنی بیٹی کی شادی کراتا ہے جہیز خریدنے کیلئے اس کے پاس پیسے نہیں لیکن لوگوں کے طعنوں کی وجہ سے قرض لے کر جہیز کا سامان خریدتا ہے تو آیا اس کے لئے قرض لے کر جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے؟ اور اگر بغیر جہیز کے رشتہ ہی نہ ہوتا ہو تو قرض لے کر بندوبست کر سکتا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جہیز ایک ہدیہ ہے جو باپ اپنی استطاعت کے مطابق لڑکی کو بوقتِ رخصتی دیتا ہے جہیز کا مروجہ خاکہ (جس میں صرف نمود و نمائش بے جا اسراف اور ضرورت سے زیادہ دکھلاوے کی چیزیں شامل ہوتی ہیں) اس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ لڑکی والوں کیلئے ایک جبر اور اضطرار ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ ؓ کو معمولی سا ضرورت کا سامان دینا ثابت ہے لیکن مروّجہ جہیز کا قرونِ اولیٰ میں نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ اس وقت اس کا رواج تھا لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاً آپ کو چاہیئے کہ ایسا دیندار اور شریف رشتہ ڈھونڈیں جس کی نظر پیسوں کے بجائے لڑکی کے اخلاق و سیرت پر ہو اور پھر بقدر استطاعت جہیز کے ساتھ لڑکی کو رخصت کر دیں اور اگر ایسا رشتہ میسر نہ آئے تو بوقتِ ضرورت صرف اتنا قرض لیا جا سکتا ہے جس سے لڑکی کے لئے ضرورت کا سامان تیار کیا جا سکے (یہ بھی اس وقت ہے جب شادی نہ کرنے کی صورت میں لڑکی کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو) البتہ ضرورت سے زیادہ نام و نمود کے جہیز کیلئے قرضہ لینا جائز نہیں کیونکہ جہیز دینا کوئی لازمی امر نہیں اور قرض بغیر ضرورت کے نہیں لیا جاتا لہٰذا جب ضرورت ہو یعنی لڑکی کو شادی کا تقاضہ ہو اور لڑکے والے بغیر جہیز کے رشتہ پر تیار نہ ہوتے ہوں تو بقدر ضرورت جہیز کیلئے قرض لیا جا سکتا ہے۔

لما في البحر الرائق (۱۸۶/۳): من زفت إليه امرأته بلا جهاز فله مطالبة الأب بما بعث إليه من

Marfat.com

الدنانير والدراهم ۔۔۔ ولو سكت بعد الزفاف طويلا ليس له أن يخاصمه بعده وإن لم يتخذ له شيء۔

وفي تنقيح الفتاوى الحامدية (۲۷/۱): لايلزم تجهيز بنته من مال نفسه: سئل في رجل جهز بنته بمهرها وتكافه أمها بتجهيزها بزيادة عليه من مال نفسه فهل لا يلزمه ذلك الجواب نعم۔

وفي الشامية(۶/۳): أنه يندب الاستدانة له قال في البحر فإن الله ضامن له الأداء فلا يخاف الفقر إذا كان من نيته التحصين والتعفف اه ومقتضاه أنه يجب إذا خاف الزنا وإن لم يملك المهر إذا قدر على استدانته۔

وفيه أيضا(۸/۳): قوله (والاستدانة له) لأن ضمان ذلك على الله تعالى فقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه ثلاث حق على الله تعالى عونهم المكاتب الذي يريد الأداء والناكح الذي يريد العفاف والمجاهد في سبيل لله تعالى ذكره بعض المحشين وتقدم تمام الكلام على ذلك۔

(۶۲۲) جہیز کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ لینا

سؤال

مفتی صاحب! میں بڑا پریشان ہوں، میں تو کیا ہر بچیوں کا باپ اس دور میں پریشان ہے۔ سمجھ لیجئے کہ یہ ہر باپ کی آواز جس کے گھر میں جوان بچیاں ہیں۔ کوئی باپ اپنی بچیوں کا گلہ نہیں گھوٹ سکتا اور نہ ہی سمندر میں دھکا دے سکتا ہے، بچیوں کے رشتے آنے پر ہر باپ کو مجبوری میں یہ قدم اٹھانا پڑتا ہے، بچیوں کی عمریں نکل جانے کے ڈر سے رشتہ لانے والوں کے مطالبے پورے کرتے ہیں۔ آج کل لڑکے والے اپنے لڑکے کو چیک کیش سمجھتے ہیں۔ گھر، جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہر باپ کی اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ سارے مطالبے پورے کر سکے، اس لئے مجبوراً ہی اپنی جماعت سے مدد طلب کرتے ہیں۔ میں خود صاحب حیثیت آدمی ہوں ہر سال پانچ ہزار روپیہ زکوٰۃ نکالتا ہوں۔ ۲ لاکھ روپے کی طاقت والا گھر، جہیز کہاں سے اکٹھا کرے اسی لئے میں نے اپنی بچی کا ایک رشتہ طے کیا ہے جس میں اس کو ایک کمرے والا گھر خرید کر دینا ہے آج کے دور میں اس کی قیمت سات لاکھ روپے ہے گھر کا میں نے سودا کیا، دولاکھ روپے پیمنٹ کر چکا ہوں پانچ لاکھ روپے کی مزید ضرورت ہے۔

ہماری باتوا جماعت بچی کی شادی پر ۴ لاکھ روپے زکوٰۃ کے دیتی ہے میرے پاس اب کچھ بھی نہیں بچا تو وہ چار لاکھ روپے کر اور کچھ اِدھر اُدھر سے کر کے گھر کی پیمنٹ کر دی ہے۔ اب شادی کا وقت نزدیک آنے والا ہے فرنیچر، سونا، برتن وغیرہ اور مہمانوں کی خدمت کیلئے کھانا اور ان کے لئے دو ڈھائی لاکھ کی مجھے اور ضرورت ہے کوئی بھی بغیر زکوٰۃ کے پیسے دینے کے لئے تیار نہیں، اتنی بڑی

Marfat.com

کوئی خیرات پر دینے کیلئے تیار نہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ زکوٰۃ لے لو۔

اب آپ بتایئے میں ایک صاحب حیثیت دو لاکھ کا مالک بھکاری بن گیا ہوں۔کیا کروں مجبوری تھی اس کے سوا کوئی سہارا نہ تھا، میں نے جو گھر خریدا ہے پانچ لاکھ روپے اس میں زکوٰۃ کے پیسے لگائے ہیں کیا میں نے یہ صحیح کیا ہے؟ دیگر بھی مجھے دو ڈھائی لاکھ چاہئیں کیا میں اپنی بچی کی شادی اس زکوٰۃ کے پیسوں سے کرسکتا ہوں؟ جناب عالی اس کا تفصیلی جواب دیجئے یہ صرف میرا ہی نہیں ہر باپ کا تفصیلی مسئلہ ہے یا اس کے علاوہ کوئی مشورہ دیں۔میں بہت پریشان ہوں، میری پریشانی کا حل مجھے بتایئے، میری دعا ہے کہ اللہ آپ کی جان، مال، عزت، آبرو اور ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین اور میرے حق میں بھی دعا فرمایئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے عمل سے یہ واضح ہے کہ جہیز دینے کو نہ نکاح کا لازمی جزء سمجھا گیا ہے اور نہ اس کی ایسی پابندی کی گئی کہ تنگی ترشی ہر حالت میں جہیز ضرور ہی دیا جائے اور اس کے بغیر لڑکی کی شادی محال سمجھی جائے اور نہ جہیز کی مقدار اتنی زیادہ رکھی گئی جتنی آج کل معمول بن گئی ہے۔

شرعی اعتبار سے جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اسے کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دیدے اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مدنظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے لیکن نہ وہ شادی کیلئے لازمی شرط ہے نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں اور نہ لڑکی کو مطعون کریں۔

ہمارے زمانے میں جہیز کو جس طرح نکاح کا لازمی جزء قرار دیدیا گیا ہے، اس کے بغیر شادی کو ناک کٹوانے کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے اور اس کی مقدار میں نام ونمود دکھلاوے کی خاطر روز بروز اضافہ کیا جارہا ہے کہ غریب سے غریب انسان قرض لے کر، رشوت اور مال حرام استعمال کرکے اس مقدار کو پورا کرنا ضروری سمجھتا ہے اور جب تک اس پر قدرت نہ ہو لڑکیاں بن بیاہی بیٹھی رہتی ہیں یہ پورا عمل سنت کے خلاف ہے اور اس سے بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں لہٰذا اس کی اصلاح کیلئے ہر اقدام مستحسن اور قابل تائید ہوگا اور اسے جاری رکھنے کی ہر سعی وکوشش غیر مستحسن اور قابل ترک ہوگی۔

صورت مسئولہ میں آپ کیلئے مروجہ جہیز کی رسم کو پورا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم لینا غیر مستحسن اور ناپسندیدہ عمل ہے نیز آپ نے جو گھر خریدنے میں زکوٰۃ کے پیسے لے کر لگائے ہیں اگر صاحب نصاب (یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت یا اتنی قیمت کا مال تجارت یا اپنی ضرورت سے زائد اتنی مالیت کے سامان کے مالک) ہونے کی حالت میں آپ نے وہ رقم وصول کی ہو تو آپ کیلئے شرعاً یہ رقم لینا درست نہیں تھا البتہ اگر آپ واقعتاً اس وقت مستحق زکوٰۃ تھے تو آپ کا زکوٰۃ کی رقم لینا درست ہوگیا تاہم مروجہ جہیز وغیرہ کی قابل ترک رسم کو پورا کرنے کیلئے اپنے آپ کو مستحق بنا کر زکوٰۃ کی رقمیں لینا ایک ناپسندیدہ اور غیر مستحسن عمل ہے۔

Marfat.com

نیز آپ کیلئے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی بچیوں کے رشتے کیلئے ایسے دیندار، شریف لوگوں کا انتخاب کریں جن کی نظریں لڑکی کے مال ودولت کی بجائے اخلاق وسیرت پر ہوں اگر چہ اس کیلئے آپ کو برادری سے باہر ہی کیوں نہ جانا پڑے تا کہ آپ کو اس طرح زکوٰۃ کی رقموں کیلئے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت آپ کی ہر پریشانی کو اپنے خزانہ غیب سے پورا فرمائیں اور آپ کی بچیوں کیلئے اچھے دیندار اور شریف رشتے عطا فرمائے، آمین۔

لما فی سنن النسائی (۲/۷۷): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی الله عنه قال جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة فی خميل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

وفيه أيضاً (۲/۷۷): عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فراش للرجل وفراش لأهله والثالث للضيف والرابع للشيطان۔

وفی الهندية (۱/۱۸۸): ويكره أن يدفع إلى رجل مائتي درهم فصاعدا وإن دفعه جاز كذا في الهداية۔

(۶۲۳) عورت کا بیٹی کی شادی میں مال خرچ کر کے شوہر سے مطالبہ کرنا

سؤال

زید اور عمر دونوں کا مشترکہ کاروبار ہے دونوں روزانہ کے حساب سے برابر برابر رقم اس کاروبار سے لیتے ہیں دریں اثناء زید کی دو بیٹیوں کی شادی کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور زید اور عمر کے مشترکہ کاروبار سے زید کی طرف سے چونتیس ہزار (34000) روپے دیئے گئے اور کھانا وغیرہ بھی مشترکہ کاروبار سے پورا کیا گیا لیکن چونتیس ہزار (34000) روپے شادی کی ضروریات کیلئے کافی نہ تھے اس لئے زید کی بیوی نے اپنے ذاتی پیسوں میں سے ایک لاکھ سے زائد رقم شادی کی ضروریات کیلئے خرچ کی۔

پھر شادی کے بعد روزانہ کے حساب سے جو رقم مشترکہ کاروبار سے آتی تھی اس میں سے زید کی بیوی نے کچھ رقم بچا کر کمیٹی ڈالی تا کہ اپنی وہ رقم پوری کر لے جو اس نے شادی میں خرچ کی۔ ایک دو کمیٹی پوری ہونے کے بعد زید کہتا ہے کہ یہ پیسہ جو کمیٹی میں ڈالا جا رہا ہے یہ میرا حق ہے لہٰذا کمیٹی پورا ہونے کے بعد کمیٹی کو آگے نہ بڑھاؤ۔ اس پر زید کی بیوی زید سے کہتی ہے آپ کی بیٹیوں کی شادی پر میں نے رقم خرچ کی اس لئے میں ان کمیٹیوں کے ذریعے سے اپنی رقم پوری کروں گی، اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو میں روزانہ کے خرچ میں سے کچھ پیسے بچالوں گی جو آپ لے لیجئے گا لیکن جب تک میرے پیسے پورے نہیں ہوجاتے اس وقت تک مجھے یہ بچائے ہوئے پیسے کمیٹی میں ڈالنے دیجئے تو کیا اس صورت میں زید کو حق ہے کہ وہ کمیٹی کو ختم کروائے اور یہ کہے کہ یہ پیسے میرا حق ہیں؟ اگر زید کو اس کا اختیار

Marfat.com

ہے تو کیا زید کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو شادی میں خرچ شدہ رقم لوٹائے کیونکہ شادی میں خرچ کرنا زید کے ذمے لازم تھا نا کہ اس کی بیوی کے ذمے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

والدین جو اپنی بیٹی کو جہیز دیتے ہیں وہ ان کی طرف سے ہبہ ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی نے جو اپنی بیٹیوں کے جہیز میں رقم لگائی ہے اگر اس نے یہ صراحت کی ہو کہ یہ زید پر قرض ہوگا تو پھر اس کو زید سے مطالبہ کرنے کا حق ہے اور اس کے لئے کمیٹی ڈالنا بھی صحیح ہے اور اگر اس نے قرض کی صراحت نہیں کی ہو تو پھر وہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا اور زید سے اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۲۹): لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔

وفی مشکوۃ المصابیح(۱/۲۵۵): وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ألا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه " . رواه البيهقي في شعب الإيمان۔

وفی الهندية (۱/۳۲۸): ولو دفعت الأم في تجهيزها لبنتها أشياء من أمتعة الأب بحضرته وعلمه وكان ساكتا وزفت إلى الزوج فليس للأب أن يسترد ذلك من بنته وكذا لو أنفقت الأم في جهازها ما هو معتاد والأب ساكت لا تضمن هكذا في القنية۔

وفی تنقيح الفتاوى الحامدية (۱/۳۶): سئل فی امرأة جهزت ابنتها البالغة بجهاز معلوم سلمته لها ثم ادعت أن بعضا منه عارية والعرف فی بلد هما مشترك كيف الحكم؟

الجواب: حيث كان العرف فی بلدهما مشتركا فالقول للأم مع يمينها قال فی الدرالمختار جهز بنته ثم ادعى أن ما دفعه لها عارية وقالت هو تمليك أو قال الزوج ذلك بعد موتها ليرث منه وقال الأب أو ورثته بعد موته عارية فالمعتمد أن القول للزوج ولها اذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية ـــ والأم كالأب فی تجهيزها ـــ سئل فيما اذا زوجا بنتهما البالغة وجهزاها بجهاز سلماه منها فی صحتهما ثم ماتا عنها وعن ورثة غيرها يريدون قسمة الجهاز بينهم مع البنت فهل ليس لهم ذلك؟ الجواب : نعم والمسئلة فی المنح وغيره۔

(۶۲۴) جہیز کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم

سؤال

ایک شخص نے اپنی بیٹی کیلئے جہیز کا سامان خرید ا اور ابھی گھر میں ہی رکھا ہوا ہے اس سامان کا کیا حکم ہے؟ وہ کس کی ملک ہے اور

Marfat.com

اس کی زکوٰۃ کس پر ہوگی؟ باپ پر یا بیٹی پر؟ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جہیز درحقیقت والدین کی طرف سے لڑکی کیلئے ہدیہ ہوتا ہے اور ہدیہ کا یہ اصول ہے کہ جس شخص کو ہدیہ دیا جارہا ہے اگر وہ چیز ہدیہ کرکے اس کے قبضے میں دے دی جائے (حقیقتاً یا دلالۃً) تو وہ چیز اس کی ملک ہوجاتی ہے اور بصورت دیگر وہ چیز ہدیہ دینے والے کی ملک میں رہتی ہے نیز باپ اگر اپنی نابالغ اولاد کو کچھ ہدیہ دے تو قبضہ کروانا بھی ضروری نہیں بس صرف یہ کہہ دینے سے کہ یہ چیز میں اسے دیتا ہوں وہ چیز نابالغ کی ملک ہوجائے گی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جہیز کا سامان اگر مالِ نامی نہ ہو (یعنی سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت نہ ہو) تو زکوٰۃ کسی پر بھی فرض نہیں کیونکہ زکوٰۃ صرف مالِ نامی پر فرض ہوتی ہے چنانچہ فرنیچر، مشینیں وغیرہ یہ چیزیں مال نامی نہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ جہیز کا سامان اگر مالِ نامی ہو تو دیکھا جائے گا کہ باپ نے وہ سامان خرید کر لڑکی کے قبضہ میں دے دیا ہے یا اپنے قبضہ میں رکھا ہے اگر لڑکی کے قبضے میں دے دیا ہو اور وہ لڑکی بالغہ ہو تو سال گزرنے پر لڑکی کو اس مال کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور اگر باپ نے وہ مال اپنے قبضہ میں رکھا ہو تو سال گزرنے پر یا جس وقت بھی باپ کے زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت پورا ہو باپ پر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگا البتہ لڑکی اگر نابالغہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے خریدتے ہی وہ اس مال کی مالک بن گئی اس کے قبضے میں دینا بھی ضروری نہیں نیز نابالغہ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی لہٰذا اس مال کی زکوٰۃ کسی پر بھی فرض نہ ہوگی لیکن بالغہ ہونے کے بعد لڑکی کو اس کی زکوٰۃ اداء کرنی ہوگی۔

صورت مسئولہ میں درج بالا تفصیلات کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ لڑکی کی کیفیت (بالغہ یا نابالغہ ہونا) اور باپ کے لڑکی کو مالک بنانے یا نہ بنانے کو ملحوظ رکھتے ہوئے معلوم کرسکتے ہیں کہ زکوٰۃ (مالِ نامی ہونے کی صورت میں) کس پر واجب ہوگی۔

لمافی مختصر القدوری (ص۲۱۸): الهبة تصح بالایجاب والقبول وتتم بالقبض ---- واذا وهب الأب لابنه الصغیر هبة ملكها الابن بالعقد۔

وفی الولوالجیة (۱۱۶/۳): اذا وهب للصغیر من المأكولات شیئ یباح لوالدیه أن یاكلا منه وروی عن محمد أنه یباح وشبهه بدعوة العبد المأذون وأكثر مشائخ بخاری علی أنه لایباح لأن الأكل لیس من ضرورات التجارة۔

وفی الهندیة (۳۷۴/۴): أما تفسیرها شرعا فهي تملیك عین بلا عوض كذا في الكنز---- ومنها أن یكون الموهوب مقبوضا حتی لا یثبت الملك للموهوب له قبل القبض وأن یكون الموهوب مقسوما۔

وفی الشامیة (۲۵۸/۲): قوله (عقل وبلوغ) فلا تجب علی مجنون وصبي لأنها عبادة محضة ولیسا

Marfat.com

مخاطبين بها وإيجاب النفقات والغرامات لكونها من حقوق العباد۔

(۶۲۵) لڑکی کا جہیز میراث سے مانع نہیں

سؤال

مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کو جہیز کا سامان دے دیا جائے تو پھر میراث میں سے نہیں ملتا اور لڑکی کا جہیز ہی اس کی میراث شمار ہوتی ہے، یہ کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی کو انتہائی ضرورت کی اشیاء جہیز میں دینا ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کروائی تو اپنی چہیتی بیٹی کو جہیز میں صرف ایک تکیہ، ایک چادر، دو چکیاں اور دو مشکیزے دیئے، یہ تھا سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کا جہیز، اور جہیز باپ کی طرف سے لڑکی کیلئے بطور تحفہ کے ہوتا ہے، باپ کو چاہیئے کہ شادی کے وقت لڑکی کو کچھ نہ کچھ ضرورت کا سامان استطاعت کے بقدر دیدے جیسے روزمرہ استعمال میں آنے والی چیزیں برتن وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ باپ اپنی زندگی میں جو لڑکی کو جہیز دے رہا ہے تو یہ بطور تحفہ کے ہے، باپ کے مرنے کے بعد اس کی کٹوتی میراث کے مال سے نہیں کی جائے گی بلکہ لڑکی کو میراث میں سے پورا پورا حصہ دیا جائے گا اور اگر باپ مر چکا ہے اور اس لڑکی کے بھائی وغیرہ نے لڑکی کو جہیز دیا تو اس صورت میں بھی اس کی کٹوتی میراث کے مال سے نہیں کی جائے گی بلکہ میراث کا پورا پورا حصہ لڑکی کو دیا جائے گا۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۱۱): يُوصِيكُمُ اللهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ...الآية۔

وفي المشكوة (ص۲۷۱): وعن أبي سعيد وابن عباس رضي الله عنهم قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه فإذا بلغ فليزوجه فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه "

وفي صحيح البخاري(۳۵۲/۱): عن النعمان بن بشير رضي الله عنهما أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هذا غلاما فقال: أكل ولدك نحلت مثله، قال: لا، قال: فارجعه۔

وفي الدر المختار(۶،۷/۳): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح

Marfat.com

فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال) أي القدرة على وطء ومهر ونفقة ورجح في النهر وجوبه للمواظبة عليه والإنكار على من رغب عنه (ومكروها لخوف الجور) فإن تيقنه حرم ذلك.

(۶۲۶) لڑکے کا جہیز لینے سے انکار کرنا

سؤال

مفتی صاحب! جہیز لڑکے کو لینا چاہیئے کہ نہیں جبکہ لڑکی والے اپنی خوشی سے دے رہے ہیں، اگر لڑکا ان کو منع کرے تو کیسا ہے اور دوسرا یہ کہ لڑکا نکاح کے وقت صاحب حیثیت نہ ہو اور جہیز کی لعنت سے بچنا بھی چاہتا ہو جبکہ لڑکی کا کہنا ہے کہ وہ یہ سامان اپنے لئے لے کر آرہی ہے اور نئے گھر میں اس سامان کی ضرورت ہے تو اس صورتحال میں کیا کیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اصل جواب سے پہلے یہ سمجھیے کہ حضرت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی وقتی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے سامان دینا ثابت ہے لہٰذا اگر کوئی شخص وقتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بیٹی کو جہیز کے طور پر کچھ سامان دیدے تو شرعاً ممنوع نہ ہوگا۔

البتہ ہمارے معاشرے کے رسم ورواج کے اعتبار سے جہیز صرف وقتی ضرورت کو پورا کرنے کا نہیں بلکہ نام ونمود اور اسراف کا نام بن گیا ہے جس کی وجہ سے کتنی ہی عورتوں کی شادی تاخیر سے ہوتی ہے اور کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں جن کی شادی جہیز نہ ہونے کی بنا پر نہیں ہوتی لہٰذا ایسے موقع پر مناسب یہ ہے کہ جہیز نہ لیا جائے اور اگر لیا بھی جائے تو صرف وقتی ضروریات تک محدود رکھا جائے۔

لمافی سنن النسائی (۲/۷۷): (جهاز الرجل ابنته): عن علی رضی الله عنه قال جهز رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمة فی خمیل وقربة ووسادة حشوها إذخر.

(۶۲۷) جہیز کیلئے پیسے دے کر رشتے سے انکار کرنا

سؤال

میرے ایک دوست کے رشتے کا مسئلہ کچھ اس طرح ہوا کہ ان کے گھر والے اس کیلئے لڑکی دیکھنے گئے لڑکے کی والدہ کو لڑکی پسند آگئی اور انہوں نے لڑکی والوں سے بات طے کرلی کہ بیس دن بعد رخصتی کریں گے اور یہ ساٹھ ہزار روپے جہیز کی خریداری کیلئے لے لو

Marfat.com

اور رقم دے کر چلے آئے۔

ابھی چار پانچ دن ہی گزرے تھے کہ لڑکے والے دوبارہ لڑکی والوں کے پاس آئے اور آکر ان سے کہا کہ ہمارے والد بیمار ہیں ہم نے ان کو پشاور علاج کیلئے لے جانا ہے، تم وہ رقم واپس کردو اور مزید ان کو یہ کہا کہ یہ شادی بھی ہم نہیں کریں گے، اس پر لڑکی والوں نے چالیس ہزار روپے واپس کردیئے اور بیس ہزار روپے واپس نہیں کئے اور یہ کہا کہ بیس ہزار روپے ہم واپس نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ آپ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور خاندان میں ہماری بدنامی کی ہے، اگر ہم اس طرح رقم واپس کردیں گے، پھر تو ہمارے ساتھ مذاق کا سلسلہ ہی چلتا رہے گا، لہٰذا ہماری عزت کا مسئلہ ہے اس لئے پوری رقم واپس نہیں کریں گے، جبکہ لڑکے والوں کا کہنا ہے کہ یہ رقم تمہارے لئے حرام ہے واپس کرو۔ مفتی صاحب قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ کیا لڑکی والوں کا مذکورہ فعل درست ہے اور مذکورہ رقم کا مستحق کون ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

لڑکی والوں کا مذکورہ فعل درست نہیں ان کیلئے لڑکے والوں کو رقم لوٹانا ضروری ہے مذکورہ رقم کے مستحق یعنی اصل مالک لڑکے والے ہیں البتہ لڑکے والوں کا اس طرح (یعنی پہلے رشتہ طے کرکے رخصتی کے دن متعین کرکے جہیز کیلئے پیسے دینے کے بعد) شادی سے انکار کرنا لڑکی والوں کی عزت پر داغ اور ان کے ساتھ سخت دھوکہ ہے۔ انہوں نے یہ فعل اگر بغیر کسی شرعی عذر کے کیا ہو تو وہ گناہگار ہوں گے۔

لمافي الهندية (۱/۳۲۸): رجل خطب ابنة رجل فقال أبو البنت بلى إن كنت تنقد المهر إلى ستة أشهر أو إلى سنة أزوجها منك ثم إن الرجل بعد ذلك بعث بهدايا إلى بيت الأب ولم يقدر على أن ينقد المهر فلم يزوج ابنته منه هل له أن يسترد ما بعث للمهر قالوا ما بعث للمهر وهو قائم أو هالك يسترد وكذا كل ما بعث هدية وهو قائم۔

وفي الدرالمختار(۳/۱۵۳):(خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائما) فقط وإن تغير بالاستعمال (أو قيمته هالكا) ـــ (وكذا) يسترد (ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك)۔

(۶۲۸) جہیز میں موٹر سائیکل دلوانے کی ضمانت لینا

سوال

ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی کی شادی تھی، شادی سے قبل لڑکے والوں نے جہیز کا بہت سا سامان مانگا۔ ہیں نے اعتماد دلاتے

Marfat.com

ہوئے ان سے کہا کہ آپ لوگ بے فکر رہو، انشاء اللہ اگر انہوں نے جہیز میں موٹر سائکل نہیں دی تو میں دیدوں گا، اب لڑکی والوں نے سارا سامان دیا لیکن موٹر سائیکل نہیں دی، کیا اب مجھ پر حسب معاہدہ موٹر سائیکل دینا لازم ہے، جبکہ فی الحال میں تنگ دست ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کفیل (ضامن) بننے کیلئے ضروری ہے کہ مکفول بہ (یعنی جس چیز کا وہ ضامن ہے) کا اداء کرنا اصیل (یعنی جس کی طرف سے وہ ضامن ہے) پر لازم ہو، اور جہیز کا دینا والدین کے ذمہ لازم نہیں بلکہ یہ ان کی طرف سے اپنی بیٹی کیلئے ہدیہ اور تحفہ ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر لڑکی والوں نے جہیز میں لڑکی کو موٹر سائیکل وغیرہ نہیں دی تو آپ پر بھی اس کا دینا لازم نہیں۔

لما فی الهندية (۲۵۵/۳) :ومنه أن يكون الدين صحيحا فلا تجوز ببدل الكتابة هكذا في النهاية۔

وفی الدرالمختار(۲۸۳/۵): كتاب الكفالة:(وفي الدين كونه صحيحا قائما) لا ساقطا بموته مفلسا ولا ضعيفا كبدل كتابة ونفقة زوجة قبل الحكم بها فما ليس دينا بالأولى نهر۔

وفی الشامية تحته:قوله (وفي الدين كونه صحيحا) هو ما لا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء كما سيأتي متنا۔

(۶۲۹) لڑکی والوں کا جہیز کا سامان واپس مانگنا

سؤال

ایک شخص اپنی بیٹی کو جہیز کا سامان دیتا ہے پھر اس کی رخصتی کے وقت وہ اپنے ذہن میں یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہم اپنی بیٹی کو جو سامان دے رہے ہیں وہ عاریت کے طور پر دے رہے ہیں بعد میں اس سے واپس لے لیں گے۔ جب لڑکی اپنے گھر چلی گئی تو والدین نے شوہر سے مطالبہ کیا تو شوہر نے کہا کہ وہ تو آپ نے اس کی مِلک میں دے دیا تھا اور لڑکی بھی کہتی ہے کہ وہ سامان تو میرا ہے، آپ نے مجھے ہبہ کیا ہے۔ مفتی صاحب اس مسئلہ میں کس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور ہمارے عرف میں جہیز کی کیا حیثیت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ہمارے عرف میں جہیز کا سامان لڑکی کو ہبۃً دیا جاتا ہے اور لڑکی اس کی مالک بن جاتی ہے باپ کا یہ کہنا کہ میں نے عاریۃً دیا تھا اور اب واپس دو، درست نہیں لہٰذا باپ کو وہ سامان واپس لینے کا حق نہیں۔

لما فی مسند احمد بن حنبل (۱۷۴/۱):حدثنا أبو سعيد ، مولى بني هاشم ، ومعاوية بن عمرو ، قالا :

Marfat.com

حدثنا زائدة ، حدثنا عطاء بن السائب ، عن أبيه ، عن علي ، قال : جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل ، وقربة ، ووسادة من أدم حشوها ليف قال : معاوية إذخر قال أبي : و الخميلة : القطيفة المخملة.

وفی الشامية (١٥٦/٣): مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية قلت ومقتضاه أن المراد من استمرار العرف هنا غلبته ومن الاشتراك كثرة كل منهما إذ لا نظر إلى النادر ولأن حمل الاستمرار على كل واحد من أفراد الناس في تلك البلدة لا يمكن ويلزم عليه إحالة المسألة إذ لاشك في صدور العارية من بعض الأفراد والعادة الفاشية الغالبة في أشراف الناس وأوساطهم دفع ما زاد على المهر من الجهاز تمليكا۔

وفيه أيضا (١٥٧/٣): المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب ـــ تنبيه ذكر البيري في شرح الأشباه أن ما ذكروه في مسألة الجهاز إنما هو فيما إذا كان النزاع من الأب أما لو مات فادعت ورثته فلا خلاف في كون الجهاز للبنت لما في الولوالجية جهز ابنته ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو في كبرها وسلم لها في صحته فهو لها خاصة۔

(٦٣٠) جہیز قبضہ سے قبل باپ کی ملکیت ہے

سؤال

ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح کرواتا ہے اور جہیز کیلئے کچھ سامان خریدتا ہے پھر اچانک وہ نکاح فسخ ہوجاتا ہے، اور ابھی تک سامان اپنی بیٹی کو نہیں دیا تھا۔ آیا اس صورت میں اس کی بیٹی اس کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں اور اگر اس بیٹی کا انتقال ہوجائے تو پھر اس کا شوہر مطالبہ کرنے کا حق دار ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جہیز والدین کی طرف سے اپنی لڑکی کو بغیر کسی چیز کے عوض ہدیہ ہوتا ہے اور ہدیہ میں موہوب لہ (جس شخص کو ہدیہ دیا جارہا ہے) اس کے قبضے میں کوئی چیز ہدیہ کرکے دے دی جائے تو وہ چیز اس کی ملک ہوجاتی ہے، بصورت دیگر وہ چیز ہدیہ دینے والے کی ملک میں رہتی ہے۔

Marfat.com

لہٰذا صورت مسئولہ میں نہ لڑکی باپ سے جہیز کے سامان کا مطالبہ کر سکتی ہے اور نہ اس لڑکی کے شوہر کو اس کے انتقال کے بعد مطالبہ کا حق ہے کیونکہ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ سامان اس لڑکی کی ملکیت میں آیا ہی نہیں لہٰذا جب وہ سامان اس لڑکی کی ملک تھا ہی نہیں تو نہ اس کے شوہر کو مطالبہ کا حق ہے اور نہ ہی یہ مال ترکہ میں شمار کیا جائے گا۔

لمافی القرآن الكريم (النساء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا۔

وفی القدوری (ص۱۵۲): كتاب الهبة: الهبة تصح بالايجاب والقبول وتتم بالقبض۔

وفی الدر المختار (۱۵۵/۳) كتاب النكاح: وفيه عن المبتغى (جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك في صحته) بل تختص به (وبه يفتى)۔

وفی الرد تحته: قوله (ليس له الاسترداد منها) هذا إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية كما يذكره قريبا۔

وفی الدر المختار (۶۸۹/۵): كتاب الهبة: (هي) لغة التفضيل على الغير ولو غير مال وشرعا (تمليك العين مجانا) ۔۔۔ (و) شرائط صحتها (في الموهوب أن يكون مقبوضا غير مشاع مميزا غير مشغول) كما سيتضح۔

(۶۳۱) لڑکی کی موت کی صورت میں جہیز کا حقدار کون ہوگا؟

سؤال

میاں بیوی میں منہ ماری ہوگئی جس پر بیوی نے خودکشی کرلی۔ پوچھنا یہ ہے کہ لڑکی کے والدین نے اس کو جو جہیز دیا تھا اور لڑکے والوں کی طرف سے جو زیورات تھے اور مہر وغیرہ تھا اس کا حقدار کون ہے، جبکہ ان کے بچے بھی نہیں ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

لڑکی کو اپنے والدین کی طرف سے جو جہیز ملتا ہے اسی طرح لڑکے کی طرف سے مہر اور ان کے گھر والوں کی طرف سے جو تحفے تحائف ملتے ہیں یہ سب لڑکی کی ملکیت ہوتے ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں جہیز دونوں طرف کے زیوارات وغیرہ سب لڑکی کی ملکیت ہیں اور اس کا ترکہ ہے لہٰذا یہ تمام چیزیں لڑکی کے شرعی ورثاء کے درمیان تقسیم ہوں گی۔

لمافی بدائع الصنائع (۵۲۲/۲): كتاب النكاح فصل في بيان مايتأكد به المهر: ولأن المهر متى

Marfat.com

صار ملكا لها بنفس العقد فالملك الثابت لإنسان لا يجوز أن يزول إلا بإزالة المالك۔الخ۔

وفی الشامیة (۳/۱۵۷):ورأيت في حاشية الأشباه للسيد محمد أبي السعود من حاشية الغزي قال الشيخ الإمام الأجل الشهيد المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب وأما إذا جرت في البعض يكون الجهاز تركة يتعلق به حق الورثة وهو الصحيح اهـ ولعل وجهه أن البعض الذي يدعيه الأب بعينه عارية لم تشهد له به العادة بخلاف ما لو جرت العادة بإعارة الكل فلا يتعلق به حق ورثتها بل يكون كله للأب والله تعالى أعلم۔

وفی الدر المختار (۳/۱۵۱):(ولو بعث إلى امرأته شيئا ولم يذكر جهة عند الدفع غير) جهة (المهر) كقوله لشمع أو حناء ثم قال إنه من المهر لم يقبل قنية لوقوعه هدية فلا ينقلب مهرا۔

وفی الشامیة(۳/۱۵۱):مطلب فيما يرسله إلى الزوجة قوله(ولو بعث إلى امرأته شيئا)أي من النقدين أو العروض أو مما يؤكل قبل الزفاف أو بعد ما بنى بها نهر قوله (ولم يذكر الخ) المراد أنه لم يذكر المهر ولا غيره ط۔

(۶۳۲)رخصتی سے قبل جہیز باپ کا ترکہ ہوگا

سؤال

باپ نے اپنی بیٹی کے لئے جہیز کا سامان تیار کیا لیکن ابھی تک بچی کے حوالہ نہیں کیا تھا کہ والد کا انتقال ہوگیا تو باقی ورثاء اس مال میں سے اپنا حصہ مانگتے ہیں آیا ان کو اس مال میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ یاد رہے کہ جس وقت والد نے سامان تیار کیا تھا اس وقت وہ لڑکی بالغہ تھی۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں نیز جہیز کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور جہیز کا سامان بیٹی کے لئے کیا حکم رکھتا ہے یعنی ہبہ وغیرہ کا یا کچھ اور؟ جو بھی مسئلہ ہو اس کا مدلل حل عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

باپ اپنی بچی کیلئے جب جہیز کا سامان خریدے تو بچی اگر نابالغہ ہو تو باپ کے خریدنے سے وہ مالک ہو جائے گی اور اگر بالغہ ہو تو وہ صرف باپ کے اس کیلئے خریدنے سے مالک نہیں ہوگی بلکہ جب باپ یہ سامان اس کے حوالے کرے تب اس کی ملکیت ثابت ہوگی لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ بچی بالغہ ہے اور باپ نے سامان اس کے حوالہ نہیں کیا کہ اس کا انتقال ہوگیا اس لئے وہ اس کی مالک نہیں ہوئی بلکہ باپ کے ترکہ میں شمار ہو کر تمام ورثاء کو اس سے حصہ ملے گا نیز جہیز کا مال بچی کیلئے باپ کی طرف سے ہدیہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

لمافی الهندية (١/٣٢٧) الفصل السادس عشر فی جهاز البنت: ولو زوج ابنته البالغة وجهزها بأمتعة معينة ولم يسلمها إليها ثم فسخ العقد وزوجها من آخر فليس لها مطالبة الأب بذلك الجهاز۔

وفی الدرالمختار (٣/١٥٥) باب المهر: وفيه عن المبتغى (جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك في صحته) بل تختص به (وبه يفتى) وكذا لو اشتراه لها في صغرها ولو الجية۔

وفی الشامية (٣/١٥٧) باب المهر: جهز ابنته ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو في كبرها وسلم لها في صحته فهو لها خاصة۔

(٦٣٣) نابالغہ کا جہیز ترکہ میں شمار نہیں ہوگا

سؤال

مفتی صاحب! باپ نے اپنی بیٹی کے لئے جہیز کا سامان تیار کیا اور ابھی بچی کے حوالہ نہیں کیا تھا کہ باپ کا انتقال ہوگیا چنانچہ باپ کے مرنے کے بعد باقی ورثاء اس مال کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ سامان اسی بچی کا ہے کیونکہ باپ نے زندگی میں اس کو دینے کا ارادہ کرلیا تھا لہٰذا یہ سارا سامان اس لڑکی کا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بچی جس وقت اس کے باپ نے اس کے لئے سامان تیار کیا تھا نابالغہ تھی لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ سارا سامان کس کا ہے، آیا ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا یا لڑکی کو دیا جائے گا یا اس کے علاوہ جو حکم ہو اس کو تحریر فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

باپ نابالغ اولاد کو اگر کچھ ہبہ کرے تو اولاد ہبہ کرتے ہی اس چیز کی مالک بن جاتی ہے صورت مسئولہ میں چونکہ باپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی نابالغہ بچی کیلئے جہیز تیار کیا ہے لہٰذا وہ بچی اس کی مالک ہوگئی ہے اور ورثہ کو اس میں بطور ترکہ کے تصرف وتقسیم کرنا جائز نہیں البتہ جو چیزیں باپ نے مرض الموت میں بچی کیلئے تیار کی ہوں تو ان اشیاء کی وہ بچی مالک نہیں ہوگی لہٰذا اس میں وراثت جاری ہوگی اور تمام ورثہ بشمول اس بچی کے اس میں شریک ہوں گے البتہ اگر بقیہ ورثہ بالغ ہوں اور خود اپنی رضامندی سے نابالغہ لڑکی کے جہیز میں ہی دینے پر راضی ہوجائیں تو وہ سامان لڑکی کی ملکیت بن جائے گا۔

لمافی الهندية (٤/٣٩١) كتاب الهبة: وهبة الأب لطفله تتم بالعقد الخ۔

وفی الدرالمختار (٥/٦٨٤): (جهز ابنته بما يجهز به مثلها ثم قال كنت أعرتها الأمتعة إن العرف مستمرا) بين الناس (أن الأب يدفع ذلك) الجهاز (ملكا لا إعارة لا يقبل قوله) إنه إعارة

Marfat.com

لأن الظاهر يكذبه (وإن لم يكن) العرف (كذلك) أو تارة وتارة (فالقول له) به يفتى كما لو كان أكثر مما يجهز به مثلها فإن القول له اتفاقا۔

وفي الرد تحته: قوله (جهز ابنته الخ) وفي الولوالجية أذا جهز الأب ابنته ثم بقية الورثة يطلبون القسمة منها فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو بعدما كبرت وسلم إليها وذلك في صحته فلا سبيل للورثة عليه ويكون للبنت خاصة اھ منح كذا في الهامش۔

(۶۳۴) شادی کے موقعے پر دیئے جانے والے تحائف کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! کیا شادی بیاہ کے موقع پر یا اسی طرح جب لڑکے اور لڑکی کی بات پکی ہوتی ہے اس وقت جانبین سے جو تحفہ تحائف دیئے جاتے ہیں کیا یہ بدعت میں داخل ہوں گے یا نہیں اور کیا یہ ایسے رسم ورواج ہیں جن کے کرنے میں شریعت کی اجازت ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کوئی شرعی حکم سمجھے بغیر کرے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے یا نہیں، کیونکہ ہمارے ماموں کے لڑکے کی شادی ہو رہی ہے لڑکے والے لڑکی کیلئے سوٹ لے کر گئے تھے اور دیگر تحائف بھی ساتھ تھے پھر لڑکے والوں نے ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ لڑکی والوں نے خود کہا کہ ہم بھی لڑکے کا جوڑا لانا چاہتے ہیں تو لڑکے کی والدہ نے کہا ٹھیک ہے آپ کی مرضی ہے۔

کچھ دنوں بعد لڑکی کی والدہ کا فون آیا اور کہنے لگیں کہ یہ سب تو بدعات اور رسم ورواج ہیں ہمیں تو ان سے بچنا چاہیئے لہٰذا ہم ابھی سوٹ نہیں دیں گے بلکہ جب شادی کا وقت آئے گا اس وقت دیں گے۔ ابھی دینے میں ایک طرح سے مقابلہ بازی ہو جائے گی، ماموں کے گھر والوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن انہوں نے میرے ذریعہ سے آپ حضرات سے اس کے متعلق فتویٰ مانگا ہے کیونکہ لڑکا خود بھی عالم ہے، لہٰذا مفتی صاحب مدلل انداز میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شادی بیاہ کے موقع پر جانبین سے جو تحفہ تحائف دیئے جاتے ہیں اگر ان تحفہ تحائف کو شرعی حکم سمجھے بغیر دیا جائے اور مقصد ان تحفہ تحائف کے دینے سے ریاکاری اور نام ونمود بھی نہ ہو، اسی طرح ان تحفہ تحائف کے دینے کا اس قدر التزام بھی نہ ہو کہ ان کے نہ دینے والے پر ملامت کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا شمار بدعت میں بھی نہیں ہوگا۔

لما في فتح الملهم (۴۴۷/۵): تحقيق معنى البدعة وتحديده، وهو بحث لطيف وتحصل للعبد الضعيف عفا الله عنه من كلمات شيوخنا وافاداتهم: أن الأصل في البدعة الشرعية انما هو قول النبي ﷺ: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهود" والمراد بالأمر: الدين، كما مر، فلا يطلق الا على

Marfat.com

الأمور المحدثة فى الدين، لا على كل أمر محدث، وبهذا يخرج أمثال التوسع فى المطاعم والمراكب وغيرها من الأمور المباحة بل بعض الرسوم، التى يفعل فاعلوها لا على وجه التقرب والاحتساب أيضا عن حد البدعة الشرعية، وان كانت داخلة فى حد البدعة اللغوية، فان هذه الأفعال لايباشرها من باشرها ظانا وناويا أنها من الدين، فليست من الاحداث فى الدين فى شيئ، وكذا قوله ﷺ: "ما ليس منه" يدل على أن الأمور التى لها أصل من الكتاب أو من سنته ﷺ أو من سنة الخلفاء الراشدين المهديين أو تعامل عامة السلف رضى الله عنهم أو الاجتهاد المعتبر بشروطه المستند الى النصوص لاتسمى محدثة ولابدعة شرعية فان هذه الأصول كلها فى الدين تنصيصا أو تعليلا كماتقرر فى محله۔

وفى الشامية (۳/۱۵۳): قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

وفيه أيضاً (۳/۱۵۳): قوله (لأن الظاهر يكذبه) قال في الفتح والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها يكون القول فيها قول المرأة لأن المتعارف في ذلك كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه۔

(٦٣٥) بری کا سامان کس کی ملکیت ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! میری شادی 08-12-26 کو محمد اکرم نامی شخص سے ہوئی تھی۔ اس شخص نے میرا تمام جہیز اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے اور استعمال کر رہے ہیں۔ نہ مجھے کوئی خرچہ دے رہے ہیں اور نہ مجھے رکھنے کیلئے تیار ہیں میں بہت پریشان ہوں وہ مجھے چھوڑنے کی دھمکیاں بھی دے رہے ہیں اور سامان بھی نہیں دینا چاہتے ہیں لہٰذا مہربانی فرما کر مجھے جواب دیں کہ میرا حق خرچہ کا بنتا ہے کہ نہیں اور جیسے کہ وہ مجھے اگر فارغ کر دیں تو جو مجھے میری والدہ نے جہیز دیا تھا وہ میرا حق بنتا ہے کہ نہیں؟ اور جو مجھے میرے میاں کی طرف سے بری کی صورت میں کپڑے اور 2 تولہ سونے کے زیورات چڑھائے تھے وہ ان کو لینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ تقریباً آٹھ ماہ سے میں اپنی والدہ کے ساتھ رہ رہی ہوں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ واجب ہے، نیز جو جہیز اور ساز وسامان عورت اپنے والدین کی طرف سے لائی ہے اس کی مالک عورت ہوتی ہے اور جو زیور وساز وسامان لڑکے والوں کی طرف سے عورت کو (بَری کی صورت میں) شادی بیاہ کے موقع پر دیا جاتا ہے، اس میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے اور ہمارے عرف میں لڑکی کی ملکیت شمار کیا جاتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو اپنے جہیز اور بری کے زیور وساز وسامان کے مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے کیونکہ یہ سب آپ کی ملکیت ہے، خواہ شوہر طلاق دے یا نہ دے۔

لمافی الشامية (۱۵۳/۳):قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

وفيه أيضاً(۱۵۷/۳): ورأيت في حاشية الأشباه للسيد محمد أبي السعود من حاشية الغزي قال الشيخ الإمام الأجل الشهيد المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب وأما إذا جرت في البعض يكون الجهاز تركة يتعلق به حق الورثة وهو الصحيح اه ولعل وجهه أن البعض الذي يدعيه الأب بعينه عارية لم تشهد له به العادة بخلاف ما لو جرت العادة بإعارة الكل فلا يتعلق به حق ورثتها بل يكون كله للأب والله تعالى أعلم۔

(۶۳۶) شادی میں تحفۃً دیئے گئے سونے کا حکم

سؤال

میری بیٹی کی تین سال قبل شادی ہوئی تھی اب طلاق ہوگئی ہے۔ یہ بتائیں کہ عورت کو لڑکے والوں کی طرف سے دیا ہوا زیور واپس ہوگا یا نہیں؟ علاوہ ازیں جو زیورات اُن کے عزیزوں نے تحفے میں دیئے ہیں وہ بھی واپس ہوں گے یا نہیں؟ برائے مہربانی شرعی لحاظ سے اس کا جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کو مہر میں ملنے والا سونا، چاندی، روپیہ، پیسہ وغیرہ عورت کا حق ہے، اسی طرح عورت کو شادی و دیگر مواقع پر لڑکے والوں اور مختلف رشتہ داروں کی طرف سے جو چیزیں ملتی ہیں وہ بطور تحفہ کے ہوتی ہیں اور شرعاً وہ عورت کا حق ہیں، اس لئے کسی کیلئے ان کی واپسی

Marfat.com

کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے لہٰذا مذکورہ صورت میں عورت کو جو سونا وغیرہ ملا ہے، وہ عورت کا حق ہے اور لڑکے والوں یا دوسرے رشتہ داروں کو ان کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

لمافی الشامية (١٥٣/٣): قوله (لأن الظاهر يكذبه) قال في الفتح والذي يجب اعتباره في ديارنا أن جميع ما ذكر من الحنطة واللوز والدقيق والسكر والشاة الحية وباقيها يكون القول فيها قول المرأة لأن المتعارف في ذلك كله أن يرسله هدية والظاهر معها لا معه ولا يكون القول قوله إلا في نحو الثياب والجارية اه ــ قال في النهر وأقول وينبغي أن لا يقبل قوله أيضا في الثياب المحمولة مع السكر ونحوه للعرف اه قلت ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔

(٦٣٧) عورت کی منہ دکھائی کس کی ملکیت ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! میں اپنی زوجہ کو چند روز پہلے تین طلاق دے چکا ہوں اور میں نے اپنی زوجہ سے متعلق جتنا ان کا جہیز کا سامان تھا وہ سب کا سب ان کو واپس کر دیا ہے۔ منہ دکھائی میں جتنی سونے کی اشیاء آئی تھیں وہ بھی وہ اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔ اب آپ سے سوال یہ معلوم کرنا ہے کہ جو منہ دکھائی میں سونے یا چاندی کی اشیاء وہ اپنے ساتھ لے گئی ہیں وہ کس کا حق ہے شوہر کا یا بیوی کا؟ ازراہ کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

منہ دکھائی کے وقت شوہر کی طرف سے جو زیور بطور سونا، چاندی کے دیا جاتا ہے اسی طرح سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو تحفے دیئے جاتے ہیں وہ عورت کیلئے بطور ہدیہ کے ہوتے ہیں ان کو واپس لینا جائز نہیں ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جو آپ نے منہ دکھائی کے طور پر اپنی بیوی کو سونے اور چاندی کی اشیاء دی تھیں تو وہ آپ کی طرف سے ہدیہ تھا لہٰذا ان کا واپس لینا آپ کیلئے جائز نہیں۔

لمافی صحيح البخاری (٣٥٧/١): عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ليس لنا مثل السوء، الذي يعود في هبته كالكلب يرجع في قيئه۔

وفی الشامية (١٥٣/٣): ومن ذلك ما يبعثه إليه قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي

Marfat.com

وكذا ما يعطيها من ذلك أو من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس ويسمى في العرف صبحة فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر ولا سيما المسمى صبحة فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس أيضا۔ الخ۔

وفيه أيضاً(۵/۶۹۶): قوله (وكذا زفاف البنت) أي على هذا التفصيل بأن كان من أقرباء الزوج أو المرأة أو قال المهدي أهديت للزوج أو المرأة كما في التاترخانية وفي الفتاوى الخيرية سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الأعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا أجاب إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به مثليا فبمثله وإن قيميا فبقيمته وإن كان العرف خلاف ذلك بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك إلى إعطاء البدل فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه فلا رجوع فيه بعد الهلاك أو الاستهلاك والأصل فيه أن المعروف عرفا كالمشروط شرطا اھ

(۶۳۸) مطلقہ عورت کو متعہ (کپڑے کا جوڑا) دینا

سوال

بشریٰ کا نکاح آج سے ۲ سال قبل ہوا۔ رخصتی سے قبل ہی طلاق ہوگئی۔ کیا لڑکے کے ذمے کچھ سامان دینا شرعاً ضروری ہے؟ بشریٰ کے نکاح میں مہر متعین نہ تھا بلکہ بعد میں متعین کر لینے کا ارادہ تھا لیکن طلاق ہی ہوگئی۔ ازراہِ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

طلاق شدہ لڑکی کی چار صورتیں ہیں:

(۱) لڑکی سے ہمبستری نہ کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین نہ ہو۔

(۲) لڑکی سے ہمبستری نہ کی گئی ہو لیکن اس کا مہر متعین ہو۔

(۳) لڑکی سے ہمبستری کی گئی ہو لیکن اس کا مہر متعین نہ ہو۔

(۴) لڑکی سے ہمبستری کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین ہو۔

ان چار قسم کی مطلقات میں سے صرف پہلی (یعنی جس سے ہمبستری نہ کی گئی ہو اور اس کا مہر بھی متعین نہ ہو) کو متعہ دینا واجب ہے باقی تینوں کیلئے متعہ مستحب ہے۔

متعہ کتنا دینا ہوگا؟ علامہ حصکفیؒ درمختار میں تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

"وهی درع وخمار وملحفة ... وقال ابن عابدين تحتها: قال فخر الإسلام هذا فی ديارهم أما فی ديارنا فيزاد على هذا إزار" (شامية، ۱۱۰/۳)

"متعہ میں ایک قمیص، دوپٹہ اور ایک اوڑھنی شامل ہے.......... ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ شامیۃ میں رقمطراز ہیں کہ امام فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تین چیزیں ان کے عرف میں تھیں ہمارے ہاں ازار بھی دینا ہوگی"۔

ازار سے مراد تہبند ہوتا ہے لیکن ہمارے عرف میں پاجامہ یا شلوار وغیرہ مراد ہوگا۔ الغرض متعہ میں ایک مکمل جوڑا مع اوڑھنی (برقعہ یا اتنی بڑی چادر جو پورے جسم کو ڈھانپ لے) دینا ہوگی۔ صورت مسئولہ میں بشریٰ کو چونکہ قبل از وطی طلاق ہوئی ہے نیز اس کا مہر بھی متعین نہیں لہٰذا اثر کے کے لئے بشریٰ کو متعہ کا جوڑا دینا واجب ہے۔

وفی الهداية (ص۳۲۶): قال وتستحب المتعة لكل مطلقة إلا لمطلقة واحدة وهي التي طلقها الزوج قبل الدخول بها وقد سمى لها مهرا۔

وفی الشامية (۱۱۱/۳): قوله (فالمطلقات أربع) أي مطلقة قبل الوطء أو بعده سمى لها أو لا فالمطلقة قبله إن لم يسم لها فمتعتها واجبة وإن سمى فغير واجبة ولا مستحبة أيضا على ما هنا و المطلقة بعده متعتها مستحبة سمى لها أو لا۔

وفيه أيضا (۱۱۱/۳): قوله (وتعتبر المتعة بحالهما) أي فإن كانا غنيين فلها الأعلى من الثياب أو فقيرين فالأدنى أو مختلفين فالوسط وما ذكره قول الخصاف وفي الفتح إنه الأشبه بالفقه۔

Marfat.com

باب فی النفقات

(نفقہ کا بیان)

(۶۳۹) مرد پر بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ واجب ہے

سؤال

مفتی صاحب! میری شادی کو تقریباً ساڑھے سات سال کا عرصہ ہو گیا جس میں ساڑھے پانچ سال تک میں اپنے شوہر کے ساتھ رہی اس عرصہ کے دوران وہ مجھے خرچہ وغیرہ نہیں دیتے تھے۔ مجھے اور بچوں کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے لہٰذا دو سال پہلے میں بچوں کو لے کر اپنی امی کے گھر آ گئی ہوں۔ ان دو سالوں میں بھی انہوں نے میری خبر نہیں لی اور نہ ہی بچوں کی، نہ ہی ملنے آئے، البتہ مجھے واپس لے جانا چاہتے ہیں لیکن میں نے انکار کر دیا کیونکہ میرے تین بچے ہیں اور وہ کسی قسم کا خیال نہیں رکھتے۔ ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

✲ کیا ایسی صورت میں، میں دوسری شادی کر سکتی ہوں؟

✲ اگر شادی کروں تو کتنی عدت گذارنی پڑے گی؟

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے شوہر کا اس طرح رویہ اختیار کرنا انتہائی برا ہے ان پر بیوی اور بچوں کا نفقہ واجب ہے، آپ کے خاندان کے بڑوں کو چاہیئے کہ ان کے بڑوں کے ذریعے ان کو سمجھائیں کہ وہ بیوی بچوں کا نفقہ دینے کیلئے تیار ہو جائیں جب وہ تیار ہو جائیں تو آپ کیلئے مناسب یہی ہے کہ ان کے ساتھ گھر بسالیں اور اگر وہ کسی بھی طریقہ سے اس کیلئے تیار نہیں ہوتے ہیں تو آپ کوشش کر کے ان سے خلع لے لیں اور پھر تین حیض عدت گزرنے کے بعد دوسری شادی کر سکتی ہیں البتہ بغیر خلع یا طلاق کے آپ ہرگز دوسری شادی نہیں کر سکتیں۔

لمافی البخاری (۲/۸۰۸): باب إذا لم ینفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغیر علمه ما یکفیها وولدها بالمعروف: عن عائشة رضی الله عنها أن هند بنت عتبة، قالت: یا رسول الله إن أبا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی مایکفینی وولدی، إلا ما أخذت منه وهو لا یعلم، فقال: خذی ما

Marfat.com

يكفيك وولدك، بالمعروف۔

وفی الدر المختار (۵۷۲/۳) باب النفقة:(ونفقة الغير تجب على الغير بأسباب ثلاثة زوجية وقرابة وملك) ---- (فتجب للزوجة) بنكاح صحيح ---(على زوجها)۔

وفی (۵۸۰/۳):(وللزوج الإنفاق عليها بنفسه) ولو بعد فرض القاضي خلاصة (إلا أن يظهر للقاضي عدم إنفاقه فيفرض) أي يقدر (لها) بطلبها مع حضرته ويأمره إن شكت مطله ولم يكن صاحب مائدة لأن لها أن تأكل من طعامه وتتخذ ثوبا من كرباسه بلا إذنه، فإن لم يعط حبسه ولا تسقط عنه النفقة خلاصة وغيرها وقوله (في كل شهر) أي كل مدة تناسبه كيوم للمحترف وسنة للدهقان وله الدفع كل يوم كما لها الطلب كل يوم عند المساء لليوم الآتي۔

وفی الرد تحته: قوله (فإن لم يعط الخ) تفريع على قوله ليعطيها وفي الفتح امتنع عن الإنفاق عليها مع اليسر لم يفرق بينهما ويبيع الحاكم ماله عليه ويصرفه في نفقتها فإن لم يجد ماله يحبسه حتى ينفق عليها ولا يفسخ ولا يباع مسكنه وخادمه لأنه من أصول حوائجه وهي مقدمة على ديونه ---- وأن بعض المتأخرين اعتبر ما مر من التفصيل في حال الزوج۔

(۶۴۰) مالدار بیوی کو کیسا نفقہ دینا واجب ہے

سؤال

مفتی صاحب! میری بیوی اتفاق سے اونچے خاندان سے آگئی ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ میں تبلیغ میں تھا اور کراچی کے ہی مہنگے علاقے ڈیفنس کی ایک لڑکی کا باپ اور بھائی میرے ساتھ تشکیل میں تھے۔ انہیں میں شاید اچھا لگا اور انہوں نے بعد میں مجھ سے اپنی بیٹی کے رشتے کی بات کی۔ میں متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ بہر حال سرپرستوں میں بات ہوگئی اور یہ شادی انجام پاگئی۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ وہ لڑکی تو بہت اعلیٰ خاندان کی ہے۔ اس کا کھانا، پینا، پہننا ہمارے گھر والوں سے بہت اونچا ہے نیز ویسے کپڑے وغیرہ تو میں کبھی نہیں خرید سکتا۔ اب میں کیا کروں کافی مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ ایک صاحب تو کہہ رہے تھے جب اونچے خاندان میں شادی کی ہے تو اونچا کھلانا، پلانا فرض ہے، اب کھلاؤ۔ میں کافی پریشان ہوں۔ مفتی صاحب مجھے میرے مسئلے کا شرعی حل تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوہاب

شادی کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے، جس میں تین چیزیں شامل ہیں:

Marfat.com

۱۔کھانا ۲۔کپڑے ۳۔رہائش

یہ تینوں چیزیں دینا مرد کی ذمہ داری ہے لیکن مالداری اور وسعت کے اعتبار سے شوہر کو معیار بنایا جائے گا یا بیوی کو تو اس بارے میں فتویٰ اس پر ہے کہ دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اگر دونوں امیر ہیں تو امیروں والا کھانا، کپڑے اور رہائش فراہم کرنا ہوں گی اور اگر دونوں غریب ہیں تو غریبوں والی لیکن اگر ایک امیر اور ایک غریب ہو تو دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے متوسط قسم کا نفقہ واجب ہوگا لہٰذا اگر مرد امیر اور عورت غریب ہو تو مرد پر اپنے جیسا کھانا کھلانا واجب نہ ہوگا بلکہ متوسط کھانا عورت کو کھلائے گا نہ امیروں والا نہ غریبوں والا البتہ بہتر اس صورت میں یہ ہے کہ جو خود کھا رہا ہے، پہن رہا ہے ویسا ہی انتظام بیوی کے لئے بھی کردے اور اسی طرح اگر مرد غریب اور عورت امیر ہو تو مرد پر متوسط قسم کا کھانا، کپڑے اور رہائش فراہم کرنا ضروری ہوگا جو اگرچہ شوہر کی وسعت سے زیادہ ہوگا لیکن کشادگی آنے تک زائد پیسے شوہر کے ذمے قرض ہوتے رہیں گے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی اہلیہ چونکہ اعلیٰ اور امیر خاندان سے ہیں اور آپ مالداری میں ان سے کم ہیں لہٰذا آپ پر متوسط (یعنی آپ کی حیثیت سے اوپر اور بیوی کی حیثیت سے کم) قسم کا نفقہ واجب ہے آپ کی بیوی کو چاہیئے کہ اپنے معیار سے کچھ نیچے اتریں اور آپ کو بھی چاہیئے کہ کہیں سے قرض لے کر یا بیوی خود اپنے پیسوں سے خرچ کرے اور آپ وسعت کے بعد اسے ادا کردیں۔شرعی لحاظ سے یہی آپ کے مسئلے کا حل ہے۔

لما فی الدرالمختار (۵۷۴/۳): فتستحق النفقة (بقدر حالهما) به يفتى يخاطب بقدر وسعه والباقي دين إلى الميسرة ولو موسرا وهي فقيرة لا يلزمه أن يطعمها مما يأكل بل يندب۔

وفی الشامية تحته: قوله (به يفتى) كذا في الهداية ،وهو قول الخصاف ، وفي الولوالجية وهو الصحيح وعليه الفتوى ، وظاهر الرواية اعتبار حاله فقط وبه قال جمع كثير من المشايخ ونص عليه محمد وفي التحفة والبدائع أنه الصحيح ، بحر لكن المتون والشروح على الأول وفي الخانية وقال بعض الناس يعتبر حال المرأة قال في البحر واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين وعلى نفقة المعسرين إذا كانا معسرين و إنما الاختلاف فيما إذا كان أحدهما موسرا والآخر معسرا فعلى ظاهر الرواية الاعتبار لحال الرجل فإن كان موسرا وهي معسرة فعليه نفقة الموسرين وفي عكسه نفقة المعسرين وأما على المفتى به فتجب نفقة الوسط في المسألتين وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة اهـ

[تنبيه] صرحوا ببيان اليسار والإعسار في نفقة الأقارب ولم أر من عرفهما في نفقة الزوجة ولعلهم وكلوا ذلك إلى العرف والنظر إلى الحال من التوسع في الإنفاق وعدمه ويؤيده قول البدائع حتى لو كان الرجل مفرطا في اليسار يأكل خبز الحواري ولحم الدجاج والمرأة مفرطة

Marfat.com

في الفقر تأكل في بيت أهلها خبز الشعير يطعمها خبز الحنطة ولحم الشاة قوله (ويخاطب الخ) صرح به في الهداية وقد غفل عنه في غاية البيان فقال إذا كان معسرا وهي موسرة وأوجبنا الوسط فقط كلفناه بما ليس في وسعه قوله (والباقي) أي ما يكمل نفقة الوسط۔

(٦٤١) بیوی کا الگ گھر کے مطالبہ کا حکم

سؤال

ایک باپ کئی ارمان لئے اپنے بیٹے کی شادی کراتا ہے شروع سے تمام بیٹے والدین کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ دوسرے بیٹے کی شادی ہے لیکن چند دن بعد بہو کہتی ہے کہ مجھے الگ مکان دلواؤ، میں ساس سسر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ بیوی کا الگ کمرہ ہے، البتہ کچن ساتھ مشترکہ ہے۔ گھر میں اتنی جگہ نہیں کہ الگ کچن بنایا جائے لہٰذا بیوی شوہر پر الگ گھر کا دباؤ ڈال رہی ہے۔ کیا شوہر پر بیوی کو الگ اور اچھا گھر دینا ضروری ہے؟ شرعاً شوہر پر کس طرح کی رہائش دینا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر پر نکاح کے بعد معروف طریقے کے مطابق بیوی کو رہائش فراہم کرنا شرعاً ضروری ہے۔ بیوی کو رہائش کیلئے الگ مکان دینا ضروری ہے یا گھر کا ایک کمرہ بیوی کیلئے خاص کر دینا کافی ہے؟ فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ تبیین الحقائق میں تحریر فرماتے ہیں:

"(والسكنى فی بيت خال عن أهله وأهلها) أی تجب لها السكنى فی بيت ليس فيه أحد من أهله ،ولا من أهلها.....ولو أخلى لها بيتاً من دار ,وجعل له مرافق ,وغلقا على حدة كفاها لحصول المقصود بذلك"

"اور رہائش دینا ایسے کمرے میں جو شوہر اور بیوی دونوں کے گھر والوں سے خالی ہو یعنی شوہر پر ایسے کمرے میں جس میں تیسرا کوئی نہ ہو رہائش دینا واجب ہے.........اگر شوہر گھر کا ایک کمرہ اس کے لئے خالی کر دیتا ہے اور سہولت فراہم کر دیتا ہے اور اس کمرے کا الگ تالا ہو تو یہ کافی ہے کیونکہ مقصود (الگ رہائش) کا حصول اس طرح ہو جاتا ہے۔"

(تبیین الحقائق للزیلعی رحمۃ اللہ علیہ ۳ /۵۸)

نیز درمختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(و كذا تجب لها السكنى فی بيت خال عن أهله)سوى طفله الذى لا يفهم الجماع... (وأهلها)ولو ولدها من غيره بقدر حالهما كطعام و كسوة وبيت منفرد من دار له غلق ,زاد فی الاختيار والعينى

Marfat.com

ومرافق ومراده لزوم كنيف ومطبخ وينبغي الإفتاء به. بحر (كفاها) لحصول المقصود. هداية.

"(اور اسی طرح شوہر پر بیوی کیلئے رہائش فراہم کرنا ایسے کمرے میں جو مرد کے گھر والوں سے خالی ہو واجب ہے۔) سوائے مرد کا کسی اور بیوی سے ایسا بچہ جو جماع کو نہ سمجھتا ہو (اور عورت کے گھر والوں سے بھی خالی ہو) اگر چہ عورت کا پہلے شوہر سے بچہ ہی کیوں نہ ہو (دونوں کی حالت کے بقدر) جیسے کپڑے، کھانے اور علیحدہ کمرہ جس میں الگ تالا ہونے کا معاملہ ہے۔ اختیار اور عینی میں یہ زیادتی بھی ہے کہ دیگر سہولیات بھی ہوں۔ ان کی مراد بیت الخلاء اور باورچی خانہ ہے اسی پر فتویٰ دینا مناسب ہے (یہ عورت کیلئے کافی ہے) کیونکہ اس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ ہدایۃ۔" (الدر المختار ٣/٦٠٠)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے رد المحتار میں درمختار کی اس عبارت کے تحت مفصل بحث فرمائی ہے جو تقریباً دو صفحوں پر مشتمل ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قوله (بقدر حالهما) أي في اليسار والإعسار فليس مسكن الأغنياء كمسكن الفقراء كما في البحر ....قوله (وبيت منفرد) أي ما يبات فيه وهو محل منفرد معين قهستاني والظاهر أن المراد بالمنفرد ما كان مختصا بها ليس فيه ما يشاركها به أحد من أهل الدار قوله (له غلق) بالتحريك ما يغلق ويفتح بالمفتاح قهستاني قوله (زاد في الاختيار والعيني) ومثله في الزيلعي وأقره في الفتح بعد ما نقل عن القاضي الإمام أنه إذا كان له غلق يخصه وكان الخلاء مشتركا ليس لها أن تطالبه بمسكن آخر ...... قلت والحاصل أن المشهور وهو المتبادر من إطلاق المتون أنه يكفيها بيت له غلق من دار سواء كان في الدار ضرتها أو أحماؤها."

"(مصنف کا قول: دونوں کی حالت کے بقدر سکنی واجب ہے) یعنی کشادگی اور تنگدستی کے اعتبار سے لہٰذا مالدار کا گھر اور فقیر کا گھر دونوں میں رہائش کے اعتبار سے فرق ہوگا جیسا کہ بحر میں ہے............(الگ کمرہ) یعنی جہاں رات گزاری جاسکے اور وہ ایک معین علیحدہ جگہ کا نام ہے قہستانی اور بظاہر علیحدہ ہونے سے مراد عورت کے ساتھ مخصوص ہونا ہے جس میں گھر والوں میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہ ہو (اس کا تالا ہو) غلق لام کے فتحہ کے ساتھ ہے مراد جسے چابی کے ذریعے کھولا یا بند کیا جاسکے قہستانی، (اختیار اور عینی میں یہ زیادتی ہے) اسی طرح زیلعی میں بھی یہ زیادتی موجود ہے اور فتح القدیر میں اسے برقرار رکھا گیا ہے اور اس سے پہلے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام قاضی سے روایت ہے کہ جب کمرے میں ایسا تالا ہو جو اس کمرے کے ساتھ مخصوص ہو اور بیت الخلاء مشترک ہو لیس لها ان تطالبہ بمسکن آخر تو پھر عورت کیلئے الگ رہائش کے مطالبے کا حق نہ ہوگا......میں کہتا ہوں کہ خلاصہ یہ نکلا کہ مشہور اور متون کے اطلاق سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ ایک ایسا کمرہ جو اس عورت کیلئے خاص ہو کافی ہے اگر چہ گھر میں اس کی سوکن اور سسرالی رشتے دار بھی رہتے ہوں"

(رد المحتار على الدر المختار ٣/٦٠٠)

Marfat.com

نیز علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده إذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف وقد قال تعالى ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن."

"اس میں کوئی شک نہیں کہ معروف (یعنی اچھی طرح رہائش دینے کا عرف) زمانے اور جگہ کے تبدیل ہونے سے تبدیل ہوتا رہتا ہے مفتی کو چاہیئے کہ اپنے زمانے والوں کا رواج دیکھے اور اپنے شہر کے حالات پر غور کرے کیونکہ اس کے بغیر معروف طریقے سے معاشرت ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا تضاروهن لتضيقوا عليهن"

(شامیہ ۳/۶۰۲)

شادی کے بعد عورت کو رہائش فراہم کرنے میں میاں اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہے دونوں امیر ہیں تو الگ گھر دینا ہوگا ورنہ اسی گھر میں الگ کمرہ مع ضروریات زندگی کے فراہم کرنا واجب ہوگا، بہر حال اگر شادی کے وقت لڑکی ایک ہی گھر میں رہنے پر تیار ہوگئی ہو تو پھر بعد میں دونوں کی حیثیت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

لما في العناية على الهداية (۴/۳۸۰): وقال في ظاهر الرواية يقول لما زوجت نفسها من معسر فقد رضيت بنفقة المعسرين فلا تستوجب على الزوج الا بحسب حاله۔

وفي الشامية (۳/۶۰۰): قوله (ومفاده لزوم كنيف ومطبخ) أي بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن يكونا داخل البيت أو في الدار لا يشاركها فيهما أحد من أهل الدار قلت وينبغي أن يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والأحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه وبعض المرافق مشتركة كالخلاء والتنور وبئر الماء ويأتي تمامه قريبا --- إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده إذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف وقد قال تعالى {ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن}۔

(۶۴۲) بیوی کو رہائش دینا واجب ہے

سؤال

ہمارا خاندانی نظام بکھر گیا ہے چنانچہ شادی سے پہلے لڑکی والوں کی طرف سے علیحدہ گھر کا مطالبہ ہوتا ہے، اور شادی کے بعد تو اکثر جھگڑوں کی بنیاد ہی علیحدہ گھر کا مطالبہ ہوتا ہے۔ کیا شرعاً عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے یا نہیں؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ شادی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں انا پرستی اور بے جا شرائط بعد میں فریقین کے لئے انتہائی مضر اور نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ ان سے گھر آباد اور خوشحال ہونے کے بجائے اضطراب اور بے اعتدالی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہی گھرانے عموماً خوشحال اور ہنستے بستے ہیں جہاں بہو شوہر کے گھر والوں کے ساتھ رہنے کی کوشش کرے شادی سے قبل یا بعد الگ گھر کے مطالبے ان رشتوں میں دراڑ ڈالتے ہیں۔

اگر واقعی صورتحال یہی ہو کہ ساتھ رہنا دشوار ہو تو پھر شرعاً میاں بیوی کی مالی حالت کو دیکھا جائے گا اگر دونوں امیر ہیں تو پھر شوہر پر الگ گھر کا انتظام کرنا ضروری ہوگا اور اگر دونوں امیر نہ ہوں تو پھر اسی گھر میں فقط ایک ایسا الگ کمرہ جس میں تمام ضروریات زندگی علیحدہ ہوں فراہم کرنا کافی ہوگا بیوی کیلئے اس سے زیادہ کا مطالبہ جائز نہ ہوگا۔

لمافی الهندية(۱/۵۵٦): الفصل الثاني في السكنى : تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك كذا في العيني شرح الكنز۔

وفی الشامية(۳/٦۰۱): ولو أراد أن يسكنها مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وأخته وبنته فأبت فعليه أن يسكنها في منزل منفرد لأن إباءها دليل الأذى والضرر ولأنه محتاج إلى جماعها ومعاشرتها في أي وقت يتفق لا يمكن ذلك مع ثالث۔

وفيه أيضا (۳/٦۰۱): ذلك يختلف باختلاف الناس ففي الشريفة ذات اليسار لا بد من إفرادها في دار ومتوسط الحال يكفيها بيت واحد من دار۔ الخ۔

(٦٤٣) عورت کا سوکن کے ساتھ ایک گھر میں رہنے سے انکار کرنا

سوال

ایک عورت اپنے شوہر سے یہ کہتی ہے کہ میں اپنی سوکن کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو کیا شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کے لئے الگ گھر یا کمرہ بنوائے؟ نیز اگر عورت یہ کہے کہ میں تمہاری ماں کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر شوہر نے عورت اور اس کی سوکن کو ایک ہی کمرے میں رکھا ہوا ہے تو دونوں عورتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یہ مطالبہ کریں کہ ہمیں الگ رہائش فراہم کی جائے الگ رہائش سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسا کمرہ جس کے ساتھ ضروریات زندگی بیت الخلاء، باورچی خانہ وغیرہ الگ ہوں اور اگر الگ الگ دو گھروں میں ٹھہرائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ الغرض اگر ایک شخص تعدد ازواج کرتا ہے تو ان کے

Marfat.com

حقوق اور عدل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

لمافی الهندية(۱/۵۵۶): الفصل الثاني في السكنى : تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك كذا في العيني شرح الكنز۔۔ امرأة أبت أن تسكن مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وغيرها فإن كان في الدار بيوت فرغ لها بيتا وجعل لبيتها غلقا على حدة ليس لها أن تطلب من الزوج بيتا آخر فإن لم يكن فيها إلا بيت واحد فلها ذلك وإن قالت لا أسكن مع أمتك ليس لها ذلك۔

وفی الدرالمختار(۳/۶۰۱): قلت وفي البدائع ولو أراد أن يسكنها مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وأخته وبنته فأبت فعليه أن يسكنها في منزل منفرد لأن إباءها دليل الأذى والضرر ولأنه محتاج إلى جماعها ومعاشرتها في أي وقت يتفق لا يمكن ذلك مع ثالث حتى لو كان في الدار بيوت وجعل لبيتها غلقا على حدة قالوا ليس لها أن تطالبه بآخر اھ

(۶۴۴) ایک گھر کے ہوتے ہوئے دوسرے گھر کا مطالبہ جائز نہیں

سؤال

ایک شخص جو کہ شادی شدہ ہے، وہ اپنے بھائی کے ساتھ ایک بنگلے میں رہتا ہے، لیکن رہائش دونوں کی الگ الگ ہے۔ اس کے باوجود اس شخص کا سسر اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ میری بیٹی کیلئے کوئی اور مکان لے لو اور اس بنگلے میں اس کو نہ ٹھہراؤ۔ آیا سسر کا یہ مطالبہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر پر بیوی کا نان نفقہ اور رہائش دینا لازم ہے جس میں دونوں کی حالت کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اس سے، بیوی کا حق ادا ہو گیا لہٰذا سسر کا یہ مطالبہ کہ میری بیٹی کیلئے کوئی اور مکان لو، ناجائز ہے۔

لمافی الشامية(۳/۵۹۹): مطلب في مسكن الزوجة قوله (وكذا تجب لها) أي للزوجة السكنى أي الإسكان وتقدم أن اسم النفقة يعمها لكنه أفردها لأن لها حكما يخصها ثم قوله (خال عن أهله الخ) لأنها تتضرر بمشاركة غيرها فيه لأنها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلك من المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع إلا أن تختار ذلك لأنها رضيت بانتقاص حقها هداية۔

وفی الفقه الاسلامی (۷/۸۰۳): الواجب الثالث ۔ المسكن : يجب للزوجة أيضاً مسكن لائق بها إما

Marfat.com

بملك أو كراء أو إعارة أو وقف، لقوله تعالى: {أسكنوهن من حيث سكنتم من وُجدكم} [الطلاق] أي بحسب سعتكم وقدرتكم المالية، وقوله سبحانه: {وعاشروهن بالمعروف} [النساء] ومن المعروف أن يسكنها في مسكن، ولأنها لا تستغني عن المسكن للاستتار عن العيون وحفظ المتاع۔

(۶۴۵) عورت کا الگ پورشن اور کچن کا مطالبہ کرنا

سوال

میری شادی ۷ سال قبل ہوئی تھی میری ساس کا رویہ میرے ساتھ صحیح نہیں رہا ذرا ذرا سی بات پر میرے شوہر سے شکایتیں کی جاتی تھیں شروع میں خاموش رہی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا رویہ مزید خراب ہوتا چلا گیا نہ صرف مجھ سے بلکہ میری بیٹی کے ساتھ بھی ان کا رویہ کافی خراب رہا۔

میری ساس نے مجھ سے کہا کہ تو ہے کس باپ کی بیٹی کیسے آئی ہے اس گھر میں جبکہ انہوں نے خود رشتہ مانگ کر شادی کی تھی۔ ایک دفعہ کہا کہ میں تو تیری ماں کو باہر کھڑے ہو کر گالیاں دوں۔ اسی طرح انہوں نے مجھے کہا کہ میں دوسروں کے ٹکڑوں پر پلی ہوں۔ ان باتوں کی وجہ سے میں نے ان سے بات کرنا تو چھوڑ دی تھی لیکن ساتھ رہتے ہوئے بہت سے مسئلے ہوتے رہے۔ میری طبیعت خراب ہو تو کوئی کمرے میں آکر یہ نہیں پوچھتا کہ مجھے کچھ چاہیے تو نہیں لیکن چاہتے ہیں کہ میں ان کے تمام کام کروں اور یہ سب اپنا حق سمجھ کر کروایا جاتا ہے۔ وہ یہ بھی کہہ چکی ہیں کہ تو نوکرانی ہے پکائے گی تو کھائے گی اور یہ بھی کہ اس گھر پر میرا کوئی حق نہیں۔

پچھلے سال میرے جیٹھ نے مجھ سے کافی بدتمیزی سے بات کی (بچوں کے حوالے سے) اور کہا کہ "میں تیرا حشر بگاڑ دوں گا اگر میرے بچوں کو ہاتھ بھی لگایا تو یہ تیرے باپ کا گھر نہیں ہے" گھر میں ساس سسر کے ہونے کے باوجود وہ کچھ نہیں بولے جبکہ میری ساس نے کہا کہ "تو تو ہے ہی ایسی کہ جیٹھ کے منہ لگی" ہر وقت مجھے دو ٹکے کی چھوکری کہا جاتا تو میں امی کے ہاں آگئی۔ بڑوں کے درمیان بات چیت ہوئی اور میں واپس چلی گئی۔ شروع میں تو وہ خاموش رہیں لیکن پھر وہی رویہ شروع ہو گیا۔ طبیعت خراب ہوئی تو میں امی کے ہاں آگئی کیونکہ وہاں میری دیکھ بھال نہیں ہو سکتی تھی۔

مجھے امی کے ہاں ۶ ماہ ہو چکے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ میرے ایک جیٹھ الگ ہو چکے ہیں۔ اوپر پورشن میں دیور اور نیچے دوسرے جیٹھ رہتے ہیں۔ شریعت اس حوالے سے کیا کہتی ہے کہ اگر میں:

(۱) الگ گھر کا مطالبہ کرتی ہوں یا

(۲) اس گھر میں رہتے ہوئے الگ پورشن اور الگ کچن کا مطالبہ کرتی ہوں۔

Marfat.com

(۳) اس حوالے سے شوہر کا رویہ میرے ساتھ کیا ہونا چاہیئے؟

(۴) کیا کہتی ہے شریعت شادی شدہ عورت کے نان نفقہ اور سکنی کے بارے میں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ میں شوہر کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ اور سکنی (رہائش) واجب ہے اور سکنی (رہائش) سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک ایسا کمرہ مہیا کرے جس کو تالا لگا کر بند کیا جاسکے اور اس کمرہ میں کسی اور کا آنا جانا نہ ہو نیز ضروریات زندگی وغیرہ اس کے ساتھ ہوں لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کا اپنے شوہر سے الگ کمرہ اور الگ کچن وغیرہ کا مطالبہ کرنا صحیح ہے اور شوہر کو چاہیئے کہ وہ احسن طریقے سے آپ کے اس مطالبے کو پورا کرے نیز آپ حتی الامکان کوشش کریں کہ ساس سسر اور دیگر رشتہ داروں سے آپ کے تعلقات اچھے رہیں اور آپس میں میل جول برقرار رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانی کو آسان فرمائیں۔ آمین۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۳): وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔

وفی الهندية (۱/۵۴۴): الباب السابع عشر في النفقات وفيه ستة فصول الفصل الأول في نفقة الزوجة تجب على الرجل نفقة امرأته ۔۔۔ (۱/۵۴۹): والنفقة الواجبة المأكول والملبوس والسكنى أما المأكول فالدقيق والماء والملح والحطب والدهن كذا في التتارخانية وكما يفرض لها قدر الكفاية من الطعام كذلك من الآدام كذا في فتح القدير ۔۔۔ (۱/۵۵۶): الفصل الثاني في السكنى تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك كذا في العيني شرح الكنز ۔۔۔ امرأة أبت أن تسكن مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وغيرها فإن كان في الدار بيوت فرغ لها بيتا وجعل لبيتها غلقا على حدة ليس لها أن تطلب من الزوج بيتا آخر فإن لم يكن فيها إلا بيت واحد فلها ذلك۔

وفی الدر المختار (۳/۵۹۹): (وكذا تجب لها السكنى في بيت خال عن أهله) ۔۔۔ (وأهلها) ولو ولدها من غيره بقدر حالهما كطعام وكسوة وبيت منفرد من دار له غلق زاد في الاختيار والعيني ومرافق ومراده لزوم كنيف ومطبخ وينبغي الإفتاء به بحر (كفاها) لحصول المقصود هداية وفي البحر عن الخانية يشترط أن لا يكون في الدار أحد من أحماء الزوج يؤذيها ونقل المصنف عن الملتقط كفايته مع الأحماء لا مع الضرائر فلكل من زوجتيه مطالبته ببيت من دار على حدة۔

وفی الشامية (۳/۶۰۰): قوله (ومفاده لزوم كنيف ومطبخ) أي بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن

Marfat.com

يكونا داخل البيت أو في الدار لا يشاركها فيهما أحد من أهل الدار قلت وينبغي أن يكون هذا في غير الفقراء الذين يسكنون في الربوع والأحواش بحيث يكون لكل واحد بيت يخصه وبعض المرافق مشتركة كالخلاء والتنور وبئر الماء ويأتي تمامه قريبا ـــ وذكر الخصاف أن لها أن تقول لا أسكن مع والديك وأقربائك في الدار فأفرد لي دارا قال صاحب الملتقط هذه الرواية محمولة على الموسرة الشريفة وما ذكرنا قبله أن إفراد بيت في الدار كاف إنما هو في المرأة الوسط اعتبارا في السكنى بالمعروف اهـ

قلت والحاصل أن المشهور وهو المتبادر من إطلاق المتون أنه يكفيها بيت له غلق من دار سواء كان في الدار ضرتها أو أحماؤها وعلى ما فهمه في البحر من عبارة الخانية وارتضاه المصنف في شرحه لا يكفي ذلك إذا كان في الدار أحد من أحمائها يؤذيها وكذا الضرة بالأولى وعلى ما نقله المصنف عن ملتقط صدر الإسلام يكفي مع الأحماء لا مع الضرة وعلى ما نقلنا عن ملتقط أبي القاسم وتجنيسه للأستروشني أن ذلك يختلف باختلاف الناس ففي الشريفة ذات اليسار لا بد من إفرادها في دار ومتوسط الحال يكفيها بيت واحد من دار ومفهومه أن من كانت من ذوات الإعسار يكفيها بيت ولو مع أحمائها وضرتها كأكثر الأعراب وأهل القرى وفقراء المدن الذين يسكنون في الأحواش والربوع وهذا التفصيل هو الموافق لما مر من أن المسكن يعتبر بقدر حالهما ولقوله تعالى {أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم} وينبغي اعتماده في زماننا هذا فقد مر أن الطعام والكسوة يختلفان باختلاف الزمان والمكان وأهل بلادنا الشامية لا يسكنون في بيت من دار مشتملة على أجانب وهذا في أوساطهم فضلا عن أشرافهم إلا أن تكون دارا مورثة بين إخوة مثلا فيسكن كل منهم من جهة منها مع الاشتراك في مرافقها فإذا تضررت زوجة أحدهم من أحمائها أو ضرتها وأراد زوجها إسكانها في بيت منفرد من دار لجماعة أجانب وفي البيت مطبخ وخلاء يعدون ذلك من أعظم العار عليهم فينبغي الإفتاء بلزوم دار من بابها نعم ينبغي أن لا يلزمه إسكانها في دار واسعة كدار أبيها أو كداره التي هو ساكن فيها لأن كثيرا من الأوساط والأشراف يسكنون الدار الصغيرة وهذا موافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله اعتبارا في السكنى بالمعروف إذ لا شك أن المعروف يختلف باختلاف الزمان والمكان فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه وبلده إذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف وقد قال تعالى {ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن} ـ

Marfat.com

(۶۴۶) بیوی کیلئے سال میں کتنی مرتبہ کپڑے بنانا ضروری ہے؟

سؤال

اگر کسی کی شادی ہو جائے تو مرد پر عورت کیلئے سال میں کتنی بار کپڑے خرید کر دینے لازم ہوں گے۔اگر عورت کے پاس اپنا ذاتی مال ہو تو کیا پھر بھی مرد پر یہ کپڑے بنانا واجب ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جب عورت عقد نکاح سے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرتی ہے تو اس کا نان ونفقہ کپڑے وغیرہ شوہر کے ذمے لازم ہوتے ہیں چاہے عورت امیر ہو یا غریب اور سال میں دو مرتبہ کپڑے بنانا شوہر کے ذمے ضروری ہے باقی جیسے عرف اور ضرورت پڑ جائے تو شوہر کے ذمے ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق بیوی کو نفقہ اور کپڑے دے۔

لمافی التاتارخانیه (۱۸۳/۴):فی الخانية تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية و الفقيرة والغنية دخل بها أو لم يدخل بها والنفقة الواجبة المأكول والملبوس والسكنى۔

وفی الهندية (۵۴۴/۱):الباب السابع عشر في النفقات وفيه ستة فصول الفصل الأول في نفقة الزوجة تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل بها أو لم يدخل كبيرة كانت المرأة أو صغيرة يجامع مثلها كذا في فتاوى قاضي خان۔۔۔(۵۵۵/۱):الكسوة واجبة عليه بالمعروف بقدر ما يصلح لها عادة صيفا وشتاء كذا في التتارخانية ناقلا عن الينابيع وإنما تفرض الكسوة في السنة مرتين في كل ستة أشهر مرة كذا في المبسوط۔

وفی الدر المختار(۵۸۰/۳):(وتفرض لها الكسوة في كل نصف حول مرة) لتجدد الحاجة حرا وبردا۔

وفی الشامية (۵۸۰/۳):واعلم أن تقدير الكسوة مما يختلف باختلاف الأماكن والعادات فيجب على القاضي اعتبار الكفاية بالمعروف في كل وقت ومكان فإن شاء فرضها أصنافا وإن شاء قومها وقضى بالقيمة كذا في المجتبى وفي البدائع الكسوة على الاختلاف كالنفقة من اعتبار حاله فقط أو حالهما بحر قوله (في كل نصف حول مرة) إلا إذا تزوج وبنى بها ولم يبعث لها كسوة فتطالبه بها قبل نصف الحول والكسوة كالنفقة في أنه لا يشترط مضي المدة بحر عن الخلاصة وحاصله أنها تجب لها معجلة لا بعد تمام المدة۔

Marfat.com

رسالة

القول بالمساواة

فی

أن الفتوی علی ظاہر الروایة فی نفقة الزوجات

ایک یا ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ادائیگی نفقہ شوہر کی حالت

کے بقدر ہوگا یا میاں اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا

مسئلہ ھذا سے متعلق فقہی عبارات، شرعی نصوص، دلالۃ النص یا قیاس سے اثبات،

کتب فقہ کی روشنی میں ظاہر الروایۃ کی ترجیح اور متعلقہ ابحاث پر تفصیلی اور تحقیقی فتوی

Marfat.com

(۶۴۷) متعدد بیوں کے درمیان مساوات قرآن وحدیث سے ثابت ہے

سؤال

کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں توفقہاء کے مفتی بہ قول کے مطابق شوہر پر اپنی بیویوں کے فقر اور غناء کے مطابق نفقہ لازم آتا ہے حالانکہ بیوی ہونے کے اعتبار سے توسب برابر ہیں اور سب سے ایک قسم کا استمتاع حاصل کرتا ہے تو نفقہ بھی ایک ہونا چاہیئے؟ اور بیویوں کے حال کے اعتبار سے نفقہ دیں گے تو میاں بیوی اور بیویوں کے آپس میں بھی جھگڑے اور فسادات شروع ہونگے کہ ایک بیوی جو کہ غنی ہے جس کو عمدہ کھانے اور قیمتی لباس وغیرہ مہیا کیا جاتا ہے وہ دوسری فقیر بیوی کو دکھائے گی اور اس کو طعنہ دے گی اور چھیڑے گی جس کی وجہ سے آپس میں لڑیں گی اور فقیر بیوی شوہر سے بھی لڑے گی کہ فلاں بیوی کے لئے قیمتی کپڑے خریدے اور میرے لئے بے قیمت وغیرہ وغیرہ۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو بیوی غنی ہے ظاہر ہے اس کے پاس مال بھی ہوگا خود اپنے لئے عمدہ اور قیمتی سامان خرید سکتی ہے اور گھر والوں کی طرف سے بھی ان کو عمدہ سامان ملتا ہے بخلاف فقیر بیوی کہ نہ تو خود اس کے پاس کچھ مال ہوتا ہے اور نہ گھر والوں کی طرف سے کچھ زیادہ ملتا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ فقیر بیوی کو زیادہ اور عمدہ دینا چاہیئے بخلاف غنی بیوی کے۔

ان مذکورہ باتوں کے باوجود فقہاء نے جو یہ فیصلہ کیا ہے کہ نفقہ میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا اس کی کیا وجہ ہے اور کس نص کی بنیاد پر فقہاء نے یہ فتوی دیا ہے؟ اور مذکورہ خرابیاں اور فسادات جو اس فیصلہ کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں ان کا جواب کیا ہوگا اور ان جھگڑوں، نفرتوں اور فسادات کو ختم کرنے کا شرعی حل کیا ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بیویوں کے مابین عدل وبرابری قرآن وحدیث کے صریح نصوص سے ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء کی عبارات تساوی بین الزوجات کی طرف مشیر ہیں اور انہوں نے باب النفقہ کے تحت مذکور خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قسم کے باب میں ذکر نہیں کیا بلکہ قسم کا معاملہ مطلقا عدل کا ذکر کیا ہے البتہ بعض فقہاء متاخرین نے باب النفقۃ کے تحت مذکور خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر قسم کے معاملہ کو بھی قیاس کیا ہے اور اسی کو مفتی بہ بتایا ہے جو کہ قیاس در قیاس ہے اور صریح نصوص کی موجودگی میں بے وزن معلوم ہوتا ہے جب کہ اس قول پر سائل کے ذکر کردہ اشکالات بھی واقع ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی میں اس قول پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے، لہٰذا سائل کا بعض فقہاء کے قول کو لے کر احناف کے مذہب پر اشکالات وارد کرنا صحیح نہیں۔

Marfat.com

لمافی الجوهرة النیرة(۹۴/۲) کتاب النکاح :(قوله وإذا کان للرجل امرأتان حرتان فعلیه أن یعدل بینهما في القسم بکرین کانتا أو ثیّبین أو إحداهما بکرا والأخری ثیبا) أو کانت إحداهما حدیثة والأخری قدیمة وسواء کن مسلمات أو کتابیات أو إحداهما مسلمة والأخری کتابیة فإنه ینبغي أن یعدل بینهما في المأکول والمشروب والملبوس۔

وفی التاتارخانیة(۳۵۹/۴): المتفرقات فی القسم :فی الهدایة : (قوله وإذا کان للرجل امرأتان حرتان فعلیه أن یعدل بینهما في القسم:وفی السراجیة: وفی الماکول والملبوس بکرین کانتا أو ثیبین أو احداهما بکرا والأخری ثیبا۔

وفی الهندیة(۳۴۰/۱): الباب الحادی عشر فی القسم : ومما یجب علی الأزواج للنساء العدل والتسویة بینهن فیما یملکه والبیتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فیما لا یملك وهو الحب والجماع ۔

(۶۴۸)مذکورہ فتوے پر ایک استدراک اور بیویوں کے نفقہ میں تساوی سے متعلق تفصیلی فتوی

سؤال

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ! میرے پاس آپ کے محترم و مؤقر دارالافتاء کا ملفوفہ مسئلہ تھا مجھے اس مسئلے پر کچھ تحفظات ہیں کیونکہ میں نے بھی اس سلسلے میں کچھ مراجعت کی تھی لہٰذا آپ کی خدمت میں وہ لکھ رہا ہوں، از راہ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

سب سے پہلی بات ''اکثر فقہاء کی عبارات تساوی بین الزوجات کی طرف مشیر ہیں اورانہوں نے باب النفقۃ کے تحت مذکور خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قسم کے باب میں ذکر نہیں کیا'' مفتی صاحب یہ بات جواب میں کیوں لکھی گئی؟؟؟ بندہ سمجھ نہیں پایا کیونکہ البحر الرائق، طحطاوی علی الدر، شامیہ، ہدایہ ان سب میں دونوں جگہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے پھر یہ کہنا کہ قسم کے باب میں اکثر فقہاء نے اس قول کو ذکر نہیں کیا، یہ اکثر فقہاء کون ہیں؟ جنہوں نے تفریق کی ہو۔

دوسری بات ''بعض فقہاء کے قیاس اور پھر اسے قیاس در قیاس'' قرار دینے کی ہے یہ بھی کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اوّلاً خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول قیاس نہیں صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مفتی بہ قرار دے کر حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی حدیث نفقہ سے ثابت کیا ہے۔ قیاس ثانوی درجے میں ہے لہٰذا قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مطلقاً قیاس کہنا درست نہیں اور پھر قسم کے باب میں اسے قیاس در قیاس کہنا محلِ نظر ہے بلکہ قسم کے باب میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لینا اس کے مفتی بہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ قسم کو نفقہ پر قیاس کرنے کی وجہ

Marfat.com

سے!!!۔۔۔ نیز ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس سلسلہ میں دیکھ لیا جائے انہوں نے اس اشکال کا بھی جواب دیا ہے کہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل خبر واحد اور ظاہر الروایۃ کی دلیل آیت قرانیہ ہے۔

تیسری بات یہ کہ ''صریح نصوص کی موجودگی میں بے وزن معلوم ہوتا ہے'' یہ صریح نصوص کون سے ہیں؟ ایک آیت "لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ" کے علاوہ کون سا نص ظاہر الروایۃ کی دلیل ہے؟ اور اس نص کا بھی صاحب ہدایہ نے جواب دیا ہے کہ یہ مؤول ہے اسے بھی دیکھ لیا جائے۔

چوتھی بات یہ کہ ''حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی میں اس قول پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے لہٰذا سائل کا بعض فقہاء کے قول کو لے کر احناف کے مذہب پر اشکالات وارد کرنا صحیح نہیں'' اس عبارت میں حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو تو لے لیا گیا دوسری طرف "مرغینانی، ابن الھمام، ابن نجیم، طحطاوی، شامی رحمۃ اللہ علیہم "سب کے سب معتمد علیہم فی الفتوی حضرات کو بعض فقہاء بنا دیا گیا اور پھر ان بعض کے مذہب کو اس طرح لکھا گیا ہے جس سے احساس کمتری کا شبہ ہو رہا ہے۔ جبکہ بات واضح ہے بیوی کے مرغی یا دال کھانے سے فتوی تبدیل نہیں ہوتا۔ ملفوفہ مسئلہ میں سائل نے عقلی اشکالات کئے ہیں لیکن جب دوسری طرف اتنے بڑے بڑے حضرات ایک بات کہہ رہے ہیں ان کے پاس نقلی و عقلی دلائل ہیں اور وہ مخالف کے دلائل کا جواب بھی لکھ رہے ہیں اور پھر بحر، بدائع، ہدایہ، شامیہ میں اسے مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، اس پر ایسے الفاظ لکھ دینا مجیب کی طرف سے تسامح معلوم ہوتا ہے۔

مفتی صاحب میرے سوال میں اگر کوئی سخت لفظ آ گیا ہو تو معذرت خواہ ہوں مجھے ایسے سوال لکھنے کا طریقہ نہیں آتا ...... ازراہ کرم شفقت فرماتے ہوئے میرے چاروں اشکالات کے جواب دے دیں اور ان میں پوچھی گئی باتوں کی تعیین کر دیں اور آخر میں بتا دیں کہ وہ کون سے بعض یا اکثر فقہاء ہیں جنہوں نے ظاہر الروایۃ پر فتوی دیا ہے، کیونکہ دوسری روایت کو مفتی بہ قرار دینے والوں کے نام میں نے لکھ دیئے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اوّلاً تنقیح مسئلہ ضروری ہے ورنہ مسئلہ میں موجود اغلاق مزید پیچیدگی کا سبب بنے گا، دراصل حقوق الزوجین میں شوہر پر بیوی کو جو نفقہ دینا ہوتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

نفقہ کی دو صورتوں کا بیان

(١) پہلی صورت یہ ہے کہ ایک بیوی ہو اور اسے نفقہ دینا ہو اس میں میاں، بیوی دونوں کی مالداری اور فقر کے اعتبار سے حالت کو مدنظر رکھا جائے گا یا صرف شوہر کی حالت کا لحاظ ہوگا ...... الخ اس صورت سے فقہاء ''باب النفقۃ'' میں بحث کرتے ہیں اور اس میں مجتہدین حنفیہ کے اقوال اور مفتی بہ کا تعین یہیں باب النفقۃ میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کو نفقہ کس طرح دینا ہوگا، سب بیویوں میں عدل کرنا ہوگا یا ہر بیوی کی حالت غناء اور فقر کو مدنظر رکھ کر ہر بیوی کا الگ الگ تعین ہوگا (جو کہ لازماً تمام بیویوں میں تفریق کا سبب ہوگا) اس مسئلہ سے فقہاء ''باب القسم'' یعنی متعدد بیویوں میں حقوق کی تقسیم کے باب میں بحث کرتے ہیں اور اس سلسلے میں راجح یا مرجوح کا ذکر ''باب القسم'' میں ہی ہوتا ہے۔

ہم دونوں صورتوں اور اس سے متعلق تفصیلات کا الگ الگ ذکر کریں گے پہلے ہم باب النفقۃ میں موجود ایک بیوی کی صورت میں موجود تفصیلات ذکر کرتے ہیں۔

[۱] باب النفقة

اگر کسی شخص کی ایک بیوی ہو تو اسے نفقہ دینے میں میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا یا صرف میاں کی حالت کا اعتبار ہوگا یا صرف بیوی کی حالت کو مدنظر رکھا جائیگا، اس سلسلے میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا جبکہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق میاں بیوی دونوں کی حالت کو مدنظر رکھا جائیگا اور بعض حضرات نے اس قول کو بھی لیا ہے کہ صرف بیوی کی حالت کا اعتبار ہوگا۔

میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کرنے کے اعتبار سے مسئلے کی چار صورتیں بنیں گی:

(۱) دونوں مالدار ہوں۔

(۲) دونوں غریب ہوں۔

(۳) شوہر مالدار، بیوی غریب ہو۔

(۴) بیوی مالدار، شوہر غریب ہو۔

ان چار میں سے پہلی دو صورتوں میں تو ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق کوئی فرق نہ ہوگا۔ پہلی صورت میں مالداروں والا نفقہ دینا ہوگا، ظاہر الروایۃ کے مطابق تو اس لئے کیونکہ شوہر مالدار ہے اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس لئے کیونکہ دونوں مالدار ہیں۔ دوسری صورت میں غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا، ظاہر الروایۃ کے مطابق شوہر غریب ہے اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق دونوں غریب ہیں۔

ثمرہ اختلاف

اختلاف کا ثمرہ تیسری اور چوتھی صورت میں ظاہر ہوگا، ظاہر الروایۃ کے مطابق تو جواب واضح ہے کہ صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہے لہٰذا تیسری صورت میں شوہر کے مالدار ہونے کی وجہ سے مالداروں والا نفقہ اور چوتھی صورت میں شوہر کے غریب ہونے کی وجہ

Marfat.com

سے غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا (نفقہ سے مراد کھانا، رہائش اور کپڑے وغیرہ ہیں)۔

البتہ اس تیسری اور چوتھی صورت میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق کیا کیا جائیگا؟ تو تیسری صورت میں جبکہ شوہر مالدار اور بیوی غریب ہو اس صورت میں اگرچہ شوہر امیر ہے لیکن دونوں کی حالت کا اعتبار ہے لہٰذا شوہر پر متوسط قسم کا نفقہ دینا ضروری ہوگا یعنی اپنی حیثیت سے کم اور بیوی کی حیثیت سے زیادہ درمیانی نفقہ دینا ہوگا۔ فقہاء نے اس کی بہت سے مثالیں دی ہیں۔ ہم ایک مثال صرف سمجھانے کے لئے ذکر کرتے ہیں۔ بالفرض امیر لوگوں کے ایک کپڑے کی قیمت دس ہزار ہے اور غریب عورتوں کی ایک ہزار، جبکہ متوسط عورتیں پانچ ہزار کا کپڑا پہنتی ہیں۔ اب اگر شوہر امیر ہے بیوی غریب ہے تو شوہر نہ بیوی کو دس ہزار والا کپڑا دلائے گا اور نہ ایک ہزار والا بلکہ پانچ ہزار والا متوسط کپڑا دلائے گا۔ نیز چوتھی صورت میں جبکہ شوہر غریب ہو اور بیوی امیر ہو اس صورت میں بھی شوہر پر متوسط قسم کا نفقہ بیوی کو دینا ہوگا، یہاں یہ اشکال ذہن میں آسکتا ہے کہ شوہر تو غریب ہے ایک ہزار کے جوڑے کی حیثیت والا ہے اور بیوی امیر ہے دس ہزار والا جوڑا پہنتی ہے تو متوسط یعنی پانچ ہزار والے جوڑے کے پیسے یہ غریب شوہر کیسے لائے گا اس کے پاس تو ایک ہزار ہی ہیں یہ تکلیف مالا یطاق ہے !!!!!......اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر قرض لے گا یا بیوی اپنے پیسوں سے متوسط نفقہ کی مقدار خرچ کرے گی اور شوہر بعد از وسعت یہ قرض اداء کرے گا، اس طرح یہ شوہر پر تکلیف مالا یطاق نہیں بلکہ شوہر قرض لے کر بیوی کو متوسط نفقہ دینے پر قادر ہے۔

(نوٹ: کپڑے کی مثال صرف بات سمجھانے کے لئے دی گئی ہے قیمت کا فرق عرف وغیرہ کے اعتبار سے ملحوظ رکھنا ہوگا اپنے عرف کے اعتبار سے امیر، متوسط اور غریب کے نفقہ کا فرق پہچانا جاسکتا ہے)۔

ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مسئلے کی چار صورتیں

لہٰذا اس تفصیل کی روشنی میں ظاہر الروایۃ کے مطابق چاروں صورتوں کا خلاصہ یہ ہوگا۔

(۱) شوہر اور بیوی دونوں مالدار ہوں۔ (مالداروں والا نفقہ دینا ہوگا)

(۲) شوہر اور بیوی دونوں غریب ہوں۔ (غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا)

(۳) شوہر امیر اور بیوی غریب ہو۔ (امیروں والا نفقہ دینا ہوگا)

(۴) شوہر غریب اور بیوی امیر ہو۔ (غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا)

قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق جواب کا خلاصہ یہ ہوگا۔

(۱) شوہر اور بیوی دونوں مالدار ہوں۔ (مالداروں والا نفقہ)

(۲) شوہر اور بیوی دونوں غریب ہوں۔ (غریبوں والا نفقہ)

(۳) شوہر امیر اور بیوی غریب ہو۔ (متوسط نفقہ دینا ہوگا)

Marfat.com

(۴) شوہر غریب اور بیوی امیر ہو۔ (متوسط نفقہ دینا ہوگا)

ظاہر الروایۃ کے دلائل کا بیان

ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل پر بھی ایک نظر کر لی جائے:

ظاہر الروایۃ کے مطابق صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہے۔ دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) قال اللہ تعالیٰ: لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ (الطلاق: ۷)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (البقرۃ: ۲۳۶)

(۳) ظاہر الروایۃ کے مطابق صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہے اس کی عقلی وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ بیوی جب اس شخص سے شادی پر راضی ہوگئی تو اب وہ امیر ہے یا غریب اپنے اعتبار سے خرچ کرے گا، قران پاک کے بہت سے صریح نصوص اسی پر دال ہیں ایک مقام پر ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ (سورۃ الطلاق: ۶)

لہٰذا اب اگر شوہر غریب اور بیوی مالدار ہے تو یہ کہنا کہ شوہر پر بیوی کو غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا کیونکہ وہ خود شادی پر راضی ہوئی ہے یہ اس سے زیادہ آسان ہے کہ ہم شوہر پر متوسط نفقہ واجب کر دیں جس کے لئے اس غریب کو قرض لینا پڑے۔

قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کا بیان

قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق میاں، بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہے ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے نفقہ نہ دینے پر ان سے فرمایا تھا:

"خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف" [بخاری ۲/۸۰۸]

(باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها بالمعروف)

اپنے شوہر کے مال سے معروف طریقے پر اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو جائے، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معروف طریقے سے (عورت کی کفایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے) شوہر کے مال سے لے لینے کا حکم ارشاد فرمایا ہے جو کہ اس بات پر دال ہے کہ میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہے اور حدیث میں معروف کے لفظ سے وسط مراد ہے۔

(۲) قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر بیوی فقیرہ ہے تو وہ شوہر کی طرف سے مالداروں والے نفقے کی ضرورت مند نہیں بلکہ متوسط بھی اس کی کفایت سے زیادہ ہے پھر مالداروں والا نفقہ دینا کوئی معنی نہیں رکھتا لہٰذا متوسط نفقہ دیا جائے گا۔

Marfat.com

(۳) قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ نص ''لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ'' میں صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہے اور وہ بھی بقدر وسعت ، لہٰذا اگر شوہر غریب اور بیوی مالدار ہے تو شوہر کو متوسط نفقہ دینے پر مجبور کرنا نص کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر جتنا دے سکتا ہے وہ ابھی دے گا باقی شوہر کے ذمے قرض ہے جو بعد از وسعت اداء کرے گا لہٰذا نص کے موجب پر عمل ہو رہا ہے فی الحال شوہر کو اتنا ہی دینے کا کہا جا رہا ہے جو اس کے پاس ہے باقی اس کے ذمے قرض ہے۔

یہاں تک تو ہم نے ایک بیوی کو نفقہ دینے سے متعلق ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف، ثمرہ اختلاف، دلائل، اشکال اور ان کے جوابات ذکر کر دیئے آخری اور اہم مرحلہ ان میں سے مفتی بہ کونسا قول ہے؟ اس کا ہے۔

مسئلہ ھذا میں مفتی بہ قول کا بیان

مسئلہ زیر بحث میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ مفتی بہ ہے۔ اعلام فقہاء احناف **رحمھم اللہ** نے اسی پر فتوی نقل کیا ہے لہٰذا ایک بیوی کو نفقہ دینے میں شوہر اور بیوی دونوں کے غناء اور فقر کو دیکھا جائیگا۔ ہماری تحقیق کے مطابق سب سے پہلے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے قول خصاف پر فتوی نقل کیا ہے جس کے بعد تمام متاخرین اسی پر فتوی نقل کرتے آئے ہیں سوائے بعض فقہاء کے جن کا ذکر ہم اگلی سطور میں کریں گے، البتہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ سے قبل ان دونوں اقوال کا ذکر ملتا ہے لیکن مفتی بہ ہونے کی صراحت کہیں نہیں۔

قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دینے والے فقہاء

مسئلہ ہذا میں درج ذیل حضرات نے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دیا ہے:

(۱) ہدایہ (۲) تبیین الحقائق (۳) فتح القدیر (۴) عنایۃ (۵) النہر الفائق

(۶) البحر الرائق (۷) الجوہرۃ النیرۃ (۸) مجمع الانہر (۹) ہندیہ (۱۰) طحطاوی علی الدر

(۱۱) شامیہ

ان حضرات نے مسئلہ ہذا میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ محیط برہانی، خانیہ اور تاتارخانیہ میں بھی مسئلہ ہذا میں اختلاف ذکر ہے، لیکن کسی قول پر فتوے کی صراحت نہیں۔ البتہ سراجیہ اور البنایۃ علی الھدایۃ میں بظاہر ظاہر الروایۃ کو ترجیح دی گئی ہے، نیز بدائع الصنائع میں ظاہر الروایۃ کی تصحیح قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں نقل ہے۔ محیط اور تاتارخانیہ میں کسی قول پر فتوی تو نقل نہیں البتہ مسئلہ ہذا سے متعلق ایک اہم بات یہ نقل ہے کہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ان کی کتاب ''ادب القاضی'' سے لیا گیا ہے اور ادب القاضی میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے اشارات متعارض ہیں، یعنی امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں خود تعارض ہے۔ ایک جگہ وہ صرف شوہر کی حالت کے اعتبار کا قول کرتے ہیں تو ایک جگہ انہوں نے میاں، بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔

Marfat.com

محیط اور تاتارخانیہ میں مذکور یہ بات ''باب النفقہ'' میں بھی خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مشتبہ کر دیتی ہے۔ ہم یہاں تک بحث کو روک دیتے ہیں۔ ایک بیوی سے نفقہ سے متعلق ''باب النفقۃ'' کی ابحاث کا خلاصہ اور حاصل ہم نے یہاں تک ذکر کر دیا، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ چند کتب کے باب النفقۃ سے حوالہ جات یہاں نقل کر دیئے جائیں تاکہ بات سمجھنا آسان ہو جائے۔ ہم محیط برھانی، ہدایہ، بدائع الصنائع اور بنایہ کی باب النفقۃ میں ذکر عبارات من وعن نقل کر رہے ہیں:

محیط میں ہے:

"ثم في ظاهر روايتا لأصل المعتبر في فرض النفقة حال الزوج في اليسار والإعسار، وهكذا ذكر في شرح القدوري وهذا لقوله تعالى: {على الموسع قدره وعلى المقتر قدره} (البقرة:۲۳۶) وقال الله تعالى: {فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا إلا ما آتاها} (الطلاق:۷) وذكر الخصاف في النفقات أنه يعتبر حالهما في اليسار والإعسار حتى لو كانا موسرين كان لها نفقة الموسرين، ولو كانا معسرين فلها نفقة المعسرين، وإن كانت موسرة والزوج معسر يفرض لها فوق ما يفرض لو كانت معسرة فيقال له: لا تكلف لان تطعمها خبز البر وباجة أوباجتين فهذا هو معنى اعتبار حالهما، واشارات الخصاف۔۔۔۔قال في الكتاب: وكل جواب عرفته في فرض النفقة من اعتبار حال الزوج أو اعتبار حالها فهو الجواب في الكسوة إذ المعنى لا يختلف"

(المحیط البرهانی ۲۸۷/۴)

ہدایہ میں ہے:

"(ويعتبر في ذلك حالهما) جميعا قال العبد الضعيف وهذا اختيار الخصاف وعليه الفتوى وتفسيره أنهما إذا كانا موسرين ۔۔۔ وقال الكرخي رحمه الله يعتبر حال الزوج وهو قول الشافعي رحمه الله لقوله تعالى { لينفق ذو سعة من سعته} وجه الأول قوله عليه الصلاة والسلام لهند امرأة أبي سفيان رضي الله عنه خذي من مال زوجك ما يكفيك وولدك بالمعروف اعتبر حالها وهو الفقه فإن النفقة تجب بطريق الكفاية والفقيرة لا تفتقر إلى كفاية الموسرات فلا معنى للزيادة وأما النص فنحن نقول بموجبه أنه يخاطب بقدر وسعه والباقي دين في ذمته ومعنى قوله بالمعروف الوسط وهو الواجب وبه يتبين أنه لا معنى للتقدير كما ذهب إليه الشافعي رحمه الله"

(الهداية المطبوع مع فتح القدير ۴۲۳/۳)

بدائع میں ہے:

"وأما الثاني وهو بيان من يقدر به هذه النفقة فقد اختلف فيه أيضا ذكر الكرخي أن قدر

Marfat.com

النفقة والكسوة يعتبر بحال الزوج في يساره وإعساره لا بحالها وهو قول الشافعي أيضاوذكر الخصاف أنه يعتبر بحالهما جميعا حتى لو كانا موسرين فعليه نفقة اليسار وإن كانا معسرين فعليه نفقة الإعسار وكذلك إذا كان الزوج معسرا والمرأة موسرة ولا خلاف في هذه الجملة فأما إذا كان الزوج موسرا والمرأة معسرة فعليه نفقة اليسار على ما ذكره الكرخي وعلى قول الخصاف عليه أدنى من نفقة الموسرات وأوسع من نفقة المعسرين --- وجه قول الخصاف إن في اعتبار حالتهما في تقدير النفقة والكسوة نظرا من الجانبين فكان أولى من اعتبار حال أحدهما و الصحيح ما ذكره الكرخي لقوله تعالى { لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا إلا ما آتاها } وهذا نص في الباب" (بدائع الصنائع ۱۵۲/۵)

البنایہ میں ہے:

"(وهذا اختيار الخصاف وعليه الفتوى) أي على اختيار الخصاف الفتوى وظاهر الرواية عن أصحابنا اعتبار حال الرجل في اليسار والإعسار دون حال المرأة. وبه صرح محمد في الأصل والحاكم في " الكافي " وصاحب " الشامل " في قسم المبسوط، والإمام الإسبيجابي في " شرح الطحاوي " وإليه ذهب الكرخي وكثير من مشايخنا المتأخرين، كصاحب " التحفة " وصاحب " النافع " وغيرهم، وهو قول الشافعي." (البناية شرح الهداية ۸۵۶/۴)

یہ تھیں مسئلہ ہذا میں بعض کتب کی عبارات جو آپ نے مطالعہ فرمائیں۔ بہر حال ہدایہ میں جو بحث مسئلہ ہذا میں نقل کی گئی ہے اسے تقریبا اکثر متاخرین احناف نے لیا ہے۔ فتح القدیر، البحر الرائق، تبیین الحقائق، ہندیہ، طحطاوی اور شامیہ میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ پر ہی فتوی نقل کیا گیا ہے لہذا ایک بیوی کو نفقہ دینے سے متعلق اسی پر فتوی ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہے۔ باقی کتب کے حوالہ جات مسئلے کے آخر میں نقل کر دیئے گئے ہیں وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔

مطلقہ عورت کو متعہ دینے سے متعلق بھی مذکورہ اختلاف اور قولِ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کی ترجیح

نیز مطلقہ عورت کو متعہ دینے کے مسئلے میں بھی فقہاء نے قولِ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"قوله (وتعتبر المتعة بحالهما) أي فإن كانا غنيين فلها الأعلى من الثياب أو فقيرين فالأدنى أو مختلفين فالوسط وما ذكره قول الخصاف وفي الفتح إنه الأشبه بالفقه والكرخي اعتبر حالها واختاره القدوري والإمام السرخسي اعتبر حاله وصححه في الهداية قال في البحر فقد اختلف

Marfat.com

الترجيح والأرجح قول الخصاف لأن الولوالجي صححه وقال وعليه الفتوى كما أفتوا به في النفقة" [شامية ۳/۱۱۱]

مسئلہ سے متعلق تفصیلات اور مفتی بہ کا تعین یہاں تک ختم ہوا۔ مسئلے میں جو مالہ اور ماعلیہ تھے مختصراً ذکر کردیے گئے، اب ہم ایک سے زائد بیویوں سے متعلق باب القسم پر بحث وتنقیح پیش کریں گے، اس کے بعد باب النفقۃ اور باب القسم سے متعلق چند باتیں مشترکہ طور پر احقر پر بعد از تحقیق وتفحص واضح ہوئی ہیں انہیں سپرد قرطاس کردیا جائیگا اور آپ کے استفتاء میں ذکر کردہ اشکالات اور خلط مبحث کا بھی تفصیلی جائزہ لیا جائیگا۔

[۲] باب القسم

حقوق الزوجین میں بیوی کے نفقے سے متعلق یہ دوسری صورت ہے اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اب انہیں نفقہ دینے میں میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا یا صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا؟ اگر دونوں کی حالت کا اعتبار ہوتو ہر بیوی اور شوہر کی حالت کا الگ الگ جائزہ لیا جائیگا اور ہر بیوی کا نفقہ الگ متعین ہوگا، اس صورت میں تمام بیویوں میں نفقہ میں مساوات نہ ہوگی مثلاً ایک امیر شخص ہے اس کی دو بیویاں ہیں ایک امیر اور ایک غریب، تو امیر کو امیروں والا نفقہ دے گا اور غریب کو متوسط قسم کا نفقہ دینا ہوگا لہٰذا دونوں بیویوں کے درمیان نفقہ، طعام، رہائش اور کپڑے وغیرہ میں تفاوت ہوگا۔

اور اگر صرف شوہر کی حالت کا اعتبار ہو تو پھر تمام بیویوں میں ہر چیز میں مساوات ہوگی پس شوہر اگر امیر ہے تو تمام بیویوں کو امیروں والا نفقہ دے گا اور اگر شوہر غریب ہے تو غریبوں والا نفقہ دینا ہوگا۔

اس پورے مسئلے کو فقہاء ''باب القسم'' میں ذکر کرتے ہیں، یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ کسی بھی فقیہ نے باب النفقۃ میں (ایک بیوی کو نفقہ دینے میں ظاہر الروایۃ اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد) ''باب النفقہ'' میں ہی اسے ذکر نہیں کیا بلکہ ''باب القسم'' میں بعض فقہاء نے اس اختلاف کو ذکر کردیا ہے جبکہ بعض فقہاء نے باب القسم میں بھی اس اختلاف کو ذکر نہیں کیا اور بعض فقہاء نے مطلقاً دو بیویوں میں نفقہ وغیرہ میں عدل کا قول کیا ہے۔

متعدد بیویوں سے متعلق باب القسم میں مذکور اختلاف سے متعلق اصحاب کتب کے تین گروہ

گویا کہ اس باب میں فقہاء کے تین گروہ ہیں:

(۱) وہ فقہاء جنہوں نے ''باب القسم'' میں قول خصاف اور ظاہر الروایۃ کے اس اختلاف کو ذکر کیا ہے اور قول خصاف کو ترجیح دی ہے۔

(۲) وہ فقہاء جنہوں نے باب القسم میں اس اختلاف کو ذکر نہیں کیا۔

Marfat.com

(۳) وہ فقہاء جنہوں نے ''باب القسم'' میں مطلقا دو بیویوں میں نفقہ وغیرہ میں عدل کا قول کیا ہے۔

یہاں تک ذکر کردہ تنقیح مسئلہ اگر ملحوظ رہے تو آگے بات سمجھنا آسان ہوگی۔ یہ بات تو سامنے آگئی کہ گزشتہ صفحات میں ذکر ''باب النفقۃ'' کے حوالوں میں کسی بھی کتاب میں ''باب النفقہ'' میں دو بیویوں کے نفقہ میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ یا ظاہر الروایۃ کا کچھ ذکر نہیں۔ یہ بحث اگر ہے تو بعض کتب میں ''باب القسم'' میں اسے لیا گیا ہے۔

پہلے ہم ان حضرات کا نام ذکر کردیں جنہوں نے ''باب القسم'' میں بھی یہ اختلاف ذکر کر کے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ ہونے کو ذکر کیا ہے:

(۱) تبیین الحقائق (۲) النہر الفائق (۳) البحر الرائق (۴) طحطاوی علی الدر (۵) شامیہ

ان حضرات نے ''باب القسم'' میں بھی ''باب النفقہ'' والا اختلاف نقل کر کے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دیا ہے اور عدل بین الزوجات فی النفقہ کی نفی کی ہے۔ اس کے علاوہ درج ذیل حضرات وہ ہیں جنہوں نے ''باب القسم'' میں نفقہ میں عدل یا غیر عدل کی بحث کو چھیڑا ہی نہیں بلکہ باب القسم میں فقط رات گزارنے میں مساوات کا ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے:

(۱) محیط برھانی (۲) خانیہ (۳) ہدایہ
(۴) فتح القدیر (۵) ملتقی الابحر (۶) عنایۃ
(۷) بنایہ (۸) ہندیہ

درج بالا کتب میں دو بیویوں کے نفقہ سے متعلق کسی قسم کا ذکر نہیں۔

اس کے علاوہ اب ہم ان حضرات فقہاء کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے ''باب القسم'' میں عدل بین الزوجات کے قول کو لیا ہے اور خصاف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترک کر دیا ہے۔

(۱) تاتارخانیہ (۲) بدائع الصنائع (۳) ولوالجیہ (۴) سراجیہ (۵) مجمع الانہر
(۶) الجوہرۃ النیرۃ (۷) الدر المختار

یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے قسم کے باب میں نفقہ میں دو بیویوں کے درمیان مطلقا عدل کے قول کو لیا ہے، اور ظاہر الروایۃ کے مطابق شوہر کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بدائع الصنائع اور پھر شامیہ سے درمختار اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کی عبارات نقل کر دی جائیں، مسئلے پر مزید بحث اس کے بعد کی جائیگی۔

بدائع ''باب القسم'' میں ہے:

"ومنها وجوب العدل بين النساء في حقوقهن وجملة الكلام فيه أن الرجل لا يخلو إما أن يكون له أكثر من امرأة واحدة واما ان كانت له امرأة واحدة فإن كان له أكثر من امرأة فعليه العدل بينهن في حقوقهن من القسم والنفقة والكسوة وهو التسوية بينهن في ذلك حتى لو

Marfat.com

كانت تحته امرأتان حرتان أو أمتان يجب عليه أن يعدل بينهما في المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة والأصل فيه قوله تعالى {فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة}"

(بدائع الصنائع ۲/۶۰۸)

درمختار میں ہے:

"(يجب) وظاهر الآية أنه فرض نهر (أن يعدل) أي أن لا يجور (فيه) أي في القسم بالتسوية في البيتوتة (وفي الملبوس والمأكول) والصحبة ۔الخ۔"

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"(قوله وفي الملبوس والمأكول) أي والسكنى ، ولو عبر بالنفقة لشمل الكل ۔۔۔ قال في البحر قال في البدائع يجب عليه التسوية بين الحرتين والأمتين في المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة وهكذا ذكر الولوالجي والحق أنه على قول من اعتبر حال الرجل وحده في النفقة وأما على القول المفتى به من اعتبار حالهما فلا فإنه إحداهما قد تكون غنية والأخرى فقيرة فلا يلزم التسوية بينهما مطلقا في النفقة ۔" (شامية ۳/۲۰۳)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اعلاء السنن'' اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''بذل المجہود'' باب القسم میں تسویہ اور عدل فی النفقہ کے قول کو ہی اختیار فرمایا ہے۔

[تنبیہ] باب القسم میں نقلاً وعقلاً ظاہر الروایہ کی ترجیح

یہاں راقم الحروف یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ نقلاً وعقلاً ہر اعتبار سے قسم کے باب میں ظاہر الروایۃ کو ہی لینا راجح اور صواب معلوم ہوتا ہے۔ بے شمار آیاتِ قرآنیہ اور احادیث مبارکہ عدل بین الزوجات پر صریح دال ہیں۔ قسم کے باب میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لینا جو کہ عدل بین الزوجات کے منافی ہے درست معلوم نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۔ (النساء:۳)

''عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کرلو، دو، دو عورتوں سے اور تین، تین عورتوں سے اور چار، چار عورتوں سے۔ پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ تم عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو'' (ترجمہ از بیان القرآن)

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"اللهم هذه قسمتي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك" (ترمذی ۱/۲۱۷)

''اے اللہ یہ میری تقسیم ہے اس میں جس کا میں مالک ہوں پس میرا مؤاخذہ نہ کرنا اس پر جس کا تو مالک ہے اور میں اس کا مالک نہیں''

ایک اور حدیث میں ہے:

"من كانت له امرأتان فمال إلى إحداهما جاء يوم القيامة وشقه مائل" (ابوداؤد)

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے دن آئیگا اور اس کی ایک جانب جھکی ہوگی''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابرین امت متعدد بیویوں میں از حد استطاعت مساوات فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت میں کچھ زیادتی ہونے پر بھی اللہ تعالیٰ سے عدم مؤاخذہ کی دعا مانگی جبکہ محبت استطاعت سے خارج شئ ہے، پھر نان نفقہ جو کہ عدل میں بنیادی حیثیت کی حامل شئ ہے اس میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لے کر مساوات کو ضروری قرار نہ دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ صرف رات گزارنے میں قسم کا اعتبار کرنے سے قرآن پاک کی آیت "وَلَن تَسْتَطِيعُوٓا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ" اور "فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا" کا مطلب مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ صرف رات گزارنے میں مساوات تو کوئی اتنا مشکل کام نہیں کہ اس پر یہ آیات نازل ہوں۔ نیز تاتارخانیہ، بدائع، فتاوی ولوالجیہ، سراجیہ، مجمع الانہر، الجوہرۃ النیرۃ اور الدر المختار میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ صرف شوہر کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے ایک سے زائد بیویوں میں مساوات ضروری ہوگی۔

امام خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول خود متعارض ہے

نیز محیط اور تاتارخانیہ کے حوالے سے گذر چکا کہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول خود متعارض ہے، وہ اپنی کتاب ''ادب القاضی'' میں کہیں میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کرنا ذکر کرتے ہیں تو کہیں ظاہر الروایۃ کی طرح صرف شوہر کی حالت کا اعتبار کرتے ہیں لہٰذا ان کے اپنے اقوال میں تعارض نفقہ میں ہی ان کے قول کو مشتبہ کر دیتا ہے چہ جائیکہ قسم میں بھی اسے لے لیا جائے۔

لہٰذا احقر کی ناقص رائے میں قسم کے باب میں اسی قول کو لینا مناسب ہے کہ تمام بیویوں میں مساوات کی جائے چاہے ایک امیر اور ایک غریب ہو، دونوں کو رہائش، طعام اور کپڑے وغیرہ میں ایک ہی طرح کا انتظام کیا جائے، یہی شرعی نصوص اور فقہی عبارات سے قریب تر ہے۔ یہی علماء پاک و ہند کی رائے ہے۔

Marfat.com

متعدد بیویوں سے متعلق اردو فتاوی میں اختیار کردہ رائے کا بیان

فتاوی دارالعلوم دیوبند[۸/ ۲۸۹] پر باب: بیویوں میں عدل ومساوات پر حقوق الزوجین کے تحت بہت سے فتاوی میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی رائے اختیار فرمائی ہے، نیز فتاوی محمودیہ [۱۳/ ۴۳۵] پر بھی تسویہ بین الزوجین فی النفقہ کا فتوی موجود ہے اور امداد الفتاوی [۲/ ۵۲۹] پر "نفقۃ الزوجین میں تسویہ کی تحقیق" کے عنوان سے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے امداد الفتاوی میں موجود اس فتوے کا چونکہ متدرکہ فتوے میں بھی ذکر تھا لہٰذا احقر یہاں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل فتوی نقل کر رہا ہے۔

عنوان: نفقہ زوجین میں تسویہ کی تحقیق

سوال: فقہ کی اکثر کتابوں میں یہ دیکھا ہے اور غالبا جناب کی بھی زبان سے سنا ہے کہ نفقہ میں دونوں بیویوں کو برابر رکھنا چاہیئے لیکن شامی میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے " والحق انه علی قول من اعتبر حال الرجل وحده فی النفقة واما علی القول المفتی به من اعتبار حالهما فلا. فان احدهما قد تکون غنیة والاخری فقیرة فلا یلزم التسویة بینهما مطلقا فی النفقة "۔ اور یہی عبارت بحر الرائق میں بھی ہے اس کا مفہوم تو میں یہ سمجھا کہ قول مفتی بہ یہ ہے کہ نفقہ کے بارے میں دونوں بیویوں کی حیثیت دیکھی جائے گی اور مطلق مساوات ضروری نہ رہے گی اور اگر میں مفہوم سمجھا نہیں ہوں تو اس کی تصحیح فرمائی دی جائے؟

الجواب: میں نے یہ روایت آج ہی دیکھی مگر دیکھنے کے بعد بھی رائے سابق نہیں بدلی وجہ خدشہ یہ ہے کہ اول تو یہ مسئلہ اپنے اصل سے باب القسم یعنی العدل کا نہیں باب النفقہ کا ہے جس میں زوجہ کے یسار اور اعسار کی بحث بمقابلہ زوج کے ہے جس میں نفقہ کی مؤنت ہے زوجہ کا حق اور زوج کی مؤنت دونوں پر نظر کر کے بحث پیدا ہو گئی۔ اس پر باب القسم کے جزئیہ کو قیاس کر لیا گیا اور قیاس کرنے والے بھی نہ مجتہدین ہیں نہ مرجحین تو اول تو خود اصل مسئلہ قیاسی جو کہ ظنی تھا پھر اس قیاسی پر قیاس کرنے سے جو حاصل ہوگا وہ اصل سے بھی ضعیف ہو کر اضعف ہو جائیگا۔ خصوصا جب قائس بھی ضعیف ہو پھر خود صحت قیاس کی ایک فارق کی وجہ سے متکلم فیہ بھی ہے وہ فارق یہ ہے کہ اصل میں مقابلہ ہے من علیہ الحق و من لہ الحق کا اور ان دونوں کی بناؤں میں تساوی نہیں اس لئے وجہ تعدیل میں اختلاف ہو سکتا ہے ہر قائل نے دونوں بناؤں کی رعایت کا طریق تجویز کرنے میں مختلف رائے قائم کی جس میں اہل معاملہ میں سے کسی کی ترجیح کسی پر لازم نہیں آتی اور یہاں مقابلہ ہے ایک من لہ الحق کا دوسری من لہ الحق سے جو بناء استحقاق میں متساوی ہیں پھر باوجود تساوی فی بناء الاستحقاق محض ایک وصف خارج یعنی یسار کی وجہ

Marfat.com

سے جس کا بناء استحقاق پر کوئی اثر نہیں ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ابطال ہے بناء استحقاق کا ایک وصف خارج کے سبب جو ترجیح بلا مرجح ہے۔ غرض قیاس کی صحت بھی ضعیف پھر قائس بھی ضعیف اور قیاس در قیاس کی وجہ سے بھی ضعف مسئلے میں اتنے ضعف پھر وجوب عدل سے تعارض کیونکہ وہ نصوص اپنے اطلاق سے اس صورت کو بھی شامل ہیں کہ ایک موسرہ ہو اور ایک فقیرہ اور تخصیص وتقیید کی کوئی دلیل نہیں اس لئے یہ حکم سخت مخدوش ہے پھر دوسرے قواعد اس کو مقتضی ہیں کہ اگر اس حکم پر عمل بھی کیا جاوے تو زوج کی رائے پر اس کا مدار نہ رکھا جاوے گا بلکہ قضاء قاضی کی حاجت ہوگی کیونکہ اس صورت میں جو فقیرہ کی طرف سے نزاع ہوگا کہ وہ دوسرے قول کو لینا چاہے گی اس کا قاطع صرف قضاء قاضی ہو سکتا ہے اور عجب نہیں کہ اسی احتمال نزاع کی بناء پر اصل مسئلہ میں بھی قضاء قاضی شرط ہو گو میں نے منقول نہیں دیکھا شاید تلاش سے مل جاوے لیکن باوجود اس کے اگر کسی مفتی کو اس قول میں شرح صدر پیدا ہو جاوے اور عامی کو اس کے فتوے میں شرح صدر ہو جاوے تو افتاء اور اخذ جائز ہے۔

(امداد الفتاوی ۲/ ۵۲۹)

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی آپ نے مطالعہ کیا اس میں حضرت نے نفقے کے باب میں بھی قول خصافؒ کو ظنی قیاسی اور ضعیف تک تحریر فرما دیا ہے نیز قسم کے باب میں تو اس پر عمل کو اضعف قرار دیا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی کے مطابق نفقے میں ہی یہ قول قیاس ہے اور قسم میں اسے لینا قیاس در قیاس ہے۔

ایک وضاحت اور بعض اشکالات کا بیان

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ فی الوقت ہم نفقہ میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دینے پر بحث نہیں کرتے کیونکہ صاحب ھدایہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اکثر متاخرین حنفیہ نے اسے مفتی بہ قرار دیا ہے اگرچہ اس پر اشکالات وارد ہوتے ہیں مثلاً ایک اشکال یہ ہے کہ اس میں آیت "لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ" پر حدیث ہند خبر واحد کے ذریعے اضافہ کیا گیا ہے خبر واحد کے ذریعے مجمل کی وضاحت تو ہو سکتی ہے لیکن صریح نص پر زیادتی درست نہیں۔

اس اشکال کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہیں لیکن جواب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ آیت سے شوہر کی حالت کا اعتبار معلوم ہوتا ہے اور حدیث سے بیوی کی حالت کا اعتبار معلوم ہو گیا لہٰذا دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائیگا۔ باقی اس جواب میں جو تفصیلات ہیں انہیں حوالہ جات میں ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔

بندہ ناچیز کی رائے میں یہ جواب وزنی نہیں ہے کیونکہ یہی تو زیادتی ہے جو خبرِ واحد کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ ظاہر الروایۃ کے مطابق صرف شوہر کی حالت کا اعتبار آیات قرآنیہ کے مطابق اور اصول استدلال حنفیہ سے قریب تر ہے۔

ایک اور اشکال قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ پر یہ بھی ہوتا ہے کہ "لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ" میں تو آپ نے حدیث ہندؓ سے

Marfat.com

اضافہ کر دیا لیکن آیت ''عَلَی الْمُوسِعِ قَدَرُہٗ وَعَلَی الْمُقْتِرِ قَدَرُہٗ'' تو اس سے زیادہ صریح ہے اس کا کیا جواب ہوگا؟

علامہ ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسکے بعد ''متاعا بالمعروف'' کے الفاظ ہیں اور معروف یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کی حالت اور اپنی حالت دونوں کا اعتبار کرتے ہوئے نفقہ لازم ہو کیونکہ معروف یہ ہے کہ مالدار کو وہ نہ دیا جائے جو فقیرہ کو دیا جارہا ہے۔ اس جواب پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔

الغرض باب النفقہ میں بھی قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لینے پر بہت سے اشکالات وارد ہوتے ہیں جنہیں حضرات فقہاء نے ذکر کر کے ان کے جوابات دیئے ہیں جن پر بحث ومباحثہ کی گنجائش موجود ہے جبکہ ظاہر الروایۃ بے غبار ہے اس پر نصوص قرآنیہ کے مطابق کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ بیوی جب شادی پر راضی ہوگئی تو شوہر کی جتنی وسعت ہوگی اتنا کھلائے گا۔ جو خود کھائے گا وہی بیوی کو کھلائے گا لیکن چونکہ تقریباً تمام متاخرین نے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو باب النفقہ میں مفتی بہ قرار دیا ہے لہٰذا احقر کے نزدیک نفقات کے باب میں اسی پر فتوی ہے کہ میاں بیوی دونوں کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے نفقہ دینا ہوگا۔ شوہر امیر اور بیوی غریب ہو تو متوسط نفقہ ہوگا، نیز شوہر غریب اور بیوی امیر ہو تب بھی متوسط نفقہ دینا ہوگا جس کے لئے شوہر قرض لے گا۔

باب القسم میں ظاہر الروایۃ کی ترجیح کی وجوہ

لیکن قسم کے باب میں ظاہر الروایۃ کو ہی لیا جائیگا اور دو بیویوں میں ان کی حالت کو مدنظر رکھنے کے بجائے شوہر حسب استطاعت دونوں کو برابر اشیاء فراہم کرے گا۔ اس کی وجوہات مختصراً درج ذیل ہیں:

(۱) قسم میں عدل کا قول آیت قرآنیہ میں موجود وجوب عدل کے موافق ہے۔

(۲) احادیث کثیرہ سے ثابت دو بیویوں میں مساوات تب ہی ممکن ہے جب ظاہر الروایۃ کو لیا جائے۔

(۳) تاتارخانیہ، بدائع، ولوالجیہ، سراجیہ، مجمع الانہر، الجوہرۃ النیرۃ اور درمختار میں عدل کے قول کو ہی لیا گیا ہے۔

(۴) اس کے علاوہ بہت سے مصنفین نے تو قسم کے باب میں اس مسئلہ کو ذکر ہی نہیں کیا۔

(۵) جن حضرات نے ذکر کیا ہے اور قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو مفتی بہ قرار دیا ہے انہوں نے قسم کو نفقہ پر ہی قیاس کیا ہے جبکہ قسم میں عدل کا وجوب یا فرضیت تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔

(۶) وجہ استحقاق (یعنی زوجیت) نفقہ میں دونوں بیویاں برابر ہیں، پھر ایک خارجی وصف مالداری کی بناء پر ایک کو زیادہ دینا اور دوسرے کو کم دینا درست معلوم نہیں ہوتا جبکہ وجہ استحقاق نفقہ یعنی زوجیت میں دونوں مساوی ہیں۔

ان مختلف وجوہ اور تصریحات فقہاء کی بناء پر احقر کی ناقص رائے میں قسم کے باب میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں لیا جائیگا نیز اردو فتاوی میں سے بھی کوئی فتوی احقر کی نظر سے ایسا نہیں گزرا جس میں قسم کے باب میں بھی قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لیا گیا ہو۔ یہ وہ کچھ تھا جو احقر پر بعد از تحقیق وتفحص ظاہر ہوا، حسب استطاعت تحریر کر دیا گیا ہے جن حضرات اعلام کا ذکر آیا یا جن کی رائے سے اختلاف کیا

Marfat.com

گیا ہے ظاہر ہے دلیل کی بناء پر کیا گیا ہے، یہ سب بہت ذیشان اور علم وعمل میں بلند مقام کے حامل تھے لیکن دلیل کی بنیاد پر اختلاف دور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے چلتا آرہا ہے اور مسئلہ زیر بحث میں بھی خود کتب حنفیہ میں دو طرح کے اقوال ہیں لہٰذا ترجیح وشواہد کا پیش کرنا ضروری امر ہے۔ راقم الحروف نے کتب فقہ سے جو اخذ کیا سامنے تحریر کر دیا۔ احقر ان مشائخ کو اپنے سر کا تاج اور ان کی شفاعت کا حصول بھی اپنے لئے بہت بڑا سرمایہ سمجھتا ہے۔ اس ساری بحث کو فقہی نظر سے مطالعہ کیا جائے یہی ہمارے اکابر کا شیوہ اور طرز عمل رہا ہے۔

سائل کے اشکالات کے جوابات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں آپ کے ذکر کردہ اشکالات کے جوابات بھی مختصراً لکھ دیئے جائیں اگرچہ پوری تحقیق کے درمیان خود ہی آپ کو اپنے سوالوں کے جوابات مل چکے ہونگے۔

(۱) پہلی بات آپ نے یہ ذکر کی کہ اکثر فقہاء کی عبارات تساوی بین الزوجات کی طرف مشیر ہیں یہ بات گزشتہ فتوے میں درست نہیں۔ اس کا جواب واضح ہو گیا کہ قسم کے باب میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول تمام فقہاء نے ذکر نہیں کیا۔ تبیین، نہر، بحر، طحطاوی اور شامیہ میں قسم کے باب میں بھی قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لیا گیا ہے جبکہ تاتارخانیہ، بدائع، ولوالجیہ، سراجیہ، مجمع الانہر، جوہرۃ اور درمختار میں عدل اور تساوی بین الزوجات کا قول لیا گیا ہے نیز اس کے علاوہ کتب میں ہماری معلومات کے مطابق قسم کے باب میں اس سے بحث ہی نہیں کی گئی لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ ہدایۃ میں بھی قسم کے باب میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیا گیا ہے یہ بات درست نہیں۔ قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو قسم کے باب میں ہدایہ، فتح القدیر وغیرہ میں ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ نیز اس تفصیل سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اکثر فقہاء نے قسم کے باب میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو لیا ہے یا تساوی بین الزوجات کے قول کو!!!!

(۲) دوسرا اشکال قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو قیاس اور پھر قسم میں بھی اسے لینے کو قیاس در قیاس کہنے کا ہے جبکہ قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ حدیث ہند رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ اس اشکال کا جواب واضح ہے کہ اسے قیاس ہم نے نہیں بلکہ حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرار دیا ہے اور یہ تمام الفاظ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے استعمال فرمائے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ آچکا ہے، اس کے یہ الفاظ دو ڑھے جائیں:

"یہ مسئلہ اپنی اصل سے باب القسم یعنی العدل کا نہیں باب النفقہ کا ہے...... اس پر باب القسم کے جزئیہ کو قیاس کر لیا گیا اور قیاس کرنے والے بھی نہ مجتہدین ہیں نہ مرجحین تو اول تو خود اصل مسئلہ قیاسی جو کہ ظنی تھا پھر اس قیاس پر قیاس کرنے سے جو حاصل ہو گا وہ اصل سے بھی اضعف ہو جائیگا۔ خصوصاً جب قائس بھی ضعیف ہو پھر خود صحت قیاس کی ایک فارق کی وجہ سے متکلم فیہ بھی ہے وہ فارق یہ ہے کہ...... الخ (امداد الفتاوی ۲/۵۲۹)

راقم عرض کرتا ہے کہ حقیقتاً دیکھا جائے تو قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ باب النفقہ میں بھی اصلاً قیاس اور عقلی بنیاد پر ہے۔ حدیث ہند

Marfat.com

سے استدلال اور نص قرآنی پر اضافہ اتنی قوت نہیں رکھتا نیز باب القسم میں بھی اس قول کو لانا قسم کو نفقہ پر ہی قیاس کرنا ہے۔

(۳) تیسرا اشکال ظاہر الروایۃ کے نصوص سے متعلق ہے اس کا جواب بھی آ گیا۔ راقم نے گزشتہ صفحات میں ظاہر الروایۃ کے مستدل نصوص اور مرجحات ذکر کر دیئے ہیں۔

(۴) چوتھا اشکال آپ نے یہ کیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے آپ نے دوسری جانب موجود اتنے بڑے بڑے فقہاء کے مذہب کو ترک کر دیا۔ گویا ایک جانب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسری جانب تمام فقہاء جنہیں فتویٰ میں بعض فقہاء لکھ دیا گیا ہے۔ اس اشکال کا جواب دینا بظاہر ضروری نہیں رہا لیکن راقم الحروف سائل کی تشفی کے لئے مختصراً ذکر کر رہا ہے۔

باب النفقۃ میں راقم کے نزدیک بھی قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ ہی مفتی بہ ہے۔ گزشتہ متصلہ فتویٰ میں بھی احقر نے نفقہ کے باب میں قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو ترک نہیں کیا بلکہ قسم کے باب میں ظاہر الروایۃ کو لیا ہے، آپ کا اشکال بظاہر باب القسم پر ہی ہے۔ راقم الحروف اوّلاً ان حضرات کا ذکر کر دے جنہوں نے نفقہ میں بھی ظاہر الروایۃ کو لیا ہے۔

بنایہ میں ہے:

"وظاهر الرواية عن أصحابنا اعتبار حال الرجل في اليسار والإعسار دون حال المرأة. وبه صرح محمد في الأصل والحاكم في " الكافي " وصاحب " الشامل " في قسم المبسوط، والإمام الإسبيجابي في " شرح الطحاوي "، وإليه ذهب الكرخي وكثير من مشايخنا المتأخرين، كصاحب "التحفة " وصاحب " النافع " وغيرهم، وهو قول الشافعي...." (البنایہ ۴/۸۵۶)

"ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ صرف مرد کا اعتبار ہوگا مالداری اور تنگ دستی میں عورت کا نہیں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصل میں یہی تصریح فرمائی ہے اور حاکم نے کافی میں، صاحب شامل نے قسم مبسوط میں اور امام اسبیجابی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الطحاوی میں یہی تصریح فرمائی ہے، کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارے بہت سے مشائخ متاخرین مثلاً صاحب تحفہ اور صاحب نافع وغیرہ نے بھی یہی مذہب اختیار کیا ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے"۔

نیز فتح القدیر میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو نفقات میں مفتی بہ قرار دیا ہے، لیکن ظاہر الروایۃ سے متعلق فرماتے ہیں:

"وقول الكرخى هو ظاهر الرواية وقال به جمع كثير من المشايخ ونص عليه محمد وقال فى التحفةانه الصحيح۔" (فتح القدیر ۴/۳۸۰)

"کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ظاہر الروایۃ ہے مشائخ کی ایک بڑی تعداد نے اسے اختیار کیا ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کی تصریح فرمائی ہے اور تحفہ میں ہے بے شک یہی قول صحیح ہے۔"

یہ تو نفقات کے باب میں تصریحات تھیں البتہ قسم کے باب میں ذکر کر دیا گیا کہ قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ کو چند حضرات فقہاء نے

Marfat.com

لیا ہے نیز آپ کا یہ کہنا کہ صاحب ہدایہ اور صاحب بدائع نے بھی قسم کے باب میں قول خصاف کو لیا ہے یہ درست نہیں، صاحب ہدایہ نے تو باب القسم میں مسئلہ ہذا سے بحث ہی نہیں فرمائی اور صاحب بدائع نے عدل بین الزوجات کے قول کو لیا ہے۔ بندہ نے گزشتہ فتوے میں صرف حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کر کے ظاہر الروایۃ پر فتوی نہیں دیا تھا بلکہ اولا نصوص قرآن وحدیث، ثانیا تاتارخانیہ، بدائع ولوالجیہ، سراجیہ، مجمع الانہر، الجوہرۃ النیرۃ اور درمختار کے قول عدل بین الزوجات کو اختیار فرمانے پر فتوی دیا تھا۔

[خلاصہ کلام] مسئلہ ھذا میں راجح کا بیان

مسئلہ ہذا میں بعد از تحقیق جو کچھ ظاہر ہوا بندے نے تحریر کر دیا ہے۔ آخر میں راقم کے نزدیک راجح یہی ہے کہ باب النفقۃ میں تو قول خصاف رحمۃ اللہ علیہ پر فتوی ہو اور ایک بیوی کو نفقہ دینے میں میاں بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے شوہر پر نفقہ فرض ہو لیکن باب القسم میں ظاہر الروایۃ کے مطابق فتوی دینا چاہیئے۔ دو یا دو سے زائد بیویوں کو شوہر فقط اپنی حالت کے اعتبار سے مساوی نفقہ دے گا اور عدل بین الزوجات ضروری ہوگا۔ یہی نصوص اور درایت کے قریب تر ہے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء: ۳): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا۔

وفی التفسیر القرطبی (۲۰/۵): الحادیة عشر: قوله تعالیٰ فإن خفتم الا تعدلوا فواحدة قال الضحاك وغیره فی المیل والمحبة والجماع والعشرة والقسم بین الزوجات الأربع والثلاث والإثنین "فواحدة" فمنع من الزیادة التی تؤدی الی ترك العدل فی القسم وحسن العشرة وذلك دلیل علی وجوب ذلك والله اعلم۔

و فی الهندیة (۱/۳۴۰) باب القسم: ومما يجب على الأزواج للنساء العدل والتسوية بينهن فيما يملكه والبيتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فيما لا يملك وهو الحب والجماع كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفيه ايضاً: وإذا أراد الفرض والزوج موسر يأكل الخبز الحواري واللحم المشوي والمرأة معسرة أو على العكس اختلفوا فيه والصحيح أنه يعتبر حالهما كذلك في الفتاوى الغياثية وعليه الفتوى حتى كان لها نفقة اليسار إن كانا موسرين ونفقة العسار إن كانا معسرين وإن كانت موسرة وهو معسر لها فوق ما يفرض لو كانت معسرة فيقال له أطعمها خبز البر وباجة أو باجتين وإن كان الزوج موسرا مفرط اليسار نحو أن يأكل الحلواء واللحم المشوي والباجات وهي فقيرة

Marfat.com

كانت تأكل في بيتها خبز الشعير لا يجب عليه أن يطعمها ما يأكل بنفسه ولا ما كانت تأكل في بيتها ولكن يطعمها خبز البر وباجة أو باجتين وفي ظاهر الرواية يعتبر حال الزوج في اليسار والإعسار كذا في الكافي وبه قال جمع كثير من المشايخ رحمهم الله تعالى وقال في التحفة إنه الصحيح كذا في فتح القدير وقال مشايخنا رحمهم الله تعالى والمستحب للزوج إذا كان موسرا مفرط اليسار والمرأة فقيرة أن يأكل معها ما يأكل بنفسه قال في الكتاب وكل جواب عرفته في فرض النفقة من اعتبار حال الزوج أو اعتبار حالهما فهو الجواب في الكسوة كذا في الذخيرة إذا كان معسرا وهي موسرة سلم لها قدر نفقة المعسرات في الحال والزائد يبقى دينا في ذمته كذا في التبيين۔

وفي الدر المختار (٢٠٢/٣) باب القسم: (يجب) وظاهر الآية أنه فرض نهر (أن يعدل) أي أن لا يجور (فيه) أي في القسم بالتسوية في البيتوتة (وفي الملبوس والمأكول) والصحبة۔

وفي الشامية: (٢٠٢/٣) باب القسم: وقد علمت أن العدل في كلامه بمعنى عدم الجور لا بمعنى التسوية فإنها لا تلزم في النفقة مطلقا قال في البحر: قال في البدائع: يجب عليه التسوية بين الحرتين والأمتين في المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة ، وهكذا ذكر الولوالجي والحق أنه على قول من اعتبر حال الرجل وحده في النفقةوأما على القول المفتى به من اعتبار حالهما فلا فإن إحداهما قد تكون غنية والأخرى فقيرة ، فلا يلزم التسوية بينهما مطلقا في النفقةوبه ظهر أنه لا حاجة إلى ما ذكره المصنف في المنح من جعله ما في المتن مبنيا على اعتبار حاله۔

وفي الدر المختار (٥٧٣/٣) باب النفقة: (بقدر حالهما) به يفتى يخاطب بقدر وسعه والباقي دين إلى الميسرة ولو موسرا وهي فقيرة لا يلزمه أن يطعمها مما يأكل بل يندب۔

وتحته في الشامية: (قوله به يفتي) كذا في الهداية وهو قول الخصاف وفي الولوالجية: وهو الصحيح وعليه الفتوى وظاهر الرواية اعتبار حاله فقط، وبه قال جمع كثير من المشايخ ، ونص عليه محمد وفي التحفة والبدائع أنه الصحيح بحر ،لكن المتون والشروح على الأول وفي الخانية : وقال بعض الناس يعتبر حال المرأة قال في البحر: واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين ، وعلى نفقة المعسرين إذا كانا معسرين ، وإنما الاختلاف فيما إذا كان أحدهما موسرا والآخر معسرا، فعلى ظاهر الرواية الاعتبار لحال الرجل ، فإن كان موسرا وهي معسرة فعليه نفقة

Marfat.com

الموسرين، وفي عكسه نفقة المعسرين وأما على المفتى به فتجب نفقة الوسط في المسألتين۔[1]

---

[1] مسئلہ کے مکمل حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(۱) تفسیر مظہری (۲/۹)، (۱/۳۲۳)
(۲) اعلاء السنن (۱۱/۲۷۴) ط۔ ادارة القرآن
(۳) اعلاء السنن (۱۱/۱۳۵)
(۴) بذل المجہود (۳/۲۶۴) باب فی المقام عند البکر
(۵) الفقہ النافع، کتاب النفقات (۲/۶۸۷)
(۶) ملتقی الابحر، باب القسم (۱/۵۴۸)
(۷) مجمع الانہر، باب القسم (۱/۵۴۸)
(۸) ملتقی الابحر، باب النفقۃ (۲/۱۷۶)
(۹) مجمع الانہر، باب النفقۃ (۲/۱۷۶)
(۱۰) المحیط البرھانی، باب النفقۃ (۴/۲۸۴، ۲۸۷)
(۱۱) الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ، فصل فی القسم (۱/۴۳۹)
(۱۲) الھدایۃ (المطبوع مع فتح القدیر) باب القسم (۳/۴۳۳)
(۱۳) الھدایۃ (المطبوع مع فتح القدیر) باب النفقۃ (۳/۳۷۹)
(۱۴) التاتارخانیۃ، باب القسم (۴/۳۵۷)
(۱۵) التاتارخانیۃ، باب النفقۃ (۵/۲۶۵)
(۱۶) التاتارخانیۃ (۴/۳۷۱)
(۱۷) فتح القدیر، باب النفقۃ (۴/۳۸۰)
(۱۸) العنایۃ شرح الھدایۃ، باب النفقۃ (۴/۳۸۰)
(۱۹) بدائع الصنائع، فصل فی وجوب العدل بین النساء (۳/۶۰۸)
(۲۰) بدائع الصنائع، کتاب النفقۃ (۵/۱۵۲)
(۲۱) الولوالجیۃ (۱/۳۴۹)
(۲۲) تبیین الحقائق، باب القسم (۲/۶۲۸)
(۲۳) حاشیۃ الشلبی علی التبیین، باب القسم (۲/۶۲۸)
(۲۴) تبیین الحقائق، باب النفقۃ (۳/۳۰۰)
(۲۵) النھر الفائق، باب القسم (۲/۲۹۴)
(۲۶) النھر الفائق، باب النفقۃ (۲/۵۰۷)
(۲۷) السراجیۃ، باب القسم (۴۰)
(۲۸) السراجیۃ، باب نفقۃ الزوجات (۴۰)
(۲۹) الجوھرۃ النیرۃ، مطلب فی القسم (۲/۱۵۰)
(۳۰) الجوھرۃ النیرۃ، کتاب النفقات (۲/۲۶۲)
(۳۱) البنایۃ (۴/۸۵۶)
(۳۲) البحر الرائق، باب القسم (۳/۳۸۱)
(۳۳) البحر الرائق، باب النفقۃ (۴/۲۹۷)
(۳۴) الھندیۃ، باب القسم (۱/۳۴۰)
(۳۵) الھندیۃ، باب النفقۃ (۱/۵۴۷)
(۳۶) طحطاوی علی الدر، باب القسم (۲/۸۸)
(۳۷) طحطاوی علی الدر، باب النفقۃ (۲/۲۵۰)
(۳۸) الدر المختار، باب القسم (۳/۲۰۲)
(۳۹) الشامیۃ، باب القسم (۳/۲۰۲)
(۴۰) الشامیۃ، باب النفقۃ (۳/۵۷۴)

Marfat.com

(۶۴۹) کیا بیوی کو جیب خرچ دینا ضروری ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص اپنی بیوی کو نان، نفقہ، سکنی اور ضروریات کی تمام اشیاء میسر کرتا ہے لیکن ان کو جیب خرچ کیلئے نقد کوئی رقم نہیں دیتا تو کیا خاوند پر نان نفقہ وغیرہ کے علاوہ اپنی اہلیہ کو جیب خرچ دینا شرعا، یا قانوناً یا اخلاقاً فرض، واجب۔ ہے یا نہیں؟ بالخصوص جب بیوی اپنے بہن، بھائیوں کو عطیہ یا غرباء کو صدقہ وخیرات کرنے کے جذبہ سے سرشار ہو؟

(۲) جب بیوی اپنے والدین کے گھر شوہر کی اجازت سے آئے تو کیا وہ اپنی بہن کے گھر شوہر کی اجازت سے جائے گی جبکہ اس کو اس کے محارم اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں اور کیا شوہر کا ان (اپنی بیوی) کو بہن کے ہاں جانے سے روکنا شرعاً و اخلاقاً درست ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت محمدی کی روشنی میں تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

(۱) شادی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زوجین اور ان کے خاندانوں کے درمیان محبت، دلجوئی اور راحت کا ذریعہ بنایا ہے لیکن یہ رشتہ باعث مسرت وخوشی اسی وقت بن سکتا ہے جب جانبین سے ان سب حقوق کی رعایت رکھی جائے جو شرعاً مقرر ہیں یا جو دیانۃ واخلاقاً زوجین کے لئے لازم ہیں اگر اس میں صرف قضاءً مقرر شدہ حقوق کو دیکھا جائے اور دیانۃ واخلاقاً جو حقوق ہیں ان کا بالکل خیال نہ رکھا جائے تو یہ رشتہ محبت ودلجوئی سے تبدیل ہو کر مختلف قسم کی ناچاقیوں کا ذریعہ بن جاتا ہے، جیسے بیوی کے ذمہ شوہر کا کھانا پکانا اور کپڑے دھونا وغیرہ قضاءً لازم نہیں لیکن شوہر کی رعایت رکھتے ہوئے دیانۃً اس کو اس کا حکم دیا جاتا ہے اسی طرح اگرچہ بیوی کے لئے والدین کی زیارت کے لئے جانے کی مدت شرعاً ایک ہفتہ ہے اور دیگر رشتہ داروں کے لئے ایک سال ہے لیکن دیانۃً واخلاقاً شوہر کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ اس عرصہ سے پہلے بھی اس کو اس کی بہن اور دیگر رشتہ داروں سے ملا لیا کرے بشرطیکہ اس میں فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲) شوہر کے ذمہ بیوی کے لئے بقدر کفایت معروف طریقے سے کھانے پینے، رہائش اور دیگر ضروریات اصلیہ کا خرچہ شرعاً واجب ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر اپنی بیوی کو نان ونفقہ، سکنی اور ضروریات کی تمام اشیاء میسر کر دیتا ہے تو مزید اس کے ذمہ بیوی کو جیب خرچ دینا واجب نہیں البتہ اگر گنجائش کے مطابق تبرعاً دے دیتا ہے تو ثواب کا مستحق ہوگا۔

لمافی البحرالرائق، باب النفقة (۲۹۶/۴): ولم يذكر المصنف تقديرا للنفقة لما في الذخيرة وغيرها من أنه ليس في النفقة عندنا تقدير لازم لأن المقصود من النفقة الكفاية وذلك مما يختلف فيه طباع الناس وأحوالهم ويختلف باختلاف الأوقات أيضا ففي التقدير بمقدار إضرار بأحدهما والذي قال في الكتاب إن كان الزوج معسرا فرض القاضي لها النفقة أربعة دراهم فهذا ليس

Marfat.com

بتقدير لازم بل إنما قدره محمد لما شاهد في زمانه فالذي يحق على القاضي في زماننا اعتبار الكفاية بالمعروف وأصله حديث هند حيث اعتبر الكفاية وفي البدائع وإذا كان وجوبها على الكفاية فيجب على الزوج ما يكفيها من الطعام والإدام والدهن لأن الخبز لا يؤكل عادة إلا مأدوما وأما الدهن فلا بد منه للنساء۔

وفى الشامية (۵۷۴/۳):قال في البحر واتفقوا على وجوب نفقة الموسرين إذا كانا موسرين وعلى نفقة المعسرين إذا كانا معسرين وإنما الاختلاف فيما إذا كان أحدهما موسرا والآخر معسرا فعلى ظاهر الرواية الاعتبار لحال الرجل فإن كان موسرا وهي معسرة فعليه نفقة الموسرين وفي عكسه نفقة المعسرين وأما على المفتى به فتجب نفقة الوسط في المسألتين وهو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة اھ۔۔(۵۸۰/۳):فإن المفروضة أو المدفوعة لها ملك لها فلها الإطعام منها والتصدق۔۔۔(۶۹۲/۳): مطلب في الكلام على المؤنسة: قيل لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين وقيل يمنع ولا يمنعهما من الدخول إليها في كل جمعة وغيرهم من الأقارب في كل سنة هو المختار اھ

(۶۵۰) بچے کی پیدائش کا خرچ کس پر ہے؟

سوال

مفتی صاحب! میں نے چار ماہ قبل اپنی بیوی کو طلاق دی تھی، اس وقت وہ حاملہ تھی، اب بچے کی پیدائش کا وقت قریب ہے، تو میرے سسرال والے یہ مطالبہ کررہے ہیں، کہ بچے کی پیدائش (ڈلیوری) کا خرچہ دو، میں پہلے سے دو بچوں کا خرچہ دے رہا ہوں، اب یہ تیسرا جو بچہ پیدا ہوگا کیا اس کی پیدائش کا خرچہ مجھے دینا ہوگا اور بچہ کی پیدائش کے بعد کب سے اس کا خرچہ دینا میرے ذمہ لازم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ نابالغ اولاد کا خرچہ پیدائش کے وقت سے بالغ ہونے تک باپ ہی کے ذمہ لازم ہوتا ہے اور لڑکی کا خرچہ اس کی شادی ہوجانے تک باپ کے ذمے لازم ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں بچہ کی پیدائش کے تمام اخراجات آپ کے ذمہ دینا واجب ہیں اور پیدائش کے وقت ہی سے بقیہ اولاد کی طرح اس بچے کا خرچہ بھی آپ کے ذمہ لازم ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة :۲۳۳)وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔

Marfat.com

وفی الشامیة (۶۱۲/۳): مطلب الصغير والمكتسب نفقة في كسبه لا على أبيه (قوله بأنواعها) من الطعام والكسوة والسكنى ۔۔۔ (قوله لطفله) هو الولد حين يسقط من بطن أمه إلى أن يحتلم، ويقال جارية ، طفل ، وطفلة ، كذا في المغرب .

وفيه أيضاً(۶۱۴/۳): قوله (لا يشاركه) جملة استئنافية أو حالية من الضمير المضاف إليه في تجب لطفله الفقير الخ تأمل ۔

(۶۵۱) بیوی کا نوکرانی کا مطالبہ کرنا

سؤال

مفتی صاحب! میری شادی ۴ ماہ قبل ایک عالمہ لڑکی سے ہوئی تھی وہ گھر کے کام کرنے سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کوئی نوکرانی مقرر کرلو اب اگر میں کام کیلئے نوکرانی رکھ لوں تو پھر بھی میرے اوپر بیوی کا نفقہ وغیرہ شرعاً واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کے لئے شوہر پر نفقہ کا وجوب عورت کے شوہر کے لئے محبوس ہونے کی وجہ سے ہے اور جب تک عورت کی طرف سے نشوز اور نافرمانی نہ پائی جائے شوہر پر نفقہ واجب ہوگا لہٰذا عورت کا گھر کے کام کاج کرنے سے انکار کرنا اور نوکرانی کا مطالبہ کرنا نشوز اور نافرمانی میں داخل نہیں کہ جس کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جائے بلکہ اگر شوہر مالدار ہے تو اس پر نوکرانی رکھنا لازم ہے۔

واضح رہے کہ اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے صرف حقوق واجبہ کو ادا کرتے رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا برتاؤ نہ کریں تو ان کا آپس میں خوشگوار زندگی گزارنا تقریباً ناممکن ہے لہٰذا عورت پر دیانۃً واجب ہے کہ وہ گھر کے کام کاج اور شوہر کی خدمت کرے اور اگر بغیر کسی عذر کے وہ گھر کے کام کاج نہیں کرتی تو عنداللہ ماخوذ ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم: لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ.

وفیہ ایضاً: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا.

وفی الدرالمختار(۵۷۹/۳): (امتنعت المرأة) من الطحن والخبز (إن كانت ممن لا تخدم) أو كان بها علة (فعليه أن يأتيها بطعام مهيأ وإلا) بأن كانت ممن تخدم نفسها وتقدر على ذلك (لا) يجب عليه ولا يجوز لها أخذ الاجرة على ذلك لوجوبه عليها ديانة ولو شريفة لأنه عليه الصلاة والسلام قسم الأعمال بين علي وفاطمة فجعل أعمال الخارج على علي رضي الله تعالى عنه والداخل على فاطمة رضي الله تعالى عنها مع أنها سيدة نساء العالمين ۔

Marfat.com

وفي الشامية (٣/٥٧٩): قوله (فعليه أن يأتيها بطعام مهيأ) أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز هندية قوله (لا يجب عليه) وفي بعض المواضع تجبر على ذلك قال السرخسي لا تجبر ولكن إذا لم تطبخ لا يعطيها الإدام وهو الصحيح كذا في الفتح ـــ قوله (لوجوبه عليها ديانة) فتفتي به لكنها لا تجبر عليه إن أبت بدائع۔

وفيه أيضاً (٣/٥٨٨): مطلب في نفقة خادم المرأة قوله (وتجب لخادمها المملوك لها) لأن كفايتها واجبة عليه وهذا من تمامها إذ لا بد لها منه۔

(٦٥٢) بیوی کا علاج معالجہ اور تجہیز و تکفین شوہر پر لازم ہے

سؤال

مفتی صاحب! جس طرح بیوی کا نان نفقہ اور مہر شوہر پر فرض ہے، کیا اسی طرح بیوی کا علاج معالجہ اور تجہیز و تکفین کا خرچہ بھی بیوی کے چھوڑے ہوئے مال کے باوجود اس کے شوہر پر فرض ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ سے پہلے ایک بات جاننا ضروری ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں جن نعمتوں سے نوازا ہے، ان میں سے ایک نعمت نیک اور خوش اخلاق بیوی بھی ہے۔ شریعت مطہرہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت، محبت اور الفت سے زندگی گزارو۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ شوہر اگر ایک لقمہ بھی محبت کے ساتھ اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میرے پاس ایک دینار ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو تو اپنی ذات پر خرچ کر پھر اس نے پوچھا ایک اور بھی ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنی بیوی پر خرچ کر دے...... الخ۔

ظاہر ہے کہ اگر اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ خوشیوں بھری زندگی گزارنی ہو تو اس کے لئے زندگی کے نشیب و فراز، دکھ سکھ میں بھی ایثار اور چشم پوشی سے کام لینا ہوگا، جو کہ شریعت میں عین مطلوب ہے۔ اس کے برخلاف اگر ایک آدمی اپنی زوجہ کو صحت کی حالت میں تو اپنے پاس رکھے اور اس سے نفع اٹھائے اور مرض کی حالت میں بیوی کے مال سے علاج معالجہ کرے یا اس کے والدین کے ہاں پہنچا دے تو اس سے خصوصاً اس دور میں جبکہ مزاج میں تنگی اور تلخی پیدا ہو چکی ہے، باہمی رنجشیں، عداوت اور امور خانہ داری کے درہم برہم ہونے کے سوا اور کچھ جنم نہیں لے گا۔

جب آپ نے یہ سمجھ لیا تو اب صورت مسئولہ میں شریعت مطہرہ کی رُو سے اگرچہ قانوناً بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ شوہر پر لازم

Marfat.com

نہیں ہے لیکن فقہاء نے اس سے پیدا ہونے والے کثیر مفاسد کو اور کثرت امراض کی وجہ سے علاج کے اخراجات زیادہ ہونے کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اب دیانۃً یہ اخراجات شوہر ہی کو برداشت کرنے ہوں گے اور نفقہ میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح بیوی اگر فوت ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کے اخراجات بھی شوہر پر لازم ہوں گے۔

لمافی نيل الاوطار (۱۲۰/۷): ۲۹۶۳۔ وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تصدقوا، قال رجل: عندي دينار، قال: تصدق به على نفسك، قال: عندي دينار آخر، قال: تصدق به على زوجتك۔

وفى الطحطاوى (۳۷۱/۱): (قوله واختلف فى الزوج) أى هل يجب كفن زوجته عليه (قوله والفتوىٰ على وجوب كفنها عليه) غنية كانت أو فقيرة غنيا كان أو فقيرا وصححه الولوالجى فى فتاواه من النفقات۔

وفى الشامية (۵۷۵/۳): قوله (كما لا يلزمه مداواتها) أي إتيانه لها بدواء المرض ولا أجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة هندية عن السراج۔

وفى الفقه الاسلامى (۷۳۸۰/۱۰): نفقات العلاج: قرر فقهاء المذاهب الأربعة أن الزوج لا يجب عليه أجور التداوي للمرأة المريضة من أجرة طبيب وحاجم وفاصد وثمن دواء، وإنما تكون النفقة في مالها إن كان لها مال، وإن لم يكن لها مال، وجبت النفقة على من تلزمه نفقتها؛ لأن التداوي لحفظ أصل الجسم، فلا يجب على مستحق المنفعة، كعمارة الدار المستأجرة، تجب على المالك لا على المستأجر، وكما لا تجب الفاكهة لغير أدم.

ويظهر لدي أن المداواة لم تكن في الماضي حاجة أساسية، فلا يحتاج الإنسان غالباً إلى العلاج؛ لأنه يلتزم قواعد الصحة والوقاية، فاجتهاد الفقهاء مبني على عرف قائم في عصرهم. أما الآن فقد أصبحت الحاجة إلى العلاج كالحاجة إلى الطعام والغذاء، بل أهم؛ لأن المريض يفضل غالباً ما يتداوى به على كل شيء، وهل يمكنه تناول الطعام وهو يشكو ويتوجع من الآلام والأوجاع التي تبرح به وتجهده وتهدده بالموت؟! لذا فإني أرى وجوب نفقة الدواء على الزوج كغيرها من النفقات الضرورية، ومثل وجوب نفقة الدواء اللازم للولد على الوالد بالإجماع. وهل من حسن العشرة أن يستمتع الزوج بزوجته حال الصحة، ثم يردها إلى أهلها لمعالجتها حال المرض؟

Marfat.com

(۶۵۳) بیوی کی تجہیز وتکفین اور دیگر رسوم کا خرچہ

سؤال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) اگر بیوی کا انتقال ہوجائے تو اس کے کفن اور قبر کا خرچہ اور قبرستان سے مرد آتے ہیں مرنے والے کے گھر تو جو کھانا بنتا ہے وہ کھانا چاہیئے یا نہیں؟ اس کو ہمارے معاشرے میں کڑوی روٹی کہتے ہیں۔ کفن، قبر کا خرچ اور کڑوی روٹی کا خرچہ کس کی ذمہ داری ہے، شوہر کی یا مرنے والی کے باپ کی؟ ہماری کچھ رسم یہ ہے کہ اگر بیوی مرجائے تو سارا خرچ اس کے باپ یا بھائی پر ڈالتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) لڑکی والے ذات کے اعتبار سے سید ہیں اور مذہب قادیانی ہے قادیانی کی لڑکی کو مسلمان کر کے اس سے شادی کرلی ہے اب اس لڑکی کے ماں باپ اپنے نواسہ نواسیوں کو کپڑوں کی صورت میں کسی کے ہاتھ تحفہ بھیجیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) باپ اپنی جائیداد جیتے جی اولاد میں تقسیم کرسکتا ہے، اگر کرسکتا ہے تو کس طرح کرسکتا ہے؟ اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) رسم سوئم، دسواں اور چالیسواں وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

(۵) فقیر کو چالیس روز تک دو روٹی دینا لازم سمجھا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

بیوی کی شرعی تجہیز وتکفین یعنی مسنون کفن، خوشبو کا خرچہ اور غسل، دفن اور قبرستان اُٹھا کر لے جانے کی اجرت ومزدوری شوہر پر لازم ہے اور اہل میت کی طرف سے لوگوں کے لئے کھانا تیار کرنا مکروہ اور قبیح بدعت ہے اور اسی طرح رسم سوئم، دسواں اور چالیسواں وغیرہ بھی بدعت ہیں نیز چالیس روز تک فقیر کو دو روٹیاں دینے کو لازم سمجھنا بھی درست نہیں، البتہ حسب استطاعت صدقہ وخیرات کرنا میت کے لئے باعثِ اجر وثواب ہوگا لہٰذا شرعی کفن دفن کے اخراجات شوہر پر لازم ہیں نہ کہ مرحومہ کے والد اور بھائی پر اور کفن دفن کی فضول خرچیاں مثلاً قبر کو پختہ کرنا اور ماربل وغیرہ لگانا اور اسی طرح قبرستان سے واپس آنے والے لوگوں کو کھانا کھلانا، تیجے، دسویں اور چالیسویں وغیرہ کے اخراجات اور فقیر کو چالیس روز تک دو روٹیاں دینے کا خرچہ نہ شوہر پر لازم ہے نہ مرحومہ بیوی کے والد یا بھائی پر، لہٰذا ان امور سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

(۲) قادیانی کا حکم مرتد کا ہے اُن کے گھر جانا ہی درست نہیں، نہ کسی قسم کا تعلق رکھنا درست ہے۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل، ۹۸/۱)

قادیانی وغیرہ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا درست نہیں، لہٰذا نواسہ اور نواسیوں کیلئے جو وہ تحائف کپڑوں وغیرہ کی صورت میں

Marfat.com

سمجھتے ہیں اُن کا قبول کرنا درست نہیں۔

(۳) باپ اپنی جائیداد زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کرسکتا ہے اور یہ تقسیم بطورِ میراث کے نہیں ہوگی بلکہ یہ والد کی طرف سے اولاد کو تحفہ وہدیہ ہوگا اور اس میں بیٹوں اور بیٹیوں کو برابر سرابر دینا مستحب ہے۔

(۴،۵) دونوں بدعت ہیں۔

لما فی الشامية (۲/۲۰۶) كتاب الصلوة ، مطلب فی كفن الزوجة: قوله (وإن تركت مالا الخ) اعلم أنه اختلفت العبارات في تحرير قول أبي يوسف ففي الخانية و الخلاصة و الظهيرية أنه يلزمه كفنها وإن تركت مالا وعليه الفتوى وفي المحيط و التجنيس و الواقعات و شرح المجمع لمصنفه إذا لم يكن لها مال فكفنها على الزوج وعليه الفتوى ---- و الذي اختاره في البحر لزومه عليه موسرا أو لا لها مال أو لا لأنه ككسوتها وهي واجبة عليها مطلقا قال وصححه في نفقات الولوالجية اه ---- [تنبيه] ---- ثم اعلم أن الواجب عليه تكفينها وتجهيزها الشرعيان من كفن السنة أو الكفاية وحنوط وأجرة غسل وحمل ودفن دون ما ابتدع في زماننا من مهللين وقراء ومغنين وطعام ثلاثة أيام ونحو ذلك ومن فعل ذلك بدون رضا بقية الورثة البالغين يضمنه في ماله ۔

وفی الشامية (۲/۲۴۰): مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: وقال أيضا ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة وروى الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اه وفي البزازية ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره وفيها من كتاب الاستحسان وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اه وأطال في ذلك المعراج وقال وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى اه۔

وفی الدر المختار (۵/۶۹۶): وفي الخانية لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة لأنها عمل القلب وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار وإن قصده فسوى بينهم يعطي البنت كالإبن عند الثاني وعليه الفتوى ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم ۔

Marfat.com

(۶۵۴) قبل از رخصتی نفقہ کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص نے ۲۰ سال کی عمر میں نکاح کیا۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تو قبل از رخصتی شوہر کے ذمے نان نفقہ آ یا نہیں؟ اور تبرعاً دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لڑکی کے گھر والے مطالبہ کریں کہ یہ آپ کی بیوی ہے اس کا خرچہ دو تو کیا خرچہ دینا ضروری ہے؟ ازراہ کرم شرعی حکم بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جب لڑکے اور لڑکی کے درمیان عقد نکاح ہوجائے تو شرعاً وہ میاں بیوی بن جاتے ہیں اور اس کے بعد لڑکے کو یہ حق ہوتا ہے جب چاہے بیوی کی رخصتی طلب کرلے اور شوہر کے مطالبہ پر لڑکی والوں کا لڑکی کو رخصت کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

اگر شوہر رخصتی کا مطالبہ کرتا ہے لیکن لڑکی والے بغیر کسی شرعی عذر کے رخصتی نہیں دے رہے تو شوہر پر بیوی کا نفقہ دینا ضر نہیں شرعی عذر کی مثال یہ ہے کہ نکاح کے وقت فوراً مہر ادا کرنا طے پایا ہو اور شوہر نے مہر ادا نہ کیا ہو یا شوہر غصب شدہ مکان میں ر کرا کے لے جانا چاہتا ہو تو اگر بیوی رخصتی سے انکار کرے تو یہ شرعاً معتبر ہے اور بیوی کو نفقہ ملے گا لیکن اگر بغیر کسی شرعی عذر کے انکار ہے تو پھر یہ ناشزہ ہے اور اس کے لئے نفقہ نہ ہوگا البتہ اگر شوہر نے رخصتی کا مطالبہ نہ کیا ہو تو پھر یہ عورت کی طرف سے نافرمانی شمار اور عورت کو نفقہ ملے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر لڑکے نے رخصتی کا مطالبہ نہیں کیا تو شرعاً اس پر لڑکی کو نفقہ دینا ضروری ہے اور اگر وہ رخصتی کا مط کر رہا ہے لیکن لڑکی والے کسی شرعی عذر سے منع کر رہے ہیں تب بھی نفقہ دینا ضروری ہوگا لیکن اگر شوہر کے مطالبہ پر بغیر کسی شرعی عذر رخصتی میں تاخیر کی جارہی ہو تو پھر شوہر پر نفقہ دینا ضروری نہ ہوگا البتہ تبرعاً دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

لمافی الدر المختار المطبوع مع الطحطاوی (۲/۲۵۲) (باب النفقة): (ولو هي في بيت أبيها) إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة به يفتي وكذا إذا طالبها ولم تمتنع أو امتنعت (للمهر أو مرضت في بيت الزوج) فإن لها النفقة استحسانا لقيام الاحتباس۔

وفی الطحطاوی تحت هذه العبارة: (قوله: ولو هی فی بيت أبيها) قال فی البحر: وأشار المصنف الی أن شرط وجوب النفقة تسليم المرأة نفسها الی الزوج وقت وجوب التسليم ونعنی بالتسليم التخلية وهی أن تخلی بين نفسها و زوجها برفع الموانع من وطئها أو الاستمتاع بها اذا كان المانع من قبلها أو من قبل غير الزوج فلو تزوج ببالغة حرة صحيحة سليمة ونقلها الی بيته فلها

Marfat.com

النفقةفان طالبهابالنقلةوامتنعت فان كان امتناعهابحق بأن امتنعت لاستيفاء مهرها المعجل فلها النفقة وكذا لوطالبها بالنقلة بعد ما أوفاها المهر الى دار مغصوبة فامتنعت فلها النفقة لأنه بحق ـــ (قوله: به يفتى) وقال بعض المتاخرين من ائمة بلخ لا تستحق النفقة اذا لم تزف الى بيت الزوج والفتوى على جواب الكتاب وهو وجوب النفقة اذا لم يطالبها بالنقلة بحر۔

وفی الشامية تحت عبارة الدر(۳/۵۷۵):قوله (ولو هي في بيت أبيها) تعميم لقوله فتجب للزوجة وهذا ظاهر الرواية فتجب النفقة من حين العقد الصحيح وإن لم تنتقل إلى منزل الزوج إذا لم يطلبهاوقال بعض المتأخرين لا تجب ما لم تزف إلى منزله وهو رواية عن أبي يوسف واختاره القدوري وليس الفتوى عليه وتمامه في الفتح قوله (إذا لم يطالبها الخ) الأخصر والأظهر أن يقول به يفتى إذا لم تمتنع من النقلة بغير حق في الفتح۔

۶۵۵)بیوی کابلااجازت شوہر کی رقم استعمال کرنا

سؤال

مفتی صاحب!زیداپنی بیوی زینب کوپوراخرچہ نہیں دیتا جس کی وجہ سے زید کی بیوی، بچوں کی صحیح پرورش نہیں کرسکتی۔اب زید بیوی اس کی عدم موجودگی میں اس کی جیب سے کچھ پیسے وغیرہ نکال لیتی ہے۔زید کی بیوی کا یہ فعل شرعاً جائز ہے یانہیں؟اور بعد میں ے بتاناضروری ہے یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگرواقعہ یہی ہوتو زینب اپنے شوہر کی جیب سے بقدرضرورت پیسے لےسکتی ہےاورشوہر کو بتانا بھی ضروری ہیں۔

لمافی البخاری (۲/۸۰۷):حدثنا ابن مقاتل، أخبرنا عبد الله، أخبرنا يونس، عن ابن شهاب، أخبرني عروة، أن عائشة رضي الله عنها، قالت: جاءت هند بنت عتبة، فقالت: يا رسول الله، إن أبا سفيان رجل مسيك، فهل علي حرج أن أطعم من الذي له عيالنا؟ قال: لا، إلا بالمعروف۔

وفی عمدة القاری شرح صحيح البخاری (۲۱/۲۱):(باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها بالمعروف)أي هذا باب يذكر فيه إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن

Marfat.com

تأخذ بغير علمه ما يكفيها وولدها (قوله بالمعروف) أي باعتبار عرف الناس في نفقة مثلها ونفقة ولدها۔

(۶۵۶) بوقتِ عقد شہر میں گھر بنانے کی شرط لگانا درست ہے

سؤال

کچھ عرصہ قبل میری شادی ماموں زاد سے ہوئی جو کہ شہر سے کچھ دور ایک دیہات میں رہتے ہیں۔ عقد کے دوران یہ بات طے ہوئی تھی کہ لڑکی کو شہر میں مکان بنا دیا جائے گا اور لڑکی شہر میں رہے گی۔ شادی کے بعد سے اب تک میں بڑی تنگی سے دیہات میں ہی اپنے شوہر کے ساتھ رہی ہوں اور میری ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی ہے، لیکن اب میں مزید دیہات میں نہیں رہنا چاہتی کیونکہ وہاں شہری زندگی جیسی سہولیات اور بچوں کی معیاری تعلیم کیلئے مراکز میسر نہیں ہیں۔ کچھ دن قبل میں شوہر کی اجازت کے ساتھ اپنے ماں باپ کے گھر میں آئی اور اب میرا دیہات میں واپس جانے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ میں آئندہ زندگی شہر میں ہی گزارنا چاہتی ہوں۔ آپ حضرات سے پوچھنا ہے کہ کیا میرے لئے شرعاً شہر میں رہنے کا مطالبہ کرنا درست ہے جبکہ عقد کے دوران اس کی شرط لگائی گئی تھی اور کیا جتنا عرصہ میں ماں باپ کے گھر گزار رہی ہوں ان ایام کے نان نفقہ کا مطالبہ اپنے شوہر سے کر سکتی ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شرعاً شوہر کے ذمہ بیوی کے کھانے پینے کا خرچہ، کپڑے اور سکنی (گھر میں ایک کمرہ بیوی کے لئے مختص کرنا جس میں اس کا سامان ہو اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس میں داخل نہ ہو) دینا واجب ہے یا ان کے علاقہ میں جس قسم کا سکنی دینے کا رواج ہو بشرطیکہ بیوی کی ضروریات پوری ہو سکیں لیکن عقد نکاح کے وقت کسی چیز کی شرط لگائی جائے اور وہ شرط عقد نکاح کے منافی نہ ہو تو اس شرط کا لگانا صحیح ہے اور بیوی اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اور شوہر کو اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں عقد نکاح کے وقت شہر میں گھر بنوا کر دینے کی جو شرط لگائی گئی تھی وہ شرط صحیح ہے اور آپ اس شرط کا مطالبہ کر سکتی ہیں اور شوہر کو اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ شرط کے پورا ہونے تک آپ والدین کے گھر رہیں اور شوہر سے خرچہ کا مطالبہ کر سکتی ہیں یا نہیں، تو اس کے بارے میں کوئی صریح حوالہ تو نہیں ملا مگر قواعد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عقد نکاح کے وقت چونکہ شرط لگائی گئی تھی اور شوہر کو اس شرط کا پورا کرنا ضروری ہے اس وجہ سے آپ شرط کے پورا ہونے تک والدین کے گھر میں رہ کر شوہر سے خرچہ کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔

(نوٹ): آپ کے لئے مشورہ یہ ہے کہ اگر شوہر کسی وجہ سے اس شرط کو پورا نہیں کر سکتا ہے تو اس شرط کی وجہ سے خود کو اور شوہر اور دیگر رشتہ داروں کو پریشان نہ کریں بلکہ آپ اپنے شوہر کے ساتھ گاؤں میں خوشی سے رہیں۔

لما في القرآن الكريم (الطلاق:۷): لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ۔

Marfat.com

وفی الهندية(۱/۵۵۶): الفصل الثاني في السكنى تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك كذا في العيني شرح الكنز ـــ امرأة أبت أن تسكن مع ضرتها أو مع أحمائها كأمه وغيرها فإن كان في الدار بيوت فرغ لها بيتا وجعل لبيتها غلقا على حدة ليس لها أن تطلب من الزوج بيتا آخر فإن لم يكن فيها إلا بيت واحد فلها ذلك وإن قالت لا أسكن مع أمتك ليس لها ذلك وكذلك لو قالت لا أسكن مع أم ولدك كذا في الظهيرية۔

وفی الدرالمختار(۳/۵۸۶): حتى لو شرط في العقد أن النفقة تكون من غير تقدير والكسوة كسوة الشتاء والصيف لم يلزم فلها بعد ذلك طلب التقدير فيهما۔

وفی الرد تحته: قوله (لم يلزم الخ) كذا ذكره في البحر بحثا ووجهه أن ذلك الشرط وعدمه سواء لأن ذلك هو الواجب عليه بنفس العقد سواء شرطه أو لا وإنما يعدل إلى التقدير بشيء معين بالصلح والتراضي أو بقضاء القاضي إذا ظهر له مطله فتصير النفقة بذلك لازمة عليه ودينا بذمته حتى لا تسقط بمضي المدة ويصح الإبراء عنها وقبل ذلك لا تصير كذلك كما علمت ـ

وفی الفقه الاسلامی(۹/۶۵۴۰): مذهب الحنفية: إن كان الشرط صحيحاً يلائم مقتضى العقد، ولايتنافى مع أحكام الشرع وجب الوفاء به كاشتراط المرأة أن يسكنها وحدها في منزل لا مع أهله أو مع ضَرَّتها، أو ألا يسافر بها سفراً بعيداً إلا بإذن أهلها.

(۶۵۷) نافرمان عورت کو نفقہ مانگنے کا حق نہیں

سؤال

اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر اپنے والدین کے ہاں چلی جاتی ہے اور بعد میں یہ عورت نان نفقہ کا مطالبہ کرے یا اس کے والدین کہیں کہ ہم نے اس قدر اس پر خرچہ کیا ہے، لہٰذا اتنی رقم ادا کرو یا یہ بیمار ہوگئی تھی اور ہم اسے فلاں ڈاکٹر کے پاس لے گئے اور اتنا خرچ آیا۔ کیا یہ خرچ شوہر کے ذمے ہے کہ وہ ادا کرے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ شوہر کا عورت پر بہت حق ہے، اللہ تعالیٰ نے شوہر کا بڑا حق بتایا ہے، شوہر کو راضی اور خوش رکھنا بڑی عبادت ہے، اس کو ناراض کرنا بڑا گناہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھے اور آبرو کو بچاتی رہے یعنی پاکدامن رہے اور اپنے شوہر کی تابعداری کرتی رہے تو اس کو اختیار ہوگا

Marfat.com

جس دروازے سے چاہے جنت میں چلی جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کی موت ایسی حالت پر آئے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنتی ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر شوہر کے گھر سے چلی جائے اور اپنے والدین کے گھر میں رہنے لگے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ عورت ناشزہ (نافرمان) ہے لہٰذا اس کا ہر قسم کا نفقہ شرعاً شوہر سے ساقط ہوجاتا ہے، اگر اس کے بعد عورت نفقے کا دعویٰ کرے تو اس کو نفقہ نہیں دیا جائے گا۔

لمافی الخانیة علی ھامش الھندیة (۴۲۶/۱): والناشزة لانفقة لها وهی التی خرجت عن منزل الزوج بغیر اذنه بغیر حق۔

وفی الدرالمختار (۵۷۶/۲): و (خارجة من بیته بغیر حق) وهي الناشزة حتی تعود ولو بعد سفره۔

(۶۵۸) شوہر کی اجازت کے بغیر میکے جانے سے نفقہ کا حکم

سؤال

ایک عورت شوہر سے ناراض ہوکر اپنے میکہ چلی گئی والدین خرچہ برداشت کرتے رہے۔ آیا اب اس کے شوہر کے ذمہ ہے کہ پچھلے سالوں کا خرچہ دے یا لازم نہیں؟ برائے مہربانی جلدی جواب عنایت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بیوی کا شوہر کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اپنے میکے یا دوسری جگہ جانے سے اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں شوہر کے ذمہ گزشتہ سالوں کا نفقہ لازم نہیں۔

لمافی الھندیة (۵۴۵/۱): وإن نشزت فلا نفقة لها حتی تعود إلی منزله والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه بخلاف ما لو امتنعت عن التمکن في بیت الزوج لأن الاحتباس قائم ـــ وإن کانت سلمت نفسها ثم امتنعت لاستیفاء المهر لم تکن ناشزة فی قول أبي حنیفة رحمه الله تعالی کذا في فتاوی قاضي خان۔

وفی الدرالمختار (۵۷۶/۲) : و (خارجة من بیته بغیر حق) وهي الناشزة حتی تعود ولو بعد سفره خلافا للشافعي والقول لها في عدم النشوز بیمینها وتسقط به المفروضة لا المستدانة في الأصح۔

وفی الشامیة تحته: قوله (وهي الناشزة) أي بالمعنی الشرعي أما في اللغة فهي العاصیة علی الزوج

Marfat.com

المبغضة له۔

وفی الشامیۃ (۵۹۳/۳): مطلب لا تصير النفقة دينا إلا بالقضاء أو الرضا: قوله (والنفقة لا تصير دينا الخ) أي إذا لم ينفق عليها بأن غاب عنها أو كان حاضرا فامتنع فلا يطالب بها بل تسقط بمضي المدة۔

وفی (۵۷۶/۳): قوله (وتسقط به) أي بالنشوز النفقة المفروضة يعني إذا كان لها عليه نفقة أشهر مفروضة ثم نشزت سقطت تلك الأشهر الماضية --- ومقتضى هذا أنها لو عادت إلى بيته لا يعود ما سقط۔

(۶۵۹) بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے بچے کے نفقہ کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص نے ایک مطلقہ عورت سے شادی کی جس کے سابق شوہر سے دو بچے بھی تھے، اب جبکہ اس عورت سے ایک بچہ بھی ہو گیا لیکن وہ عورت بنیادی حقوق ادا کرنے کے باوجود ساتھ رہنے پر رضا مند نہیں تو اس صورت میں اس شخص پر اس بچے کا نفقہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ قرآن واحادیث کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں بچے کے والد پر اپنے بچے کا نفقہ دینا ضروری ہے۔

لمافی الھندیۃ (۵۶۰/۱): الفصل الرابع في نفقة الأولاد نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كذا في الجوهرة النيرة۔

وفی الدرالمختار (۶۱۸/۳): (وليس على أمه إرضاعه) قضاء بل ديانة (إلا إذا تعينت) فتجبر كما مر في الحضانة وكذا الظئر تجبر على إبقاء الإجارة بزازية (ويستأجر الأب من ترضعه عندها) لأن الحضانة لها والنفقة عليه۔

وفی الفقه الاسلامی (۷۴۱۵/۱۰): المطلب الثالث۔ من تجب عليه نفقة الأولاد: اتفق الفقهاء على أنه إذا كان الأب موجوداً وموسراً أو قادراً على الكسب في رأي الجمهور، فعليه وحده نفقة أولاده، لا يشاركه فيها أحد، لقوله تعالى: {وعلى المولود له..} [البقرة] الذي يفيد حصر النفقة فيه، ولأنهم جزء منه، فنفقتهم وإحياؤهم كنفقة نفسه.

Marfat.com

(۶۶۰) عورت کا محض میکہ میں رہنے سے نفقہ ساقط نہ ہوگا

سؤال

مفتی صاحب! 22-7-06 کو میری شادی جبران سے ہوئی تھی۔ شادی کے چند دنوں بعد ہی جھگڑے شروع ہو گئے اور آئے دن بڑھتے رہے حتی کہ 6-10-08 کو بھی میرے شوہر کی عین موجودگی میں معمول کے مطابق جھگڑا شروع ہوا۔ میری ساس اور میرے جیٹھ نے مجھے اور میرے والدین کو گالیاں دیں، برا بھلا کہا اور بہت لعن طعن کی اور مجھ سے گھر سے نکل جانے کا کہا۔ ساتھ ہی میرے والد کو کئی مرتبہ فون پر کہا کہ آکر اپنی بیٹی کو لے جائیں۔ اب ہم اسے رکھنا نہیں چاہتے۔ اگر آپ لینے نہیں آئے تو ہم گھر سے باہر نکال دیں گے تب میرے والد میری ساس کے گھر آکر مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے نہ تو میں خود اپنی مرضی سے آئی ہوں اور نہ ہی میرے والد اپنی مرضی سے میری ساس کے گھر سے مجھے لائے ہیں۔ 6-10-08 سے اب تک ۳۱ ماہ تک نہ تو میرے شوہر، ساس، جیٹھ نے مجھ سے یا میرے والدین سے کسی قسم کا رابطہ کیا اور نہ ہی کوئی خرچہ دیا۔

(۱) آپ سے قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ چاہتی ہوں کہ 6-10-08 سے آج تک یعنی ۳۱ ماہ کا نان نفقہ یا خرچہ کی ذمہ داری میرے شوہر پر عائد ہوئی یا والدین پر جبکہ میں آج تک اپنے شوہر کے نکاح میں ہوں اور مسلسل ۳۱ ماہ سے اپنے والدین کے ہاں رہائش پذیر ہوں۔

(۲) 6-10-08 کو میری ساس نے مجھے گھر سے نکالتے وقت میرے ۲ ماہ کے لڑکے کو لے لیا تھا جو ابھی تک یعنی ۳۱ ماہ سے مسلسل میرے شوہر کے پاس ہے اور میرے والد نے میری ساس سے یہ بھی کہلوایا کہ بچے کو ماں کا دودھ پلانے کی اجازت دے دو لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور بچے نے صرف ۲ ماہ ہی میرا دودھ پیا ہے۔ اس سے متعلق بھی فتویٰ چاہتی ہوں کہ میں اپنے شوہر سے اپنے بچے کو لے سکتی ہوں یا نہیں اور کتنی عمر تک؟ اس وقت اس بچے (لڑکے) کی عمر دو سال نو ماہ ہے۔ مفتی صاحب! میں اپنے نان نفقہ اور بچے کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں فتوی کی طلب گار ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

۱۔ جب تک کوئی عورت ناشزہ (نافرمان) نہ ہو تب تک اس کا نان ونفقہ شوہر پر ہوتا ہے، محض عورت کے والدین کے گھر رہنے سے، خاوند اخراجات کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوتا اور صورت مسئولہ میں بتقدیرِ صحت واقعہ آپ ناشزہ نہیں ہیں کیونکہ آپ کا قصور نہیں ہے بلکہ سسرال والوں نے زبردستی آپ کو گھر سے نکال دیا ہے لہٰذا مذکورہ مدت یعنی (۳۱) ماہ کا نان ونفقہ آپ کے شوہر پر لازم ہے اور یہ خرچہ آپ اپنے شوہر سے لے سکتی ہیں۔

۲۔ شریعت نے بچے کی پرورش کا حق سات سال تک ماں کو دیا ہے لہٰذا سات سال کی عمر کو پہنچنے تک آپ اپنے بیٹے کو اپنے

Marfat.com

پاس رکھ سکتی ہیں اور اس وقت تک آپ کے شوہر یا کسی اور کے لئے بچے کو آپ سے دور رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے البتہ سات سال کے بعد اگر شوہر مطالبہ کرتا ہے تو بچہ اس کے حوالہ کیا جائے گا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۳): وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۹۳): وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہ أن امرأة قالت: يا رسول الله إن ابني هذا كان بطني له وعاء وثديي له سقاء وحجري له حواء وإن أباه طلقني وأراد أن ينزعه مني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أنت أحق به ما لم تنكحي". رواه أحمد وأبو داود۔

وفی الدر المختار (۳/۵۷۲): (فتجب للزوجة)۔۔۔ (على زوجها)۔۔۔ (ولو هي في بيت أبيها) إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة به يفتى۔

وفیه أیضاً (۳/۵۶۶): (والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب ولو اختلفا في سنه فإن أكل وشرب ولبس واستنجى وحده دفع إليه ولو جبرا وإلا لا (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية۔

وفی الشامیة (۳/۵۹۴): قوله (وبعد) أي وبعد القضاء أو الرضا ترجع لأنها بعده صارت ملكا لها كما قدمناه ولذا قال في الخانية لو أكلت من مالها أو من المسألة لها الرجوع بالمفروض اه وكذا لو تراضيا على شيء ثم مضت مدة ترجع بها ولا تسقط۔

(۶۶۱) عورت پر باپ کی بات ماننا مقدم ہے یا شوہر کی؟

سوال

ایک لڑکی سمیرہ کی شادی طے پا گئی اور نکاح سے ایک دن قبل لڑکے والوں کی طرف سے سامان واپس کر دیا گیا اور بات ختم ہوگئی۔ لڑکی کا باپ اور بھائی بے انتہا پریشان تھے کہ کیا کریں؟ اسی اثناء میں رشتہ داروں میں سے ایک لڑکے عمر کے والدین نے لڑکی والوں کو حوصلہ دیا اور اپنے لڑکے عمر کا رشتہ لڑکی کے ساتھ طے کر دیا کہ کل مقررہ دن پر ہم نکاح کر لیں گے اور رخصتی ۲، ۳ ماہ بعد کریں

Marfat.com

گے۔ آپ لوگوں کی عزت رہ جائے گی۔ لڑکی والوں نے بہت شکر ادا کیا کہ ہمیں دیندار لوگ مل گئے اور پھر چند ماہ بعد لڑکی رخصت ہو کر اپنے سسرال میں آ گئی۔ تقریباً ۳ ماہ لڑکی نے اپنے شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی گزارے اسی دوران لڑکی اُمید سے ہو گئی تو لڑکی کے باپ نے کہا کہ اس کو ایک ہفتہ کیلئے ہمارے گھر بھیج دو تو اس کے شوہر نے اپنی بیوی کو اس کے باپ کے کہنے پر بھیج دیا۔ اس کے باپ نے ایک ہفتہ کے بعد لڑکی کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ لڑکے نے اپنی بیوی سے فون پر بات کی تو لڑکی کے باپ نے فون کرنے پر بھی پابندی لگا دی۔ لڑکی کے شوہر نے اپنی بیوی سے سسرال میں جا کر بات کی تو لڑکی نے کہا میں نہیں جاسکتی کیونکہ میرے باپ نے منع کر دیا ہے جو میرا باپ کہے گا میں وہی کروں گی۔ میرا باپ جو کر رہا ہے وہ صحیح کر رہا ہے میں اپنے باپ کی بات نہیں ٹال سکتی۔

اس کے بعد لڑکے کے گھر والوں نے جا کر لڑکی کے باپ سے بات کی لیکن وہ نہیں مانا۔ لڑکی کے شوہر نے جا کر لڑکی کی بہن سے بات کی لیکن وہ لوگ کسی طرح بھی راضی نہیں ہوئے۔ لڑکی کی بہن نے کہا کہ ہمارا باپ قانون جانتا ہے وہ صحیح کر رہا ہے۔ اس کے بعد برادری کے لوگوں نے بات کی لڑکے کے بھائیوں نے اور بہنوئی نے بات کی لیکن لڑکی کے باپ نے کسی کی بات نہیں مانی اور کہا کہ میں نے جو جہیز کا سامان دیا تھا وہ باندھ کر دیدو، میں لڑکی کو نہیں بھیجوں گا کیونکہ حمل کے دوران جو علاج وغیرہ ہوتا ہے اور کچھ پیچیدگیاں ہوتی ہیں آپ علاج نہیں کرا سکو گے۔ میں جہاں مطمئن ہوں گا وہاں سے علاج کراؤں گا۔ لڑکے والوں نے کہا ایسی بات نہیں ہے ہم ہر طرح علاج کرائیں گے، آخر ہمارے گھر میں ہمارے بھائیوں کی بیویاں رہتی ہیں اور ان کے بچے بھی ہیں۔ ہم جہاں آپ کہو گے وہاں لے جائیں گے لیکن لڑکی کا باپ راضی نہیں ہوا اور اس نے دونوں گھرانوں کے درمیان جو تحفے یا چیزیں بھیجی جاتی تھیں کھانا وغیرہ وہ بھی واپس کر دیں اور پابندی لگا دی مجبور ہو کر لڑکے والوں نے خاموشی اختیار کر لی۔

وقتاً فوقتاً لوگ مذاکرات کے لئے جاتے رہے لیکن بات نہیں بنی۔ اس دوران تقریباً سات ماہ کا عرصہ گزر گیا جب حمل کا وقت آیا تو لڑکے کے سالے نے فون کیا کہ تمہاری بیوی اسپتال میں ہے اور آپریشن کی ضرورت پڑ سکتی ہے، آپ دستخط کرنے کے لئے آ جاؤ۔ لڑکے نے کہا کہ میں چھ سات ماہ سے صورتحال سے لاعلم ہوں مجھے کچھ پتہ نہیں ہے، میں صرف دستخط کرنے کیلئے کیسے آؤں اس نے کہا کہ آنا یا مت آنا تمہاری مرضی ہے۔ تمہاری بیوی تمہیں یاد کر رہی ہے، بہر حال لڑکا نہیں گیا اور وہاں بچی کی پیدائش ہو گئی بچی پیدا ہونے کی اطلاع نہیں دی گئی۔ بہر طور لڑکے نے ساتویں دن بچی کا عقیقہ کیا اور بکری ذبح کی کہ چلو ہم نے بچی کو دیکھا نہیں ہے، وہ اپنے نانا کے گھر پر ہے۔ ہم نے عقیقے کا گوشت ان کو بھیجا، وہ بھی واپس کر دیا گیا۔ بچی کی پیدائش کے دو ہفتے بعد پھر مذاکرات کئے گئے۔ لڑکے والوں کی طرف سے لڑکے کا بہنوئی گیا اور لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کو بھیجنے پر راضی ہو گیا۔ لڑکا خود اپنے والد بھائیوں اور بہنوئی کے ساتھ گیا اور اپنی بیوی اور بچی کو لے کر آ گیا۔

معلوم کرنا ہے کہ از روئے شریعت بچی کی پیدائش کا خرچہ اور لڑکی جو کہ بغیر شوہر کی رضامندی کے اپنے باپ کے گھر رہتی ہے اس کے علاج وغیرہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے؟

اس کے بعد لڑکی تقریباً ڈیڑھ ماہ اپنے شوہر کے ساتھ رہی اور شوہر نے اس کا اس کی مرضی کے موافق اور اپنے سسرال

Marfat.com

والوں کی مرضی کے موافق علاج وغیرہ کرایا۔لڑکی خوش وخرم رہی اور اس دوران لڑکی کے گھر والے بہن، بھابھیاں وغیرہ ملنے آتی رہیں اور اکثر چھوٹی بچی کو نانا ملنے کے لئے اپنے گھر منگواتے رہے۔کوئی مسئلہ نہیں ہوا، پھر لڑکی کے گھر والوں نے کہا کہ ہماری بیٹی کو دو مہینے کے لئے بھیج دو۔لڑکے نے کہا کہ دو ماہ کا عرصہ بہت زیادہ ہے، دو ہفتے کے لئے لے جاؤ لیکن لڑکی کے گھر والے راضی نہیں ہوئے تو لڑکے نے اور اس کے گھر والوں نے خوشی سے دو ماہ کیلئے بھیج دیا۔اس دوران لڑکا اپنی بچی کو منگوالیتا اور کچھ دیر کے بعد واپس بھیج دیا جاتا۔اکثر بچی کی دادی بچی کو منگوالیتیں پھر بھیج دیا جاتا۔اچانک لڑکی کے باپ نے لڑکے کو کہا کہ ہمارے ساتھ کھانا کھالو۔لڑکا کھانا کھانے ان کے گھر چلا گیا تو لڑکے سے اسکے بہنوئی کا فون نمبر لیا اور لڑکے کے بہنوئی کو بلوایا اور اُن سے بات کی کہ میں اب لڑکی کو نہیں بھیجوں گا۔آپ جہیز کا سامان باندھ کر رکھیں۔لڑکے نے اپنی بیوی سے رابطہ کیا تو اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں کرسکتی، میرے بڑے میرے والد جو کچھ کر رہے ہیں میں بات نہیں کرسکتی۔اس کے بعد بچی کو اس کی دادی نے منگوایا تو جواب دیا گیا کہ بچی نہیں جائے گی جس کو ملنا ہے یہاں آکر مل لے۔

کیا از روئے شریعت نانا کو اختیار ہے کہ بچی کو اس کے والد یا دادا، دادی کو ملانے سے منع کردے اس کے بعد پھر وہی حالات ہیں اور علیحدگی کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔لڑکا اور اس کے گھر والے طلاق نہیں دینا چاہتے، لڑکا چاہتا ہے کہ ہماری بچی ماں باپ دونوں کے سائے میں پرورش پائے لیکن لڑکی کا باپ لڑکی کو طلاق دلوانا چاہتا ہے۔

اگر خدانخواستہ علیحدگی ہوئی تو اس صورت میں بچی کی پرورش کا اختیار کس کو ہوگا کیونکہ لڑکا تو طلاق نہیں دینا چاہتا اور اگر لڑکی کی طرف سے یا اس کے والد کی طرف سے خلع کا مطالبہ ہوا تو بچی کو اس کا باپ اپنے پاس رکھ سکتا ہے؟ یا اگر لڑکی کا باپ خلع لینے کی صورت میں لڑکی کے اور بچی کے نان ونفقہ کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمادیں۔

(۱) لڑکی کی طرف سے خلع کی صورت میں لڑکی کا باپ نان ونفقہ کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ (واضح رہے کہ لڑکا طلاق نہیں دینا چاہتا۔)

(۲) بچی کی پیدائش کا خرچہ اور لڑکے کی بیوی جو بغیر شوہر کی رضامندی کے اپنے باپ کے کہنے پر باپ کے گھر رہتی رہی ہے اس کے علاج وغیرہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے؟

(۳) از روئے شریعت لڑکی کے باپ کا لڑکی کو شوہر سے ملنے سے روکنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) لڑکی کا بار بار اپنے شوہر سے کہنا کہ تمہارے گھر میں تمہاری بیوی ہوں اور باپ کے گھر میں ان کی بیٹی ہوں۔باپ کی بات مانوں گی، آپ کی نہیں مانوں گی جائز ہے یا نہیں؟

(۵) کیا نانا کو اختیار ہے کہ نواسی کو اس کے باپ یا دادا دادی سے ملنے سے روک دے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ تفصیل کے مطابق جو آپ نے بیان کی اگر وہ درست ہو اور آپ کی طرف سے کوئی ظلم وتعدی نہیں ہے تو آپ کا اپنی بیوی

Marfat.com

کو بار بار بلانا اور لڑکی کے باپ کا شوہر کو ملنے سے منع کرنا جائز نہیں اور آپ کی بیوی کا جواب دینا کہ باپ کے گھر میں ان کی بات مانوں گی آپ کی نہیں یہ نافرمانی میں داخل ہے لہٰذا جتنے دن لڑکی باپ کے گھر رہی ان دنوں کے نان نفقے کا مطالبہ کرنا لڑکی کے باپ کے لئے درست نہیں۔

(۲) بچی کا خرچہ (یعنی لباس وغیرہ) باپ کے ذمے لازم ہوگا اور شوہر کے بلانے کے باوجود لڑکی اپنے باپ کے گھر رہی لہٰذا بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے اس کے علاج ومعالجے کا خرچہ شوہر کے ذمے لازم نہ ہوگا۔

(۳) از روئے شرع باپ کو زوجین کے درمیان مصالحت کی کوشش کرنی چاہیئے نہ یہ کہ بیٹی کو شوہر سے ملنے سے روکا جائے باپ کا یہ فعل قطعاً جائز نہیں۔

(۴) لڑکی کے یہ الفاظ کہنا "کہ تمہارے گھر میں تمہاری بیوی ہوں اور باپ کے گھر میں ان کی بیٹی ہوں اور باپ کے گھر میں باپ کی بات مانوں گی آپ کی نہیں" یہ کہنا درست نہیں بلکہ یہ شوہر کی نافرمانی ہے کیونکہ باپ کے گھر جانے سے نکاح ختم نہیں ہوتا کہ شوہر کی نافرمانی کی اجازت ہو بلکہ بیوی پر شوہر کی اطاعت لازم ہے جبکہ وہ خلاف شرع کام کا حکم نہ دے، لہٰذا عورت کی مذکورہ بات کی وجہ سے شوہر کے ذمے اس کا نفقہ لازم نہیں۔

(۵) نانا کو اختیار نہیں کہ وہ نواسی کو باپ، دادا، دادی سے ملنے سے روکے بلکہ یہ اختیار شوہر کو ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک ہفتے تک اپنے گھر والوں سے ملنے سے روک دے۔

نوٹ: پیدائش کے بعد سے لے کر ۹ سال تک بچی کی پرورش کا حق ماں کو ہے اس کے بعد بچی کو باپ کے حوالے کیا جائے گا البتہ بچی کا نفقہ دونوں صورتوں میں باپ کے ذمے لازم ہوگا۔

لما في القرآن الكريم (النساء :۳۴) : الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

وفی البحر الرائق (۳۳۱/۴) باب النفقة: وقد استفيد مما ذكرناه أن لها الخروج إلى زيارة الأبوين والمحارم فعلى الصحيح المفتي به تخرج للوالدين في كل جمعة بإذنه وبغير إذنه ولزيارة المحارم في كل سنة مرة بإذنه وبغير إذنه وأما الخروج للأهل زائدا على ذلك فلها ذلك بإذنه۔

وفی الدر المختار (۴۴۱/۳) باب الخلع: (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق (بما يصلح للمهر) بغير عكس كلي لصحة الخلع بدون العشرة وبما في يدها وبطن غنمها۔

وفی الشامية (۴۴۱/۳): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع ا هـ ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية وقد أوضح

Marfat.com

الكلام عليه في الفتح آخر الباب۔

وفی الدر المختار (۵۷۶/۳): و (خارجة من بيته بغير حق) وهي الناشزة حتى تعود ولو بعد سفره خلافا للشافعي والقول لها في عدم النشوز بيمينها۔

وفی الرد تحته: قوله (وهي الناشزة) أي بالمعنى الشرعي أما في اللغة فهي العاصية على الزوج المبغضة له۔

(۶۶۲) عدتِ وفات کے بعد عورت کا سسرال میں رہنا

سؤال

اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، اب عورت کو عدت کے بعد شوہر کے گھر میں رہنے کی اجازت ہے یا نہیں جبکہ اس گھر میں اس کے جوان دیور بھی موجود ہیں؟ اگر اجازت ہے تو قرآن وحدیث کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر یہ گھر شوہر کا ہے اور عورت اور اس کے بچوں کی ملکیت میں ہے تو دیور وغیرہ کا اس گھر میں رہنا جائز نہیں۔

۲۔ اگر گھر سسر کا ہے اور اس گھر میں جو کچھ حصہ شوہر کو ملنا تھا وہ حصہ بیوی کی طرف منتقل ہو رہا ہے تو بیوی کو چاہیئے کہ اس حصہ میں رہے جو اس کی طرف منتقل ہوا ہے۔

۳۔ اگر گھر شوہر کا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حصہ گھر کا زوجہ کو ملتا ہے تو اس عورت کو چاہیئے کہ عدت وفات کے بعد سسرال چھوڑ کر اپنے میکے چلی جائے۔

۴۔ اگر سسرال والوں کو مرحوم کی اولاد سے بے پناہ محبت ہے اور مرحوم کی زوجہ کا احترام وعفت ان کے دلوں میں پہلے کی طرح موجود ہے اور وہ ان کو اپنے ساتھ رکھنے کے خواہشمند ہیں تو اس صورت میں عورت کو چاہیئے کہ پردہ کی رعایت کرتے ہوئے سسرال والوں کے ساتھ رہے بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

لمافی الشامية (۵۳۷/۳): وإذا طلقها زوجها وليس لها إلا بيت واحد فينبغي أن يجعل بينه وبينها حجابا وكذلك في الوفاة إذا كان له أولاد رجال من غيرها فجعلوا بينهم وبينها سترا أقامت وإلا انتقلت اه وأنت خبير بأن هذا نص ظاهر الرواية فوجب المصير إليه ولعل وجهه خشية الفتنة حيث كانوا رجالا معها في بيت واحد وإن كانوا محارم لها بكونهم أولاد زوجها كما قالوا بكراهة الخلوة بالصهرة الشابة۔

Marfat.com

وفي الفتاوىٰ اللجنة (٢١/١٧): يجوز الكلام مع زوجة الأخ بقدر الحاجة، إذا كانت متحجبة وأمنت الفتنة، وكان ذلك بغير خلوة بها.

(٦٦٣) شوہر کا بیوی بچوں کو طعنے دینا

سوال

ایک شخص شادی سے قبل بے روزگار تھا۔ شادی کے ۵ ماہ بعد نوکری لگی۔ آج اللہ کا شکر ہے ۴ بچے ہیں اور اللہ کا دیا سب کچھ ہے لیکن اس شخص میں ایک عادت انتہائی عجیب ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے بیوی، بچوں کو طعنے دیتا ہے۔ بچوں کو کاروبار کیلئے پیسے دیئے تھے اور بیوی کو اس کی ضروریات کیلئے پیسہ دیتا ہے، گھر میں کوئی کمی بھی نہیں لیکن اٹھتے بیٹھتے اس شخص کا معمول ہے، ذراسی بات پر طعنے دیگا کہ تم لوگوں پر میرا احسان ہے، میں نہ ہوتا تو بھیک مانگ رہے ہوتے آج جو بدن پر کپڑا ہے میرا کمایا ہے، چاہوں تو بھیک منگوادوں۔ بچوں کو یہ بھی کہتا ہے تمہارے پاس جو کچھ ہے میرا دیا ہے، جتنے بڑے بن جاؤ میرے پیسے سے بنو گے۔ کیا اس شخص کا یہ رویہ درست ہے؟ اور کیا شرعاً یہ اس شخص کی ذمہ داری نہیں کہ بیوی بچوں کو پیسے دے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بیوی بچوں پر احسان جتلانا اور بات بات پر انہیں طعنے دینا درست نہیں یہ شرعاً نیکی کر کے اسے تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ شرعاً شوہر کے ذمے بیوی کا نان نفقہ اور رہائش کا بندوبست کرنا واجب ہے۔ بیوی پر اس کا یہ خرچ احسان ہی نہیں تو اس پر طعنے دینا یا احسان جتلانا ایک لغو اور فضول حرکت ہے البتہ بچوں کو بالغ ہونے کے بعد کاروبار وغیرہ کیلئے پیسہ دینا شرعاً باپ پر واجب نہیں، یہ اس کی طرف سے تبرع اور احسان ہے لیکن شرعاً احسان کر کے (وہ بھی اپنے خون اور اولاد پر) اسے جتلانا درست نہیں بلکہ الٹا گناہ کا سبب ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاً تو بیوی پر شوہر کا احسان جتلانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے کیونکہ بیوی کو نفقہ دینا شرعاً اس پر واجب ہے، نہ دینے پر عنداللہ اس کی پکڑ ہوگی، البتہ بچوں کو کاروبار کیلئے دیا پیسہ اس کا احسان ہے لیکن اس پر اولاد پر احسان جتلانا، طعنے دینا درست نہیں، کیا معلوم اس کو تنگدستی کے بعد شادی اور ان اولاد کی برکت سے ہی فراوانی عطا کی گئی ہو اور اس کے ان کلمات سے ناراض ہو کر اللہ اس پر تنگدستی کو مسلط فرمادیں نیز مستقبل میں ان بچوں کا کمایا ہوا بڑھاپے کے وقت اس کے بھی کام آئے گا اور یہی اولاد اس کا سرمایہ ہوں گے البتہ بیوی بچوں کو بھی چاہیئے کہ اس شخص کا مزاج سمجھیں اور ان کی ہلکی پھلکی باتوں کو خندہ پیشانی سے تسلیم کرلیں اس پر اللہ بھی انہیں اجر دے گا اور گھر کا سکون بھی بحال رہے گا کیونکہ بہر حال یہ ان کا حق ہے کہ انہیں گھر کا بڑا اور سرپرست تسلیم کیا جائے اور اگر مزاج کی ترشی کے باعث وہ کچھ غلط الفاظ کہہ دیتے ہیں تو ان سے تسامح کردیا جائے، یہی دنیا و آخرت میں سکون اور فرحت کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں انہیں جواب دینا یا اسے اپنے ساتھ ظلم شمار کرنا، مسئلے کو اور زیادہ پیچیدہ بنادے گا جو کہ گھر والوں میں سے

Marfat.com

کسی ایک کیلئے بھی مفید نہ ہوگا۔

لمافی البخاری (۲/۴۰۵): عن مصعب بن سعد، قال: رأى سعد رضي الله عنه، أن له فضلا على من دونه، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم۔

وفی الهندیة (۱/۵۶۰): الفصل الرابع في نفقة الأولاد نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كذا في الجوهرة النيرة ۔۔۔ (۱/۵۶۳): ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال كذا في الخلاصة ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار إلا أن الولد يكون عاجزا عن الكسب لزمانة أو مرض ومن يقدر على العمل ولكن لا يحسن العمل فهو بمنزلة العاجز كذا في فتاوى قاضي خان۔

(۶۶۴) نامرد پر بھی بیوی کا نفقہ واجب ہے

سؤال

ایک آدمی نامرد ہے جماع نہیں کرسکتا اس کی شادی ہوئی اور بیوی صحت مند جماع کے قابل لڑکی ہے۔اس صورت میں نامرد پر بیوی کا نفقہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عنین (نامرد) پر اس کی بیوی کا خرچہ واجب ہے، اگرچہ جماع پر قدرت نہ ہو کیونکہ بیوی کا یہ خرچہ جماع کا عوض نہیں بلکہ خاوند کے گھر میں رہنے کا بدلہ ہے۔

لمافی الهندیة (۱/۵۴۶): وإن كان الزوج صغيرا والمرأة كبيرة فلها النفقة لوجود التسليم كذلك إذا كان الزوج مجبوبا أو عنينا أو مريضا لا يقدر على الجماع أو خارجا للحج فلها النفقة لوجود التسليم كذا في البدائع۔

وفی الدرالمختار (۳/۵۷۲): (فتجب للزوجة) ۔۔۔ (على زوجها) لأنها جزاء الاحتباس وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته۔

وفی الشامیة (۳/۵۷۸): لأن الاحتباس جاء لمعنى من جهته لا من جهتها كما لو كان مريضا أو صغيرا أو مجبوبا أو عنينا۔

Marfat.com

(٦٦٥) والد کا نفقہ اور انہیں جیب خرچی دینے کا حکم

سؤال

ایک شخص کی بیوی بھی موجود ہے اور اس شخص کی بیٹیوں اور بیٹوں کی بھی شادیاں ہوگئی ہیں لیکن پھر بھی اس شخص کے دوسروں کی عورتوں اور بے ریش لڑکوں سے ناجائز تعلقات ہیں اور غلط کام کرتا ہے۔ اب اس شخص کا بیٹا پوچھتا ہے کہ میں ایک ملازم شخص ہوں اور ماں باپ بھی میرے ساتھ رہتے ہیں یعنی ان کے اخراجات بھی میں ادا کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں اپنے باپ کو جیب خرچی بھی دیتا ہوں اور مجھے معلوم بھی ہے یہ غلط کام میں خرچ کرتا ہے، اگر خرچہ نہیں دیتا تو ناراض ہوجاتا ہے اور بولنا بھی چھوڑ دیتا ہے اور بعض اوقات خرچہ نہ دینے کی وجہ سے والدہ پر غصہ کرتا ہے اور مارنے لگ جاتا ہے اور ہم چھڑانے کیلئے جاتے ہیں تو تلخ کلامی بھی ہوجاتی ہے جبکہ قرآن وحدیث میں آیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، ان کو اُف تک نہ کہو۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں کہ میں باپ کو پیسے دوں یا نہ دوں؟ نیز یہ بات بھی ہے کہ اگر کم خرچہ دیتا ہوں تو پھر بھی نہیں لیتے اور تلخ کلامی ہوجاتی ہے۔ براہ کرم اس مسئلہ کے اندر میری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر آپ ان کے ضروری اخراجات (مثلاً طعام، لباس اور رہائش) مکمل ادا کرتے ہیں تو آپ پر یہ لازم نہیں ہے کہ آپ انہیں علیحدہ سے جیب خرچی (نقد کی صورت میں) بھی دیں خصوصاً اس وقت جبکہ وہ ان پیسوں کو غلط کاموں میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہ تعاون علی المعصیت ہے جو کہ جائز نہیں ہے اور والدین کی اطاعت اس وقت واجب ہے جب وہ شریعت کے مطابق ہو لہذا اگر وہ جیب خرچ کو گناہ کے کاموں میں استعمال کرتے ہیں تو ان کو جیب خرچ نہ دیا کریں نیز انہیں اس فعل شنیع سے دور رکھنے کیلئے مختلف تدابیر اور طریقے استعمال کریں مثلاً جن لوگوں کے گھر میں آنے سے وہ ایسے کاموں میں ملوث ہوسکتے ہیں ان کا داخلہ گھر میں بند کردیں۔

لمافی القرآن الکریم (لقمان: ١٥): وَإِنۡ جَاهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشۡرِكَ بِي مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٞ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَصَاحِبۡهُمَا فِي ٱلدُّنۡيَا مَعۡرُوفٗا...الآية.

وفی بدائع الصنائع(١٩٣/٥): فصل وأما بيان مقدار الواجب من هذه النفقة فنفقة الأقارب مقدرة بالكفاية بلا خلاف لأنها تجب للحاجة فتتقدر بقدر الحاجة وكل من وجبت عليه نفقة غيره يجب عليه له المأكل والمشرب والملبس والسكنى والرضاع إن كان رضيعا لأن وجوبها للكفاية والكفاية تتعلق بهذه الأشياء۔

وفيه ايضاً(١٧١/٥): وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال إن أطيب ما يأكل الرجل من

Marfat.com

كسبه وإن ولده من كسبه فكلوا من كسب أولادكم إذا احتجتم إليه بالمعروف والحديث حجة بأوله وآخره أما بآخره فظاهر لأنه صلى الله عليه وسلم أطلق للأب الأكل من كسب ولده إذا احتاج إليه مطلقا عن شرط الإذن والعوض فوجب القول به۔

وفي الشامية (۳/۶۲۲):قوله (النفقة) أشار إلى أن جميع ما وجب للمرأة وجب للأب والأم على الولد من طعام وشراب وكسوة وسكنى حتى الخادم بحر۔

(۶۶۶)اولاد کا نفقہ والد پرکب واجب ہوتا ہے

سؤال

مفتی صاحب! اولاد جب بالغ ہوجائے تو اس کا نفقہ اور اس کی شادی کے مصارف والد کے ذمہ ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اولاد کا نفقہ والد کے اوپر واجب ہونے کیلئے فقہائے کرام نے چند شرائط ذکر کئے ہیں جہاں یہ شرائط موجود ہوں انکا نفقہ والد کے ذمہ ہوگا اور جہاں یہ شرائط موجود نہ ہوں ان کا نفقہ والد کے اوپر لازم نہیں ہوگا۔

(۱) طفولیہ (نابالغ ہونا)۔اس سے بالغ اولاد خارج ہوگئی لیکن اگر بالغ اولاد میں سے کوئی مجنون یا بیمار [مثلاً نابینا ہونا] یا علم دین وغیرہ کا طالب ہو تو ان صورتوں کے اندر بالغ ہونے کے باوجود ان کا نفقہ والد کے ذمے لازم ہوگا۔

(۲) فقر۔اس سے مالدار اولاد خارج ہوگئی کیونکہ اس صورت میں ان کے مال میں سے ان کے اوپر خرچ ہوگا۔

(۳) عجز عن الکسب ۔اس سے وہ اولاد خارج ہوگئی جو کسب پر قادر ہو۔

اس طرح لڑکیوں کے اندر اگر بلوغ بھی پایا جائے تب بھی ان کی شادی ہونے تک ان کا نفقہ والد کے ذمے ہوگا۔

دوسرا جزء: شادی کے مصارف، جس اولاد کا نفقہ والد کے ذمے لازم ہو ان کی شادی کے مصارف بھی والد کے ذمے ہوں گے۔

لما في الهندية(۱/۵۶۳):طلبة العلم إذا كانوا عاجزين عن الكسب لا يهتدون إليه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم إذا كانوا مشتغلين بالعلوم الشرعية لا بالخلافيات الركيكة وهذيان الفلاسفة ولهم رشد وإلا لا تجب كذا في الوجيز للكردري ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال كذا في الخلاصة ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار إلا

Marfat.com

أن الولد يكون عاجزا عن الكسب لزمانة أو مرض ومن يقدر على العمل لكن لا يحسن العمل فهو بمنزلة العاجز كذا في فتاوى قاضي خان۔

(۶۶۷) ماں کا اپنے بیٹے سے نفقہ لینا

سؤال

میرا پھوپھی زاد بھائی کاروبار میں میرا شریک ہے اور وہ خود برطانیہ میں ہوتا ہے، بہت مالدار ہے پیسے کی خوب ریل پیل ہے لیکن اپنی والدہ کو خرچ دینے میں نہایت بخل سے کام لیتا ہے اور بہت ہی کم پیسے بھیجتا ہے جس میں اس کی والدہ کا گزارہ نہایت مشکل سے ہوتا ہے، جبکہ اپنے سسرال میں خوب کھلے دل سے خرچ کرتا ہے۔ اس کی والدہ یعنی میری پھوپھی مجھ سے مطالبہ کرتی ہیں کہ تم اس کے نفع میں سے مجھے خرچ دیا کرو تو کیا شریعت کی رو سے اپنے شریک کو بتائے بغیر اس کے نفع میں سے اس کی والدہ کو خرچ کیلئے رقم دے سکتا ہوں؟ براہ کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

آپ کے پھوپھی زاد بھائی پر اپنی ماں کو بقدر کفایت نفقہ دینا واجب ہے اور اگر بیٹا نہیں دیتا یا کم دیتا ہے تو ماں، بیٹے کے مال میں سے بقدر ضرورت کسی بھی طرح لے سکتی ہے لیکن ایک شریک ہونے کی حیثیت سے آپ اپنے شریک (پھوپھی زاد بھائی) کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں دے سکتے۔

لما فی القرآن الکریم (الاسراء:۲۳): وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ الآية۔

وفی صحيح البخاری (۸۰۹/۲): باب {وعلى الوارث مثل ذلك} [البقرة] وهل على المرأة منه شيء: عن عائشة رضي الله عنها قالت هند يا رسول الله، إن أبا سفيان رجل شحيح، فهل علي جناح أن آخذ من ماله ما يكفيني وبني؟ قال: خذي بالمعروف۔

وفی الشامية (۳۰۰/۴) (كتاب الشركة): قوله (في الامتناع) الأولى حذفه لأنه أجنبي في التصرف لا في الامتناع عنه إلا أن يقال قوله أجنبي أي كأجنبي ويكون هذا بيانا لوجه الشبه ط قوله (عن تصرف مضر) احترز به عن الغير المضر كالانتفاع ببيت وخادم وأرض في غيبة شريكه۔

وفيه أيضاً (۳۲۸/۴): قوله (ولم يزك أحدهما الخ) لأن الإذن بينهما في التجارة والزكاة ليست منها۔

Marfat.com

(۶۶۸) بڑوں کی خدمت وغیرہ کس پر لازم ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! میرے دادا اور والد کا انتقال ہوگیا ہے جبکہ دادی ہمارے ساتھ رہائش پذیر ہیں اور اکثر بیمار رہتی ہیں، میری والدہ اور بہنیں وغیرہ ان کا ہر لحاظ سے خیال کرتے ہیں، دواء وغیرہ اور کھانا پینا ان کا ہمارے ساتھ ہی ہے۔ ہماری دادی کی کچھ جائیداد تھی جو کہ انہوں نے ایک دارالافتاء سے طریقہ معلوم کر کے ہمارے قبضے میں دے دی تھی کیونکہ ہماری دادی کہتی ہیں کہ میں جس کے ساتھ شروع سے رہتی آئی ہوں اور جو بہو اور پوتے اور پوتیاں ساری زندگی میری خدمت کرتے ہیں، یہ ان کا حق ہے جبکہ ان کی دیگر اولاد جن میں دو بہنیں یعنی ان کی بیٹیاں ہیں، وہ صاحبِ استطاعت ہیں۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ہماری دادی کی جو بڑی بیٹی ہیں وہ ہمیشہ ہم سے آکر لڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تم لوگ ان کی خدمت نہیں کرتے، تم ان کو کھلاتے نہیں ہو اور جب ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے تو کہتی ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، اور پورے خاندان میں ہم کو بدنام کیا ہوا ہے کہ یہ لوگ صحیح سے خیال نہیں کرتے۔

ابھی گزشتہ اتوار کو وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ہمارے گھر پر آئیں جیسا کہ ان کا معمول ہے، اس وقت میں بھی موجود تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ جاؤ ان کو جوس لا کر دو کیونکہ یہ لوگ تو پلاتے نہیں ہیں۔ اس وقت ہم نے کچھ نہیں کہا اور خاموش ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد میری والدہ سے کہنے لگیں کہ تم ان کو پھل کھلا رہی ہو یا نہیں؟ ہم نے کہا جب ان کی خواہش ہوتی ہے اور یہ مانگتی ہیں تو ہم ان کو دیدیتے ہیں کیونکہ ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ جب یہ مانگیں اس وقت دیں۔ آجکل ان کو الٹیاں بہت ہو رہی ہیں، تو ہمارے گھر کا فریج کھول کر دیکھنے لگیں کہ پھل کہاں رکھے ہیں چونکہ ہماری دادی ٹھنڈے پھل نہیں کھاتیں اس لئے ہم کچن میں رکھتے ہیں تو ان کو فریج میں نظر نہیں آئے، لہذا فوراً کہنے لگیں کہ دیکھا میں کہتی ہوں نا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو۔ ہم نے کہا کہ آپ کچن میں آکر دیکھ لیں کہ رکھے ہوئے ہیں یا نہیں؟ اس پر کہنے لگیں کہ قیامت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی کہ تم لوگ خدمت نہیں کرتے۔ اس پر میں نے کہا کہ قیامت کے دن صرف ہماری نہیں آپ لوگوں کی بھی پکڑ ہوگی کیونکہ خدمت صرف پوتے پوتیوں اور بہو پر لازم نہیں بلکہ تمام اولاد پر لازم ہے۔ جس میں آپ بھی اور آپ کی اولاد بھی شامل ہیں تو کہنے لگیں نہیں صرف تم لوگوں پر فرض ہے، کیونکہ جائیداد تو تم لوگوں نے لی ہے اور ہمارے اوپر نہیں ہم تو صرف اتوار کو آئیں، یہ بھی ہمارا احسان ہے اور بھی بہت کچھ کہا۔

آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اصل خدمت کس پر فرض ہے؟ کیا جس طرح ہم پر ہے آیا ان پر اور ان کی اولاد پر بھی فرض ہے؟ یعنی ان کی بیٹی اور نواسے نواسیوں پر بھی یا صرف ہم پر؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو بہو پر ساس سسر کی خدمت فرض ہے یا نہیں؟ آیا کرنی چاہئے اگر نہ کرے تو کچھ مواخذہ تو نہیں ہوگا اور یہ بات بھی یاد رہے کہ ہمیں کوئی لالچ نہیں کہ ہم اپنی

Marfat.com

دادی کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر دادی ہمیں کچھ نہ بھی دیتیں تو اس صورت میں بھی میں اور میری والدہ خدمت کرنے پر تیار ہیں، تھے اور رہیں گے۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ضعیف ماں کی خدمت شرعاً تمام اولاد پر فرض ہے البتہ اولاد وفات پاچکی ہو تو پھر پوتے اور پوتیوں پر فرض ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی دادی کی خدمت ان کی تمام آل واولاد پر لازم ہے البتہ ان کی بیٹیوں اور بیٹوں پر ان کا حق زیادہ بنتا ہے کہ وہ ان کی خوب خدمت کریں اور جو کچھ ان کا نان ونفقہ ہے وہ برداشت کریں۔ اپنے بڑوں اور بزرگوں کی خدمت کو سعادت اور اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھنا چاہیئے اور ساس بھی چونکہ ماں کا درجہ رکھتی ہے اس لئے بہو کو چاہیئے کہ اپنی ماں کی طرح اس کا خیال رکھے اور اس معاملے میں آپ لوگوں کو چاہیئے کہ ایک دوسرے کو کہنے کے بجائے خود ان کی خدمت میں لگیں۔

باقی اپنی زندگی میں دادی نے اپنی ملکیت سے بخوشی جس کو جو دیدیا اس پر دوسروں کو خفگی کا اظہار نہ کرنا چاہیئے اور نہ اس سے شرعاً یہ لازم آتا ہے کہ اب وہی ان کی تاحیات خدمت کریں اور دوسرے کے ذمہ سے ان کا حق ساقط ہو گیا البتہ اگر دادی کے پاس وہ زمین اپنی نہ ہو بلکہ دادا کی زمین ان کے پاس بغیر تقسیم کے موجود ہو تو پھر دادی کا اس زمین کو کسی اور کو ہبہ کرنا جائز نہیں، اس میں دادا کے تمام ورثہ کو شرعی طریقے پر حق ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم وسمجھ عطا فرمائے۔ آمین

لمافی التفسیر المظھری (۴۳۱/۵): ولا تقل لهما أف حين تميط عنهما الخلاء والبول كما كانا يميطان عنك صغيرا۔

وفی الھندیة (۵۶۶/۱): وإذا كان له بنت وابن ابن فالنفقة على البنت خاصة وإن كان الميراث بينهما۔

وفيه أيضاً (۵۶۶/۱): وتجب نفقة الإناث الكبار من ذوي الأرحام وإن كن صحيحات البدن إذا كان بهن حاجة إلى النفقة كذا في الذخيرة۔

وفی الشامية (۶۲۳/۳): (قوله والمعتبر فيه القرب والجزئية لا الإرث) أي الأصل في نفقة الوالدين والمولودين القرب بعد الجزئية دون الميراث كذا في الفتح أي تعتبر أولا الجزئية أي جهة الولاد أصولا أو فروعا وتقدم على غيرها من الرحم، ثم يقدم فيها الأقرب فالأقرب، ولا ينظر إلى الإرث ---- ولو له بنت وابن ابن فعلى البنت لقربها في الجزئية وإن اشتركا في الإرث كما في الفتح وغيره۔

وفی (۶۲۴/۳): وكذا تجب في بنت وابن ابن علي البنت فقط لقربها ذخيرة۔

Marfat.com

(۶۶۹) ماں کی تیمارداری بیٹوں پر ہے یا بیٹیوں پر؟

سؤال

ہم ۸ بہن بھائی ہیں۔ ۵ بہنیں اور ۳ بھائی ہیں۔ پانچوں بہنوں کی شادیاں ہوگئی ہیں اور دو بھائی شادی شدہ ہیں، باپ کا انتقال ہوگیا ہے اور ماں کو فالج ہے اور وہ بیمار ہیں۔ چھوٹی بہن کے پاس امی رہتی تھیں، اس کی مجبوری ہے اس وجہ سے چھوٹی بہن نے بڑے بھائی کے پاس امی کو بھجوادیا تھا۔ چھ مہینے رکھنے کے بعد بڑی بھابھی کہہ رہی ہیں کہ اب امی کو کوئی بہن یا بھائی رکھے۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ بتائیں کہ ہماری امی اب کس کے پاس رہ سکتی ہیں؟ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ وبالوالدین احسانا (تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو) چنانچہ ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں جس کی وجہ سے محتاج خدمت ہوجائیں، ان کی زندگی اولاد کے رحم وکرم پر رہ جائے، اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذراسی بے رخی بھی محسوس ہوتو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دل جوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اپنا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں جس طرح انہوں نے اپنی راحت وخواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا، اب جبکہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا تو عقل وشرافت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے اس سابق احسان کا بدلہ ادا کرو۔

شریعت مطہرہ میں والدین کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اولاد پر برابر ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی والدہ کا نان ونفقہ اور خدمت تمام بہن بھائیوں پر لازم ہے لیکن چونکہ شادی شدہ بہنوں کو ان کے شوہروں کی طرف سے کچھ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے لہٰذا جو ان کی نرینہ اولاد ہیں وہ اس خرچہ کو برداشت کریں نیز اگر داماد اپنی ساس کو اپنے گھر میں رکھنے کی اجازت نہ دے تو بھائیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی ماں کو اپنے ساتھ رکھیں۔

لما في الترمذي (۲۵۲/۱): عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أطيب ما أكلتم من كسبكم وإن أولادكم من كسبكم. قال وفي الباب عن جابر وعبد الله بن عمرو. قال أبو عيسى هذا حديث حسن.

وفي بدائع الصنائع (۱۶۷/۵): وكذا في نفقة والدته لعدم المشاركة في السبب وهو الولادة والاختصاص بالسبب يوجب الاختصاص بالحكم وكذا لا يشارك الإنسان أحد في نفقة جده

Marfat.com

وجدته عند عدم الأب والأم لأن الجد يقوم مقام الأب عند عدمه والجدة تقوم مقام الأم عند عدمها ولو كان له ابنان فنفقته عليهما على السواء وكذا إذا كان له ابن وبنت، ولا يفضل الذكر على الأنثى في النفقة لاستوائهما في سبب الوجوب وهو الولادة۔

وفی الدرالمختار (۶۲۲/۳): (النفقة لأصوله)۔۔۔(الفقراء) ۔۔۔(بالسوية) بين الابن والبنت ۔۔۔ (والمعتبر فيه القرب والجزئية)۔

وفی الفقه الاسلامی (۷۴۲۳/۱۰): استقلال الولد بنفقة أبويه :لا يشارك الولد في نفقة أبويه أحد؛ لأنه أقرب الناس إليهما ۔

وفی (۷۵۷۵/۱۰): فإن تعدد الفروع فقال الحنفية : إن اتحدت درجة قرابتهم كابنين أو بنتين أو ابن وبنت، وجبت النفقة بالتساوي بينهم، سواءكانوا وارثين أم بعضهم وارثاً والآخر غير وارث، للتساوي في القرب والجزئية، ولا ينظر إلى أن الابن يأخذ ضعف البنت في الميراث.

(۶۷۰) باپ کے انتقال کے بعد مطلقہ ماں کو واپس لانا

سؤال

ایک عورت کو اس کے شوہر نے دو تین سال قبل طلاق دی تھی اور اس کو ایک مکان دیا تھا اور اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا رہتا تھا۔اس آدمی کی اور اولاد بھی ہے جو اس کے ساتھ رہتی تھی۔اب اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔اس کی اولاد کی خواہش ہے کہ ہم اپنی والدہ کو اپنے گھر لے آئیں اور وہ ہمارے ساتھ رہیں۔آیا شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کی والدہ کو طلاق ہو جانے سے آپ اور آپ کی والدہ کے مقدس رشتے میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ شریعت نے فرقت کی صورت میں والدہ کو اولاد کی پرورش کا ایک خاص وقت تک حقدار قرار دیا ہے۔آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنی والدہ محترمہ کو عزت واحترام کے ساتھ گھر لے آئیں اور خوب ان کی خاطر مدارت کریں کیونکہ آپ پر ان کی خدمت کرنا لازم ہے۔

لمافی القرآن المبین (الاحقاف:۱۵):وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔۔الآية

وفی التفسیر روح المعانی (۱۷/۹، الجز ۲۶):فقال:وصينا الإنسان بأن يحسن بوالديه إحسانا ولعل التنوين للتفخيم أي إحسانا عظيما۔

Marfat.com

وفی الهندية (۱/۵۴۱): الباب السادس عشر في الحضانة: أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة غير مأمونة كذا في الكافي۔

(۶۷۱) والدین کے ہوتے ہوئے نانا کا کفالت کرنا

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص اپنے نواسے کی کفالت کرنا چاہتا ہے۔ بچہ رہے گا تو ماں باپ کے پاس مگر اُس کے نانا اس کا خرچہ دینا چاہتے ہیں، کیا شرعی اعتبار سے ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا اپنے نواسہ کی کفالت کیلئے خرچہ دینا شرعاً درست ہے۔

لمافی الهندية (۴/۳۹۲): باب في الهبة للصغير: الموهوب له إن كان من أهل القبض فحق القبض إليه وإن كان الموهوب له صغيرا أو مجنونا فحق القبض إلى وليه ووليه أبوه أو وصي أبيه ثم جده ثم وصي وصيه ثم القاضي ومن نصبه القاضي۔

وفی الشامية (۵/۶۹۶) كتاب الهبة: فأفاد أن غير المأكول لا يباح لهما إلا لحاجة وضعوا هدايا الختان بين يدي الصبي فما يصلح له كثياب الصبيان فالهدية له۔

(۶۷۲) باپ نہ ہو تو بہنوں کا خرچہ کس پر ہے؟

سؤال

ہم تین بہن بھائی ہیں اور تقریباً ۹ سال پہلے ہمارے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ میرے چار ماموں ہیں۔ میرے بڑے ماموں محمد اقبال نے میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کو اپنی سرپرستی میں لیا۔ میرے دوسرے ماموں افضال احمد نے مجھے (عرفات حسین کو) اپنی سرپرستی میں لیا اور میرے تیسرے ماموں محمد عرفان نے میری چھوٹی بہن (ملکہ فائزہ) کو اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا۔ ہم تینوں مذکورہ بہن بھائی کی بمعہ شادی بیاہ کی ذمہ داری میرے تینوں ماموں نے اپنے اوپر لے لی۔

جناب آج سے تقریباً ایک سال پہلے میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کی کچھ مسائل کی بنا پر میری بڑی مامی اور ان کی بیٹیوں سے لڑائی ہو گئی تھی۔ جناب میری یتیم بہن کو گھر سے نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ پھر میرے چاروں ماموؤں خالاؤں نے بہت کوشش کی کہ لڑائی زیادہ

Marfat.com

نہ بڑھنے دیں اور یہ مسئلہ کسی طرح حل کروائیں مگر میری بڑی مامی، میری بہن (ملکہ اسماء) کو اپنے گھر میں رکھنے کے لئے راضی نہیں ہوئیں۔

اس وقت میرے ماموں بڑی مشکل میں تھے کیونکہ میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کی شادی کی عمر تھی اور کوئی بھی یہ ذمہ داری لینا نہیں چاہتا تھا۔ میرے سارے ماموں اس مسئلے پر سر جوڑ کر بیٹھے لیکن جب کوئی حل نہیں نکل سکا تو میرے چھوٹے ماموں (محمد عرفان) جنہوں نے میری چھوٹی بہن (ملکہ فائزہ) کو اپنی سرپرستی میں لیا تھا، انہوں نے کہا کہ اس لڑکی (ملکہ اسماء) کو میں اپنے گھر میں رکھ لیتا ہوں اور چونکہ اس کی تربیت بڑے بھائی اقبال اور بھابی نے کی ہے اس لئے میں صرف شادی تک کی ذمہ داری لیتا ہوں اور شادی کے بعد میری ذمہ داری ختم ہوجائے گی۔ پھر میرے چھوٹے ماموں (محمد عرفان) اور ان کی بیوی میری مامی میری بہن (ملکہ اسماء) کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اس کو تمام وہی حقوق دیئے جو اُن کے بچوں کیلئے حاصل تھے حتیٰ کہ میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کی تعلیم جو میرے بڑے ماموں (محمد اقبال) کے گھر رُک گئی تھی اس کو بھی دوبارہ شروع کروادیا۔

میرے ماموں محمد عرفان اور ان کی بیوی نے میری بہن (ملکہ اسماء) کی شادی کے سلسلے میں بہت کوششیں کی اور اس پورے سال میں میری بہن (ملکہ اسماء) کے تقریباً آٹھ رشتے آئے اور ان رشتوں کو میری بہن (ملکہ اسماء) نے پسند بھی کیا لیکن پھر وہ کسی نہ کسی بہانے ان رشتوں کو منع کردیتی۔ آج سے دو ماہ پہلے میرے دوسرے ماموں افضال احمد نے ایک رشتے کو میری بہن (ملکہ اسماء) کی شادی کے لئے فائنل بھی کیا تھا تو میری بہن (ملکہ اسماء) نے شادی کرنے سے منع کردیا۔ وہ کہتی ہے یہ رشتہ بہت اچھا ہے مجھے خود نہیں پتا میں اس کا کیوں منع کررہی ہوں، کوئی چیز ہے جو مجھے شادی کرنے سے روکتی ہے لہذا میں کسی بھی طور پر شادی نہیں کرسکتی۔ ہم سب لوگوں نے بہت زور دیا اُسے سمجھایا مگر وہ ابھی تک اپنے اس فیصلے پر قائم ہے اور وہ کسی بھی طور پر شادی نہ کرنے کا عہد کرچکی ہے۔

میرے ماموں محمد عرفان نے مجبوراً میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کو میرے پاس چھوڑ دیا تو میرے بڑے ماموں افضال احمد جنھوں نے میری پرورش کی ہے میری بہن (ملکہ اسماء) کو اپنے گھر میں رکھنے سے منع کردیا اور کہا کہ عرفات حسین کو میں نے پالا ہے اس کی ذمہ داری میری ہے اور یہ شادی کے بعد بھی میرے ساتھ رہے گا اور مذکورہ بہن کی ذمہ داری عرفات حسین کو نہیں لینے دوں گا اور میرے ماموں افضال احمد نے ایسا اس وجہ سے کہا کیونکہ میں ابھی اس قابل نہیں ہوں، نوکری تو ہے مگر میری تنخواہ صرف چھ ہزار ہے، میں کیسے گزارا کروں گا؟ اب میری بہن (ملکہ اسماء) بے یارومددگار کبھی ایک خالہ کے اور کبھی دوسری خالہ کے غرض تھوڑے تھوڑے دن چاروں خالاؤں کے ہاں رہتی ہے اور اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔

جناب اس مسئلے پر روشنی ڈالیں اور ہمارے لئے کوئی حل تجویز فرمائیں نیز یہ بھی کہ میرے بڑے ماموں (افضال احمد) خدا نخواستہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار تو نہیں ہورہے ہیں جو میری بہن (ملکہ اسماء) کو میرے پاس رہنے نہیں دے رہے مگر وہ صرف ایسا میری وجہ سے کررہے ہیں کیونکہ مجھے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جبکہ میں بھی بہت پریشان ہوں۔ جانتا ہوں کہ میری بہن کی ذمہ داری میری ہے مگر میری تنخواہ بہت کم ہے، جناب چھ ہزار میں کیا کروں گا۔

Marfat.com

اس مسئلے میں چند نکات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں تا کہ آپ کو مسئلہ حل کرنے میں آسانی ہو:

(۱) جب میرے امی ابو کا انتقال ہوا تھا تو ہمارا ایک مکان تھا جو کہ (240,000) میں فروخت ہوا تھا۔ اس رقم کے دو حصے تھے (120,000) میرے یعنی (عرفات حسین) کے سرپرست (افضال احمد) اور ایک ایک حصہ (60,000) (60,000) ساٹھ ساٹھ ہزار روپے میری دونوں بہنوں کے سرپرست محمد اقبال اور محمد عرفان کو دیئے گئے تھے۔ ہمارا وہ مکان کاغذات نامکمل ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ تھا لہٰذا فروخت کر دیا۔

(۲) میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) کی عمر تقریباً ۲۵ سال ہے اور اب اس کا کوئی کفیل نہیں ہے۔ میں (عرفات حسین) میری عمر ۲۲ سال ہے، ملازمت کرتا ہوں مگر تنخواہ بہت کم ہے اور اپنے ماموں افضال احمد کی سرپرستی میں اُن کے گھر میں خوشحال رہتا ہوں۔

(۳) چھوٹی بہن (ملکہ فائزہ) کی عمر تقریباً ۱۹ سال ہے وہ میرے ماموں محمد عرفان کی سرپرستی میں بہت خوش ہے۔

جناب میری بڑی بہن (ملکہ اسماء) جو اپنے شادی نہ کرنے کے فیصلے پر قائم ہے۔ شرعی طور پر اس کے لئے کیا حکم ہے؟ میرے لئے کیا اور میرے چاروں ماموؤں کیلئے کیا حکم ہے؟ بالترتیب بتایئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ برائے مہربانی تحریری طور پر اور بڑے کھلے انداز میں ہماری راہنمائی کیجئے۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) آپ کی بڑی بہن (ملکہ اسماء) کا نفقہ (خرچہ) شرعاً آپ پر لازم ہے اور آپ کے ماموں کو شرعاً یہ حق نہیں ہے کہ وہ آپ کو مذکورہ بہن کی کفالت سے منع کریں، بصورت دیگر گنہگار ہوں گے اور اسی طرح آپ کے چاروں ماموؤں پر اخلاقی طور پر یہ لازم ہے کہ وہ آپ کی مذکورہ بہن کی کفالت میں آپ کی مدد کریں۔

(۲) جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل نہ کرے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں" (ابن ماجہ ص ۱۳۲) لہٰذا مذکورہ وعید سے بچنے کے لئے، آپ کی بڑی بہن (ملکہ اسماء) کو چاہیئے (اگر کوئی شرعی عذر نہ ہو تو) اپنے مذکورہ فیصلہ کو ترک کر دے اور شادی کرنے پر راضی ہو جائے، ورنہ گنہگار ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۳): وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

وفی سنن ابن ماجه، باب ماجاء فی فضل النکاح (ص۱۳۲): عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : النکاح من سنتي، فمن لم یعمل بسنتي فلیس مني وتزوجوا فإني مکاثر بکم الأمم، ومن کان ذا طول فلینکح ، ومن لم یجد فعلیه بالصیام ، فإن الصوم له وجاء.

وفی الهندیة (۵۶۶/۱) الفصل الخامس فی نفقة ذوی الارحام: وتجب نفقة الإناث الکبار من ذوي

Marfat.com

الأرحام وإن كن صحيحات البدن إذا كان بهن حاجة إلى النفقة كذا في الذخيرة ... ولو كانت له ثلاثة إخوة متفرقين فالنفقة على الأخ لأب وأم وعلى الأخ لأم على قدر الميراث أسداسا۔

وفي الدر المختار(۳/۶۲۷، ۶۲۹):(و) تجب أيضا (لكل ذي رحم محرم صغير أو أنثى) مطلقا (ولو كانت الأنثى (بالغة) صحيحة ... (بقدر الإرث) لقوله تعالى { وعلى الوارث مثل ذلك } و لذا (يجبر عليه) ... ولو إخوة متفرقين فسدسها على الأخ لأم والباقي على الشقيق (كإرثه)۔

وفي الدر المختار (۳/۷) كتاب النكاح: (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا۔ الخ۔

وفي الشامية: قوله(فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة بحر۔

(۶۷۳) شادی سے پہلے لڑکی کا نفقہ باپ پر واجب ہے

سؤال

مفتی صاحب! بڑی یعنی بالغہ غیر شادی شدہ لڑکی کا نفقہ کس پر ہے وضاحت کریں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

بالغہ غیر شادی شدہ لڑکی اگر غریب ہو (اوراس کی اپنی ملکیت میں خرچ کیلئے پیسے نہ ہوں) تو اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ اگر باپ نہ ہو، تو جو قریبی وارث (یعنی قریبی رشتہ دار) ہو تو اس پر نفقہ واجب ہے۔

لما في خلاصة الفتاویٰ (۲/۶۳): نفقة البنت البالغة المعسرة على الأب كالصغيرة۔

لما في الدر المختار (۳/۶۱۴):(وكذا) تجب (لولده الكبير العاجز عن الكسب) كأنثى مطلقا۔

وفي الرد تحته: قوله (كأنثى مطلقا) أي ولو لم يكن بها زمانة تمنعها عن الكسب فمجرد الأنوثة عجز إلا إذا كان لها زوج فنفقتها عليه ما دامت زوجة وهل إن نشزت عن طاعته تجب لها النفقة على أبيها محل تردد فتأمل وتقدم أنه ليس للأب أن يؤجرها في عمل أو خدمة وأنه لو كان لها كسب لا تجب عليه ... لو قدر على اكتساب ما لا يكفيه فعلى أبيه تكميل الكفاية۔

Marfat.com

(۶۷۴) بھائیوں کے مشترکہ کاروبار میں بہنوں کا حق

سوال

والد صاحب حیات ہیں اور چار بھائی مشترکہ طور پر کام کرتے ہیں اور سب کمائی بڑے بھائی کے پاس ہوتی ہے۔ ہر بھائی بقدر ضرورت استعمال کرتا ہے جبکہ والد صاحب حیات ہیں۔ اب مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ کیا شرعاً ان بھائیوں کی مشترکہ کمائی میں بہنوں کا حق بنتا ہے یا نہیں؟ بہنیں شادی شدہ ہیں اور جس وقت بھائیوں نے کام شروع کیا اس وقت یا تو والد صاحب پر قرضہ تھا یا کچھ تھوڑے سے پیسے ہوں گے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں چونکہ بہنیں شادی شدہ ہیں لہٰذا ان کا نفقہ انہی کے شوہروں پر واجب ہے۔ والد صاحب اور بھائیوں پر ان کا نفقہ نہیں۔ والد صاحب کے مال میں بہنوں کا بھی حق اس وقت بنتا ہے جب والد کا انتقال ہو جائے چونکہ آپ کے والد صاحب زندہ ہیں لہٰذا ان کے مال میں بہنوں کا حق نہیں۔ ہاں اگر ان کے شوہر فقیر ہوں تو مالدار والد یا بھائی پر ان کا نفقہ لازم ہوگا اور بعد میں ان کے شوہروں کے پاس پیسے آجائیں تو ان سے مقدار نفقہ وصول کرلیں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرۃ :۲۳۳): وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا۔۔الآیة

وفی القدوری، کتاب النفقات(ص۱۸۰) : النفقة واجبة للزوجة علی زوجها مسلمة کانت أو کافرة اذا سلمت نفسها فی منزله فعليه نفقتها وكسوتها۔۔۔ وسكناها۔الخ۔

وفی الشامیة(۵۹۳/۳): مطلب في الأمر بالاستدانة على الزوج: قوله (وتجب الإدانة الخ) قال في الاختيار المعسرة إذا كان زوجها معسرا ولها ابن من غيره موسر أو أخ موسر فنفقتها على زوجها ويؤمر الابن أو الأخ بالإنفاق عليها ويرجع به على الزوج إذا أيسر ويحبس الابن أو الأخ إذا امتنع لأن هذا من المعروف قال الزيلعي فتبين بهذا أن الإدانة لنفقتها إذا كان الزوج معسرا وهي معسرة تجب على من كانت تجب عليه نفقتها لولا الزوج۔

Marfat.com

فصل فی حقوق الزوجین والعدل بین الأزواج

(زوجین کے حقوق اور ایک سے زائد بیویوں میں عدل کا بیان)

(۶۷۵) شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق

سؤال

مفتی صاحب! شوہر کے بیوی پر اور بیوی کے شوہر پر کیا حقوق ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

شوہر پر عورت کے حقوق یہ ہیں کہ شوہر بیوی کو کھانا کپڑا بقدر وسعت دے، رہنے کیلئے مکان دے، علم دین یعنی نماز وروزہ و غسلِ جنابت کے مسئلے بتلائے، گناہ کبیرہ مثل بے پردگی، چغل خوری، غیبت، گالی گلوچ سے روکے۔ شوہر کے ذمے بیوی کے ان تمام حقوق کی ادائیگی واجب ہے اگر عورت بدزبانی کرے تو صبر کرنا بہتر ومناسب ہے۔

شوہر کے حقوق بیوی پر یہ ہیں کہ وہ ہر اس کام میں جس سے خدا کی نافرمانی نہ ہو شوہر کی تابعداری کرے۔ شوہر کے حکم کے بغیر نفل نماز، نفل روزہ نہ رکھے۔ اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرے نیز شوہر کے مال کی محافظ بنے، بغیر اس کے حکم کے اس کا مال خرچ نہ کرے، اس کو اپنا حاکم مانے۔ الغرض شوہر کے حقوق بیوی پر بہت ہیں یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

لمافی التفسیر المظهری (۲۹۹/۱): ﴿وَلَهُنَّ﴾ أی للنساء علی الأزواج حقوق ﴿مِثْلُ الَّذِی عَلَيْهِنَّ﴾ للازواج فی الوجوب واستحقاق المطالبة لا فی الجنس ﴿بِالْمَعْرُوفِ﴾ بکل ما یعرف فی الشرع من أداء حقوق النکاح وحسن الصحبة فلا یجوز لاحد ان یقصد ضرار الآخر بل ینبغی أن یریدوا إصلاحا قال ابن عباس إنی أحب أن أتزین لامرأتی کما تحب امرأتی أن تتزین لی لأن الله تعالی قال ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ عن معاویة القشیري قال قلت یا رسول الله ما حق زوجة أحدنا علیه قال ان تطعمها إذا طعمت وان تکسوها إذا اکتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا

Marfat.com

تهجر إلا فی البیت رواه أحمد وأبو داؤد وابن ماجة وعن جعفر بن محمد عن أبیه عن جابر فی قصة حجة الوداء قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی خطبته یوم عرفة فاتقوا الله فی النساء فانکم أخذتموهن بامان الله واستحللتم فروجهن بکلمة الله ولکم علیهن ان لا یؤطین فرشکم أحدا تکرهونه فان فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غیر مبرح ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف رواه مسلم ـ ـ ـ وعن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم لاهلی رواه الترمذي ـ

وفی صحیح مسلم (٤٦٤/١): عن أبي هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : إذا باتت المرأة هاجرة فراش زوجها لعنتها الملائکة حتی تصبح ـ

وفی سنن ابن ماجة (ص١٣٣): عن حکیم بن معاویة ، عن أبیه رضی الله عنه أن رجلا سأل النبي صلی الله علیه وسلم : ما حق المرأة علی الزوج ؟ قال : أن یطعمها إذا طعم ، وأن یکسوها إذا اکتسی ، ولا یضرب الوجه ، ولا یقبح ، ولا یهجر إلا في البیت.

وفیه أیضاً: عن سلیمان بن عمرو بن الأحوص , حدثني أبي رضی الله عنه أنه شهد حجة الوداع مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ، فحمد الله ، وأثنی علیه ، وذکر ووعظ ، ثم قال : استوصوا بالنساء خیرا ، فإنهن عندکم عوان ، لیس تملکون منهن شیئا غیر ذلك ، إلا أن یأتین بفاحشة مبینة ، فإن فعلن , فاهجروهن في المضاجع ، واضربوهن ضربا غیر مبرح ، فإن أطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلا ، إن لکم من نسائکم حقا ، ولنسائکم علیکم حقا ، فأما حقکم علی نسائکم ، فلا یوطئن فرشکم من تکرهون ، ولا یأذن في بیوتکم لمن تکرهون ، ألا وحقهن علیکم أن تحسنوا إلیهن في کسوتهن وطعامهن.

وفیه أیضاً: عن سعید بن المسیب ، عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه وسلم ، قال : لو أمرت أحدا أن یسجد لأحد ، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها ، ولو أن رجلا أمر امرأته أن تنقل من جبل أحمر إلی جبل أسود ، ومن جبل أسود إلی جبل أحمر ، لکان نولها أن تفعل.

وفی الدر المختار(٥٤٢/٣): وشرعا (هي الطعام والکسوة والسکنی) وعرفا هي الطعام (ونفقة الغیر تجب علی الغیر بأسباب ثلاثة زوجیة وقرابة وملك) بدأ بالأول لمناسبة ما مر أو لأنها أصل الولد (فتجب للزوجة) بنکاح صحیح ـ ـ ـ (علی زوجها) لأنها جزاء الاحتباس وکل

Marfat.com

محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته۔

وفه (٣/٥٧٩): (ويجب عليه آلة الطحن وخبز وآنية شراب وطبخ ككوز وجرة وقدر ومغرفة) وكذا سائر أدوات البيت كحصر ولبد وطنفسة وما تنظف به وتزيل الوسخ كمشط وأشنان ـــ (وتفرض لها الكسوة في كل نصف حول مرة) لتجدد الحاجة حرا وبردا (وللزوج الإنفاق عليها بنفسه)۔

Marfat.com

رسالۃ

فلاح الدارین

فی

حقوق الزوجین

زوجین میاں، بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق

اور معاشرتی زندگی کی تفصیلات کا بیان

Marfat.com

(۶۷۶) میاں بیوی کے حقوق

سؤال

مفتی صاحب! میاں اور بیوی کے ایک دوسرے پر کیا کیا حقوق ہیں ذرا تفصیل سے بیان فرمادیں، اور کیا ان حقوق پر لڑنا، جھگڑنا جائز ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب

میاں، بیوی کا تعلق انتہائی اہم اور نازک نوعیت کا حامل ہے یہ ایک دیر پا اور تحمل وبرداشت کا متقاضی عقد ہے۔ ایک شخص جب عورت کو اپنے نکاح میں لیتا ہے تو وہ تاحیات اس کے ساتھ رہنے کا عزم کرتا ہے اسی لئے شریعت میں ایسا نکاح جو ہمیشگی کے لئے نہ ہو بلکہ ایک مخصوص مدت تک کے لئے عقد کیا جائے تو یہ نکاح ہی نہیں بلکہ حرام کاری اور زنا کے حکم میں ہے۔ ہر مسلمان کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، لہذا جب نکاح کا معاملہ اتنی اہمیت اور توجہ کا حامل ہے تو اس کے حقوق بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

" خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي وإذا مات صاحبكم فدعوه ". (مشکوۃ ۲/۲۸۱)

"تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے لئے سب سے بہتر ہوں اور جب تم میں سے ایک مرجائے تو اس کو چھوڑ دو (اور اس کا صرف ذکر خیر کرو)"۔

اسی طرح بے شمار احادیث میں پیغمبر دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق بیان فرمائے ہیں ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم : أي النساء خير؟ قال : " التي تسره إذا نظر وتطيعه إذا أمر ولا تخالفه في نفسها ولا مالها بما يكره " .

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ بہترین عورت کونسی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جسے اس کا شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب وہ اسے کسی چیز کا حکم دے تو اسے بجالائے اور اس کے مال اور اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی ایسا فعل نہ کرے جو اسے (شوہر کو) ناپسند گزرے۔" (مشکوۃ ۲/ ۲۸۳)

ایک اور حدیث میں ہے:

Marfat.com

وعن حكيم بن معاوية القشيري عن أبيه قال: قلت: يا رسول الله ما حق زوجة أحدنا عليه؟ قال: " أن تطعمها إذا طعمت وتكسوها إذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر إلا في البيت ". رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه

"حکیم بن معاویہ اپنے والد ماجدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہماری بیویوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو انہیں کھلاؤ جب تم پہنو تو انہیں پہناؤ اور چہرے پر نہ مارو لعن طعن یا گالیاں نہ دو اور ان سے علیحدہ رہائش اختیار نہ کرو (اور اگر کسی وجہ سے علیحدہ رہنا ضروری ہو تو) گھر میں ہی علیحدہ رہ لو۔" (مشکوۃ ۲/۲۸۱)

الغرض اس طرح کی بے شمار احادیث کتب حدیث میں بکھری پڑی ہیں۔ محدثین نے صفحات کے صفحات اور زندگیاں ان کے جمع کرنے میں گزار دیں۔ یہ تمام احادیث ہمارے لئے نمونہ ہیں، ان کے مطابق اگر ہم ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی فکر کریں گے تو ان شاء اللہ تعالی دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہوگی۔ اگر اپنی نفسانیت یا ہٹ دھرمی کو ہی زندگی گزارنے کے لئے طے کرلیا جائے اور صرف اپنے حقوق لینا یاد رہے اور خود پر جو حقوق لازم ہیں ان کی طرف بالکل التفات ہی نہ کیا جائے تو اس کا نتیجہ بربادی ہے..... دنیا کی زندگی بھی اجیرن اور آخرت کا گھر بھی دہکتا انگارا..... لہذا ذیل میں قرآن کریم کی آیات اور پیغمبر دو جہاں کے فرامین سے مستفاد فقہاء کرام کے طے کردہ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر موٹے موٹے حقوق تحریر کئے جارہے ہیں۔

مرد پر بیوی کے حقوق

(۱) مرد پر بیوی کا پہلا حق جماع کرنا ہے یعنی چار ماہ سے زائد تک ہمبستری نہ کرنا جائز نہیں اگر کسی وجہ سے ہمبستری میں چار ماہ سے زائد وقفہ آرہا ہو تو بیوی کی اجازت ضروری ہے اور چار ماہ سے کم میں بھی بیوی جیسے جیسے مطالبہ کرے تو اس کا حق زوجیت ادا کرنا چاہیئے۔

(۲) مرد پر بیوی کے لئے کھانے پینے اور کپڑوں کا انتظام کرنا ضروری ہے سال میں دو مرتبہ کپڑے بنانے کا حق بیوی کو حاصل ہے۔ نیز اس انتظام کرنے میں میاں اور بیوی دونوں کی مالداری اور غربت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر دونوں امیر ہیں تو اعلی، غریب ہیں تو ادنی، ایک امیر ایک غریب ہے تو متوسط نفقہ [کھانا، پینا، کپڑے وغیرہ ضروریات] واجب ہے۔

(۳) مرد پر بیوی کے لئے رہائش کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔ ہر بیوی کو الگ گھر دلانا ضروری نہیں البتہ ایسا کمرہ جس کے ساتھ کچن اور باتھ روم علیحدہ سے ہو اور وہ صرف بیوی کے استعمال میں ہوں کسی غیر کا اس میں دخل نہ ہو، ایسی رہائش دینا مرد پر لازم ہے۔

(۴) عورت اگر نافرمان یا بدتمیز نہ ہو تو اسے اپنے ساتھ بسانا اور آباد کرنا ضروری ہے خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء:۱۹) اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزارہ کرو۔

Marfat.com

لہٰذا مرد کا بیوی سے بلا وجہ علیحدہ رہنا درست نہیں۔

(۵) مرد پر ضروری ہے کہ ہفتے میں ایک مرتبہ بیوی کو اس کے والدین سے ملائے۔ چاہے اس کی کوئی بھی صورت ہو اور اگر مرد نہیں ملاتا تو عورت کو ہفتے میں ایک بار اپنے والدین سے ملنے کا حق حاصل ہے۔

(۶) شوہر پر ضروری ہے کہ بدگمانی اور حد سے تجاوز کرنے سے گریز کرے۔ ڈیوٹی پر جاتے ہوئے باہر سے تالا لگا دینا وغیرہ امور سے اجتناب کرے۔ اگر عورت کی کوئی غیر شرعی بات سامنے آئے تو اولاً اسے پیار سے سمجھائے، پھر ڈانٹ کر سمجھائے، پھر بھی بات نہ بنے تو بستر علیحدہ کرے اور پھر بھی بات نہ بنے تو خاندان والوں کے ذریعے معاملے کو سلجھانے کی کوشش کرے اور آخری حل شریعت میں طلاق رکھا گیا ہے، احسن طریقے سے طلاق دے دے لیکن مرد کو چاہیئے کہ اپنے اندر بردباری اور تحمل کا مادہ پیدا کرے۔ مرد کی یہ شان نہیں کہ بات بات پر مار دھاڑ کرنا نیز طلاق پر طلاق دیتے جانا، یہ غلط اقدام ہیں۔ اس سلسلے میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق افہام وتفہیم، کچھ سننا کچھ سنانا کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے معاملے کو حل کرنا شرعاً ممدوح ہے۔ خاندان کا ٹوٹ جانا یا فتنہ فساد برپا کرنا نہ مسئلے کا حل ہے اور نہ شرعاً قابل تعریف۔

اس تشریح کا یہ مطلب نہیں کہ مرد اور عورت ازدواجی معاملات میں یکساں اور ایک ہی درجے میں ہیں بلکہ مرد شرعاً قوام اور گھر کا سربراہ ہے۔ اس کا حکم مقدم ہے۔ گھر کی تمام پالیسیاں بنانا مرد کا کام ہے۔ طلاق دینا مرد کا حق ہے۔ اس کی رضامندی کے بغیر چاہے بڑے سے بڑا کورٹ ہو یہ عقد تحلیل نہیں کرسکتا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد ڈکٹیٹر بن جائے اور ہر مسئلے کو کوڑے سے حل کرنے کی کوشش کرے۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی حیات کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اپنی کثیر التعداد ''ازواج مطہرات'' کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سوائے ایک آدھ تلخ واقعات کے (جسے بھی حل کرلیا گیا) پوری حیات مبارکہ میں کوئی ناخوشگوار کیفیات یا روز روز کے جھگڑے نظر نہیں آتے۔ الغرض مرد کی حاکمیت کو بھی شریعت نے ایک حد دی ہے اور اسی حد میں وہ درست ہے۔

(۷) ایک اور حق مرد پر بیوی کا یہ ہے کہ اس کے علاج معالجہ کا بندوبست کرے۔

(۸) بچے کو دودھ پلانا عورت پر ضروری نہیں۔ اگر عورت دودھ نہیں پلاتی تو بچے کے لئے دایہ کا انتظام کرنا مرد پر ضروری ہے، لیکن عورت اگر دودھ پلاسکتی ہے اور کوئی ضرر نہ ہو تو اسے بچے کو خود دودھ پلانا چاہیئے۔ یہ بچے کے لئے بھی مفید اور ازدواجی معاملات میں معاون بھی ہوگا۔

(۹) شوہر پر ضروری ہے چار ماہ سے زائد بیوی کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ رہے البتہ بیوی کی اجازت کے ساتھ رہ سکتا ہے لیکن یہ تفصیل اس وقت ہے جب کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر اندیشہ ہو تو مرد کا گھر سے باہر رہنا بیوی کی اجازت سے بھی درست نہیں۔

Marfat.com

عورت پر شوہر کے حقوق

(۱) عورت پر مرد کا سب سے پہلا حق تو یہ ہے کہ مرد کو جب بھی خواہش ہو تو وہ ہمبستری سے (بلا عذر شرعی) منع نہ کرے۔ دراصل نکاح کا اصل مقصد عفت کا حصول اور پاکدامنی اختیار کرنا ہے اور اس کے لئے میاں بیوی کا ایک دوسرے کی خواہش کا احترام کرنا ضروری ہے۔ ایک حدیث میں یہاں تک ارشاد ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته وإن كانت على التنور". رواه الترمذي

"آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب مرد بیوی کو اپنی ضرورت کے لئے بلائے تو اسے چاہیئے کہ فوراً چلی آئے اگرچہ تنور پر بیٹھی ہو (اور تنور میں لگی روٹی جل جائے)۔" (مشکوۃ ۲/۲۸۱)

اس حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مرد کا ہمبستری کا حق کتنا ضروری ہے۔ چاہے روٹی ضائع ہو رہی ہو تو ہو جائے لیکن اس حق میں تاخیر نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح ".

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب مرد بیوی کو بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کر دے اور مرد غصے کی حالت میں رات گزار دے (اور یہ عورت اس سے معافی مانگ کر اس کا حق ادا نہ کرے) تو فرشتے ایسی عورت پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔" (مشکوۃ ۲/۲۸۱)

(۲) عورت پر مرد کا دوسرا حق یہ ہے کہ وہ اپنی عزت وعصمت اور شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مال کی حفاظت کرے اور ہر ایسے شخص سے جس سے ملنا شوہر کو پسند نہ ہو ملنے سے اجتناب کرے۔ اگر وہ نامحرم ہو تو ملنا کسی صورت میں درست نہیں۔

(۳) شوہر کے والدین کی خدمت، شوہر کے چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت یہ حکم کے درجے میں بیوی پر ضروری نہیں۔ اگر وہ نہیں کرتی تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن دیانۃً واخلاقاً بیوی کو شوہر کے والدین اور چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت کرنا چاہیئے۔ بیوی اگر گھر کو ہنستا بستا دیکھنا چاہتی ہے تو اسے اپنے اوپر لازم حکم سے آگے چل کر اخلاقی آداب کو بھی بجالانا ہوگا اور **فیما بینہا وبین اللہ** اسے یہ امور انجام دینے چاہئیں۔

(۴) شوہر کے گھر کا کام کاج، کپڑے دھونا، جھاڑو لگانا، ہانڈی پکانا بیوی پر دیانۃً ضروری ہیں، لیکن یہ سب حکم کے درجے میں لازم نہیں۔ اس میں بھی نمبر ۳ والی تفصیل ہے۔ یہ معاملات افہام وتفہیم سے حل کرنے والے ہیں۔ اگر بیوی کو کوئی عذر ہے تو شوہر کو چاہیئے ان کاموں کے لئے انتظام کرے۔ اگر عذر نہ ہو تو بیوی کو چاہیے کہ امور خانہ داری کو بطریق احسن ادا کرے کیونکہ یہ سب شرعاً

Marfat.com

اگرچہ حکم کے درجے میں نہیں اور نہ جبراً ان کی انجام دہی کرائی جاسکتی ہے، لیکن دونوں جہانوں کے پیغمبر کی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی سنت ضرور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذمے باہر کے امور اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمے گھر کے امور لگائے تھے، جو کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا انجام دیتی تھیں حتی کہ ایک مرتبہ آٹا گوندھنا اور اس جیسے پر مشقت امور سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھک گئیں، ان دنوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چند غلام آئے ہوئے تھے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا غلام لینے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی درخواست سن کر جو جواب دیا، وہ یہ ہے:

”سَبَقَكُنَّ يَتَامٰى بَدْرٍ“

”بدر کے یتیم تم سے سبقت لے گئے“ یعنی بدر کے یتیم تم سے زیادہ مستحق ہیں۔

لہٰذا عورت کو چاہیئے بقدر استطاعت یہ تمام امور انجام دے۔

(۵) بیوی پر شوہر کی اطاعت بھی لازم ہے۔ اس کے حکم کو بجالانا، اسے گھر کا سربراہ سمجھنا ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لو كنت آمر أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها". رواه الترمذي

”اگر میں کسی کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو ضرور بیوی کو شوہر کے سامنے سجدہ کا حکم دیتا۔“ (مشکوۃ ۲/۲۸۱)

ایک اور حدیث میں ہے:

"المرأة إذا صلت خمسها وصامت شهرها وأحصنت فرجها وأطاعت بعلها فلتدخل من أي أبواب الجنة شاءت"

”ایک عورت اگر پنج وقتہ نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے، اپنی عصمت کی حفاظت کرے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے (اگر دنیا میں یہ کام کرے تو آخرت میں) اسے اختیار ہوگا جس دروازے سے جنت میں داخل ہونا چاہے، ہوجائے۔“ (مشکوۃ ۲/۲۸۱)

اس سے بڑی بشارت اور کیا ہوسکتی ہے لہٰذا عورت پر مرد سے بدزبانی کرنا یا تکرار کرتے ہوئے روبرو جواب دینا قطعاً درست نہیں۔ تحمل اگرچہ مرد کے لئے بھی ضروری ہے، لیکن عورت کے لئے گھر کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے تحمل و برداشت مرد سے زیادہ ضروری ہے۔

(۶) مرد اگر بیوی کا پورا مہر ادا کرچکا ہے تو اب اگر وہ بیرون ملک بھی عورت کو سفر پر لے جانا چاہ رہا ہے تو لے جاسکتا ہے۔ شرعاً اس میں بیوی کو منع کرنے کا حق نہیں۔

(۷) بیوی کو چاہیئے کہ شوہر کے سامنے زیب و زینت اختیار کرے اور ایسی کیفیت میں رہے جس سے مرد کے دل کو فرحت

Marfat.com

ملے۔ پراگندہ بال میلے کپڑے اور بدبودار پیراہن مرد کے لئے تنفر کا باعث ہوگا اور یہ تکدر آئندہ رفتہ رفتہ برے نتائج دے گا۔

الغرض میاں کے بیوی پر اور بیوی کے میاں پر حقوق کی فہرست (چاہے وہ شرعاً حکم کے درجے میں ہوں یا اخلاقی فرائض میں سے ہوں) یہ فہرست بہت طویل ہے۔ زندگی تب ہی بہتر ہوسکتی ہے جب بات حقوق سے آگے نکل کر کی جائے۔ ایثار و ہمدردی اور دوسرا اگر آپ کا حق ادا نہیں کر رہا تو اسے اچھے طریقے سے برداشت کرنا ہی وہ امور ہیں جو زندگیوں میں خوشیاں لا سکتے ہیں۔ حقوق لینے سے زیادہ حقوق ادا کرنے کی فکر بہت سے مسائل کو خود ہی حل کر سکتی ہے لہٰذا میاں بیوں کو اتفاق و یگانگت سے رہنا چاہیئے۔ ایسا گھر جہاں جھگڑے فساد نہ ہوں اور زوجین خوشی سے زندگی گزار رہے ہوں وہ اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے اور اس کے رسول ﷺ کو بھی، لہذا معاملات کو افہام و تفہیم سے سلجھایا جائے۔ ایک دوسرے پر طعن و تشنیع یا مار دھاڑ سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک، دوسرے کو شرعی امور کی انجام دہی میں کمزور دیکھے تو اسے طریقے سے سمجھائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے شریعت کے مطابق چلنے کی توفیق دی ہے اور اپنے ساتھی کے لئے دعا کرتا رہے۔

الغرض اسی طرح مسائل حل ہو سکتے ہیں اور میاں بیوی کی زندگی دنیا میں جنت بن سکتی ہے، آپس میں شک و شبہات، بے اعتمادی، لعن طعن، غیبت یہ سب وہ امور ہیں جو اس رشتے کو دیمک کی طرح چاٹ جاتے ہیں البتہ اگر افہام و تفہیم سے معاملہ حل نہ ہو سکے تو جو تفصیل مرد کے طلاق کے حق میں گزری، اس کے مطابق آخری درجے میں مرد کے لئے اس سفر کو ایک طلاق (ایسے طہر میں جس میں ہمبستری نہ کی ہو) دے کر منقطع کر دینا جائز ہے۔ اس پر گناہ نہ ہوگا لیکن ایک ساتھ تین طلاقیں دینا یا بغیر عذر کے صرف نفسانیت یا ہٹ دھرمی کی وجہ سے طلاق دینا یہ جائز نہیں۔ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے (چاہے عذر ہو یا بلا عذر دی جائے ہر صورت میں) مرد گنہگار ہوگا، لیکن بالاجماع ان طلاقوں کا وقوع ہو جائے گا۔ عورت حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جائیگی۔ اب رجوع کی کوئی صورت نہیں۔ یہ فعل سخت گناہ اور خلاف شرع ہے کیونکہ اس میں واپسی کے تمام دروازے خود بند کر دیئے جاتے ہیں نیز بغیر وجہ کے یا ظلم مرد کی طرف سے ہو تو احسن طریقے سے ایک طلاق دینے کی صورت میں بھی مرد گنہگار اور عند اللہ ماخوذ ہوگا الغرض صرف ایک طلاق احسن وہ بھی بوقت ضرورت [یعنی جب عورت کی غلطی ہو] اباحت کے درجے میں جائز ہے۔

لہٰذا ان ذکر کردہ تفصیلات کو ذہن نشین رکھا جائے نیز اس ذیل میں علاقے کے علماء سے استفادہ کیا جاتا رہے اور اکابر کی زیر بحث مسئلے سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ اگر کوئی خاص صورت درپیش ہو تو تحریری شکل میں فتویٰ بھی لیا جا سکتا ہے۔ اپنی زندگی کو دین کے مطابق گزارا جائے نہ یہ کہ دین کو اپنی زندگی کے مطابق کیا جائے۔ امید ہے کہ اگر ان باتوں پر عمل کیا جائے گا تو زندگی جنت کا نمونہ بن جائیگی جس کے اثرات بچوں کی زندگیوں پر بھی اچھے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو اور ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

Marfat.com

(۶۷۷) عورت پر خاوند کی اطاعت ضروری ہے

سؤال

مفتی صاحب! کچھ والدین یا لڑکی کے سرپرست بیٹی بیاہ دینے کے باوجود اس پر اور اس کے اہل سسرال پر مسلط رہنا چاہتے ہیں اور بیٹی کو اس کے شوہر و سسرالی بزرگوں کے منشاء کے خلاف اپنے ساتھ لے جا کر میکہ میں رکھنا چاہتے ہیں جس سے دیگر معاشرتی خرابیوں کے احتمال کے علاوہ حقوق زوجیت کی ادائیگی میں بھی یقینی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس مسئلہ سے متعلق احکامِ شریعت کیا ہیں تحریر فرمادیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

ازدواجی زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے لہٰذا اس کو اچھے طریقے سے گزارا جائے اور میاں بیوی کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیئے اور عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت کرنا چاہیئے۔ خاوند کی اجازت کے بغیر اور خاوند کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہیئے لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر اور اس کو میکے والوں کے پاس رکھنا صحیح نہیں ہے اور جو عورت بغیر کسی شرعی مانع اور عذر کے حقوقِ زوجیت میں خاوند کیلئے رکاوٹ بنے تو احادیث میں ایسی عورت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

نیز وہ سرپرست جو بیٹی بیاہ دینے کے باوجود اس پر اور اس کے اہل سسرال پر مسلط رہتے ہیں اور بیٹی کو ان کے خلاف بڑھکاتے ہیں ان کا یہ فعل درست نہیں بلکہ خود ان کیلئے اور آئندہ چل کر ان کی بیٹی کیلئے مضر ہے نیز شرعاً بھی اس کی گنجائش نہیں لہٰذا انہیں چاہیئے کہ لڑکی کو اس کے سسرال والوں کے ساتھ نباہ کی ترغیب دیں۔

لمافی فتح الباری (۲۴۱/۹): وقد وقع في رواية يزيد بن كيسان عن أبي حازم عند مسلم بلفظ والذي نفسي بيده ما من رجل يدعو امرأته إلى فراشها فتأبى عليه الا كان الذي في السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها ۔الخ ۔۔۔[قوله: فأبت أن تجيء] زاد أبو عوانة عن الأعمش كما تقدم في بدء الخلق فبات غضبان عليها وبهذه الزيادة يتجه وقوع اللعن لأنها حينئذ يتحقق ثبوت معصيتها بخلاف ما إذا لم يغضب من ذلك فإنه يكون إما لأنه عذرها وإما لأنه ترك حقه من ذلك۔

وفی الشامية (۳/۳): قوله (أي حل استمتاع الرجل) أي المراد أنه عقد يفيد حكمه بحسب الوضع الشرعي وفي البدائع أن من أحكامه ملك المتعة وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضائها استمتاعا أو ملك الذات والنفس في حق التمتع على اختلاف مشايخنا في ذلك اه بحر۔

Marfat.com

(۶۷۸)بیوی کیلئے چپل اور کپڑے بنانے کا حکم

سؤال

کیا خواتین اپنے شوہروں سے جیب خرچ کا مطالبہ کرسکتی ہیں؟ نیز میں اپنے شوہر سے کہتی ہوں کہ مہینہ دو مہینہ میں مجھے اور بچوں کو کسی تفریحی جگہ پر لے کر چلا کریں تو ٹال جاتے ہیں۔ کیا اس طرح کا مطالبہ شرعاً میرا حق نہیں؟ اور مرد پر سال میں کتنی دفعہ اپنی بیوی کے کپڑے بنانا اور چپل وغیرہ دلانا لازم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت نے ذمہ دارانہ طور پر عورت کے تین حقوق مرد پر لازم کیے ہیں۔

(۱)نان ونفقہ یعنی کھانے پینے کا خرچ۔

(۲)لباس یعنی بیوی کے کپڑے اور چپل وغیرہ کا خرچ۔

(۳)سکنی یعنی رہائش کا بندوبست۔

شوہر کو اپنی حیثیت کے مطابق انتظام کرنا ضروری ہے۔ عورت کے کھانے پینے اور کپڑے کی پوری ذمہ داری مرد پر ڈالی گئی ہے وہ خود بھی کھائے گا اور بیوی کو بھی کھلائے گا، وہ خود بھی پہنے گا اور بیوی کو بھی پہنائے گا البتہ سال بھر میں کم از کم دو مرتبہ کپڑے بنانے کا حق بیوی کو حاصل ہے۔ نیز بیوی بچوں کو تفریح پر لے جانا جائز ہے بشرطیکہ شریعت کے منافی جگہ نہ ہوں اور وہاں منکرات (بے پردگی وغیرہ) کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

لمافی الشامیة (۳/۵۸۴): وتقدم أنه يجب لها مداس رجلها والظاهر أنه لا خلاف فيه إذا كان المراد به ما تلبسه في البيت وكذا الخف أو الجوارب في الشتاء لدفع البرد الشديد۔

وفی الفقه الاسلامی (۱/۴۳۹۰): وأقل ما يجب من الكسوة قميص (ثوب مخيط يستر جميع البدن) وسراويل (وهو ثوب مخيط يستر أسفل البدن ويصون العورة) وخمار أو مقنعة (وهو ما يغطى به الرأس) ومداس أو مِكْعَب (وهو مداس الرجل من نعل أو غيره).

(۶۷۹)بیوی کتنے دنوں میں ہمبستری کا مطالبہ کرسکتی ہے؟

سؤال

ایک شخص سے میں نے سنا کہ مرد پر فقط ایک مرتبہ وطی کرنا واجب ہے اس کے بعد عورت کا حق ختم ہوجاتا ہے اگر کوئی سال بھر

Marfat.com

بھی وطی نہ کرے تو صرف اس نے نامناسب کام کیا کوئی گناہ نہیں ہوگا، دوسرے آدمی نے کہا حضرت عمرؓ کے حکم پر ایک مرد پر ہر چوتھے دن وطی کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

(۱) کیا واقعی عورت شوہر سے زندگی بھر وطی کا مطالبہ نہیں کر سکتی؟

(۲) جو شوہر حقوق ادا نہ کرتا ہو وہ گناہگار نہ ہوگا؟

(۳) اگر کر سکتی ہے تو کتنے دنوں بعد مطالبہ کر سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شرعاً نکاح کرنے کے بعد زوجین پر ایک دوسرے کے حقوق کا ادا کرنا واجب ہے اور ان میں جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے کوتاہی کرنے والا عنداللہ گنہگار ہوگا اور قضاءً زندگی میں ایک مرتبہ وطی کرنے سے حق زوجیت ادا ہو جاتا ہے البتہ عنداللہ اور دیانۃً شوہر پر واجب ہے کہ وقتاً فوقتاً حق زوجیت ادا کرتا رہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں (۱) شرعاً عورت حق زوجیت کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اس کیلئے کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے لیکن چار ماہ سے زیادہ عرصہ تاخیر بغیر بیوی کی اجازت کے جائز نہیں البتہ بیوی کی رضامندی سے اگر شوہر چار ماہ سے زیادہ مدت تک حق زوجیت ادا نہ کرتا ہو، تو اس صورت میں دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۲) شوہر حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں گنہگار ہوگا۔ (۳) تفصیل جز نمبر (۱) میں گزر گئی ہے۔

لمافی الشامية (۲۰۲/۳، ۲۰۳): قوله (ويسقط حقها بمرة) قال في الفتح واعلم أن ترك جماعها مطلقا لا يحل له صرح أصحابنا بأن جماعها أحيانا واجب ديانة لكن لا يدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولى ولم يقدروا فيه مدة ويجب أن لا يبلغ به مدة الإيلاء إلا برضاها وطيب نفسها به اهـ ــ وبه علم أنه كان على الشارح أن يقول ويسقط حقها بمرة في القضاء أي لأنه لو لم يصبها مرة يؤجله القاضي سنة ثم يفسخ العقد أما لو أصابها مرة واحدة لم يتعرض له لأنه علم أنه غير عنين وقت العقد بل يأمره بالزيادة أحيانا لوجوبها عليه إلا لعذر ومرض أو عنة عارضة أو نحو ذلك۔

(۶۸۰) شوہر کے چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت

سؤال

میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ گزشتہ دسمبر کے مہینے میں میری شادی ایک اچھے گھرانے میں ہوگئی۔ میں اپنے سسرال

Marfat.com

میں ہر طرح سے خوش ہوں البتہ ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ میرے شوہر کے دو بھائی اور تین بہنیں ہیں اور یہ سب چھوٹے ہیں۔ میرے شوہر ان کے سارے کام بھی مجھ سے کراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ مفتی صاحب! میں یہ سب کام کرتی ہوں لیکن ان سے کہتی ہوں کہ یہ خدا کی طرف سے مجھ پر لازم امور نہیں۔ اس پر بھی وہ جھگڑتے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ کی تحریر دیکھ کر وہ مجھ سے الجھنا ختم کر دیں گے۔ از راہ کرم جلد از جلد جواب عنایت فرما دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

میاں بیوی کو ایک دوسرے کی باتوں پر تحمل کرنا از حد ضروری ہے۔ معمولی اختلاف پر آپس میں جھگڑنا مناسب نہیں۔ شریعت نے میاں بیوی پر بعض امور بطورِ حکم لازم فرمائے ہیں جن کی بجا آوری سے چارہ نہیں اور انہیں نہ کرنے کی صورت میں گرفت موجود ہے البتہ شریعت نے بعض امور حسن اخلاق اور احسان میں سے بھی رکھے ہیں اور شریعت کی نظر میں ان پر عمل ممدوح ہی نہیں بلکہ زندگی کی گاڑی کے چلنے کیلئے از حد ضروری بھی ہے لیکن یہ دوسری قسم کے امور جبری نہیں اگر کوئی نہیں کرتا تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

شوہر کے بھائی بہنوں کی خدمت چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے حکم کے درجے میں بیوی پر نہیں لیکن حسن معاشرت اور اخلاق و کردار کا تقاضہ ہے کہ بیوی شوہر کے چھوٹے بھائی بہنوں کی ضروریات کی دیکھ بھال کرے اس سے شوہر کا دل بھی خوش ہوگا اور معصوم بچوں پر شفقت کا ثواب بھی ملے گا لہٰذا آپ دونوں کو چاہیئے کہ ان لفظی جھگڑوں میں نہ پڑیں۔ آپ خوشدلی سے ثواب کی نیت کے ساتھ اسے اپنا کام سمجھ کر بچوں کی دیکھ بھال کریں اور شوہر بھی ایک غیر لازمی حکم کو ذمہ داری اور فرض کا درجہ دینے سے اجتناب کریں یہی دونوں کیلئے بہتر ہے اور اسی میں آپ کے گھر کیلئے بہتری ہے۔

لمافی الشامية (۶۰۳/۳): قوله (ويمنعها الخ) ولا تتطوع للصلاة والصوم بغير إذن الزوج بحر عن الظهيرية قلت ينبغي تقييد الصلاة بصلاة التهجد في الليل لأن في ذلك منعا لحقه وتنقيصا لجمالها بالسهر والتعب وجمالها حقه أيضا كما مر أما غيره ولا سيما السنن الرواتب فلا وجه لمنعها كما لا يخفى --- والذي ينبغي تحريره أن يكون له منعها عن كل عمل يؤدي إلى تنقيص حقه أو ضرره أو إلى خروجها من بيته۔

(۶۸۱) بہو پر ساس سسر کی خدمت کرنا

سؤال

میری شادی کو تقریباً ۵ سال ہو گئے ہیں ویسے تو میری بیوی بہت اچھی ہے بس اس میں ایک خرابی ہے کہ وہ میرے والدین کے ساتھ بدزبانی سے پیش آتی ہے لیکن بدزبانی اس وقت کرتی ہے جب وہ اس سے اپنا کام کروائیں کبھی تو کر دیتی ہے اور کبھی بداخلاقی

Marfat.com

سے پیش آتی ہے میرے والد اکثر کہتے رہتے ہیں کہ تم طلاق دیدو لیکن میں نے ان کو سمجھایا تو وہ پتہ نہیں کس عالم سے یہ لکھوا کر لے آئے کہ اگر بیٹا باپ کے کہنے پر طلاق نہ دے تو اس کا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

اب مفتی صاحب میں کافی پریشان ہوں دو مہینے سے میری بیوی اپنے میکے میں ہے اور کہتی ہے کہ مجھ کو الگ گھر لے کر دو جب میں واپس آؤں گی ورنہ نہیں۔ اب آپ بتائیں میرا نکاح ختم ہوا یا نہیں اور مجھ کو موجودہ صورت حال میں کیا کرنا چاہیے کس طرح سے میں اپنی بیوی کو حاصل کر سکتا ہوں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

ساس وسسر بہو کیلئے والدین کا درجہ رکھتے ہیں اور اس پر اخلاقاً یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ان کی خدمت کرے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک والا معاملہ کرے اور بیٹے پر والدین کی اطاعت ضروری ہے جب تک کہ وہ خلافِ شرع کام کا حکم نہ کریں، البتہ طلاق دینے کا اختیار شریعت نے صرف خاوند کو دیا ہے اگر خاوند کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا آدمی اس کی بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے والد کے کہنے سے (کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو) طلاق واقع نہیں ہوئی نیز اگر آپ نے اپنی بیوی کو ایک ایسا کمرہ مہیا کیا ہو جہاں آپ کی بیوی کے علاوہ کسی اور کا آنا جانا نہ ہو، اور بیت الخلاء، باورچی خانہ بھی موجود ہو تو آپ پر علیحدہ گھر بنا کر دینا ضروری نہیں ہے اور آپ کی بیوی کیلئے بھی دوسرے گھر کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہوگا۔ دونوں خاندانوں کے بڑوں کو چاہیئے کہ مل بیٹھ کر معاملہ حل کریں۔

لما فی القرآن الکریم (العنکبوت:۸): وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا۔

(الاسرآء:۲۳): وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔

(الطلاق:۶): أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ۔

وفی مجمع الانھر (۱۸۵/۲): [و يجب على الزوج أن يسكنها] أي الزوجة لقوله تعالى أسكنوهن من حيث سكنتم [في بيت] أي في مكان يصلح مأوى للإنسان حيث أحب لكن بين جيران صالحين سيما إذا كان ممن يتهم بالإيذاء [خال عن أهله] أي الزوج [وأهلها] أي محرم الزوجة لأنهما يتضرران بالسكنى مع الناس إذ لا يأمنان على متاعهما ويمنعهما من الاستمتاع والمعاشرة إلا أن ترضى هي بأهله أو يرضى هو بأهلها ـــ [ويكفيها بيت] أي كامل المرافق مفرد من دار [إذا كان له] أي للبيت [غلق] بالتحريك ما يغلق ويفتح بالمفتاح لحصول المقصود وهو الأمن والمعاشرة۔

وفی الشامية (۵۹۹/۳): مطلب في مسكن الزوجة قوله (وكذا تجب لها) أي للزوجة السكنى ـــ

Marfat.com

قوله (خال عن أهله الخ) لأنها تتضرر بمشاركة غيرها فيه لأنها لا تأمن على متاعها ويمنعها ذلك من المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع ـ ـ ـ إذا كان له غلق يخصه وكان الخلاء مشتركا ليس لها أن تطالبه بمسكن آخر قوله (ومفاده لزوم كنيف ومطبخ) أي بيت الخلاء وموضع الطبخ بأن يكونا داخل البيت أو في الدار لا يشاركها فيهما أحد من أهل الدار ـ ـ ـ فإن كانت دار فيها بيوت وأعطى لها بيتا يغلق ويفتح لم يكن لها أن تطلب بيتا آخر إذا لم يكن ثمة أحد من أحماء الزوج يؤذيها اهـ

وفي الفتاوى اللجنة(۱۹/۲۶۵): ليس في الشرع ما يدل على إلزام الزوجة أن تساعد أم الزوج إلا في حدود المعروف وقدر الطاقة؛ إحسانا لعشرة زوجها، وبرا بما يجب عليه بره.

وفيه أيضا (۱۹/۲۶۶): حسن المعاملة مطلوب من المسلمة مع والدي زوجها ومع غيرهما، ولكنها مع والدي زوجها آكد؛ لما في ذلك من حسن العشرة وإعانة الزوج على بر والديه. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

(۶۸۲) شوہر کے گھر کے کام کاج کا حکم

سؤال

میری شادی کو پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اچھی زندگی بسر ہو رہی ہے۔ میری بیوی بڑے سادے ذہن کی عورت ہے گزشتہ ہفتے محلے کے کسی گھر میں ایک دینی مجلس میں گئی جب واپس آئی تو کہنے لگی کہ عورتوں پر لازم نہیں کہ وہ مردوں کے کپڑے دھوئیں اور انہیں کھانا پکا کر دیں میں نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ بس یہ رٹ لگاتی رہی کہ تم مرد ہم عورتوں پر ظلم کرتے ہو، انہیں ان کے حقوق نہیں دیتے۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر میں مفتی صاحب کا تحریری فتوی لا کر دکھادوں تو تمہارا دماغ درست ہو جائے گا؟ کہنے لگی ہاں مجھے مفتی صاحب پر بھروسہ ہے۔ ان کی ہر بات قرآن وحدیث کے موافق ہوتی ہے۔

آنجناب سے گزارش ہے کہ تفصیلی فتوی مرحمت فرمائیں کہ آیا ہانڈی، روٹی اور کپڑے دھونا عورت کی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کون یہ کام انجام دے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

میاں بیوی کا رشتہ انتہائی طویل اور دیر پا ہوتا ہے۔ شریعت نے بعض امور ان دونوں میاں بیوی کیلئے ایسے طے کیے ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور جن کے بغیر چارہ کار نہیں، انہیں حقوقِ واجبہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً شوہر پر عورت کے نان نفقہ اور رہائش کا حکم اور

Marfat.com

بیوی پر (اگر کوئی شرعی عذر مانع نہ ہوتو) وطی پر قدرت دینے کا حکم، لیکن بعض امور اس ذیل میں ایسے ہیں کہ وہ اخلاق اور دیانت پر مبنی ہیں جن کے بغیر خوشحال زندگی نہیں گزر سکتی یہ امور دیانۃً واجب ہوتے ہیں اور شریعت کا مزاج بھی اس سلسلے میں ان امور پر عمل کرنے کا ہوتا ہے لیکن شریعت انہیں لازمی اور حتمی قرار نہیں دیتی اور جبراً ان امور کی انجام دہی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ شوہر کے گھر کی صفائی اور کھانا پکانا وغیرہ اس دوسری قسم سے متعلق ہیں۔

بیوی اگر گھر کو ہنستے بستے اور خوشحال دیکھنا چاہتی ہے تو اسے چاہیئے کہ خوشدلی سے ان اُمور کو انجام دے البتہ شوہر پر بھی لازم ہے کہ اس کی استطاعت سے زیادہ کام (مثلاً کپڑے دھلوانا، وغیرہ) میں احتیاط سے کام لے اور اگر بیوی کی طبعیت، ان اُمور کے انجام دینے کی نہ ہو اور اس کی صحت وغیرہ پر اثر انداز ہوسکتی ہو تو اسے ان کاموں پر مجبور کرنے کے بجائے نوکرانی کا بندوبست کرلے۔ الغرض یہ امور ایسے ہیں جو مل بیٹھ کر خوشدلی سے حل کرنے کے ہیں جیسا کہ قرونِ اولیٰ میں عورتوں کی جنت میں سردار حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی زندگی نمونہ ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے تمام امور انجام دیتیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے باہر کے امور انجام دیتے تھے۔ زندگی کی گاڑی ان دو پہیوں کے چلنے سے ہی چل سکتی ہے۔ ایثار و ہمدردی ہی وہ امور ہیں جو زندگیوں میں خوشیاں لاسکتے ہیں، اپنے اوپر جبری واجب احکام کی تفصیل یاد کر کے فقط انہیں ہی انجام دینا اور شریعت کے مزاج سے التفات نہ کرنا، دانشمندی نہیں بلکہ مستقبل میں بہت سی پریشانیوں کا سبب بن سکتا ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کی بیوی کو چاہیئے کہ گھر کے کام خوشدلی سے انجام دیں اور ایسی مجالس میں شریک ہوں جو مستند علماء کے ماتحت منعقد ہوں۔ ہر قسم کی مجالس میں شرکت اور اس میں کی گئی ادھوری باتوں پر مسئلے کھڑے کرنا درست نہیں۔

لمافی الدر المختار (۵۷۹/۳): (امتنعت المرأة) من الطحن والخبز (إن كانت ممن لا تخدم) أو كان بها علة (فعليه أن يأتيها بطعام مهيأ وإلا) بأن كانت ممن تخدم نفسها وتقدر على ذلك (لا) يجب عليه ولا يجوز لها أخذ الاجرة على ذلك لوجوبه عليها ديانة ولو شريفة لأنه عليه الصلاة والسلام قسم الأعمال بين علي وفاطمة فجعل أعمال الخارج على علي رضي الله تعالى عنه والداخل على فاطمة رضي الله تعالى عنها مع أنها سيدة نساء العالمين بحر۔

وفی الردّتحته: قوله (فعليه أن يأتيها بطعام مهيأ) أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز هندية۔

(۶۸۳) شوہر بیوی کو کب مار سکتا ہے؟

سؤال

حضرت مفتی صاحب! شوہر بیوی کو کب اور کتنا مار سکتا ہے؟ اگر بیوی گھر کی صفائی نہ کرے یا کھانا وغیرہ نہ پکائے تو اس پر بیوی کو

Marfat.com

مارنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ شریعت اتفاق و اتحاد سے زندگی گزارنے کا درس دیتی ہے، معمولی باتوں پر جھگڑے اور مار دھاڑ شریعت کے نقطہ نظر سے درست نہیں۔ خاص کر یہ معاملہ جب میاں بیوی کے درمیان تعلق کا ہو تو بے انتہا تحمل اور قوتِ برداشت کا متقاضی ہوتا ہے۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے کی خامیاں نظر انداز کرنا اور خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے زندگی گزارنا ضروری ہے۔ زوجین کی زندگی میں بہت سے موڑ ایسے آتے ہیں جب صبر، تحمل اور قوت برداشت ہی وہ چیزیں ہیں جو ان کے درمیان موجود رشتے کو باقی رکھتے ہیں ورنہ ان کا انجام طلاق یا خلع کی صورت میں علیحدگی پر منتج ہوتا ہے جو کہ بہت سے مفاسد کو جنم دیتا ہے۔

نیز میاں بیوی کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق دیانۃً واجب ہیں۔ شوہر کے گھر کا کھانا بنانا، صفائی کرنا وغیرہ امور اسی قسم سے ہیں، یہ بیوی پر جبری حکم نہیں لیکن گھر کا نظام چلنے کیلئے حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی سنت ضرور ہیں اور اسی میں خوشحالی مضمر ہے لہٰذا ان امور پر شوہر کو چاہیئے کہ بیوی کو احسن طریقے سے آمادہ کرے اور سلیقہ سے ان کے انجام دہی کی تلقین کرے اور اگر وہ گھر کی صفائی یا کھانا پکانا نہیں کرتی تو ان امور کو نہ کرنے پر شوہر بیوی کو مار نہیں سکتا کیونکہ یہ امور فقط اخلاقاً واجب ہیں حکم کے درجے میں نہیں۔

البتہ اگر بیوی شوہر کی نافرمانی کرے، اسے اپنے اوپر قدرت نہ دے یا خلافِ شرع امور کی مرتکب ہو وغیرہ تو ان چیزوں پر شرعاً بطورِ تنبیہ کے اولاً اسے سمجھایا جائے، اگر سمجھ نہ آئے تو سختی سے تنبیہ کی جائے، اگر پھر بھی باز نہ آئے تو بستر علیحدہ کرلیا جائے، اس کے بعد بھی وہ نہ سمجھے تو شرعاً شوہر کیلئے بیوی کو مارنے کا حق ہے، البتہ ہلکے سے مارا جائے مثلاً ہاتھ سے کندھے پر ۳ دفعہ ماردیا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ مقصود سمجھانا ہے اذیت یا تکلیف دینا نہیں اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ نہ مارنا بہرحال بہتر ہے۔ معاملے کو افہام وتفہیم سے سلجھایا جائے یہی مستقبل میں بہتری کا سبب بن سکتا ہے۔

لمافی التفسیر المنیر (۵/۵۶): قال ابن عباس : إذا أطاعته في المضجع ، فليس له أن يضربها.

الضرب غير المبرّح :أي المؤذي إيذاء شديدا كالضّرب الخفيف باليد على الكتف ثلاث مرات ، أو بالسواك أو بعود خفيف لأن المقصود منه الصلاح لا غير ـ ـ ـ ولا يضربها بسوط ولا بعصا ، وأن يراعي التخفيف لأن المقصود هو الزّجر والتأديب لا الإيلام والإيذاء ، كما يفعل بعض الجهلة. ومع أن الضرب مباح فإن العلماء اتّفقوا على أن تركه أفضل.

وفی الهندية (۱/۵۴۸): وإن قالت لا أطبخ ولا أخبز قال في الكتاب لا تجبر على الطبخ والخبز وعلى الزوج أن يأتيها بطعام مهيأ أو يأتيها بمن يكفيها عمل الطبخ والخبز۔

Marfat.com

وفی المفصل (۷/۳۰۸): وقد یکون فائدۃ معرفۃ الزوج بأن جمہور الفقہاء لایرون من الواجب علی الزوجۃ القیام بخدمۃ زوجہا ولا قیامہا بشؤون البیت وخدمتہ ۔۔۔ وأن لا یحاسب الحساب العسیر اذ قصرت فی ذلک لأن ما تقوم بہ لیس من الواجب علیہا عند جمہور الفقہاء۔۔۔ وللزوج حق تأدیب زوجتہ إذا قصرت فی أداء حق اللہ علیہ وإذا قصرت فی أداء حقوقہ اللتی أوجبہا الشرع علیہا وحق اللہ علیہا ہو فعل ما أمرہا بہ وترک مانہاہا عنہ۔الخ۔

(۶۸۴) شوہر کا چار ماہ سے زائد سفر پر جانے کا حکم

سؤال

میں اس وقت کراچی میں رہتا ہوں۔ میری بیوی اور بچے لاہور میں ہیں۔ میں اس وقت کراچی میں ہوں۔ میرا ایک تبلیغی دوست ہے تبلیغی جماعت میں کافی پرانا ہے۔ اسے دینی معلومات بھی ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ جلد گھر جائیں چار ماہ کے اندر بیوی کے پاس جانا ضروری ہوتا ہے۔ میں کافی پریشان ہوا کیونکہ میں تو تقریباً ساڑھے ساتھ ماہ سے کراچی میں ہوں ملازمت کا مسئلہ ہے آیا ان کی بات صحیح ہے؟ شوہر بیوی سے کتنا عرصہ جدا رہ سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ ہمبستری کرنا یہ میاں اور بیوی دونوں کا حق ہے البتہ شادی کے بعد ایک مرتبہ ہمبستری کرنا حکم کے درجہ میں شوہر پر واجب ہے۔ اگر ایک بار ہمبستری نہ کی تو قاضی ایک سال علاج کی مہلت دے کر میاں بیوی میں تفریق کردے گا (بشرطیکہ عورت مطالبہ کرے)۔ نیز ایک سے زائد مرتبہ جیسے جیسے میاں بیوی کی خواہش ہو وقتاً فوقتاً حقوقِ زوجیت ادا کرنا دیانۃً واجب ہے، یعنی فیما بینہ وبین اللہ شوہر کیلئے ضروری ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً ہمبستری کرتا رہے البتہ یہ وقفہ چار ماہ سے زائد نہیں ہونا چاہئے، اگر چار ماہ سے زائد وقفہ آرہا ہو تو بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ اگر وہ اجازت دے دیتی ہے اور بیوی سے علیحدہ رہنے میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر چار ماہ سے زائد بھی علیحدہ رہا جاسکتا ہے۔

جہاں تک بات ہے سفر کی اور میاں بیوی کے الگ الگ شہروں میں زندگی بسر کرنے کی تو اس میں بھی چار ماہ سے زائد کے سفر کیلئے بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے البتہ اگر بیوی کے کسی فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو بیوی کی اجازت سے بھی اتنا طویل سفر اکیلے کرنا درست نہیں۔ اس میں بہتر تو یہ ہے کہ بیوی کو ساتھ لے جائے یا چار ماہ سے قبل وقتاً فوقتاً گھر آتا رہے یا گھر کے قریب ہی ملازمت یا دیگر مسائل کا حل تلاش کرے۔ الغرض بیوی سے چار ماہ سے زائد بغیر اجازت کے علیحدہ رہنا درست نہیں نیز آج کے پرفتن دور میں اتنا عرصہ [چار ماہ سے کم] بیوی سے اس کی اجازت کے ساتھ اہر رہنا بیوی کے کسی بھی فتنے میں پڑنے کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا حتی الامکان

Marfat.com

پرہیز کیا جائے۔ اگر اتفاقاً ایک آدھ بار کوئی ایسا طویل سفر درپیش آجائے تو بیوی سے اجازت لے کر اس سفر پر جانے میں حرج نہیں لیکن اسے معمول بنالینا خصوصاً جوان بیوی کے حق میں عقلمندی نہیں بلکہ خود کو فتنوں میں پیش کرنے کے مترادف ہے جو حوصلہ افزا نہیں بلکہ قابلِ ترک بات ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو چاہیئے کہ وقتاً فوقتاً ملازمت سے چھٹی لے کر گھر لاہور جاتے رہا کریں یا بیوی کو بھی کراچی بلالیں اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو لاہور میں ہی ملازمت تلاش کرلیں کیونکہ مال سے زیادہ عزت اور اہل وعیال اہم ہیں لہٰذا آپ فوراً گھر جائیں اور آئندہ اگر اتفاقاً کبھی چار ماہ سے زائد کے سفر پر جانا ہو تو بیوی کو اعتماد میں لیں پھر جائیں بیوی سے اجازت لئے بغیر یوں سات ماہ تک الگ شہر میں رہنا درست نہیں۔

لما فی السنن الکبری للبیهقی (۲۹/۹): عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال : خرج عمر بن الخطاب رضی الله عنه من اللیل فسمع امرأة تقول :

تطاول هذا اللیل واسود جانبه

وأرقنی أن لا حبیب ألاعبه

فوالله لولا الله إنی أراقبه

تحرک من هذا السریر جوانبه

فقال عمر بن الخطاب رضی الله عنه لحفصة بنت عمر رضی الله عنهما : کم أکثر ما تصبر المرأة عن زوجها؟ فقالت : ستة أو أربعة أشهر. فقال عمر رضی الله عنه : لا أحبس الجیش أکثر من هذا.

وفی تاریخ المدینة (۷۵۹/۲): عن المغیرة قال سأل عمر رضی اللہ عنہ حفصة رضی الله عنهامتی یشتد علی المرأة فقد زوجها فقالت شهرین لا تبالیه وأربعه تکون بین الأمرین والستة الأشهر فجعل مغازی الناس ستة أشهر۔

وفی روایة زید بن أسلم فقالت تصبر المرأة عن زوجها أربعة اشهر وخمسة أشهر وذلك أن تلك مدة العدة، فقال عمر رضی اللہ عنہ یسیر الناس إلی غزاتهم شهرا ثم یرجعون شهرا ویقیمون أربعة أشهر فوقت ذلك الناس۔

وفی المبسوط للسرخسی (۲۲۱/۵): والصحیح أنه یؤمر بأن یؤنسها بصحبته أحیانا من غیر أن یکون فی ذلك شیء مؤقت۔

وفی الشامیة (۲۰۲/۳): قوله (ویسقط حقها بمرة) قال فی الفتح واعلم أن ترك جماعها مطلقا لا

Marfat.com

يحل له صرح أصحابنا بأن جماعها أحيانا واجب ديانة لكن لا يدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولى ولم يقدروا فيه مدة ويجب أن لا يبلغ به مدة الإيلاء إلا برضاها وطيب نفسها به اھ ۔۔۔ وفي البدائع لها أن تطالبه بالوطء لأن حله لها حقها كما أن حلها له حقه وإذا طالبته يجب عليه ويجبر عليه في الحكم مرة والزيادة تجب ديانة لا في الحكم عند بعض أصحابنا وعند بعضهم عليه في الحكم اھ وبه علم أنه كان على الشارح أن يقول ويسقط حقها بمرة في القضاء أي لأنه لو لم يصبها مرة يؤجله القاضي سنة ثم يفسخ العقد أما لو أصابها مرة واحدة لم يتعرض له لأنه علم أنه غير عنين وقت العقد بل يأمره بالزيادة أحيانا لوجوبها عليه إلا لعذر ومرض أو عنة عارضة أو نحو ذلك۔

(۶۸۵) جہاد، کسب معاش یا کسی ادارے میں ملازمت کیلئے باہر رہنا

سؤال

ایک شادی شدہ آدمی اپنی بیوی کو چھوڑ کر کسی غیر ملک یا شہر جاتا ہے تو اس کو کب تک واپس لوٹ کر آنا چاہیئے۔ کیا اسلام نے اس کا کوئی وقت یا کوئی حد مقرر کی ہے؟

(۲) اگر کافی عرصے تک اس کا شوہر ذریعہ معاش کے سلسلے کی وجہ سے نہ آسکے تو کیا اس صورت میں اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی؟

(۳) یا کافی عرصے تک نہ آئے اور وہ وہاں پر اپنے بیوی بچوں کیلئے کمانے گیا ہو تو وہ کمائی اس کے بیوی بچوں کیلئے جائز ہے؟ کیونکہ وہ عرصہ دراز سے بیوی سے دور ہے یا بیوی سے نہیں ملا ہے۔

(۴) سنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جہاد پر جاتے تھے ان پر پابندی لگائی تھی کہ وہ ۳ مہینے کے اندر واپس آکر بیوی سے رجوع کریں اور پھر واپس چلے جائیں۔

(۵) ہمارے یہاں بہت سارے محکمے ایسے ہیں جن سے متعلق لوگ اپنے گھر سے دور رہتے ہیں مثلاً پولیس یا فوج وغیرہ، کیا اس صورت میں وہ اپنی بیوی کے حقوق پورے نہیں کر رہا ہے؟ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۶) جو قانون حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا کیا آج بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے؟ جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے تو ان کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟ تبلیغ کیلئے بھی علماء اکثر دوسرے ملک سال دو سال کیلئے بھی جاتے ہیں، اس بارے میں بھی بیان فرمائیں۔ برائے کرم تمام سوالات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) شادی شدہ آدمی کے عام حالات میں جہاد میں جانے کی صورت میں اگر زوجہ کی دلی رضامندی سے اجازت ہو، اور اس کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور اولاد کی صورت میں ان کی تعلیم اور تربیت کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور والدین کو اس کی خدمت کی ضرورت بھی نہ ہو، اور ان دونوں کی طرف سے دلی رضامندی سے اجازت بھی ہو تو عام حالات میں جہاد پر جانے اور چار ماہ سے زیادہ وقت تک گھر نہ آنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ جانے کی بھی شرعاً اجازت نہیں کیونکہ جہاد فرض کفایہ ہے اور والدین کی خدمت، زوجہ کے حقوق فرض عین ہیں اور فرض کفایہ کی ادائیگی میں فرض عین کو چھوڑنے کی شرعاً اجازت نہیں۔

البتہ کبھی ضرورت کے موقع پر بیوی کی اجازت سے طویل سفر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں اور محض دولت اکٹھی کرنے کیلئے اس کو معمول بنالینا دوسری بات ہے، ایسی صورت میں فتنے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے معاش کے حصول کیلئے طویل سفر کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے اور اگر فتنے کا ظنِ غالب ہو تو بیوی کی اجازت کے باوجود طویل سفر کرنا جائز نہیں، اگرچہ مدت چار ماہ سے بھی کم ہو، قریب میں بھی معاش کے ذرائع میسر ہو سکتے ہیں۔

(۲) مذکورہ صورت میں اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔

(۳) وہ کمائی بیوی، بچوں کیلئے حلال ہے، بشرطیکہ وہ مال حلال ہو۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم لکھ کر بھیجا تھا کہ چار ماہ سے زیادہ لشکروں کو نہ روکا جائے اور ایک روایت میں چھ ماہ کا ذکر ہے، البتہ فقہاء نے چار ماہ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔

(۵) ان محکموں میں بعض افراد کی رہائش کا انتظام مع اہل وعیال وہیں ہوتا ہے اور بقیہ افراد کو عام طور پر چار ماہ میں رخصت مل جاتی ہے۔

(۶) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے، آج بھی اس پر عمل کو لازم قرار دینا چاہیئے، تاہم اگر کوئی ادارہ اس قانون پر عمل نہ کرے اور اس ادارے کو ایسے افراد میسر ہوں جو یا تو غیر شادی شدہ ہوں یا ہوں تو شادی شدہ لیکن قریب کے افراد ہوں یا وہ طویل مسافت کے باوجود اپنے اہل کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہوں تو کوئی حرج نہیں اور اگر اس ادارے کے ذمہ دار حضرات اپنے قوانین شروع ہی سے بتادیں، پھر بھی اگر کوئی شخص طویل مسافت اختیار کر کے اس ادارے میں کام کرے گا اور زوجہ کے حقوق میں کوتاہی کا مرتکب ہوگا تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا، ایسی صورت میں اس کوتاہی سے اس ادارے کے ذمہ دار حضرات بری الذمہ ہوں گے۔ تبلیغ میں جانے اور حصول علم کیلئے سفر کرنے کا بھی وہی حکم ہے، جو پہلی شق میں جہاد کا حکم گزر چکا ہے۔

لمافی السنن الکبری للبیھقی (۲۹/۹): عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: خرج عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ من اللیل فسمع امرأۃ تقول:

Marfat.com

تطاول هذا الليل واسود جانبه
وأرقني أن لا حبيب ألاعبه
فوالله لولا الله إني أراقبه
تحرك من هذا السرير جوانبه

فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه لحفصة بنت عمر رضى الله عنهما : كم أكثر ما تصبر المرأة عن زوجها؟ فقالت : ستة أو أربعة أشهر. فقال عمر رضى الله عنه : لا أحبس الجيش أكثر من هذا.

وفى الدرالمختار (۲۰۲/۳): (وفي الملبوس والمأكول) والصحبة (لا في المجامعة) كالمحبة بل يستحب ويسقط حقها بمرة ويجب ديانة أحيانا ولا يبلغ مدة الإيلاء إلا برضاها

وفى الرد تحته: قوله (بل يستحب) أي ما ذكر من المجامعة ح ـــ قوله (ويسقط حقها بمرة) قال في الفتح واعلم أن ترك جماعها مطلقا لا يحل له صرح أصحابنا بأن جماعها أحيانا واجب ديانة لكن لا يدخل تحت القضاء والإلزام إلا الوطأة الأولى ولم يقدروا فيه مدة ويجب أن لا يبلغ به مدة الإيلاء إلا برضاها وطيب نفسها به اهـ

وفى الفقه الاسلامى وادلته (۶۵۹۹/۹) حكم الاستمتاع أو هل الوطء واجب؟ قال الحنفية : للزوجة أن تطالب زوجها بالوطء؛ لأن حله لها حقها، كما أن حلها له حقه، وإذا طالبته يجب على الزوج. وقال المالكية: الجماع واجب على الرجل للمرأة إذا انتفى العذر.

(۶۸۶) فوجی کتنا عرصہ ٹریننگ پر جاسکتا ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! بسااوقات کسی سپاہی یا مجاہد کو دورانِ ٹریننگ چھ ماہ اور سال تک چھٹی نہیں ملتی تو کیا اس سپاہی یا مجاہد کیلئے اپنی بیوی سے اتنی مدت تک دور رہنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مرد کا اپنی بیوی کے حقوق زوجیت کو چار ماہ کی مدت کے اندر اندر پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی آدمی چار ماہ سے زائد اپنی بیوی سے دور رہتا ہے اور وہ بیوی اس کی طرف محتاج ہے تو وہ آدمی گناہگار ہوگا لہٰذا سپاہیوں یا مجاہدین کو چار ماہ کے اندر اندر چھٹی لے کر

Marfat.com

گھر جانا چاہیئے البتہ اگر ان کی بیویاں جماع کی محتاج نہ ہوں اور وہ اجازت دے دیں تو چار ماہ سے زائد بھی رکا جاسکتا ہے۔

لمافی التفسیرالمظھری (٥٠/٢): (وعاشروهن بالمعروف) بالإنصاف في الفعل وأداء الحقوق و الإحسان في القول۔

وفی المصنف لعبدالرزاق (١٥١/٧): عبد الرزاق عن بن جريج قال أخبرني من أصدق أن عمر رضی اللہ عنہ وهو يطوف سمع امرأة وهي تقول:

تطاول هذا الليل واخضل جانبه

وأرقني إذ لا خليل ألاعبه

فلولا حذار الله لا شيء مثله

لزعزع من هذا السرير جوانبه

فقال عمر رضی اللہ عنہ فما لك قالت أغربت زوجي منذ أربعة أشهر وقد اشتقت إليه فقال أردت سوءا قالت معاذ الله قال فاملكي على نفسك فإنما هو البريد إليه فبعث إليه ثم دخل على حفصة فقال إني سائلك عن أمر قد أهمني فأفرجيه عنه كم تشتاق المرأة إلى زوجها فخفضت رأسها فاستحيت فقال فإن الله لا يستحيي من الحق فأشارت ثلاثة أشهر وإلا فأربعة فكتب عمر ألا تحبس الجيوش فوق أربعة أشهر۔

وفی الشامية (٢٠٣/٣): ويؤيد ذلك أن عمر رضي الله تعالى عنه لما سمع في الليل امرأة تقول: فوالله لولا الله تخشى عواقبه لزحزح من هذا السرير جوانبه فسأل عنها فإذا زوجها في الجهاد، فسأل بنته حفصة: كم تصبر المرأة عن الرجل: فقالت أربعة أشهر، فأمر أمراء الأجناد أن لا يتخلف المتزوج عن أهله أكثر منها، ولو لم يكن في هذه المدة زيادة مضارة بها لما شرع الله تعالى الفراق بالإيلاء فيها.

(٦٨٧) بیوی کا سفر پر جانے سے انکار کرنا

سؤال ٥

زید اور فاطمہ کی شرعی طریقہ سے شادی ہوئی لڑکا کفو بھی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد زوج ترک وطن کرتا ہے اور زوجہ ترک وطن پر رضامند نہیں ہوتی اور سفر پر اس کے ہمراہ جانے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ وہ اپنے حقیقی بھائیوں اور باپ وغیرہ کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ آیا

Marfat.com

اس صورت میں شوہر، بیوی کو اپنے ہمراہ جبراً سفر پر لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ زوجہ کے انکار پر زوج جبر و تشدد کرتا ہے، آیا اس کا یہ فعل جائز ہے؟ زوجہ باعصمت ہے، اپنے بھائیوں کو نہ چھوڑنے کے علاوہ اور کوئی وجہ انکار کی نہیں ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اس کا مکمل مہر دیدیا ہے اور اب اس کو سفر میں یا ایک ملک سے دوسرے ملک لے جانا چاہتا ہے تو خاوند کو از روئے شرع اس بات کی اجازت حاصل ہے، لیکن اگر مہر ادا نہیں کیا تو پھر اس کو سفر پر لے جانے پر مجبور نہیں کر سکتا، اور اس صورت میں بیوی پر جبر و تشدد کرنا یہ ظلم ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر زید نے اپنی بیوی فاطمہ کو مکمل مہر حوالہ کر دیا ہے اور اب وہ بیوی کو باہر ملک لے جانا چاہتا ہے تو زید کو یہ حق حاصل ہے لیکن اگر اس نے مہر بھی دیدیا ہو اور باہر ملک لے جانے کی صورت میں عورت کو ضرر دینا مقصود ہو یا غالب گمان ہو کہ اس کو ضرر لاحق ہوگا مثلاً عورت کو ماریگا یا اس کے حقوق کو پورا نہیں کرے گا تو پھر باہر لے جانے کی اجازت نہیں ہے، نیز اگر زید نے اپنی بیوی کو مہر حوالہ نہ کیا ہو تب بھی وہ بیوی کو باہر ملک چلنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

لما في التاتارخانية (۱۱۵/۳): م: وفي فتاوى الشيخ أبو الليث: إذا أراد الزوج أن يخرج المرأة من بلد إلى بلد وقد أوفاها مهرها فجواب الكتاب أن له ذلك۔

وفي الهندية (۳۱۷/۱): ولو دخل الزوج بها أو خلا بها برضاها فلها أن تمنع نفسها عن السفر بها حتى تستوفي جميع المهر على جواب الكتاب ـ ـ ـ وإذا أوفاها مهرها نقلها إلى حيث شاء۔

وفي الشامية (۱۴۸/۳): قلت وفيه أنه بعد تصريح الكافي بأن الفتوى على جواز النقل وقول القنية إنه الصواب كيف يكون ضعيفا نعم لو اقتصر على الترجيح بفساد الزمان لكان أولى لكن ينبغي العمل بما مر عن البزازية من تفويض الأمر إلى المفتي حتى لو رأى رجلا يريد نقلها للإضرار بها والإيذاء لا يفتيه ولا سيما إذا كانت من أشراف الناس ولم تكن القرية مسكنا لأمثالها فإن المسكن يعتبر بحالها كالنفقة كما سيأتي في بابها۔

(۶۸۸) میاں کا بیوی کو اپنے گھر نہ بسانا

سؤال

ایک بچی حنا کی شادی ہوئی۔ شوہر کی والدہ صاحبہ کا شادی سے پہلے انتقال ہوگیا تھا۔ اس دوران ۲۰۰۴ء میں ایک بچہ (واعظ) پیدا ہوگیا اور ۲۰۰۷ء میں ایک بچی (خضریٰ) پیدا ہوئی۔ شوہر کی بڑی بہن فرح نے دانش کو بہکانا شروع کیا پہلے کھانا بند کیا پھر علاج بند کیا، بچی خود کما کر انہی کے گھر خانہ داری چلاتی رہی۔ جب زیادہ بیمار ہوتی تو والدہ کے گھر چلی آتی۔ شوہر ایک دن بھی ڈاک

Marfat.com

کے پاس نہیں لے کر گیا۔ شادی سے اب تک جب ظلم سہتے ہوئے بھاگ کر گھر آتی تو میں بحیثیت والد بچی کو پھر سسرال چھوڑ آتا۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ میں نے شادی نہیں کی ہے جس نے شادی کرائی ہے وہ جانے۔

آج ڈیڑھ سال سے والدین کے یہاں بیٹھی ہے نہ حنا نے شوہر سے بات کی اور نہ آواز سنی اور نہ وہ یہاں آتا ہے۔ شوہر کہتا ہے کہ خلع لے لو میں طلاق اس لئے نہیں دوں گا کہ میرے پاس مہر دینے کے پیسے نہیں ہیں۔ مہر ۲۵،۰۰۰ روپے دینا نہیں چاہتا ہے اور صرف زبان کی حد تک کہتا ہے کہ وہ آجائے اور میرے یہاں رہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، وہ نہیں چاہتا کہ بیوی ساتھ رہے۔

اب لڑکی کے والدین کیا کریں؟ کتنے عرصے لڑکی شوہر سے علیحدہ رہ سکتی ہے؟ طلاق وہ دینا نہیں چاہتا کیا خلع خود بخود ہو جائے گا؟ دوسری شادی کب کر سکتی ہے؟ دونوں چھوٹے بچوں کا پوچھتا ہے اور نہ خرچ دیتا ہے، اور نہ دینا چاہتا ہے کیا کیا جائے؟ دولہا کی بہن فرح کے مطابق کہ ان کے یہاں مرد کے پاس وقت نہیں ہے کہ فیصلہ کرے۔ کیا عدالت فیصلہ کرے گی یا تھانہ؟ کیا خلع کے بعد عدت میں بیٹھنا ہے اور کتنا عرصہ؟ لڑکی کی عمر ابھی ۲۵ سال ہے۔ اب حنا ڈیڑھ سال بعد کسی لڑکی کی معرفت سے ملنا چاہتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) بیوی کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنا اور اس کے حقوق ادا نہ کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا **(النساء: ۱۹)**

ترجمہ: اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شی کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔ (بیان القرآن للتھانویؒ ۱/۱۶۶)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زور دیتے ہوئے بطور وصیت ارشاد فرمایا:

فاتقوا الله فی النساء فإنکم أخذ تموهن بأمان الله واستحللتم فروجهن بکلمات الله. (مسلم، ۱/۳۹۷)

ترجمہ: عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے ان کو امان سے لیا اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمات سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔

اسی طرح بیوی پر شوہر کی مکمل اطاعت واجب ہے جب تک وہ اس سے گناہ کے کام کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کو شوہر کی نافرمانی سے بچنا چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قال النبی صلی الله علیه وسلم: أریت النار فإذا أکثر أهلها النساء، یکفرن قیل: أیکفرن بالله؟ قال: "یکفرن العشیر، ویکفرن الإحسان، لو أحسنت إلى إحداهن الدهر، ثم رأت منك شيئا.

Marfat.com

قالت: ما رأیت منك خیرا قط" (البخاری، ۹/۱)

"مجھے جہنم اور آگ دکھلائی گئی، پس اچانک میں نے دیکھا کہ جہنم کے اکثر باشندے عورتیں ہیں۔ یہ کفر کرتی ہیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا۔کیا یہ اللہ کا انکار کرتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں۔ ساری عمر اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ احسان کرو پھر وہ تم سے کوئی ناگوار چیز دیکھ لے تو کہتی ہے کہ میں نے تجھ سے کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔"

لہٰذا میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے چاہئیں اور کسی کے باتوں میں نہیں آنا چاہیئے۔

(۲) میاں بیوی دونوں خاندانوں کے بڑے اور سمجھدار لوگوں کو چاہیئے کہ وہ مل بیٹھ کر اس مسئلے کو اخلاص کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کریں اور دونوں کو سمجھا کر ان کے درمیان غلط فہمیاں دور کریں اور ان کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی نصیحت کریں۔ اگر پھر بھی دونوں میں نہ بن سکے تو بیوی کو کسی بھی طرح شوہر سے خلع یا طلاق لینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(۳) خلع خود بخود نہیں ہوتا اس کی صورت یہ ہے کہ بیوی شوہر سے کہے کہ مہر کے بدلے یا کسی مال کے بدلے مجھ سے خلع کرلو اور شوہر قبول کرلے تو خلع (یعنی طلاق بائن) واقع ہوجاتی ہے۔ واضح رہے کہ خلع میں شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر عدالت سے یکطرفہ خلع لیا گیا تو شرعاً یہ خلع معتبر نہیں۔

(۴) خلع یا طلاق کے بعد بیوی کو تین حیض عدت گزارنی ہوگی، اس کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

(۵) دونوں بچوں کا نفقہ باپ پر واجب ہے، اگر وہ نہیں دیتا تو گنہگار ہوگا۔

لما فی القرآن الكريم (النساء:۳۵): وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا... الآية۔

وفی التاتارخانية (۲۳۳/۴): (كتاب النفقات): وفی المنافع: ونفقة الصغير واجبة على أبيه وإن خالفه فی دينه۔

وفی الشامية (۴۴۱/۳): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية وقد أوضح الكلام عليه في الفتح آخر الباب۔

Marfat.com

(۶۸۹) لڑکی والوں کا بیٹی کو اپنے گھر بیٹھا لینا

سوال

کافی عرصے سے ہمارے بیٹے اور بہو میں کچھ تلخ کلامی چل رہی تھی۔ایک روز ہماری بہو کی بہن آئی اور اس نے ہماری بہو سے کہا کہ بھابھی کے بھائی کی شادی ہے اور تم نے ضرور شریک ہونا ہے اور وہ لوگ ان لوگوں کو دعوت نہیں دیں گے۔دوسرے روز ہماری بہو بغیر کسی کو بتائے پڑوس میں چلی گئی۔جب ساس نے بہو کو گھر میں نہ دیکھا تو معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ پڑوس میں ہے۔اسے بلایا اور کہا کہ ہماری بہو بیٹی بغیر بتائے نہیں جاتیں، اس پر ساس اور بہو میں تلخ کلامی ہوگئی۔شام کو شوہر نے بیوی سے معلوم کیا کہ آپ کا منہ کیوں بنا ہوا ہے؟ بیوی نے شوہر سے کہا کہ تمہاری ماں نے ڈنگ مارا ہے اور تم نیولے اور گندے کیڑے کی پیدائش ہو۔یہاں تک کہ شوہر کے گریبان تک ہاتھ ڈال دیا۔

کیا اسلام میں بیوی اپنے شوہر اور اس کی ماں کو گالی دے سکتی ہے۔اس کے جواب میں شوہر پھر کیا کہہ سکتا ہے؟ جس پر شوہر نے کہا کہ تمہاری ماں کے منہ پر تھوکوں گا، تمہیں تمہاری ماں نے یہی تربیت دی ہے۔جس پر ہم نے بہو سے کہا کہ بیٹا کچھ عرصے سے تمہارا رویہ نا قابل برداشت ہے لہٰذا ہم نے اس کو اس کی ماں کے گھر بھیج دیا۔ہمارا لڑکا جب اپنے سسرال گیا تو انہوں نے لڑکے کو مارنے کی دھمکی دی اور کہا کہ تم اپنا بچہ لے جاؤ اور ہماری بہن کو طلاق دے دو۔دوسرے روز ہم گئے اور ہم نے کہا کہ بھائی دس منٹ کیلئے میرے ساتھ مسجد میں بیٹھ کر میری چار باتیں سن لو، آپ جیسے کہو گے ہم تمہاری بات مان لیں گے۔اس عرصے کو چھ مہینے گزر گئے نہ تو وہ ہماری بہو کو بھیجتے ہیں، نہ بات کرتے ہیں۔ہماری بہو آنا چاہتی ہے مگر وہ آنے نہیں دیتے اور وہ ہماری بہو سے کہتے ہیں ہمیں مار دو اور تم اپنا گھر بسا لو۔

کیا ہمارے ہاں مسلمان لڑکی شوہر سے بدکلامی کا حق رکھتی ہے اور لڑکی والے ایسا کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ برائے مہربانی اس کا حل بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی معاشرہ کا کامیاب ترین اور نیک بخت گھرانہ وہ ہوتا ہے جس کے افراد خصوصاً میاں بیوی میں محبت والفت، اتفاق واتحاد اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا خوب اہتمام اور لحاظ ہو تو ایسا گھر دنیا میں جنت نظیر بن جاتا ہے۔ایک گھر کے افراد سے متعلق حقوق کی جو فہرست ہے اس میں سرفہرست میاں بیوی کے حقوق ہیں۔جس طرح بیوی کے حقوق شوہر کے ذمہ واجب ہیں اسی طرح شوہر کے حقوق بیوی پر ہیں۔ان حقوق میں یہ بات بھی ہے کہ بیوی پر شوہر کی عزت، احترام واکرام واجب ہے۔اس کیلئے شوہر کو تکلیف دینا حرام ہے۔جو عورت اپنے شوہر کو گالیاں اور تکلیف دینے سے اجتناب نہیں کرتی اس کے بارے میں احادیث مبارکہ میں سخت وعیدیں

Marfat.com

آئی ہیں لہٰذا بشرط صحت واقعہ صورت مسئولہ میں عورتِ مذکورہ پر توبہ واستغفار لازم ہے نیز سسرال والوں کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے داماد کو ماریں اور اپنی لڑکی کو اپنے گھر بٹھالیں۔ان لوگوں کو اس فعل سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء): وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔

(الروم:۲۱):وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔

وفی الفقه الاسلامی (۳۴۲/۷):المبحث الثالث ۔ الحقوق المشتركة بين الزوجين :أغلب الحقوق السابقة خصوصاً حق الاستمتاع وما يتبعه هي حقوق مشتركة بين الزوجين، لكن حق الزوج على زوجته أعظم من حقها عليه، لقوله تعالى: {وللرجال عليهن درجة} [البقرة]وليس لكل من الزوجين تحسين الخُلُق لصاحبه والرفق به واحتمال أذاه وسوء طباعه، لقوله تعالى: {والصاحب بالجنب} [النساء] أي الإحسان له، وللحديث المتقدم: استوصوا بالنساء خيراًوحديث خياركم خياركم لنسائه۔

وفی اللجنة الدائمة(۲۴۷/۱۹):س: ماحكم المرأة التي ترفع صوتها على صوت زوجها أثناء الحديث؟

ج: المشروع أن يتخاطب الزوجان بما يجلب المودة ويقوي الروابط الزوجية، وأن يجتنب كل منهما رفع الصوت على صاحبه، أو مخاطبته بما يكرهه؛ لقوله سبحانه وتعالى: {وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ}۔

(۶۹۰) بیوی کو والدین سے ملنے سے منع کرنا

سوال

مفتی صاحب!اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اس کے والدین سے ملنے نہ دے تو بیوی کو کیا کرنا چاہیئے؟ جبکہ والدین کے بھی تو اولاد پر بے شمار حقوق ہوتے ہیں تو شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے یا والدین کو چھوڑ دینا؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شوہر کا حکم ماننا ضروری ہے اور لازم ہے لیکن شوہر کی اجازت نہ دینے پر والدین کو چھوڑنا درست نہیں ہے،اس کی بہتر صورت تو

Marfat.com

یہ ہے کہ ہفتہ، دس دن میں والدین خود آ کر لڑکی سے ملاقات کرلیں البتہ شوہر کی بغیر اجازت بیوی کو شرعاً ہفتہ میں ایک مرتبہ والدین کے ساتھ ملاقات کرنے کا حق حاصل ہے۔

لمافی الهندية (۱/۵۵۷): وإذا أراد الزوج أن يمنع أباها أو أمها أو أحدا من أهلها من الدخول عليه في منزله اختلفوا في ذلك قال بعضهم لا يمنع من الأبوين من الدخول عليها للزيارة في كل جمعة وإنما يمنعهم من الكينونة عندها وبه أخذ مشايخنا رحمهم الله تعالى وعليه الفتوى كذا في فتاوى قاضي خان وقيل لا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة مرة وعليه الفتوى كذا في غاية السروجي۔

(۶۹۱) بے پردگی والے میکے میں بیوی کو جانے سے منع کرنا

سؤال

زید اپنی بیوی کو ماں کے گھر جانے سے روکتا ہے۔ اسے ظن غالب ہے کہ وہاں بے پردگی ہوگی کیونکہ اس کے میکے میں شرعی پردہ نہیں کیا جاتا۔ زید اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اس کی والدہ وغیرہ یہاں آ کر لڑکی سے مل جایا کریں۔ لڑکی کی ماں اب مسئلے کو بڑھا رہی ہیں اور تفریق کرانا چاہتی ہیں۔ مفتی صاحب! ازراہِ کرم آپ بتائیں کہ کیا شرعاً یہ ضروری نہیں کہ زید اپنی بیوی کو میکے جانے سے روکے جبکہ وہاں پردے کا اہتمام نہیں اور اس پر لڑکی والوں کا تفریق کرانا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات سمجھئے کہ میاں بیوی کا رشتہ زندگی بھر کے ایک بندھن کا نام ہے اس میں باہمی مزاج کو سمجھنا اور ایک دوسرے کی رعایت رکھنا ازحد ضروری ہے۔ معمولی اختلاف کو افہام، تفہیم کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کرنا لائق تحسین امر ہے اور تفریق یا طلاق کا اختیار کرنا شرعاً ممدوح نہیں۔

لہٰذا سوال مذکور میں اولاً تو شوہر کی بھی کوتاہی ہے کہ جب اسے لڑکی کے گھر کے ماحول کا خلافِ شرع ہونا معلوم تھا تو رشتے پر حامی کیوں بھری اور جب رشتہ کیا ہے تو اب تسامح اور تحمل سے کام لے۔ ثانیاً بیوی کی بھی ذمہ داری ہے کہ جب شوہر اس کی نازیبا حرکات اور نامحرم کے سامنے بے پردہ آنے سے غصہ ہوتا ہے تو وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی بقیہ زندگی کیلئے مشکلات کا خاتمہ کرے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں:

(۱) پہلے تو شوہر کو چاہیئے کہ لڑکی کو خود جا کر میکے میں اس کے رشتہ داروں سے ملالائے شوہر خود جائے گا تو بے پردگی کا احتمال بھی

Marfat.com

نہ رہے گا۔

(۲) اگر بیوی کو اکیلے بھیج رہا ہے تو سوء ظن سے کام نہ لے اور بیوی پر اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے پردے کی تفصیلات اسے بتادے۔

(۳) میاں، بیوی اور بیوی کے گھر والوں کو چاہیئے کہ مل بیٹھ کر معاملے کو حل کر لیں شوہر کا فقط اس بات کی اجازت دے دینا کہ اس کے والدین وغیرہ یہاں آ کر مل جائیں کافی نہیں بلکہ شوہر کو بھی کچھ لچک دکھانا ضروری ہے اس کی بہتر صورت وہی ہے کہ خود جا کر ملا لائے اور لڑکی کے گھر والوں کو بھی چاہیئے کہ ان معمولی اختلافات پر ایک بسے بسائے گھر کو ختم کرنے کے بارے میں نہ سوچیں بلکہ اپنے گھر کے ماحول کو شرعی سانچے میں ڈھالیں۔

(۴) نیز بیوی کی بھی شرعاً یہ ذمہ داری ہے کہ اپنی عزت وعصمت کی حفاظت کرے اور ہر اس شخص سے جو اس کا نامحرم ہو یا شوہر کو بیوی کا اس شخص سے ملنا برا لگتا ہو، ان افراد سے ملنے سے اجتناب کرے اور خواہ مخواہ بسے بسائے گھر کو تباہ کرنے پر نہ تلے۔

لما في الشامية (۳/٦۰۲): وعن أبي يوسف في النوادر تقييد خروجها بأن لا يقدرا على إتيانها فإن قدرا لا تذهب وهو حسن وقد اختار بعض المشايخ منعها من الخروج إليهما وأشار إلى نقله في شرح المختار والحق الأخذ بقول أبي يوسف إذا كان الأبوان بالصفة التي ذكرت وإلا ينبغي أن يأذن لها في زيارتهما في الحين بعد الحين على قدر متعارف أما في كل جمعة فهو بعيد فإن في كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصا إذا كانت شابة والزوج من ذوي الهيئات بخلاف خروج الأبوين فإنه أيسر اهـ وهذا ترجيح منه لخلاف ما ذكر في البحر أنه الصحيح المفتى به من أنها تخرج للوالدين في كل جمعة بإذنه وبدونه وللمحارم في كل سنة مرة بإذنه۔

وفيه أيضاً (۳/۱۴٦): ثم رأيت في نفقات البحر ذكر عن النوازل أنها تخرج بإذنه وبدونه۔

(٦۹۲) ماں کے حکم پر بیوی کے حقوق ادا نہ کرنا

سؤال

اگر کوئی شخص ایک عورت سے شادی کرلے پھر اس کو طلاق نہ دی ہو اور اس کے اس عورت سے دو بچے بھی پیدا ہو جائیں اور اس نے اپنی بیوی کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیا۔ اس عورت کو اپنے والدین کے گھر میں چھ سال ہو گئے۔ شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہے، نہ اس کو خرچہ دیتا ہے اور نہ اس سے بات چیت کرتا ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا ہے۔

پھر اس مرد نے دوسری شادی کر لی۔ اس عورت سے بھی اس کے چار یا پانچ بچے پیدا ہو گئے اور وہ عورت اس کے گھر میں رہتی

Marfat.com

ہے لیکن وہ مرد اپنی بیوی سے بات چیت نہیں کرتا۔

پھر اس نے تیسری شادی کر لی۔ یہ تمام باتیں جو اس مرد نے کی ہیں یہ اپنی ماں کے کہنے کی وجہ سے کی ہیں۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اپنی والدہ کی اس معاملے میں بات ماننا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ایسی ماں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے کسی کی حق تلفی کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ چاہے وہ والدین سے متعلق ہو یا زوجین سے اور جس طرح شوہر پر لازم ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ رکھے اسی طرح شوہر پر یہ بھی لازم ہے کہ بیوی کے نان ونفقہ کا خیال رکھے اور اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باریاں مقرر کرے لہٰذا اعتدال کے ساتھ ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی یکساں طور پر واجب ہے۔ اگر کسی ایک کی حق تلفی میں دوسرے کو خوش کرنا پایا جائے تو یہ گناہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

(لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق)

"خالق کی معصیت (والے امور) میں مخلوق کی اطاعت (جائز) نہیں۔"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کام جس سے خالق کی نافرمانی ہو اور مخلوق کی رضامندی ہو قطعاً حرام ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں بر تقدیرِ صحت واقعہ مذکورہ شخص پر واجب ہے کہ وہ والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنی بیویوں کے حقوق بھی مکمل طور پر ادا کرے، اگر بیویوں کے حقوق کی ادائیگی سے والدہ ناخوش ہوں یا منع کریں تو ان کے حکم کو ماننا جائز نہیں۔ نیز والدہ کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے بیٹے کو بیویوں کی حق تلفی کرنے پر مجبور نہ کریں اور اپنے کئے ہوئے عمل پر اللہ تعالیٰ سے ندامت کے ساتھ توبہ کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بڑے غفور ورحیم ہیں۔

لما فى القرآن الكريم (النسآء:۱۲۹): وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔

(العنكبوت:۸): وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔

(البقرة:۲۳۳): وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا۔

(الاحزاب:۳۶): وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔

Marfat.com

وفی جامع الترمذی (۱/۲۱۷): عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: إذا كان عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط۔

(۶۹۳) شوہر کا ڈیوٹی پر تالہ لگا کر جانا

سؤال

مفتی صاحب! زید جب صبح نوکری پر جاتا ہے تو دروازے پر تالہ لگا کر جاتا ہے۔ اس کی بیوی اس بات پر راضی نہیں۔ اس کے دو معصوم بچے بھی ہیں۔ کیا شرعاً شوہر کو یہ اختیار ہے کہ نوکری پر جاتے ہوئے تالہ لگا کر چلا جائے؟ کیا یہ بیوی کے ساتھ حق تلفی نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شوہر اور بیوی کا باہمی اتفاق و اعتماد، مستقبل میں ان کے بچوں کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے آپس میں معمولی سی باتوں پر چپقلش اور جھگڑے پورے گھر کے ماحول کو متاثر کرتے ہیں۔ آپس میں بدظنی اور بے اعتمادی وہ دیمک ہے جو اس تعلق کو آہستہ آہستہ کترتی جاتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاً شوہر کو چاہیئے کہ بیوی پر بدگمانی سے اجتناب کرے قرآن وحدیث میں اس پر سخت نکیر وارد ہوئی ہے اور یہ نامناسب ہونے کے ساتھ ساتھ بیوی کی عزت نفس کو مجروح بھی کرنا ہے نیز دروازے پر تالہ لگا کر جانے سے کسی بھی حادثے کی صورت (مثلاً گھر میں آگ بھڑک اٹھے یا باہر کوئی ایمرجنسی ہو جائے) میں بیوی بچے گھر سے نکل نہ سکیں گے اور شوہر کا اس طرح تالہ لگا کر جانا ان کی ہلاکت یا بڑے نقصان کا سبب بن سکتا ہے جس کے باعث شوہر گناہ گار ہوگا اور اس کا یہ عمل درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نیز بیوی کو بھی اپنی عزت، عصمت وآبرو کی حفاظت کرنی چاہیئے یہ شوہر کا بھی حق ہے اور خداء بزرگ و برتر کا حکم بھی ہے کسی بھی ایسے قول یا فعل سے پرہیز کرے جو شوہر کے دل میں بدگمانی کا سبب بنے اس کی اجازت کے بغیر گھر سے قدم باہر نہ نکالے اور شوہر کی عدم موجودگی میں کسی کو گھر میں نہ آنے دے الغرض اتنا باکردار اور بے لچک رویہ اختیار کرے کہ شوہر اس پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو جائے اور اپنی اس غیر فطری حرکت سے باز آ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

لما فی الکلام المجید (الحجرات:۱۲): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ۔

وفی بدائع الصنائع (۳/۶۰۷): فصل ومنها ملك الحبس والقيد وهو صيرورتها ممنوعة عن الخروج والبروز لقوله تعالى { أسكنوهن } والأمر بالإسكان نهي عن الخروج والبروز والإخراج إذ

Marfat.com

الأمر بالفعل نهي عن ضده وقوله عز وجل {وقرن في بيوتكن} وقوله عز وجل {لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن} ولأنها لو لم تكن ممنوعة عن الخروج والبروز لاختل السكن والنسب لأن ذلك مما يريب الزوج ويحمله على نفي النسب۔

وفی الهندية (٣٤١/١): وله أن يمنعها من أكل ما يتأذى من رائحته ومن الغزل وعلى هذا له أن يمنعها من التزيين بمايتأذى بريحه۔۔فإن أرادت أن تخرج إلى مجلس العلم بلا إذنه لم يكن لها ذلك فإن وقعت لها نازلة وزوجها عالم بها أو جاهل لكنه يسأل عالما لا تخرج وإلا فلها أن تخرج۔

(٦٩٤) جماع کے وقت دعا پڑھنے کا حکم

سؤال

میری شادی ایک دیندار خاتون سے ہوئی۔ میں خود بھی دین پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ شادی کی پہلی رات بیوی نے مجھے بتایا کہ جماع سے قبل دعا پڑھنا ضروری ہوتی ہے۔ مجھے علم نہ تھا خیر میں نے دعائیں یاد کرلیں لیکن اس رات بیوی نے مجھے قریب نہ آنے دیا تو کیا اس کا یہ عمل درست تھا؟ اور کیا دعائیں پڑھے بغیر جماع حرام ہے؟ از راہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت پر خاوند کی اطاعت کرنا جب کہ معصیت کا حکم نہ دے واجب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو بستر کی طرف یعنی جماع کیلئے بلائے اور بیوی انکار کرے اور خاوند ناراضگی کی حالت میں رات گزار دے تو ایسی عورت پر صبح تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں اور جماع کی دعا پڑھنا مستحب ہے اگر کسی نے بغیر دعا پڑھے جماع کرلیا تو بلا کراہت جائز ہے گناہ نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت کا خاوند کو قریب نہ آنے دینا ایک مستحب شئ کی وجہ سے (جو کہ گناہ نہیں) درست نہیں بلکہ عورت ترک واجب کی وجہ سے گنہگار ہوگی لہٰذا مناسب ہے کہ عورت کو مسئلہ سے آگاہ کیا جائے اور حدیث مذکور میں جو وعید وارد ہوئی ہے سنائی جائے البتہ خاوند کو چاہیئے کہ وہ مسنون دعا یاد کرلے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو آدمی اپنی گھر والی کے پاس آئے اور وہ یہ دعا پڑھے: (**اللهم جنبنی الشیطان وجنب الشیطان مارزقتنا**) ترجمہ: "اے اللہ مجھے شیطان سے محفوظ رکھ اور جو تو ہمیں دے اسے (بھی) شیطان (کے شر) سے محفوظ رکھ۔" (بخاری)

اگر ان سے کوئی اولاد پیدا ہوجائے تو شیطان اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

Marfat.com

لما فی التفسیر المظهری (۸/۲۶۸): (وقال ربکم ادعونی استجب لکم) اعلم ان الدعاء منه ماهو فریضة وهو قوله تعالیٰ اهدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیهم أو سنة مؤکدة کالدعاء فی القعدة الأخیرة ـ ـ ـ وأما سؤال کل أمر یحتاج إلیه العبد فی الدنیا والآخرة والاستعاذة من کل شرّ فمأمور به مستحب بإجماع العلماء۔

وفی مشکوة المصابیح (ص۲۸۰): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه فأبت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح" . متفق عليه : وفي رواية لهما قال : " والذي نفسي بيده ما من رجل يدعو امرأته إلى فراشه فتأبى عليه إلا كان الذي في السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها "

وفيه أيضا(۲/۲۸۱): وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لو كنت آمر أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها " . رواه الترمذي

وفی بدائع الصنائع(۲/۶۱۳): فصل ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة إذا دعاها إلى الفراش لقوله تعالى { ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف }۔

وفی الهندية (۱/۵۴۵): وسئل بعض العلماء عن امرأة لها زوج لا يصلي والمرأة تأبى أن تكون معه قال ليس لها ذلك كذا في الظهيرية

وفی الدر المختار (۳/۱۴۲):(ولها منعه من الوطء) دواعيه شرح مجمع (والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضيتهما) لأن كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لا يوجب تسليم الباقي(لأخذ ما بين تعجيله) من المهر كله أو بعضه (أو) أخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يفتى لأن المعروف كالمشروط۔

وفی الشامية (۳/۲۰۸): قوله (في كل مباح) ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجبا عليها كأمر السلطان الرعية به ط۔

(۶۹۵) خاوند کو معصیت سے بچانے کیلئے بیوی کا دور رہنا

سوال

مفتی صاحب! محمد ناصر بلاعذر روزہ توڑتا ہے بیوی نے اس کو کافی سمجھایا لیکن وہ نہیں سمجھتا، علاقے والوں نے اس کے ساتھ

Marfat.com

تعلق بھی ختم کر دیا ہے۔ اب علاقے کے لوگ اس کی بیوی سے کہتے ہیں تم بھی اس سے الگ ہو جاؤ اور والدین کے گھر چلی جاؤ لیکن وہ کہتی ہے کہ میں اس طرح اگر کروں گی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ناصر کی بیوی کو علاقے والوں کا اس طرح کہنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو بیوی کیلئے کیا حکم ہے جبکہ ناصر بیوی کے بغیر کسی اور گناہ میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر خاوند معصیت و برے افعال میں مبتلا ہو تو عورت کو چاہیئے کہ خاوند کو محبت اور پیار سے اور نرم لہجے میں سمجھائے تا کہ وہ شریعت کے احکام کی پابندی کرنے لگ جائے، زجر و توبیخ اور خاوند کو نصیحت کے طور پر اگر عورت گھر چلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن ایسا عمل جس سے خاوند کی دل آزاری ہو اور نافرمانی کا باعث ہو جائز نہیں اور اس کے لئے دعا و استغفار کثرت سے کرے اگر خاوند سے کسی بنا پر عام افراد کیلئے مقاطعہ ہو تب بھی بیوی کیلئے اس سے مقاطعہ نہیں مثلاً دورِ نبوی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایک غزوہ میں عدم شرکت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحکم خداوندی مقاطعہ ہوا تو اولاً ان حضرات کی بیویاں ان کے ساتھ تھیں کیونکہ شوہر خصوصاً جب اس کی عمر زیادہ ہو، بیوی کی خدمت کا محتاج ہوتا ہے۔

لما فی القرآن الکریم (التحریم: ۶): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

وفی بدائع الصنائع (۶۱۳/۴): فصل ومنها ولاية التأديب للزوج إذا لم تطعه فيما يلزم طاعته: الآمر يبدأ بالموعظة على الرفق واللين دون التغليظ في القول فإن قبلت وإلا غلظ القول به فإن قبلت وإلا بسط يده فيه وكذلك إذا ارتكبت محظورا سوى النشوز ليس فيه حد مقدر فللزوج أن يؤدبها تعزيرا لها۔

وفی الشامية (۷۸/۴): فرع في فصول العلامي إذا رأى منكرا من والديه يأمرهما مرة فإن قبلا فبها وإن كرها سكت عنهما واشتغل بالدعاء والاستغفار لهما فإن الله تعالى يكفيه ما أهمه من أمرهما۔

(۶۹۶) عورت کا بغیر کسی وجہ کے شوہر کے پاس نہ رہنا

سوال

ہمارے ایک دوست کراچی میں رہتے ہیں اور ان کی بیوی بھی کراچی میں رہتی ہیں، لیکن عرصہ چار سال ہو گئے ہیں دوست نے کافی کوشش کی رجوع کرنے کی لیکن ان کی بیوی تیار نہیں ہیں۔ آپ سے پتا یہ کرنا ہے کہ ان دونوں کے نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

Marfat.com

آپ ہمیں بتائیے کہ حدیث کے اعتبار سے ہمارے دوست کو کیا کرنا چاہیئے۔ بیوی آنا نہیں چاہتی، وجہ بھی نہیں بتاتی، فقط یہ کہتی ہے کہ میں ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں شرعاً نکاح باقی ہے لہٰذا عورت کا بغیر عذر شرعی کے اپنے شوہر سے الگ تھلگ رہنا ناجائز ہے اور ایسی عورت کے متعلق احادیث میں انتہائی سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں، چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا باتت المرأة مهجرة فراش زوجها لعنتها الملائكة حتى ترجع۔

"اگر ایک عورت اپنے شوہر کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ واپس لوٹے۔"

(بخاری،ج۲/ ۲۷۲)

اس مضمون کی متعدد روایات کتب احادیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا بغیر عذر شرعی کے ایک رات شوہر سے الگ گزارنا عورت کو مستحق لعنت بنا دیتا ہے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان کچھ اختلافات ہیں تو بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں کے گھر والے ان کے درمیان صلح صفائی کرا دیں تا کہ وہ دونوں خوشگوار زندگی گزار سکیں اور اگر صلح صفائی کی کوئی صورت نہ ہو اور ان کا آپس میں اتفاق سے رہنا ناممکن ہو تو پھر شوہر کو چاہیئے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دیدے جس میں اس نے وطی نہ کی ہو یا عورت، شوہر کو خلع پر راضی کر کے خلع لے لے۔

لما فی القرآن الکریم (النسآء:۳۵): وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۔۔الآیة

(البقرة:۲۲۹): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔

وفی الشامیة (۳/۴۴۱): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية وقد أوضح الكلام عليه في الفتح آخر الباب۔

(۶۹۷) نافرمان بیوی کو گھر پر بند کرنا

سوال

ہمارے ہاں نکاح کا مہر چار، پانچ لاکھ ہوتا ہے جو لڑکی کا باپ یا جو بھی ولی ہو، نکاح سے پہلے لے لیتا ہے اور ہمارے

Marfat.com

شادی بیاہ کا یہی طریقہ ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ میں نے ایک لڑکی سے اسی طریقے پر شادی کی لیکن کچھ عرصہ بعد لڑکی میکے چلی گئی اور واپس آنے سے انکار کر دیا۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ لڑکی اپنے بھائیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ اپنی بہن کی شادی کرانے کے بہانے روپے بٹورتے ہیں اور جب شادی ہو جاتی ہے اور پیسے لے لیتے ہیں تو بہن کو گھر لے آتے ہیں اور شوہر سے جھگڑا شروع کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ تنگ آ کر طلاق دے دیتا ہے اور اب میرے ساتھ بھی یہی کچھ کرنا چاہتے ہیں لیکن میں طلاق دینا نہیں چاہتا، کیونکہ میری بیوی حمل سے ہے اور اس لئے بھی کہ میرا چار پانچ لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہے جبکہ ہمارے ہاں کوئی عدالت بھی نہیں ہے اور کوئی حکومتی کارروائی نہیں ہو سکتی البتہ ہمارے فیصلے جرگے میں ہوتے ہیں اور جرگہ نے اس تنازعہ میں میرے حق میں فیصلہ بھی کر دیا ہے لیکن میری بیوی اس کے باوجود آنے پر تیار نہیں ہے اور بھائی اُس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ کیا اس صورت میں میرے لئے شرعاً اس بات کی گنجائش ہے کہ میں اپنی بیوی کو زبردستی کوئی بھی صورت اختیار کر کے اپنے گھر لے آؤں اور چونکہ پھر دوبارہ اُس کے فرار ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا اس کو گھر میں محبوس رکھوں؟ مجھے یقین ہے کہ اگر میری بیوی سے میری اولاد ہو گئی تو وہ بخوشی میرے ساتھ رہنے کو تیار ہو جائے گی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت نے چونکہ شوہر کو عورت پر بہت سے حقوق دیئے ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شوہر کو عورت پر حاکمیت حاصل ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب آپ نے لڑکی کا مہر ادا کر دیا ہے اور وہ بغیر کسی وجہ میکے جا کر آنے سے انکار کرتی ہے تو اولاً آپ صلح و مصلحت سے اس کو راضی کر کے واپس لانے کی کوشش کریں اور اگر صلح و مصلحت سے کام نہ بنے تو پھر آپ کیلئے یہ گنجائش ہے کہ اس کو زبردستی یا کوئی بھی صورت اختیار کر کے اپنے گھر لے آئیں اور اس کو دوبارہ فرار ہونے سے بھی روک سکتے ہیں، بصورت دیگر اگر آپ کو حقوق کی رعایت نہ کرنے کا خوف ہو تو اس صورت میں خلع کا طریقہ بھی اختیار کر سکتے ہیں کہ اس سے مہر یا کچھ رقم لے کر اس کو چھوڑ دیں۔

لما في القرآن الكريم (النساء:٣٤): وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا۔

وفي الهندية (٤٨٨،٤٨٩/١): إن خالعها على مهرها فإن كانت المرأة مدخولا بها وقد قبضت مهرها يرجع الزوج عليها بمهرها وإن لم يكن مقبوضا سقط عن الزوج جميع المهر ولا يتبع أحدهما صاحبه بشيء۔

وفي الدر المختار(٧٧/٤): (يعزر المولى عبده والزوج زوجته) ولو صغيرة لما سيجيء (على تركها الزينة) الشرعية مع قدرتها عليها (و) تركها (غسل الجنابة و) على (الخروج من المنزل) لو بغير حق (وترك الإجابة إلى الفراش) لو طاهرة من نحو حيض --- والضابط كل معصية لا حد فيها

Marfat.com

فللزوج والمولى التعزير وليس منه ما لو طلبت نفقتها أو كسوتها وألحت لأن لصاحب الحق مقالا بحر۔

(۶۹۸) حالت حمل میں ہمبستری کرنے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب بیوی کو حمل ٹھہر چکا ہو اور ڈیلیوری قریب ہو تو اس وقت بیوی سے جماع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ بچہ بن چکا ہوتا ہے لہٰذا اگر اس حالت میں جماع کرے گا تو گویا وہ بچے سے زنا کرے گا جو پیٹ میں ہے، کیا ان لوگوں کی بات درست ہے؟ برائے مہربانی آپ شریعت کی روشنی میں مسئلے کو واضح فرمائیں کہ حق کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حمل کی حالت میں بیوی سے جماع کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حمل ٹھہرنے کے بعد بیوی سے جماع کرنا گویا کہ پیٹ میں موجود بچے سے زنا کرنا ہے بالکل بے اصل اور غلط ہے البتہ حالت حمل میں بیوی سے جماع کرنے میں اگر طبی طور پر عورت یا بچے کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر احتیاط کرنی چاہیئے۔

لمافی التفسير المنير (٢/٣٠٢): ودلت الآية (ولا تقربوهن حتى يطهرن) على حرمة الجماع في الحيض حتى الطهر۔

وفي الدر المختار (٣/٤٨): (و) صح نكاح (حبلى من زنى لا) حبلى (من غيره) أي الزنى لثبوت نسبه ولو من حربي أو سيدها المقر به (وإن حرم وطؤها) ودواعيه (حتى تضع) متصل بالمسألة الأولى لئلا يسقي ماؤه زرع غيره إذ الشعر ينبت منه فروع لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقا والولد له ولزمه النفقة۔

وفي اللجنة الدائمة (١٩/٣٥٣): لا بأس بجماع الحامل ما لم يكن فيه ضرر على الحمل، وإنما الممنوع جماع الحائض؛ لقوله تعالى: ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ ومثلها النفساء حتى تطهر من النفاس، والمحرمة بحج أو عمرة. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

Marfat.com

(۶۹۹) برہنہ جماع کرنے کا حکم

سوال

میرا ایک دوست ہے اور ہم دونوں میں دوستی بہت پکی ہے اس کی شادی بھی ہوگئی ہے ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ جب تک میں اپنی بیوی کو پورا برہنہ کر کے جماع نہ کرلوں تو اس وقت تک میری خواہش پوری نہیں ہوتی۔ میں نے اس کو سمجھایا کہ اس طرح بیوی کو برہنہ کرنا صحیح نہیں ہے اور شرعاً اس کی اجازت بھی نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا کہ جب بیوی سے جماع کرنے کی شرعاً اجازت ہے تو اس کے پورے بدن کو دیکھنا بھی صحیح ہے اور اس طرح جماع کرنا بھی صحیح ہے جیسا کہ میں کرتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر مجھ کو سکون نہیں ملتا، پھر میں نے اس کو کہا کہ چلو کسی مفتی صاحب سے پوچھتے ہیں تو اس نے کہا کہ ایسا کرو تم پوچھ لو کیونکہ مجھ کو شرم آتی ہے پھر جو بھی ہوگا تم مجھ کو بتا دینا لیکن اس نے مجھ سے کہا کہ میری بیوی کو بھی مذکورہ طریقے سے سکون ملتا ہے ورنہ نہیں۔ اب مفتی صاحب آپ بتائیں کیا شرعاً اس طرح سے اپنی بیوی سے جماع کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

جماع کے آداب میں سے ایک ادب جماع کے وقت پردے کا اہتمام کرنا ہے، بالکل بے پردہ اور برہنہ ہوکر جماع کرنا مناسب نہیں ہے البتہ اگر میاں بیوی میں سے کسی کو بھی حالت جماع میں برہنہ ہوئے بغیر تسکین اور خواہش پوری نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں برہنہ ہوکر جماع کرنے کی گنجائش ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کی خواہش برہنہ کئے بغیر پوری نہیں ہوتی اور بیوی کو بھی اسی طریقے سے سکون ملتا ہے تو ایسی صورت میں آپ کے دوست کیلئے برہنہ جماع کرنا درست ہے۔

لمافی المشکوۃ (۱/۲۷۶): وعن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أعظم الأمانة عند الله يوم القيامة " وفي رواية: إن من أشر الناس عند الله منزلة يوم القيامة الرجل يفضي إلى امرأته وتفضي إليه ثم ينشر سرها" . رواه مسلم۔

وفی سنن ابن ماجه (۱۳۸): عن عتبة بن عبد السلمي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم أهله فليستتر، ولا يتجرد تجرد العيرين.

وفيه أيضا(۱۳۸): عن عائشة رضي الله عنها، قالت: ما نظرت، أو ما رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم قط.

وفی الهندية (۵/۳۲۷): أما النظر إلى زوجته ومملوكته فهو حلال من قرنها إلى قدمها عن شهوة وغير شهوة وهذا ظاهر إلا أن الأولى أن لا ينظر كل واحد منهما إلى عورة صاحبه كذا في الذخيرة۔

Marfat.com

وفيه أيضاً (٣٢٨/٥): ويجرد زوجته للجماع إذا كان البيت صغيرا مقدار خمسة أذرع أو عشرة قال مجد الأئمة الترجماني وركن الصباغي والحافظ السائلي لا بأس بأن يتجردا في البيت كذا في القنية۔

وفيه أيضا (٣٢٨/٥): قال أبو يوسف رحمه الله تعالى سألت أبا حنيفة رحمه الله تعالى عن رجل يمس فرج امرأته وهي تمس فرجه لتحرك آلته هل ترى بذلك بأسا قال لا وأرجو أن يعطى الأجر كذا في الخلاصة۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (٢٦٣٦/٣): ويكره الوطء وهما متجردان. لما روى ابن ماجه عن عتبة بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم أهله فليستتر، ولا يتجردان تجرد العَيْرين والعَيْر: حمار الوحش، شبههما به تنفيراً عن تلك الحالة. ويكره تحدثهما بما جرى بينهما، وحرمه بعضهم لما فيه من إفشاء السر، وهو حرام۔

(٧٠٠) بیوی کے پستان چوسنے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! بوقتِ صحبت شوہر نے اپنی بیوی کا پستان منہ میں لے لیا اور تھوڑا سا دودھ منہ میں آ گیا مگر آتے ہی تھوک دیا اس کو نگلا نہیں۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ان کے نکاح پر کوئی فرق پڑتا ہے اور یہ فعل حرام ہے؟ ازراہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بوقت ملاعبت وصحبت شوہر کیلئے بیوی کا پستان منہ میں لینا درست ہے اگر کبھی اس طرح کرنے سے دودھ منہ میں آجائے تو اسے تھوک دینا چاہیئے۔ دودھ کا نگل لینا ناجائز وحرام ہے تاہم اس سے نکاح باطل نہ ہوگا۔

لما فی القرآن الكريم (الاحقاف:١٥): وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا۔

وفی اعلاء السنن ، كتاب الرضاع (١١٩٣١): عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: لا رضاع إلا ما كان فی الحولين۔ (رواه البيهقی)

وفی الهندية (٣٤٣/١): وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم كذا في الهداية۔

وفی الدر المختار (٢٢٥/٣): مص رجل ثدي زوجته لم تحرم۔

Marfat.com

وفی الرد تحته: قيد به احترازا عما إذا كان الزوج صغيرا في مدة الرضاء فإنها تحرم عليه۔

وفی الدر المختار أيضاً(٣/٢١١): (ولم يبح الإرضاع بعد مدته) لأنه جزء آدمي والانتفاء به لغير ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية۔

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

أقوال الفقهاء

في

استمتاع الزوجين عن فرج الآخر عند الجماع

ہمبستری کے وقت زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع

اور مذاہبِ اربعہ کی تفصیلات کا بیان

Marfat.com

(۱۰۷) زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع

سوال

مفتی صاحب! ایک مسئلہ بندے کیلئے الجھن کا سبب بنا ہوا ہے وہ یہ کہ زوجین کا ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع کرنا (چھونا یا بوسہ لینا وغیرہ) یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ جائز ہے تو ہمارے اکابر مثلاً مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس پر نکیر کیوں فرمائی ہے نیز ایک اشکال اس پر یہ بھی ہے کہ ملاعبت کے وقت مذی مستقلا بلا اختیار نکل جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ مذی نجس ہے اور نجس کا منہ میں جانا حرام ہے۔ اس پر بھی غور فرمائیں کیونکہ ہمارے علاقے کے ایک عالم کا کہنا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں اس کی گنجائش لکھی ہے جو کہ ہمیں سمجھ نہیں آرہی۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مذکورہ فعل ایک شنیع اور غیر مہذب فعل ہے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ یہ غیر مسلموں کے افعال ہیں البتہ اس فعل کا اباحت کی حد تک جواز ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب میں موجود ہے۔ فقہ مالکی کی مشہور کتاب مواہب الجلیل میں علامہ حطاب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"قيل لأصبغ إن قوما يذكرون كراهته فقال من كرهه إنما كرهه بالطب لا بالعلم ولا بأس به وليس بمكروه وقد روى عن مالك أنه قال لا بأس أن ينظر إلى الفرج في حال الجماع. وزاد في رواية ويلحسه بلسانه وهو مبالغة في الإباحة وليس كذلك على ظاهره."

"اصبغ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ ایک جماعت (بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنے کو) مکروہ کہتی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جو بھی اسے مکروہ کہتا ہے وہ طبی اعتبار سے ہے وگرنہ شرعی کوئی دلیل کراہت کی نہیں اور شرعاً اس میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ کراہت (بلکہ یہ صرف طبا ناپسندیدگی ہوگی)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمبستری کے وقت بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں اور ایک روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ زبان سے شرمگاہ کو چاٹے۔ امام مالک کا یہ قول اباحت میں مبالغہ ہے جو کہ اپنے ظاہر پر نہیں۔" (مواہب الجلیل علی مختصر خلیل ۵/ ۲۳)

اسی طرح فقہ شافعی کی کتاب اعانۃ الطالبین میں ذکر ہے:

"(تتمة: يجوز للزوج كل تمتع منها بما سوى حلقة دبرها، ولو بمص بظرها أو استمناء بيدها"

Marfat.com

تتمہ: شوہر کیلئے بیوی سے ہر قسم کا تمتع جائز ہے سوائے اس کی دبر (موضع اجابت) سے۔ اگرچہ یہ تمتع عورت کی شرمگاہ کے چوسنے یا اس کے ہاتھ سے مشت زنی کرانے کی صورت میں ہو۔" (اعانۃ الطالبین ۳/۵۲۹)

فقہ حنبلی کی کتاب "کشاف القناع عن متن الاقناع" میں تحریر ہے:

"وقال القاضی یجوز تقبیل فرج المرأۃ قبل الجماع ویکرہ بعدہ"

"قاضیؒ فرماتے ہیں کہ عورت کی شرمگاہ کا بوسہ لینا جماع سے قبل جائز ہے اور جماع کے بعد مکروہ ہے۔"

(کشاف القناع ۵/۱۶)

فقہ حنفی کی مایہ ناز کتاب ردالمحتار میں نقل ہے:

"وعن أبي یوسف سألت أبا حنیفۃ عن الرجل یمس فرج امرأتہ وھی تمس فرجہ لیتحرك علیھا ھل تری بذلك بأسا قال لا وأرجو أن یعظم الأجر ذخیرۃ"

"امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ ایک شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ کو چھوتا ہے اور بیوی اس کی شرمگاہ کو تاکہ مرد میں حرکت بڑھ جائے تو کیا آپ اس میں کوئی حرج سمجھتے ہیں؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ انہیں زیادہ ثواب ملے گا۔" (ردالمحتار ۶/۳۶۷)

نیز فقہ حنفی کی ایک اور فتاویٰ کی مشہور کتاب ہندیہ میں ہے:

"إذا أدخل الرجل ذکرہ فی فم امرأتہ قد قیل یکرہ وقد قیل بخلافہ کذا فی الذخیرۃ"

"نوازل میں ہے جب مرد اپنا آلہ تناسل عورت کے منہ میں داخل کردے تو کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایسا کرنا مکروہ نہیں۔ ذخیرہ میں یہی ذکر ہے۔" (الھندیہ ۵/۳۷۲)

اسی طرح محیط برہانی میں یہ جزئیہ ان الفاظ میں ذکر ہے:

"إذا ادخل الرجل ذکرہ فی فم امرأتہ یکرہ لأنہ موضع قراءۃ القرآن فلا یلیق بہ إدخال الذکر بہ وقد قیل بخلافہ ایضاً"

"اگر مرد عورت کے منہ میں اپنا آلہ تناسل داخل کرے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ منہ قرآن پاک پڑھنے کی جگہ ہے تو اس میں آلہ کا داخل کرنا مناسب نہیں اور ایک قول اس میں اس کے برخلاف (عدم کراہت) کا بھی ہے۔" (محیط برھانی ۸/۱۳۴)

نیز موسوعہ فقہیہ جس میں مذاہب اربعہ کی تفصیلات جمع کی گئی ہیں اور دورِ حاضر کے علماء کی ایک جماعت نے اسے تیار کیا ہے، اس میں مسئلہ زیر بحث سے متعلق یہ تفصیل تحریر ہے:

"لمس فرج الزوجۃ: اتفق الفقہاء علی أنہ یجوز للزوج مس فرج زوجتہ. قال ابن عابدین: سأل أبو یوسف أبا حنیفۃ عن الرجل یمس فرج امرأتہ وھی تمس فرجہ لیتحرك علیھا ھل تری بذلك بأسا؟

Marfat.com

قال: لا. وأرجو أن يعظم الأجر وقال الحطاب: قد روي عن مالك أنه قال: لا بأس أن ينظر إلى الفرج في حال الجماع. وزاد في رواية: ويلحسه بلسانه. وهو مبالغة في الإباحة. وليس كذلك على ظاهره و قال الفناني من الشافعية: يجوز للزوج كل تمتع منها بما سوى حلقة دبرها. ولو بمص بظرها وصرح الحنابلة بجواز تقبيل الفرج قبل الجماع. وكراهته بعده" (الموسوعة الفقهية: ۹/۳۲، فرج)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرمگاہ کو چوسنے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک "مص بظر" کے الفاظ، امام احمد کے نزدیک شرمگاہ کا قبل از جماع بوسہ لینے کا جواز اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق شرمگاہ کو چھونے پر ثواب کی امید یہ سب کچھ یہ بتاتا ہے کہ یہ عمل حرام قطعی یا ممنوع فعل نہیں بلکہ اس میں اباحت اور بوقت ضرورت جواز ہے۔ نیز ہندیہ میں کراہت اور عدم کراہت دونوں قول نقل ہیں لیکن محیط برہانی میں "فلا یلیق به" یعنی نامناسب ہے کے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ اگر کراہت والا قول بھی لے لیا جائے تو کراہت تنزیہی ہی مراد ہوگی وگرنہ دوسرے قول میں تو اور تخفیف ہے۔

نیز مرد یا عورت کی شرمگاہ کوئی نجس چیز نہیں، نہ ان کے چھونے یا ہاتھ لگانے سے وضو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس سلسلے میں دریافت کیا گیا:

"عن قيس بن طلق رضي الله عنه عن ابيه سئل النبي صلى الله عليه وسلم افي مس الذكر وضوء قال: لا"

"حضرت قیس بن طلق سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا: کیا آلہ تناسل کو چھونے سے وضو کرنا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: نہیں۔" (طحاوی، ۱/۶۰)

ایک اور اثر ہے:

"عن قيس بن حازم رحمه الله قال سئل سعد رضي الله عنه عن مس الذكر فقال ان كان نجسا فاقطعه لا بأس به۔"

"حضرت قیس بن حازم سے مروی ہے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آلہ تناسل کو چھونے (سے وضو) سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا اگر یہ نجس ہے تو اسے کاٹ (کر پھینک) دو، اس (کو چھونے) میں کوئی حرج نہیں۔" (طحاوی ۱/۶۲)

جب یہ نجس بھی نہیں اور فقہاء نے اس کی گنجائش بھی لکھی ہے کہ زوجین ایک دوسرے کی شرمگاہ سے استمتاع کریں تو پھر اسے مطلقاً حرام کہنا مناسب نہیں البتہ یہ جواز فقط اباحت کے درجے میں ہے، یہ کوئی مرغوب فیہ چیز نہیں اور نہ اسلام میں ایسی کوئی ترغیب موجود ہے۔

اگر ایک شخص کو شہوت یا تسکین اسی طرح آتی ہو تو اس کے لئے یہ فعل کرنے کی گنجائش ہے لیکن اسے عادت بنا لینا یا بلا ضرورت ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ فی نفسہ یہ ایک غیر مناسب اور بدتہذیب قسم کا فعل ہے جس میں جانوروں کے فعل کے ساتھ مشابہت ہے لہٰذا اس سے از حد اجتناب کیا جائے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اردو فتاویٰ میں ہمارے بعض اکابرین نے اس فعل کو مبالغۃً اور شدت کی بنا پر مطلقاً

Marfat.com

کی قباحت اور شناعت ذہن میں بیٹھ جائے اور وقت آنے عادت نہ بنائیں [illegible] کی انگریزوں کی
ـجے سے تنزل کرکے حیوانیت میں نہ اتر آئے بہرحال ضرورت کے وقت اگر طرفین کی رضامندی ہوتو یہ فعل کیا

تعلق ہے مذی کے خروج کا تو یہ بندے، بندے پر ہوتا ہے۔ مذی اگرچہ غیر اختیاری طور پر نکلتی ہے لیکن اگر اس فعل ہ لگا کر مذی کے خروج سے قبل علیحدہ ہوا جاسکتا ہے اور اگر منہ میں ہی خروج ہوجائے تو اسے تھوک دیا جائے جیسا کہ نا جائز ہے لیکن اس میں دودھ کے نکل آنے کا احتمال بھی ہوتا ہے اور اس دودھ کا پینا جائز نہیں لہٰذا اسے بھی تھوکنے کا رح اگر مذی منہ میں آجائے تو اسے بھی تھوک دیا جائے۔ بہرحال یہ فعل مطلقاً حرام بھی نہیں اور نہ مطلقاً جائز ہے بلکہ نجائش ہے البتہ ازحد اجتناب کرنے کی کوشش کی جائے یہی شرعی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔

طالبین (۵۲۹/۳): (ولو بمص بظرها) أي ولو كان التمتع بمص بظرها فإنه جائز س البظر بالضم الهنة وسط الشفرة العليا اه والهنة هي التي تقطعها الخاتنة من فرج تان (قوله: أو استمناء بيدها) أي ولو باستمناء بيدها فإنه جائز۔

سلامي وادلته (۲۶۵۰/۴): أ۔ إذا كانت المرأة زوجة: جاز للزوج اللمس والنظر إلى حتى فرجها باتفاق المذاهب الاربعة، والفرج محل التمتع۔

سلامي وادلته (۲۶۴۱/۴) الحظر والاباحة، وربما كان أسوأ من الدبر: وضع الذكر في توه، مما جاءنا من شذوذ الغربيين، فيكون ذلك حراماً لثبوت ضرره وقبحه

Marfat.com

(۷۰۲) شوہر کا ناجائز طریقوں سے بیوی کو تنگ کرنے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! میرا نام حمیرا ہے اور میرے شوہر کا نام عارف ہے۔ شادی کے دن سے ہی عارف نے مجھے گالیاں دینا شروع کردی تھیں، اس بات پر کہ تیرے باپ نے ۵۱ ہزار لکھوائے ہیں۔ اس دن کے بعد سے انہوں نے مجھے مارنا پیٹنا شروع کردیا۔ شادی کے چند ہی دن بعد مجھے پتا چلا کہ میرے شوہر اور ان کی بھابھی کے ناجائز تعلقات ہیں۔ ان کی روٹین تھی کہ دونوں ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ کہیں بھی جانا ہوتا ہے تو دونوں ایک ساتھ جاتے ہیں۔ گندی فلمیں دیکھتے ہیں۔ ایک دن یہ کمرے کا دروازہ بند کرنا بھول گئے تھے، بند تھا لیکن کنڈی نہیں لگی تھی۔ اس دن میں نے انہیں بالکل ایک ساتھ جڑے کھڑے ہوئے دیکھا۔ عارف عائشہ بھابھی کو لپ اسٹک لگارہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی الگ ہوگئے۔

جب یہ لوگ باہر جاتے ہیں تو اگر ۸ بجے رات کو جاتے ہیں تو ۱۲، ۱ بجے سے پہلے نہیں آتے، یہ ساری باتیں جب میں نے سسرال والوں کو بتائیں تو سب کہنے لگے کہ ہاں ہمیں بھی پتا ہے ہم عارف کو سمجھائیں گے۔ پھر تھوڑے دن بعد میرے جیٹھ، جیٹھانی، ساس، سسر سب بدل گئے اور کہنے لگے کہ تو ہمارے بھائی پر الزام لگارہی ہے۔ جب میں ان کی باتوں کی وجہ سے میکے بیٹھ گئی تو میرے جیٹھ نے اپنی ذمہ داری پر مجھے بلوالیا لیکن میرے جانے کے بعد آٹھ دن تک عارف نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی البتہ اس دوران انہوں نے میرے دو الٹرا ساؤنڈ اور ایک پیشاب ٹیسٹ کروائے۔ پہلے ایک الٹرا ساؤنڈ کروایا پھر بھی انہیں تسلی نہ ہوئی پھر دوسرا کروایا، پھر یورین ٹیسٹ (پیشاب کا ٹیسٹ) کروایا۔ پھر کہنے لگے کہ کلام پاک پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھا کہ تونے (کسی کا) کچھ گروایا تو نہیں ہے۔

میں یہ بات نہیں سمجھی تھی کہ یہ اپنے بارے میں نہیں کسی اور کا نام لے رہے ہیں۔ میں نے قسم کھالی لیکن پھر بھی انہیں یقین نہیں آیا۔ جب ۱۵ دن بعد انہوں نے مجھ سے (بات) کی تو اس دن پتہ چلا کہ کوئی خوشی ہے۔ عارف شروع سے ہی بچے کیلئے منع کرتے تھے۔ جب گھر والوں کو پتہ چلا تو سب خوش ہوگئے لیکن عائشہ بھابھی (جس سے ان کے تعلقات ہیں اور ان کے بڑے بھائی کی بیوی ہے) کہنے لگی کہ ابھی ۲۰، ۲۲ دن تو ہوئے ہیں آئے ہوئے، اتنی جلدی پتہ چل گیا کہ کچھ ہے۔ پہلے جب تم رہتی تھی تب تو کوئی ایسی بات نہیں تھی، میں خاموشی سے سنتی رہی پھر تھوڑی دیر بعد میں ان کے کمرے میں گئی اور کہا کہ بھابھی آپ نے خود ہی کہا تھا، جب میں شادی کرکے آئی تھی دو مہینے بعد کہ کہیں عارف میں تو کوئی کمی نہیں، حمیرا اُس سے کہو کہ اپنا علاج کروائے۔ جب میں نے انہیں بتایا، تو وہ اسی دن سے علاج کروارہے تھے۔ پھر میں میکے رک گئی تھی۔ اب آئی ہوں تو اللہ کا احسان ہے لیکن پھر بھی ان لوگوں نے مجھ پر الزام لگایا۔

جب دو مہینے بعد میرا الٹرا ساؤنڈ کروایا تو اس میں ایک مہینے اور چار دن کا (کچھ) آیا لیکن میرے شوہر اور گھر والوں نے ڈاکٹر کے پاس جاکر صفائی کروادی، میں نے ان لوگوں کو بہت منع کیا، بچہ جب ۱۷، ۱۸ دن کا تھا تو میری جیٹھانی کہنے لگی کہ تم انڈے اور

Marfat.com

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا

(النساء:١٩)

"اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزارا کیا کرو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک شئے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے۔" (بیان القرآن ١/ ١٦٦٩)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے زور دیتے ہوئے بطور وصیت ارشاد فرمایا:

"فاتقوا الله فی النساء فانکم اخذ تموهن بامان واستحللتم فروجهن بکلمات الله" (مسلم، ١/٣٩٧)

ترجمہ: اور عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے ان کو امان سے لیا اور تم نے ان کی شرم گاہوں کو اللہ تعالیٰ کے کلمات سے اپنے لئے حلال کیا ہے۔

(۳) بلا عذر اسقاط حمل شرعاً ناجائز اور قتل نفس کے مترادف ہے۔ آپ کے شوہر اور گھر کے جتنے افراد بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے حمل کو ساقط کرانے کے مرتکب ہوئے ہیں انہوں نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے۔ انہیں اس ظالمانہ فعل پر اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگنی چاہیئے۔

(۴) آپ کے شوہر کا سوال میں مذکورہ (غیر شرعی اور ناجائز) طریقے سے خواہشات کی تکمیل ناجائز اور حرام ہے، یہ اہل مغرب اور بے دین لوگوں کا فعل ہے۔ اس پر بھی انہیں توبہ واستغفار کرنی چاہیئے اور آئندہ پاک زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

(۵) میاں بیوی دونوں خاندانوں کے بڑے اور سمجھدار لوگوں کو چاہیئے کہ وہ مل بیٹھ کر اس مسئلے کو اخلاص کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کریں اور میاں بیوی دونوں کو سمجھا کر ان کے درمیان غلط فہمیاں دور کریں اور ان کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی نصیحت کریں۔ اگر پھر بھی آپ دونوں کے درمیان نہ بن سکے تو آپ کسی بھی طرح شوہر سے خلع یا طلاق لینے کی کوشش کریں۔

لما فی الدر المختار: (٤٤١/٣) : (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق (بما يصلح للمهر) بغير عكس كلي۔

وفی الرد تحته : قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية وقد أوضح الكلام عليه في الفتح آخر الباب۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (٢٦٤١/٤) الحظر والاباحة، وربما كان أسوأ من الدبر: وضع الذكر في فم المرأة ونحوه، مما جاءنا من شذوذ الغربيين، فيكون ذلك حراماً لثبوت ضرره وقبحه شرعاً وذوقاً.

Marfat.com

(۷۰۳) دو بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے بنیادی حقوق

سوال

مفتی صاحب! ایک آدمی کی دو بیویاں ہیں ان کے بنیادی حقوق کیا کیا ہیں؟ قرآن وحدیث کی رو سے واضح کریں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

ایک آدمی جس کی دو بیویاں ہوں ان کے بنیادی حقوق مختصراً درج ذیل ہیں: شوہر کو ان بیویوں کے درمیان عدل وانصاف سے پیش آنا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ۔ الآية

"اگر تمہیں خوف ہو تو ایک (پر اکتفاء کرو)۔"

چنانچہ عدم مساوات کی صورت میں دوسری شادی کرنا ناجائز ہے لہٰذا ان کے کپڑوں، رہن سہن، کھانے پینے کی اشیاء اور شب گزاری میں برابری کرنا ضروری ہے البتہ طبعی محبت اور جماع میں مساوات شرط نہیں جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں صراحۃً یہ مضمون مذکور ہے البتہ دیانۃً مساوات کرنا مستحب ہے۔ اسی طرح سفر میں جاتے ہوئے بھی مساوات ساقط ہو جاتی ہے چنانچہ شوہر اپنی مرضی کے مطابق جس بیوی کو چاہے لے جا سکتا ہے البتہ ان کی تطییب قلب کی خاطر قرعہ ڈالنا زیادہ مناسب ہے۔

لما في القرآن الحكيم (النساء: ۳): فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۔

(النساء: ۱۲۹) وَلَن تَسْتَطِيعُوا أَن تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ

وفی التفسير القرطبی (۵/۲۰): الحادية عشر: قوله تعالى فإن خفتم الا تعدلوا فواحدة قال الضحاك وغيره فی الميل والمحبة والجماع والعشرة والقسم بين الزوجات الأربع والثلاث والإثنين "فواحدة" فمنع من الزيادة التي تؤدی الى ترك العدل فی القسم وحسن العشرة وذلك دليل على وجوب ذلك والله اعلم۔

وفی الترمذی (۱/۲۱۷): عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: إذا كان عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط۔

وفی الدر المختار (۳/۲۰۱ الى ۲۰۶): (يجب) --- (أن يعدل) --- (فيه) أي في القسم بالتسوية

Marfat.com

في البيتوتة (وفي الملبوس والمأكول) والصحبة (لا في المجامعة) كالمحبة بل يستحب ۔۔۔ (بلا فرق بين فحل وخصي وعنين ومجبوب ومريض وصحيح) ۔۔۔ (والبكر والثيب والجديدة والقديمة والمسلمة و الكتابية سواء) لإطلاق الآية (وللأمة والمكاتبة وأم الولد والمدبرة) والمبعضة (نصف ما للحرة) أي من البيتوتة والسكنى معها أما النفقة فبحالهما (ولا قسم في السفر) دفعا للحرج (فله السفر بمن شاء منهن والقرعة أحب) تطييبا لقلوبهن (ولو تركت قسمها) بالكسر أي نوبتها (لضرتها صح ولها الرجوع في ذلك) في المستقبل۔

(۷۰۴) شہری اور دیہاتی بیوی میں عدل کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! زید نے عرصہ ۱۴، ۱۵ سال قبل اپنی ماموں زاد بہن سے شادی کی اور اس بیوی سے زید کی اولاد بھی ہے۔ اس بیوی سے تعلقات ناخوشگوار ہونے کی وجہ سے اپنے گاؤں سے دور دوسرے شہر (جہاں پر اس کا کاروبار ہے) میں دوسری شادی کی اور وہاں کرائے کے مکان میں مقیم ہے۔ نہ تو زید پہلی بیوی کو دوسرے شہر لے جاسکتا ہے، اس لئے کہ یہاں گاؤں میں اس کے بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں اور پہلی بیوی زید کے والدین (جو کہ بوڑھے ہیں) کی خدمت کرتی ہے اور نہ وہ کاروبار چھوڑ کر اپنے گاؤں میں اقامت اختیار کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کاروبار میں مقروض ہوا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زید اپنے گاؤں کو کبھی ایک مہینہ بعد آتا ہے کبھی دو تین مہینے بھی گزر جاتے ہیں۔

اب آپ حضرات سے یہ بات دریافت کرنی ہے کہ زید کیلئے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے کہ کس طرح یہ دونوں بیویوں کے درمیان عدل کرے۔ یعنی زوجیت کے حقوق ادا کرے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب

شریعت مطہرہ میں ایک سے زائد بیویوں کے درمیان رہائش، خوراک، لباس اور رات بسر کرنے میں عدل واجب ہے اور عدل نہ کرنے والے کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے قیامت کے دن ایک جانب مفلوج ہو کر حاضر ہونے کی وعید ارشاد فرمائی ہے۔

صورت مذکورہ میں جب زید بھی گاؤں میں مستقل قیام نہیں کرسکتا اور نہ ہی پہلی بیوی کو شہر میں بلوا سکتا ہے تو اس کو چاہئے کہ رہائش، خوراک، لباس میں عدل کا خوب اہتمام کرے البتہ رات بسر کرنے کے بارے میں اپنی پہلی بیوی سے اتنی مدت کی اجازت لے سکتا ہے جتنی مدت پر وہ راضی ہوجائے اور اگر وہ اجازت نہ دے بلکہ عدل کا مطالبہ کرے تو پھر دونوں بیویوں کو اکٹھا رکھنا ضروری ہوگا۔

Marfat.com

لما في مرقاة المفاتيح (٦/٢٥٢): وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي قال [إذا كانت] وفي نسخة إذا كان [عند الرجل] وفي نسخة عند رجل [امرأتان] أي مثلا [فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه] أي أحد جنبيه وطرفه [ساقط] قال الطيبي أي نصفه مائل قيل بحيث يراه أهل العرصات ليكون هذا زيادة له في التعذيب وهذا الحكم غير مقصور على امرأتين فإنه لو كانت ثلاث أو أربع كان السقوط ثابتا۔

وفي الدر المختار (٣/٢٠١): (يجب) --- (أن يعدل) أي أن لا يجور (فيه) أي في القسم بالتسوية في البيتوتة (وفي الملبوس والمأكول) والصحبة (لا في المجامعة) كالمحبة بل يستحب۔

وفي (٣/٢٠٢): (قوله وفي الملبوس والمأكول) أي والسكنى، ولو عبر بالنفقة لشمل الكل.

وفيه ايضاً (٣/٢٠٧): وفي التنوير: ولا يقيم عند إحداهما أكثر إلا بإذن الأخرى۔

وفي الشامية تحته: قوله (ولا يقيم عند إحداهما أكثر الخ) لم يبين ما لو أقام أكثر من ثلاثة أيام هل يهدر الزائد أو يقيم عند الأخرى بقدر ما أقام عند الأولى ثم يقسم بينهما ثلاثة وثلاثة أو يوما ويوما والظاهر الثاني لأن هدر ما مضى فيما إذا أقام عند إحداهما لا على سبيل القسم كما تقدم۔

(۷۰۵) سفر کے دن بیوی کی باری میں شمار نہ ہوں گے

سؤال

ایک شخص نے اپنی ایک بیوی کے ساتھ دس دن کا سفر کیا جب سفر سے واپس لوٹا تو اس کی دوسری بیوی جو گھر پر تھی اس نے کہا کہ آپ نے دس دن میری سوکن کے ساتھ سفر میں گزارے ہیں اب آپ دس راتیں صرف میرے پاس گزاریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بیویوں کے درمیان برابری کرو؟ کیا اس بیوی کی بات درست ہے؟ کیا سفر کے دن بھی شمار کئے جائیں گے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

سفر کے دن باری میں شمار نہ ہوں گے کیونکہ حالت سفر حالت استمتاع نہیں ہے لہٰذا دوسری بیوی کا یہ کہنا کہ جتنے دن تم میری سوکن کے ساتھ سفر پر گئے تھے اتنے دن میرے پاس رہو، اس کا یہ مطالبہ درست نہیں ہے۔

وفي الهندية (١/٣٤١) باب القسم: وله أن يسافر ببعض نسائه دون البعض والأولى أن يقرع بينهن تطييبا لقلوبهن وإذا قدم من السفر ليس للأخرى أن تطلب من الزوج أن يسكن

Marfat.com

عندها مثل ما كان عند التي سافر بها وإذا كانت له امرأة وأراد أن يتزوج عليها أخرى وخاف أن لا يعدل بينهما لا يسعه ذلك وإن كان لا يخاف وسعه ذلك والامتناع أولى ويؤجر بترك إدخال الغم عليها كذا في السراجية۔

وفی الشامية (٣/٢٠٥) باب القسم: قوله (ولو أقام عند واحدة شهرا) أي قبل الخصومة أو بعدها خانيةقوله (في غير سفر) أما إذا سافر بإحداهما ليس للأخرى أن تطلب منه أن يسكن عندها مثل التي سافر بها ط عن الهندية۔

(۷۰۶) کیا ہمبستری میں بھی مساوات ضروری ہے؟

سؤال

ایک شخص کے نکاح میں ایک کنواری لڑکی آگئی اور ایک عورت پہلے سے اس کے نکاح میں تھی اب یہ شخص جب کنواری اور جوان بیوی کے پاس رات گزارتا ہے تو خوب جماع کرتا ہے اور اس کا دل بھی کرتا ہے لیکن پچھلی (بوڑھی عورت) کے پاس رات گزارتے وقت اس کا دل جماع کا بالکل نہیں ہوتا۔ یہ بغیر جماع کے ہی سونے کو ترجیح دیتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ یہ شخص ایک باشرع متدین آدمی ہے لیکن اس کا یہ عمل اسے دل میں کھٹکتا ہے کہ یہ طرز عمل میری طرف سے ایک بیوی کے ساتھ زیادتی ہے؟ ازراہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

اس شخص کے نکاح میں چونکہ ایک سے زائد بیویاں ہیں تو شرعاً نان نفقے، رہائش اور رات گزارنے میں تو عدل کرنا اس پر واجب ہے لیکن شرعاً ہمبستری کرنے میں برابری اس شخص پر واجب نہیں کیونکہ ہمبستری کا تعلق چستی اور نشاطِ طبع کے ساتھ ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بوڑھی بیوی ہمبستری کا مطالبہ کرے تو وقتاً فوقتاً اس سے ہمبستری کرتے رہنا چاہیئے البتہ ہر باری میں ہمبستری کرنا شوہر کیلئے ضروری نہیں۔

لمافی القرآن الكريم (النساء :١٢٩): وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ...الآية۔

وفی الهندية(١/٣٤٠): الباب الحادي عشر في القسم ومما يجب على الأزواج للنساء العدل والتسوية بينهن فيما يملكه والبيتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فيما لا يملك وهو الحب والجماع كذا

Marfat.com

في فتاوی قاضي خان۔

(۷۰۷) ایک بیوی کا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا

سؤال

میں نے ۱۹۸۰ء میں ایک شادی کی تھی اور اب وہ عورت بوڑھی ہوگئی تو میں نے ایک کنواری دوشیزہ سے شادی کی۔ میرا دل کرتا ہے کہ میں زیادہ راتیں اس کنواری دوشیزہ کے پاس گزاروں اور ایک دو راتیں پہلی بیوی کے ساتھ گزاروں کیا شرعاً مجھے یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

جس شخص کے نکاح میں دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں اس پر لازم ہے کہ رات گزارنے میں ان میں برابری کرے اگرچہ ان میں سے بعض نوجوان اور بعض بوڑھی ہوں لہٰذا صورت مسئولہ میں اس بوڑھی عورت اور دوشیزہ کے درمیان برابری کرنا ضروری ہے۔ آپ کیلئے دوشیزہ کے پاس زیادہ راتیں گزارنا اور بوڑھی عورت کے پاس کم راتیں گزارنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ بوڑھی عورت اپنا حق چھوڑنے پر راضی ہو جائے اور اپنا حق اپنی سوکن کو دیدے تو اس صورت میں آپ کیلئے دوشیزہ کے پاس زیادہ راتیں گزارنا جائز ہوگا۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۴): فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفي مشكوة المصابيح (۲/۲۷۹): وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط". رواه الترمذي وأبو داود والنسائي وابن ماجه والدارمي۔

وفي الهندية (۱/۳۴۰): الباب الحادي عشر في القسم: ومما يجب على الأزواج للنساء العدل والتسوية بينهن فيما يملكه والبيتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فيما لا يملك وهو الحب والجماع كذا في فتاوى قاضي خان والعبد كالحر في هذا كذا في الخلاصة فيسوي بين الجديدة والقديمة والبكر والثيب والصحيحة والمريضة والرتقاء والمجنونة التي لا يخاف منها ---(۱/۳۴۱): ولو وهبت إحدى المرأتين القسم لصاحبتها جاز ولها أن ترجع متى شاءت كذا في السراج الوهاج۔

وفي الدر المختار(۳/۲۰۱) باب القسم: (يجب) وظاهر الآية أنه فرض نهر (أن يعدل) أي أن لا يجور (فيه) أي في القسم بالتسوية في البيتوتة --- (بلا فرق بين فحل وخصي وعنين

Marfat.com

ومجبوب ومريض وصحيح) ---- ومريضة وصحيحة (وحائض وذات نفاس ومجنونة لا يخاف ورتقاء وقرناء)۔

(۷۰۸) بیوی کا اپنے حق سے دستبردار ہونے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا

سؤال

میری دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک بیوی نے اپنی باری دوسری کو ہدیہ کردی اور کچھ مہینے گزرے تھے کہ اس بیوی نے اپنی باری کا دوبارہ مطالبہ کردیا۔ کیا اس کو اپنی باری کا دوبارہ مطالبہ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کسی کی ایک بیوی دوسری کو اپنی باری ہبہ کردے تو اگر وہ دوبارہ اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہے تو شرعاً اس کو مطالبہ کا حق ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی کو اپنی باری کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

لمافی الهندية (۳۴۱/۱): كتاب النكاح الباب الحادی عشر فی القسم: ولو وهبت إحدى المرأتين القسم لصاحبتها جاز ولها أن ترجع متى شاءت كذا في السراج الوهاج۔

وفی الدرالمختار (۲۰۶/۳): كتاب النكاح باب القسم: (ولو تركت قسمها) بالكسر أي نوبتها (لضرتها صح ولها الرجوع في ذلك) في المستقبل لأنه ما وجب فما سقط۔

(۷۰۹) رات ڈیوٹی کرنے والے شخص کیلئے رات گزارنے میں برابری کا حکم

سؤال

ہمارے ایک عزیز فلیٹ میں گارڈ ہیں ان کی ڈیوٹی نائٹ کی ہوتی ہے لہٰذا وہ دن میں تو گھر ہوتے ہیں لیکن رات گھر نہیں گزارتے۔ اب وہ ایک عورت سے ڈیوٹی والے فلیٹ کے پاس نکاح کرنا چاہ رہے ہیں ان کا اپنا گھر کراچی میں ہی ہے لیکن دور ہے لہٰذا دن میں بھی ہر روز پہلی بیوی کے پاس آنا دشوار ہوتا ہے۔ اب وہ یہ پوچھنا چاہ رہے ہیں کہ کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ صرف دن میں تمہارے پاس آیا کروں گا یہ جائز ہے؟ وہ عزیز دوسری شادی میں عورت سے یہ شرط لگانا چاہ رہے ہیں اور ہفتہ دس دن بعد گھر اپنی پہلی بیوی کے پاس جایا کریں گے اور پہلی بیوی کو اس نکاح کی خبر نہیں۔ کیا یہ نکاح جائز ہے؟ نیز ایک شخص رات ڈیوٹی کرتا ہو تو کیا دو عورتوں میں دن کا تقسیم کرنا شرعاً ضروری ہے یا بندہ مختار ہے؟ شریعت کیا کہتی ہے؟ مفصل حکم ذکر کریں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسا شخص جو رات کو کام کرتا ہو اس کے حق میں دن بمنزلہ رات کے ہو جاتا ہے ایسے شخص کی اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو دن میں ان میں برابری کرنا ضروری ہے۔ صورت مسئولہ میں جہاں تک مذکورہ شخص کا تعلق ہے تو اسے چاہیئے کہ دوسری شادی نہ کرے بلکہ پہلی بیوی ہی کو ڈیوٹی والے فلیٹ کے قریب کسی جگہ میں لے آئے کیونکہ دوسری شادی کرنے کے بعد مذکورہ شخص کیلئے دونوں بیویوں میں برابری کرنا مشکل ہو جائے گا اور کسی ایک سے ناانصافی کر کے یہ گناہ میں مبتلا ہوگا کیونکہ برابری صرف رات گزارنے ہی میں نہیں ہوتی بلکہ اور بھی بہت سی چیزوں میں ضروری ہے مثلاً نفقہ، سکنی وغیرہ۔

صورت مسئولہ میں اس مرد کیلئے دوسرا نکاح بہر حال جائز ہے البتہ یہ شرط لغو ہو جائے گی اسے پورا کرنا لازم نہ ہوگا نیز شادی کر لینے کی صورت میں اس مرد کو ایک دن اس دوسری بیوی کے پاس اور دوسرا دن پہلی بیوی کے پاس بطور قسم (برابری) کے گزارنا ضروری ہوگا۔

لمافی البدائع (۳۳۲/۲) (ط: رشیدیه): فإن كان له أكثر من امرأة فعليه العدل بينهن في حقوقهن من القسم والنفقة والكسوة وهو التسوية بينهن في ذلك حتى لو كانت تحته امرأتان حرتان أو أمتان يجب عليه أن يعدل بينهما في المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة۔

وفی الدرالمختار كتاب النكاح (۵۱/۳): وليس منه ما لو نكحها على أن يطلقها بعد شهر أو نوى مكثه معها مدة معينة ولا بأس بتزوج النهاريات عيني۔

[وفی ص۲۰۷] (ولا يقيم عند إحداهما أكثر إلا بإذن الأخرى) خاصة۔

[وفی ص۲۰۸] فروع لو كان عمله ليلا كالحارس ذكر الشافعية أنه يقسم نهارا وهو حسن۔

وفی الشامية: (۵۱/۳) قوله (وليس منه الخ) لأن اشتراط القاطع يدل على انعقاده مؤبدا وبطل الشرط بحر ـــ قوله (ولا بأس بتزوج النهاريات) وهو أن يتزوجها على أن يكون عندها نهارا دون الليل فتح قال في البحر وينبغي أن لا يكون هذا الشرط لازما عليها ولها أن تطلب المبيت عندها ليلا لما عرف في باب القسم اه أي إذا كان لها ضرة غيرها وشرط أن يكون في النهار عندها وفي الليل عند ضرتها أما لو لا ضرة لها فالظاهر أنه ليس لها الطلب خصوصا إذا كانت صنعته في الليل كالحارس بل سيأتي في القسم عن الشافعية أن نحو الحارس يقسم بين الزوجات نهارا واستحسنه في النهر۔

Marfat.com

وفی حاشیة الطحطاوی علی الدر کتاب النکاح باب فی القسم (۹۱/۲) (ط: رشیدیة): [قوله: وهو حسن] ظاهر هذا أنه ارتضاه للإفتاء۔

(۷۱۰) متعدد بیویوں والے کے لئے سفر میں برابری کرنا

سؤال

میری تین بیویاں ہیں اور میں اکثر اوقات سفر پر رہتا ہوں۔ ایک شخص سے سنا ہے کہ سفر میں بھی بیویوں کے درمیان برابری کرنا ضروری ہے۔ مفتی صاحب! مجھے بتائیں کہ میں اپنی جس بیوی کے ساتھ چاہوں سفر کرسکتا ہوں یا ان کے درمیان اس مسئلہ میں بھی مساوات ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

حالت سفر میں شریعت نے شوہر کو اختیار دیا ہے کہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے کر سفر پر نکل جائے لیکن سب کا دل رکھنے کے لئے شوہر کیلئے مستحب یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈال دے اور پھر قرعہ میں جس کا نام نکل آئے اسی کو سفر پر لے جائے۔

لما فی البخاری (۷۸۴/۲): باب القرعة بین النساء إذا أراد سفرا: عن عائشة رضی الله عنها، "أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا خرج أقرع بين نسائه۔ الخ۔

وفی الهندية (۳۴۱/۱) کتاب النکاح، باب القسم: وله أن يسافر ببعض نسائه دون البعض والأولى أن يقرع بينهن تطييبا لقلوبهن وإذا قدم من السفر ليس للأخرى أن تطلب من الزوج أن يسكن عندها مثل ما كان عند التي سافر بها۔

وفی الشامية (۲۰۶/۲) کتاب النکاح، باب القسم: قوله (ولا قسم في السفر الخ) لأنه لا يتيسر إلا بحملهن معه وفي إلزامه ذلك من الضرر ما لا يخفى نهر ولأنه قد يثق بإحداهما في السفر وبالأخرى في الحضر والقرار في المنزل لحفظ الأمتعة أو لخوف الفتنة أو يمنع من سفر إحداهما كثرة سمنها فتعين من يخاف صحبتها في السفر للسفر لخروج قرعتها إلزام للضرر الشديد وهو مندفع بالنافي للحرج فتح ۔۔۔ قوله (والقرعة أحب)۔

Marfat.com

(۷۱۱) عدم ادائیگی حقوق سے بیوی حرام نہیں ہوتی

سؤال

میری شادی کو تقریباً بتیس سال ہو چکے ہیں اور میں نے تین سال سے اپنی بیوی کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی اس کے قریب گیا۔ اب میں اپنی بیوی کے قریب جانا چاہتا ہوں یا ہاتھ لگانا چاہتا ہوں تو وہ کہتی ہے کہ میں تم پر حرام ہوگئی ہوں کیونکہ تم نے تین سال سے نہ مجھ کو ہاتھ لگایا اور نہ میرے قریب آئے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا بیوی اس طرح حرام ہوجاتی ہے؟ حالانکہ میں نے بیوی کو کوئی طلاق نہیں دی اور نہ ہی بیوی نے مجھ سے مانگی ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر احسان مند فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے حقوق پورے نہیں کرتا تو عدم ادائیگی حقوق کی وجہ سے بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی لہٰذا صورت مذکورہ میں عورت خاوند پر حرام نہیں ہے۔

لما فی البحر الرائق (۲۱۲/۴): قوله (ولا يفرق بعجزه عن النفقة وتؤمر بالاستدانة عليه) لأنه لو فرق بينهما لبطل خقه ولو لم يفرق لتأخر حقها والأول أقوى في الضرر لأن النفقة تصير دينا بفرض القاضي فيستوفى في الثاني وفوت المال وهو تابع في النكاح فلا يلحق بما هو المقصود وهو التوالد فلا يقاس العجز عن الإنفاق على العجز عن الجماع في المجبوب والعنين۔

وفی الهندية (۵۵۰/۱): ولا يفرق بعجزه عن النفقة وتؤمر بالاستدانة عليه كذا في الكنز۔

وفی الدر المختار (۵۹۰/۳): (ولا يفرق بينهما بعجزه عنها) ۔۔۔ (ولا بعدم إيفائه) لو غائبا (حقها ولو موسرا) وجوزه الشافعي بإعسار الزوج وبتضررها بغيبته ولو قضى به حنفي لم ينفذ نعم لو أمر شافعيا فقضى به نفذ۔

وفی الرد تحته: مطلب في فسخ النكاح بالعجز عن النفقة وبالغيبة قوله (ولا يفرق بينهما بعجزه عنها) أي غائبا كان أو حاضرا ۔۔۔ قوله (بإعسار الزوج) مقابل قوله ولا يفرق بينهما بعجزه ط قوله (وبتضررها بغيبته) أي تضرر المرأة بعدم وصول النفقة بسبب غيبته وفي بعض النسخ وبتعذرها بغيبته أي تعذر النفقة وهي أظهر وهذا مقابل قوله ولا بعدم إيفائه حقها۔

Marfat.com

فصل فی المتفرقات

(نکاح کے متفرقات کا بیان)

(۱۲/۷) صاحب استطاعت حج پہلے کرے گا یا شادی؟

سؤال

مفتی صاحب! لڑکی اور لڑکا اگر صاحب نصاب ہوں تو پہلے انہیں شادی کرنا چاہیئے یا حج؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ لڑکے پر شادی میں مہر اور پھر بیوی کے نفقہ کا خرچہ شرعاً واجب ہے اور لڑکی پر شادی میں تسلیم نفس کے علاوہ کوئی مالی خرچہ واجب نہیں لہٰذا اگر لڑکے کے ساتھ یہ صورتحال ہو تب تو اگر حج فارم بھرنے کا زمانہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ ہو تو لڑکے کو چاہیئے پہلے حج کرلے اور اگر اپنے اوپر قابو نہ ہو اور زنا میں مبتلاء ہونے کا خطرہ ہو تو اگر مسنون طریقے سے نکاح کے اخراجات نکال کر حج بھی ہوسکتا ہے تو اولاً نکاح کر کے پھر حج بھی کرلے اور اگر حج کے پیسے نہ بچتے ہوں تو صرف نکاح کرلے۔

اگر لڑکی کے ساتھ یہ صورتحال ہے تو اصول کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس پر حج کرنا ہی فرض ہو کیونکہ نکاح میں کسی قسم کا مالی خرچہ اس پر واجب نہیں البتہ لڑکی کے شادی کرنے میں جو ضروری اخراجات آتے ہیں اگر وہ باپ کے پاس نہ ہوں اور لڑکی صاحبِ استطاعت ہے اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں فتنے میں ابتلاء کا قوی اندیشہ ہو تو لڑکی کو اتنا خرچہ جس سے اس کی شادی وغیرہ کے اخراجات نکل سکیں والد کے حوالے کر کے حج کو مؤخر کردینا چاہیئے۔

لمافی الدر المختار (۴۶۲/۲): وفي الأشباه معه ألف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلده فله التزوج ولو وقته لزمه الحج۔

وفی الرد تحته: قوله (وفي الأشباه) المسألة منقولة عن أبي حنيفة في تقديم الحج على التزوج والتفصيل المذكور ذكره صاحب الهداية في التجنيس وذكرها في الهداية مطلقة واستشهد بها على أن الحج على الفور عنده ومقتضاه تقديم الحج على التزوج وإن كان واجبا عند التوقان

Marfat.com

وهو صريح ما في العناية مع أنه حينئذ من الحوائج الأصلية ولذا اعترضه ابن كمال باشا في شرحه على الهداية بأنه حال التوقان مقدم على الحج اتفاقا لأن في تركه أمرين ترك الفرض والوقوع في الزنا وجواب أبي حنيفة في غير حال التوقان اه أي في غير حال تحقق الزنا لأنه لو تحققه فرض التزوج أما لو خافه فالتزوج واجب لا فرض فيقدم الحج الفرض عليه فافهم۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (٣/٢٠٩١): وإن احتاج إلى الزواج وخاف على نفسه العنت (الإثم والأمر الشاق) قدم التزويج، لأنه واجب عليه ولا غنى به عنه، فهو كنفقته، وإن لم يخف قدم الحج؛ لأن الزواج تطوع، فلا يقدم على الحج الواجب۔

(۷۱۳) نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کرنا

سؤال

ایک ماہ قبل میرا نکاح ہوا تھا لیکن تا حال رخصتی نہیں ہوئی، اب میں تین سال کیلئے امریکہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں بعض لوگوں سے سننے میں آیا ہے کہ نکاح اور رخصتی کے درمیان اتنا وقفہ نہیں ہونا چاہیئے اب آپ بتائیں کہ نکاح اور رخصتی کے درمیان شرعاً کتنا وقفہ کر سکتے ہیں؟ اگر میں تین سال تک رخصتی نہ کروں تو میرے نکاح پر کچھ اثر تو نہیں پڑے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح اور رخصتی کے درمیان شرعاً کوئی متعین وقفہ نہیں ہے البتہ درج ذیل نصوص اور فقہی عبارات کے اشارۃ النص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہو جائیں تو پھر بلا عذر رخصتی میں تاخیر نہیں کرنا چاہیئے البتہ عذر کی بناء پر تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں رخصتی میں اتنا وقفہ کرنے سے شرعاً نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:٣): فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا۔

وفی صحیح البخاری (ص٧٧٥): عن عروة "تزوج النبي صلى الله عليه وسلم عائشة وهي بنت ست سنين، وبنى بها وهي بنت تسع، ومكثت عنده تسعا"

وفی الهندية (١/٢٨٧): واختلفوا في وقت الدخول بالصغيرة فقيل لا يدخل بها ما لم تبلغ وقيل يدخل بها إذا بلغت تسع سنين كذا في البحر الرائق وأكثر المشايخ على أنه لا عبرة للسن في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة إن كانت ضخمة سمينة تطيق الرجال ولا يخاف عليها المرض من

Marfat.com

نلث كان للزوج أن يدخل بها وإن لم تبلغ تسع سنين وإن كانت نحيفة مهزولة لا تطيق الجماع ويخاف عليها المرض لا يحل للزوج أن يدخل بها وإن كبر سنها وهو الصحيح۔

وفي الشامية (٦٦/٣): تتمة ليس لغير الأب والجد أن يسلم الصغيرة قبل قبض ما تعورف قبضه من المهر ولو سلمها الأب له أن يمنعها أفاده ط وتمامه في البحر قلت وليس له تسليمها للدخول بها قبل إطاقة الوطء ولا عبرة للسن كما سيذكره الشارح في آخر باب المهر۔

(۷۱۴) منگنی کی رسم کے بعد رشتے ٹوٹ جانا

سؤال

میری سات (۷) بیٹیاں ہیں جس میں سے صرف ایک بیٹی کی شادی ہوئی ہے اس کی شادی کو بھی پانچ سال ہو گئے ہیں اور جس بیٹی کی وجہ سے میں پریشان ہوں اس کی چار رسم ختم ہو چکی ہیں، بیٹی کا نام عائشہ ہے جس کی وجہ سے میرا پورا گھر پریشان ہے، تقریباً ایک ایک سال رہ کر ختم ہو گئیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی مصلحت جان کر صبر کیا لیکن سب سے بڑا مسئلہ تو میری بیٹی عائشہ کے ساتھ ہے وہ کہتی ہے کہ رشتہ ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھے خواب میں دکھا دیتا ہے اور وہ خواب پورا بھی ہو جاتا ہے، کبھی کہتی ہے کہ چوڑیوں کو پھینک کر ایک ایک نگ نکل جاتا ہے، پھر کچھ مہینوں کے بعد رشتہ ختم ہو جاتا ہے اور اسی طرح سے دوسرا رشتہ بھی کہ خواب میں تسبیح ٹوٹ کر گر جاتی ہے اور سارے دانے بکھر جاتے ہیں، رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔ کبھی خواب میں کانوں کے بندے پھینک کر اس کے کانٹے اور نگ نکل جاتے ہیں اور کبھی دو باراتیں آتی ہیں ایک کی رخصتی ہو جاتی ہے، دوسرا دولہا بیٹھا ہوا رہ جاتا ہے۔ میری بیٹی کہتی ہے کہ جتنی زیادہ پڑھائی کرتی ہے اور زیادہ ایسے خواب دیکھتی ہے اور اگر اونچے گھرانے سے رشتہ آجائے تو خوفزدہ ہو جاتی ہے۔

ابھی کچھ ہفتے پہلے ایک رشتہ آیا دونوں طرف سے ہاں ہو گئی تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد لڑکے کی بھابھی نے استخارہ کا بہانہ کر کے رشتے کو منع کر دیا۔ رشتہ ختم ہونے سے پہلے بیٹی نے خواب میں کانوں کے بندے ٹوٹتے ہوئے دیکھے تھے۔

مفتی صاحب لڑکے کی تو پوری پوری مرضی ہے اور ہماری بھی اب ایک دو جگہ سے رشتے آرہے ہیں، پسند بھی کر لیا ہے پھر سے میری بیٹی نے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ ہاتھ میں تسبیح ہے اور کسی چیز سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتی ہے دانہ دانہ بکھر جاتا ہے جس کی وجہ سے میری بیٹی بہت زیادہ پریشان ہے۔ کہتی ہے کہ اس سے تو اچھا ہے میں شادی نہ کروں، بیٹی کے والد کہتے ہیں کہ میں دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کروں گا جب کہ چھوٹی بیٹی کا رشتہ لگ چکا ہے۔ بڑی مشکلوں سے ہم نے عید تک روکا ہے، بیٹی عائشہ نے تو خواب میں تالا بھی لگا دیکھا ہے۔ مفتی صاحب! اب آپ ہی کچھ کیجئے کہ میری بیٹی عائشہ کا اچھے گھرانے سے رشتہ آجائے تا کہ ہم جلد از جلد اپنے فرضوں سے فارغ ہو جائیں۔ ہم والدین بھی بیمار رہتے ہیں۔ خدا کیلئے مفتی صاحب! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں جلد سے جلد

Marfat.com

اس آزمائش سے نکال دے، آمین۔ آپ کی بڑی بڑی مہربانی ہوگی، شکریہ۔

مفتی صاحب میری بیٹی نماز دل لگا کر پڑھنا چاہتی ہے لیکن ایسے خیال آتے ہیں کہ ایک دو ٹائم کی پڑھ کر چھوڑ دیتی ہے۔ مولانا صاحب اتنا کچھ ہونے پر بھی وہ خوب درود شریف کا ورد کرتی ہے اور جو کوئی وظائف بتاتے ہیں انہیں بھی دل لگا کر پڑھنے کی کوشش کرتی ہے اور جب نماز چھوڑ دیتی ہے تو اچھے اچھے خواب دیکھتی ہے۔ خاص کر کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ خوب دل لگا کر نماز ادا کرے۔ ہم والدین چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں اپنے بچوں کے فرائض سے سبکدوش ہو جائیں۔ ہم بہت پریشان ہیں خاص کر اپنی عائشہ کی وجہ سے، ایک بار پھر آپ کی بڑی مہربانی ہوگی ہماری راہنمائی فرمائیں، شکریہ۔ جو غلطی ہوگئی ہو تو اپنی بیٹی سمجھ کر معاف کر دیجئے گا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تعالیٰ کے حکم و ارادے کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ انسانوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہیں اور مایوسی کفر ہے، آپ کی بیٹی عائشہ کا جن چار جگہوں میں رشتہ نہیں ہوسکا اسی میں خیر ہوگی، پس آپ کی بیٹی نماز و ذکر و تلاوت کی پابندی کے ساتھ ساتھ روزانہ صبح و شام چالیس دن تک اکتالیس (41) مرتبہ پہلے گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سورۂ انبیاء کی آیت نمبر 89:

رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ

پڑھے ان شاء اللہ عزوجل، اللہ تعالیٰ مناسب جگہ میں رشتہ کا بندوبست فرما دیں گے۔ نیز دیگر جو وظائف وہ پڑھ رہی ہے انہیں چھوڑ کر فقط جواب میں ذکر وظیفے کی پابندی کرے۔

لمافی القرآن الکریم (یوسف:۸۷): وَلَا تَيْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِنَّهٗ لَا يَيْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

(۷۱۵) ابتداءِ جوانی میں نکاح کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص کو میں نے کہتے ہوئے سنا کہ ابتداء جوانی میں شادی کرنا صحت کیلئے مضر ہے، کیا یہ درست ہے؟ کیا آجکل کے ماحول کے اعتبار سے شادی میں تاخیر کرنا فتنہ کا سبب نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ بات نقلاً وعقلاً دونوں اعتبار سے مخدوش ہے۔ نقلاً اس لئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا اور ۹ سال میں رخصتی بھی ہوگئی۔ یہ نکاح اور رخصتی بتاتی ہے کہ نوجوانی میں نکاح مضر صحت نہیں نیز بہت سی احادیث میں بچوں کے جوان، بالغ ہوتے ہی جلد از جلد نکاح کرانے کی ترغیب اور نہ کرانے پر باپ کیلئے بڑی وعیدوں کا ذکر ہے، یہ احادیث بھی

Marfat.com

اس بات پر دال ہیں کہ نکاح بلوغ کے بعد جلد از جلد کر دیا جائے۔

عقلاً یہ نظریہ اس لئے درست نہیں کیونکہ بلوغ کے بعد انسان کی شادی اس کی نظر اور شرمگاہ کی حفاظت اور عصمت کا سبب بنتی ہے، اس کے بغیر انسان بدنظری اور دیگر گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے جذبات کو تسکین دینے کی سعی کرتا ہے جو کہ انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کے لئے مضر ہوتے ہیں اور پھر یہ غیر فطری حرکات انسانی صحت پر انتہائی برے اثرات مرتب کرتی ہیں لہذا عقلاً بھی بلوغ کے بعد جلد از جلد شادی کرنا مستحسن معلوم ہوتا ہے اور اپنے جذبات کو جائز طریقے سے پورا کرنا ہی صحت کا ضامن اور آخرت میں فلاح کا باعث بن سکتا ہے۔

لما فی الکلام المجید (النساء:٦): وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ

وفی التفسير الكبير (١٢/٢١٤): حجة أبي حنيفة من وجوه (الأول) أن النكاح يتضمن صون النفس عن الزنا فيكون ذلك دفعا للضرر عن النفس والنافلة جلب النفع ودفع الضرر أولى من جلب النفع۔

وفی التاتارخانية (٣/٣٥): أن رسول الله ﷺ بنى بعائشة وهي ابنة تسع سنين وتزوجها وهي بنت ست سنين ففيه دليل على أن للزوج أن يدخل بامرأته الصغيرة إذا بلغت تسع سنين وإن لم تبلغ فإن بلوغها لم ينقل في الحديث وبه أخذ بعض المشائخ ومن المشائخ من قال: ليس للزوج أن يدخل بها مالم تبلغ وأكثر المشائخ على أن لا عبرة للسنين في هذا الباب وإنما العبرة للطاقة۔

وفی الشامية (٣/٦): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية ---
(و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال)۔

(۱۶/۷) بیوی سے جماع کرتے وقت اجنبیہ کا خیال دل میں لانا

سؤال

میں نے ایک بڑے عالم کے بیان میں سنا کہ جو شخص کسی عورت کا خیال دل میں لائے اور اپنی بیوی سے جماع کرتے وقت اپنے دل میں یہ تصور کرے کہ میں اس عورت سے جماع کر رہا ہوں تو اسے زنا کا گناہ ملے گا، کیا یہ بات صحیح ہے؟ از راہ کرم اس کا حوالہ ذکر فرمادیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ بات صحیح ہے۔ حوالے ذیل میں ملاحظہ کئے جائیں۔

Marfat.com

لمافي المسلم (٣٣٦/٢): عن ابن عباس قال ما رأيت شيئا أشبه باللمم مما قال أبو هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنى أدرك ذلك لا محالة فزنى العينين النظر وزنى اللسان النطق والنفس تمنى وتشتهي والفرج يصدق ذلك أو يكذبه.

وفي الشامية (٣٤٢/٦): ولم أر من تعرض للمسألة عندنا وإنما قال في الدرر إذا شرب الماء وغيره من المباحات بلهو وطرب على هيئة الفسقة حرم اه والأقرب لقواعد مذهبنا عدم الحل لأن تصور تلك الأجنبية بين يديه يطؤها فيه تصوير مباشرة المعصية على هيئتها فهو نظير مسألة الشرب ثم رأيت صاحب تبيين المحارم من علمائنا نقل عبارة ابن الحاج المالكي وأقرها وفي آخرها حديث عنه إذا شرب العبد الماء على شبه المسكر كان ذلك عليه حراما اھ.

(۱۷۷) مشت زنی اور غیر ذی روح میں دخول کا حکم

سؤال

اگر کوئی شخص شادی شدہ نہ ہو اور خواہشات کا غلبہ ہو، شادی کا بندوبست نہ ہو تو اگر استمناء بالید نہ کرے کیونکہ یہ فعل حرام ہے، بلکہ غیر ذی روح چیز میں ادخال کرے اور انزال ہو جائے تو کیا گناہ ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کسی کی شادی نہ ہوئی ہو اور خواہشات نفس کا غلبہ ہو، اسی طرح شادی کا بھی بندوبست نہ ہو اور خواہشات کا اتنا غلبہ ہو کہ زنا میں پڑ جانے کا خوف ہو تو اسے چاہیئے کہ روزے رکھے اور روزے کے ذریعے اپنی شہوت کو توڑے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں استمناء بالید کی کچھ گنجائش معلوم ہوتی ہے البتہ ایسے شخص کی نظر قرآن مقدس کی ان آیات پر ہونی چاہیئے کہ جن میں شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین مبارکہ پر ہونی چاہیئے جن میں ایسے لوگوں کو روزے کی ترغیب دی گئی ہے اور جنت کا وعدہ بھی اس قسم کے نازیبا حرکات کے نہ کرنے پر کیا گیا ہے لہٰذا تمام گناہوں کے کاموں سے اجتناب ضروری ہے اس لئے اس فتنے کے دور میں کسی صاحب نسبت بزرگ سے اپنا تعلق جوڑنا بہت ضروری ہے نیز غیر ذی روح چیز میں ادخال جائز نہیں۔

لمافي القرآن الكريم (النور:٣٠): قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ.

وفي البخاري (٧٥٨/٢): عن عبد الرحمن بن يزيد، قال: دخلت مع علقمة والأسود على عبد الله، فقال عبد الله: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم شبابا لا نجد شيئا، فقال لنا رسول الله صلى الله

Marfat.com

عليه وسلم: يا معشر الشباب، من استطاع الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء۔

وفی الشامية (۲/۲۷): قوله (الاستمناء حرام) أي بالكف إذا كان لاستجلاب الشهوة أما إذا غلبته الشهوة وليس له زوجة ولا أمة ففعل ذلك لتسكينها فالرجاء أنه لا وبال عليه كما قاله أبو الليث ويجب لو خاف الزنا۔

(۷۱۸) حاملہ من الزنا سے متعلق چند جزئیات کا حکم

سوال

مفتی صاحب! شامیہ (۳/۴۸) پر نکاح الحامل من الزنا سے متعلق جو تفصیلات ہیں ان کے بارے میں یہ باتیں پوچھنی ہیں:

(۱) حاملہ من الزنا عورت سے اگر غیر زانی نکاح کرتا ہے تو ہمبستری کرنے کی اجازت نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ بظاہر اختلاطِ نسب تو نہیں، کیونکہ نسب تو قبل از ظہور حمل مشتبہ ہوسکتا ہے نہ کہ بعد از ظہور حمل۔ ظہورِ حمل کے بعد تو تعین ہوگیا ہے۔

(۲) اگر غیر زانی مزنیہ سے نکاح کرے اور حمل ظاہر نہ ہوا ہو تو یہ شخص وطی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو یہاں اختلاط کا شبہ زیادہ قوی ہے پھر یہ جائز اور بعد از ظہور ناجائز، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

(۳) درمختار اور ردالمحتار میں بعد از ظہورِ حمل، ممانعتِ وطی کی دلیل "لئلا يسقي ماءه زرع غيره" ذکر ہے۔ آگے یہ بھی ذکر ہے کہ بعد کی ہمبستریوں سے بچے کے بال، قوتِ سماعت وغیرہ تیز ہوتی ہے، کیا عدمِ جوازِ وطی کی یہ وجہ بیان کرنا درست ہے؟ کیا اس کا اعتبار ہے؟ طبا یہ درست ہے؟

مفتی صاحب! ازراہ کرم مزنیہ سے نکاح اور پھر بعد از ظہورِ حمل اور قبل از ظہورِ حمل نکاح کے احکام تفصیلاً درج کردیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

(۱) غیر زانی کیلئے مزنیہ حاملہ سے نکاح کے بعد ہمبستری کرنا جائز نہیں اور اس کے ناجائز ہونے کی وجہ نص ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حاملہ سے وطی نہ کی جائے حتی کہ وہ وضع حمل کردے"۔

(۲) غیر زانی کیلئے مزنیہ غیر حاملہ سے نکاح کے بعد ہمبستری کرنا جائز ہے اور دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ شرعاً ماءِ زانی محترم نہیں ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مزنیہ سے وطی کرنا مطلقاً جائز ہونا چاہیے خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ لیکن حاملہ کے بارے میں چونکہ نص موجود تھا کہ وضع حمل سے پہلے وطی کرنا جائز نہیں ہے اس لئے ہم نے مزنیہ حاملہ کو اس حکم سے مستثنیٰ کردیا۔ وہ نصوص یہ ہیں:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه ورفعه أنه قال في سبايا أوطاس: لا توطأ حامل حتى تضع ولا غير ذات

Marfat.com

حمل حتى تحيض حيضة۔

عن رويفع بن ثابت الأنصاري قال قام فينا خطيبا قال أما إني لا أقول لكم إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول يوم حنين قال: لا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقى ماءه زرع غيره۔

(ابو داؤد۔ کتاب النکاح۔ باب فی وطء السبایا: ۲۱۳/۲)

غیر حاملہ کے بارے میں چونکہ کوئی نص موجود نہیں ہے تو ماء زانی کے محترم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے وطی کرنا جائز ہے۔

(۳) درمختار اور ردالمحتار میں ظہور حمل کے بعد وطی کے ناجائز ہونے کی جو دلیل ذکر کی گئی ہے "لئلا يسقي ماءه زرع غيره"، اور اس کے بعد جو لکھا ہے کہ بعد کی وطیات سے بچے کے بال، قوتِ بصارت اور قوتِ سماعت تیز ہوتی ہے یہ وطی کے ناجائز ہونے کی علت نہیں، بلکہ حکمت ہے جیسا کہ شامیہ میں اس کی تصریح موجود ہے: وهذه حكمته۔ نیز طب جدید کے اعتبار سے یہ بات (کہ بعد کی ہمبستریوں سے بال، قوتِ سماعت اور قوتِ بصارت تیز ہوتی ہے) درست بھی نہیں۔

لما في معالم السنن (۱۹۴/۳): قال الشيخ شبه صلى الله عليه وسلم الولد إذا علق بالرحم بالزرع إذا نبت و رسخ في الأرض وفيه كراهة وطي الحبالى إذا كان الحبل من غير الواطي على الوجوه كلها۔

وفي الدر المختار (۴۸/۳۔۴۹) (و) صح نكاح (حبلى من زنى لا) حبلى (من غيره) أي الزنى لثبوت نسبه ولو من حربي أو سيدها المقر به (وإن حرم وطؤها) ودواعيه (حتى تضع) متصل بالمسألة الأولى لئلا يسقي ماؤه زرع غيره إذ الشعر ينبت منه۔

وفي الشامية تحته: (إذ الشعر ينبت منه) المراد ازدياد نبات الشعر لا أصل نباته ولذا قال في التبيين والكافي لأن به يزداد سمعه وبصره حدة كما جاء في الخبر اه وهذه حكمته وإلا فالمراد المنع من الوطء لما في الفتح قال رسول الله لا يحل لامرىء يؤمن بالله واليوم لآخر أن يسقي ماؤه زرع غيره يعني إتيان الحبلى، رواه أبو داود والترمذي وقال حديث حسن اه شرنبلالية۔

(۱۹ے) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اس کے گواہ

سؤال

مفتی صاحب! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ہوا تھا تو خطبہ کس نے پڑھا تھا اور نکاح کے گواہ کون تھے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملك الوهاب

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی۔ خطبہ نکاح آپ کے چچا ابوطالب نے پڑھایا تھا اور حاضرین مجلس گواہ تھے۔

لما فی الطبری (۳۴/۲): قال هشام بن محمد نكح رسول الله ﷺ خديجة رضى الله عنهاوهوا بن خمس وعشرين سنة وخديجة يومئذ ابنة أربعين سنة۔

حدثنا ابن حميد قال حدثنا سلمة عن ابن اسحاق قال كانت خديجة بنت خويلد بن أسد بن عبدالعزى بن قصى امرأة ذات شرف ومال تستأجر الرجال فى مالها وتضاربهم إياه بشيء ۔۔۔ (بعد صفحة) فلما أخبرها ميسرة بما أخبرها بعثت إلى رسول الله ﷺ فقالت له فيما يزعمون يا ابن عم إنى قد رغبت فيك لقرابتك وسطتك فى قومك وأمانتك وحسن خلقك وصدق حديثك ثم عرضت عليه نفسها وكانت خديجة يومئذ أوسط نساء قريش نسباً و أعظمهن شرفاو أكثرهن مالا ، كل قومها كان حريصا على ذلك منها لو يقدر عليها فلما قالت ذلك لرسول الله ﷺ ذكر ذلك لأعمامه فخرج معه حمزة بن عبدالمطلب عمه حتى دخل على خويلد بن أسد فخطبها إليه فتزوجها فولدت ولده كلهم إلا إبراهيم۔

وفى البداية والنهائية (۲۷۲/۲): قال ابن اسحاق وكانت خديجة بنت خويلد امرأة تاجرة ذات شرف ومال تستأجر الرجال على مالها مضاربة ۔۔ فلما أخبرها ميسرة ما أخبرها بعثت إلى رسول الله ﷺ فقالت له فيما يزعمون يا ابن عم إنى قد رغبت فيك لقرابتك وسطتك فى قومك و أمانتك وحسن خلقك وصدق حديثك، ثم عرضت نفسها عليه وكانت أوسط نساء قريش نسبا و أعظمهن شرفا و أكثرهن مالا كل قومها كان حريصا على ذلك لو يقدر عليه فلما قالت ذلك لرسول الله ﷺ ذكر ذلك لأعمامه فخرج معه عمه حمزة حتى دخل على خويلد بن أسد فخطبها إليه فتزوجها عليه الصلاة والسلام۔

وفى المنتظم (۸۵/۲): كانت خديجة امرأة جازمة جلدة شريفة مع ما أراد الله بها من الكراهية والخيروهى يومئذ أوسط قريش نسبا و أعظمهم شرفا و أكثرهم مالا۔

(و بعد أسطر) فأرسلت إلى عمها عمرو ابن اسد ليزوجها فحضر و دخل رسول الله ﷺ فى عمومته فتزوجها وهو ابن خمس وعشرين سنة وخديجة يومئذ بنت أربعين سنة ۔۔۔ وذكر ابن

Marfat.com

فارس أن أبا طالب خطب يومئذ فقال الحمد الله الذى جعلنا من ذرية إبراهيم و زرع اسماعيل وضئضئي معد، وعنصر مضر وجعلنا خضنة بيته و سواس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجاً وحرما آمنا وجعلنا الحكام على الناس ثم إن ابن اخى هذا محمد بن عبدالله لايوزن به رجل الا رجح به وإن كان فى المال قل فان المال ظل زائل وأمر حائل ومحمد من قدعرفتم قرابته۔

(۷۲۰) بچوں والی عورت کیلئے دوسری شادی کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس عورت کے دو بچے ہیں۔ ایک پانچ سال کا لڑکا ہے اور ایک تین سال کی لڑکی ہے۔ اب اس عورت کو دوسری شادی کرنی چاہیئے یا بچوں کی پرورش کیلئے دوسری شادی نہ کرے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر اس عورت کو دوسری شادی کرنے کی خواہش ہو یا یہ خطرہ ہو کہ اگر شادی نہ کروں گی تو فتنہ میں مبتلا ہوجاؤں گی تو اس کو چاہیئے کہ دوسری شادی کرلے بشرطیکہ عدت گزر جائے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہو اور خواہش بھی دوسری شادی کی نہ ہو تو پھر بچوں کی پرورش کرلے۔

لمافى القرآن المجيد (البقرة:۲۳۴): وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۔ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

وفى مبسوط السرخسى (۱۲/۵): وإذا طلقتم النساء وبه تقول إن من طلق امرأته وانقضت عدتها فليس له أن يمنعها من التزوج بزوج آخر الخ (ص۱۰۷): ومنه حديث عبد الرحمن بن مروان قال زوجت امرأة معنا في الدار ابنتها فجاء أولياؤها فخاصموها إلى علي رضي الله عنه فأجاز النكاح. ومنه حديث بحرية بنت هانئ قالت زوجت نفسي من القعقاع بن شور فخاصم أبي إلى علي رضي الله عنه فأجاز النكاح.

وفى الهندية (۲۶۷/۱): ومنها المحل القابل وهي المرأة التي أحلها الشرع بالنكاح كذا في النهاية۔

وفى (ص۵۴۱): وإنما يبطل حق الحضانة لهؤلاء النسوة بالتزوج إذا تزوجن بأجنبي فإن تزوجن بذي رحم محرم من الصغير كالجدة إذا كان زوجها جدا لصغير أو الأم إذا تزوجت بعم الصغير

Marfat.com

لا يبطل حقها كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامية (۵۲۹/۳): مطلب في المنعي إليها زوجها وفي جامع الفصولين أخبرها واحد بموت زوجها أو بردته أو بتطليقها حل لها التزوج ولو سمع من هذا الرجل آخر له أن يشهد لأنه من باب الدين فيثبت بخبر الواحد۔

(۷۲۱) بیٹی کے انتقال کے بعد داماد سے پردہ کرنا

سؤال

مفتی صاحب! ساس کو بیٹی کے انتقال کے بعد داماد سے پردہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟ شریعت کے مطابق مسئلہ کی وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

مذکورہ بالاصورت میں ساس چونکہ محرمات ابدیہ میں سے ہے جس سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے لیکن فتنہ وفساد زمانہ کی وجہ سے مناسب یہی ہے کہ داماد سے پردہ کرے اور تنہائی وغیرہ میں ملنے سے اجتناب کرے اور اگر زیادہ عمر کی نہیں ہے تو پھر اولیٰ وافضل یہی ہے کہ بے حجابانہ حالت میں داماد کے سامنے نہ آئے۔

لما فی القرآن الكريم (النور: ٦٠): وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔

وفی التفسير المنير (۳۱۹/۴): وقد استنبط العلماء من قوله تعالى: وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ .. القاعدة الشرعية وهي: العقد على البنات يحرّم الأمهات، والدخول بالأمهات يحرم البنات فأم المرأة تحرم بمجرد العقد على بنتها، سواء دخل بها أو لم يدخل بها ـــ ودل قوله تعالى: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ على أن تحريم الأمهات عام في كل حال لا يتخصص بوجه من الوجوه. وكذلك تحريم البنات والأخوات ومن ذكر من المحرمات، فهو تحريم مؤبد دائم۔

وفی الفقه الاسلامی (۵۶۱،۵۶۲/۳): وإن كان لا يأمن الشهوة: لا ينظر إلى وجهها إلا لحاجة ضروزية. وبه يظهر أن حل النظر مقيد بعدم الشهوة، وإلا فحرام. والواجب المنع في زماننا

Marfat.com

من نظر الشابة. ويدل لحرمة النظر: حديث صحيح: العينان تزنيان، وزناهما النظر، واليدان تزنيان، وزناهما البطش۔

(۷۲۲) شادی سے پہلے تمام لڑکیوں کو بہن کہہ دینے کا حکم

سؤال

دو دوست جو کہ غیر شادی شدہ ہیں، ایک نے دوسرے سے کہا کہ شادی کے بعد اگر میری بیٹی ہوئی تو آپ سے اُس کا نکاح کراؤں گا۔ دوسرے دوست نے جواب میں کہا کہ آپ کی بیٹی کے علاوہ جتنی بھی عورتیں ہیں وہ میرے اوپر ایسی ہیں جیسے میری بہن۔ اب پوچھنا یہ چاہ رہا ہوں کہ یہ شخص اپنے دوست کی بیٹی کے علاوہ کسی اور عورت سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر کیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ الفاظ (آپ کی بیٹی کے علاوہ جتنی بھی عورتیں ہیں وہ میرے اوپر ایسی ہیں جیسے میری بہن) کہہ دینے کے باوجود یہ شخص جہاں چاہے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ یہ الفاظ کسی بھی عورت سے نکاح میں مانع نہیں ہیں البتہ اس طرح کے الفاظ کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما فی القرآن الکریم (المجادلة:٣): وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ .. الآية۔

وفی الجامع لاحکام القرآن (۲۸۰/۱۷): قال مالك فی قول الله عزوجل "والذين يظهرون من نسائهم ثم يعودون لما قالوا" قال سمعت أن تفسير ذلك ان يظاهر الرجل من امرأته ثم يجمع على اصابتها وامساكها۔

وفی الهندية(۵۰۷/۱): لو قال لها أنت أمي لا يكون مظاهرا وينبغي أن يكون مكروها ومثله أن يقول يا ابنتي ويا أختي ونحوه۔

(۷۲۳) بیوی کو بیٹی کہہ کر پکارنے کا حکم

سؤال

میں ایک کام سے اپنے دوست کے شہر میں گیا اور اس کے بھائی کے گھر قیام کیا، میرے ساتھ میرا دوست بھی تھا۔ اس کے بھائی نے اپنے سے ۱۵ سالہ چھوٹی لڑکی سے شادی کی تھی اور شادی ابھی چند دن پہلے ہوئی تھی۔ وہ اپنی بیوی کو "بیٹی" کہا کرتا ہے مثلاً

Marfat.com

"بیٹی آؤ، بیٹی کھانا لگاؤ، بیٹی چائے لے آؤ" میں نے پوچھا کہ آپ اس کو بیٹی کیوں کہتے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے گھر میں لاڈلی ہے اور سب سے چھوٹی بھی۔ اس کے گھر والے اس کو نام سے نہیں بلکہ بیٹی ہی پکارتے ہیں۔ پڑوس کے لوگ بھی اس کو بیٹی ہی کے نام سے جانتے ہیں اور یہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے اس لئے میں اس کو بیٹی کہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ بھائی بیوی کو بیٹی کہنا درست نہیں۔ آپ مفتی صاحب سے رجوع کر لیں لہٰذا مفتی صاحب آپ بتایئے کہ ان کا اپنی بیوی کو بیٹی کہنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو بیٹی کہے تو اس سے اس کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اپنی بیوی کو بیٹی کہنا مکروہ ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص جو اپنی بیوی کو بیٹی کہہ کر بلاتا ہے اس سے اس کے نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑا البتہ اس طرح اپنی بیوی کو کہنا مکروہ ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے اور گزشتہ پر توبہ کی جائے۔

لمافی الهندية (۱/۵۰۷): لو قال لها أنت أمي لا يكون مظاهرا وينبغي أن يكون مكروها ومثله أن يقول يا ابنتي ويا أختي ونحوه۔

وفی الدر المختار (۳/۴۷۰): ويكره قوله أنت أمي ويا ابنتي ويا أختي ونحوه۔

وفی الشامية تحته: (قوله : ويكره إلخ) جزم بالكراهة تبعا للبحر والنهر والذي في الفتح : وفي أنت أمي لا يكون مظاهرا ، وينبغي أن يكون مكروها ، فقد صرحوا بأن قوله لزوجته يا أخية مكروه .وفيه حديث رواه أبو داود " { أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول لامرأته يا أخية فكره ذلك ونهى عنه } " ومعنى النهي قربه من لفظ التشبيه ، ولولا هذا الحديث لأمكن أن يقال هو ظهار لأن التشبيه في أنت أمي أقوى منه مع ذكر الأداة ، ولفظ " يا أخية " استعارة بلا شك ، وهي مبنية على التشبيه ، لكن الحديث أفاد كونه ليس ظهارا حيث لم يبين فيه حكما سوى الكراهة والنهي ، فعلم أنه لا بد في كونه ظهارا من التصريح بأداة التشبيه شرعا ، ومثله أن يقول لها يا بنتي ، أو يا أختي ونحوه اهـ.

(۷۲۴) چھوٹے آلہ تناسل والے کیلئے نکاح کا حکم

سوال

گاؤں سے ایک آدمی نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر ایک آدمی کا آلہ تناسل صرف تین انچ ہو تو اس کو شادی کرنا چاہیئے یا نہیں؟ اس کو انزال بھی ہوتا ہے۔ شریعت کا اس کیلئے کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ شخص کو شرعاً نکاح کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ داخل فرج یعنی (عورت کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ) تک آلہ تناسل پہنچانے پر قادر ہو۔

لمافی الھندیة (۱/۵۲۵) الباب الثانی عشر فی العنین: ویلحق بالمجبوب من کان ذکرہ صغیرا جدا کالزر لا من کانت آلته قصیرة لا یمکن ادخالها داخل الفرج کذا فی البحر الرائق

وفی الدرالمختار (۳/۴۹۴) باب العنین: (إذا وجدت) المرأة (زوجها مجبوبا) أو مقطوع الذكر فقط أوصغيره جدا كالزر ولو قصيرا لا يمكنه إدخاله داخل الفرج فليس لها الفرقة بحر وفيه نظر۔

وفی الشامیة تحته: (قوله : وفيه نظر) أشار إلى ما قاله الشرنبلالي في شرحه على الوهبانية .أقول : إن هذا حاله دون حال العنين لإمكان زوال عنته فيصل إليها .وهو مستحيل هنا ، فحكمه حكم المجبوب بجامع أنه لا يمكنه إدخال آلته القصيرة داخل الفرج ، فالضرر الحاصل للمرأة به مساو لضرر المجبوب فلها طلب التفريق ؛ وبهذا ظهر أن انتفاء التفريق لا وجه له وهو من القنية فلا يسلم .ا هـ .قلت : لكن لم ينفرد به صاحب القنية ، بل نقله في الفتح والبحر عن المحيط .والأحسن الجواب بأن المراد بداخل الفرج نهايته المعتاد الوصول إليها ، ولذا قال في البحر : وظاهره أنه إذا كان لا يمكنه إدخاله أصلا فإنه كالمجبوب لتقييده بالداخل اهـ وقدمنا ما هو صريح في اشتراط إدخال الحشفة۔

(۷۲۵) نکاح ختم کرنے کیلئے ارتداد کا حیلہ

سؤال

ایک عورت اپنے شوہر کے یہاں رہنے کیلئے تیار نہیں، بلکہ اپنے دوست کے یہاں جانا چاہتی ہے، جو شادی سے پہلے کے دوست بنے ہوئے ہیں اور شوہر طلاق بھی نہیں دیتا تو ایک آدمی نے خلاصی کا یہ طریقہ بتادیا کہ ارتداد کا اعلان کردے تو نکاح خودبخود ٹوٹ جائے گا۔ پھر دوست سے نکاح کرسکتی ہے، چنانچہ اس عورت نے ارتداد کا اعلان کردیا، لہٰذا اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح دوست سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ صورتحال انتہائی خطرناک ہے۔ ارتداد کا اختیار کرنا دنیا وآخرت میں تباہی مول لینے کے مترادف

Marfat.com

ہے۔ ارتداد سے انسان کے پچھلے تمام اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ دنیاوی سزا کا الگ بندہ مستحق بن جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ اس حالت میں موت واقع ہوجائے تو ابدی جہنم ٹھکانہ بن جائے گی لہذا اس معاملے میں سوچ کر کوئی قدم اٹھانا چاہیئے ورنہ ذلت وخسران ہی ہاتھ آئے گا اور اس مشورہ دینے والے شخص کو بھی اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرلینی چاہیئے اس نے انتہائی برا اور قبیح فعل انجام دیا ہے۔

اگر عورت ارتداد اختیار کرتی ہے تو اس کا نکاح اپنے شوہر سے ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس عورت کو دوبارہ مسلمان ہونے پر خاوند اول سے ہی نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح جائز نہیں۔ فقہاء نے یہ فیصلہ اس لئے کیا تاکہ عورتیں ارتداد کو حیلہ نہ بنالیں البتہ اگر پہلا شوہر خود راضی ہوجائے یا دوبارہ نکاح کا مطالبہ ہی نہ کرے تو پھر اس عورت کا کسی اور جگہ نکاح جائز ہے۔

لمافی الشامية، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر (۱۹۴/۳): قوله (وتجبر) أي بالحبس إلى أن تسلم أو تموت قوله (وعلى تجديد النكاح) فلكل قاض أن يجدده بمهر يسير ولو بدينار رضيت أم لا وتمنع من التزوج بغيره بعد إسلامها ولا يخفى أن محله ما إذا طلب الزوج ذلك أما لو سكت أو تركه صريحا فإنها لا تجبر وتزوج من غيره لأنه ترك حقه بحر ونهر ـ ـ ـ بل قالوا ذلك سدا لهذا الباب من أصله سواء تعمدت الحيلة أم لا كي لا تجعل ذلك حيلة ـ ـ ـ قلت المشقة في التجديد لا تقتضي أن يكون قول أئمة بلخ أولى مما في النوادر بل أولى مما مر أن عليه الفتوى وهو قول البخاريين لأن ما في النوادر هو ما يأتي من أنها بالردة تسترق تأمل۔

وفي الدرالمختار (۲۴۶/۴): باب المرتد: وفي شرح الوهبانية للشرنبلالي ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح وأولاده أولاد زنا وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح۔

(۷۲۶) رخصتی سے قبل آپس کے تعلقات کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! درج ذیل باتوں سے متعلق استفسار کرنا ہے:

(۱) میرے نکاح کو تقریبا چھ ماہ ہوچکے ہیں لیکن ابھی تک رخصتی عمل پذیر نہیں ہوئی اور ابھی تک شوہر سے بالکل بھی بات نہیں ہوئی اور رخصتی تک یہ ہی سلسلہ رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خاندان والے منع کرتے ہیں یا والدین منع کرتے ہیں تو کیا میرا اور میرے شوہر کا یہ طرز عمل قطع تعلقی اور حق تلفی میں داخل ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر ایسی عورت جس کا محض نکاح ہوا ہے اور رخصتی نہیں ہوئی، شوہر سے صرف موبائل پر بات کرتی رہے اور رخصتی تک کبھی ملے نہیں تو پھر بھی یہ قطع تعلقی میں شمار ہوگا؟

Marfat.com

(۳) نیز ایسی عورت جس کا محض نکاح ہوا ہو رخصتی نہیں ہوئی ہو، وہ اپنے شوہر سے کس قدر اور کس قسم کے تعلقات رکھ سکتی ہے جو رخصتی نہ کرنے کی مصلحت کے بھی خلاف نہ ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) آپ کا اور آپ کے شوہر کا رخصتی تک بالکل بات چیت نہ کرنا قطع تعلق اور حق تلفی میں شمار نہ ہوگا بلکہ آپ کا اور آپ کے شوہر کا رخصتی سے قبل آپس میں بلاضرورت شدیدہ رابطہ نہ رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

(۲) ایسی عورت کا جس کی رخصتی نہ ہوئی ہو شوہر سے صرف موبائل پر بات چیت کرنا اور ملاقات نہ کرنا یہ بھی قطع تعلق میں شمار نہیں ہوگا تاہم بلاضرورت موبائل پر زیادہ بات چیت نہ کرنا ہی افضل وبہتر ہے۔

(۳) ایجاب وقبول کے ذریعہ نکاح ہوجانے کے بعد میاں بیوی کا آپس میں ملاقات اور موبائل فون پر بات چیت کرنا اگرچہ جائز ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن رخصتی کے بغیر آپس میں ملاقات کرنا بعض اوقات مختلف مفاسد کا سبب بن سکتا ہے لہذا بہتر اور مناسب یہ ہے کہ تمام تعلقات رخصتی کے بعد ہی قائم کیے جائیں۔

لمافی القرآن الکریم (الاحزاب: ۴۹): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا۔

وفی صحیح البخاری (۱/۵۵۱): عن عائشة رضي الله عنها، قالت: تزوجني النبي صلی الله علیه وسلم وأنا بنت ست سنين، فقدمنا المدينة فنزلنا في بني الحارث بن خزرج، فوعكت فتمرق شعري، فوفى جميمة فأتتني أمي أم رومان، وإني لفي أرجوحة، ومعي صواحب لي، فصرخت بي فأتيتها، لا أدري ما تريد بي فأخذت بيدي حتى أوقفتني على باب الدار، وإني لأنهج حتى سكن بعض نفسي، ثم أخذت شيئا من ماء فمسحت به وجهي ورأسي، ثم أدخلتني الدار، فإذا نسوة من الأنصار في البيت، فقلن على الخير والبركة، وعلى خير طائر، فأسلمتني إليهن، فأصلحن من شأني، فلم يرعني إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى، فأسلمتني إليه، وأنا يومئذ بنت تسع سنين۔

عن هشام، عن أبيه، قال: توفيت خديجة قبل مخرج النبي صلى الله عليه وسلم إلى المدينة بثلاث سنين، فلبث سنتين أو قريبا من ذلك، ونكح عائشة وهي بنت ست سنين، ثم بنى بها وهي بنت تسع سنين۔

Marfat.com

وفی الفتاویٰ اللجنة الدائمة (١٨/١٠٣): إذا كان عقد عليها عقد الزواج الشرعي لكنه لم يدخل بها فهي زوجته، ولها حكم الزوجة غير المدخول بها من استحقاق نصف المهر إذا طلقها قبل الدخول وعدم وجوب العدة عليها بالطلاق؛ لقوله تعالى: { وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى } الآية. وقوله: { يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا } أما إذا مات عنها قبل الدخول دون طلاق فتستحق المهر كاملا، وتعتد عدة الوفاة وترثه. وبالله التوفيق. وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

(٧٢٧) شادی میں تاخیر کی وجہ سے روزہ رکھنے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے دل میں نکاح کی خواہش نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہیں کرتیں اور بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے رشتے نہ آنے کی وجہ سے نکاح نہیں کرتیں تو ان دونوں قسموں کی عورتوں کیلئے شریعت محمدیہ علی صاحبها الصلوۃ والسلام میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

علماء احناف کے نزدیک نکاح کرنا اس مرد وعورت پر واجب ہے جن کا نکاح کے بغیر گناہ میں پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہو البتہ وہ مرد وعورت جو اعتدال کی حالت میں ہوں یعنی اگر شادی نہ کریں تو گناہ میں واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو (اگر مرد ہو تو نان ونفقہ اور مہر دینے پر بھی قادر ہو) تو ان کے لئے نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ شادی نہ کرنے کی صورت میں پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑنے کا گناہ ہوگا، خصوصاً اس پرفتن زمانے میں شادی سے اعراض کرنا خطرے سے خالی نہیں۔

جو مرد وعورت کسی مجبوری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے، مثلاً رشتہ وغیرہ نہیں ملتا تو ان کو چاہیئے کہ کثرت سے نفلی روزے رکھا کریں اور ذکر وعبادت کیا کریں تا کہ اس کے ذریعے وہ خواہش نفسانی پر قابو پا سکیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے بہتر رشتے کا انتظام فرمادے۔

لمافی البخاری (٢/٧٥٧): عن عبادة رضي الله عنه النبی صلی الله علیه وسلم، فلما أخبروا كأنهم تقالوها، فقالوا: وأين نحن من النبی صلی الله علیه وسلم؟ قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر، قال أحدهم:

Marfat.com

أما أنا فإني أصلي الليل أبدا، وقال آخر: أنا أصوم الدهر ولا أفطر، وقال آخر: أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبدا، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إليهم، فقال: أنتم الذين قلتم كذا و كذا، أما والله إني لأخشاكم لله وأتقاكم له، لكني أصوم وأفطر، وأصلي وأرقد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني۔

وفي الدر المختار (٦/٣): (ويكون واجبا عند التوقان) فإن تيقن الزنا إلا به فرض نهاية وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا إثم بتركه بدائع (و) يكون (سنة) مؤكدة في الأصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينا وولدا (حال الاعتدال)۔

وفي الرد تحته: قوله (عند التوقان)۔۔۔قلت وكذا فيما يظهر لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم أو عن الاستمناء بالكف فيجب التزوج وإن لم يخف الوقوع في الزنا ۔۔۔ قوله (فيأثم بتركه) لأن الصحيح أن ترك المؤكدة مؤثم كما علم في الصلاة بحر وقدمنا في سنن الصلاة أن اللاحق بتركها إثم يسير وأن المراد الترك مع الإصرار ۔۔۔ قوله (أي القدرة على وطء) ۔۔۔ وزاد المهر والنفقة لأن العجز عنهما يسقط الفرض فيسقط السنية بالأولى ۔۔۔ وقد صرح في الأشباه بأن النكاح سنة مؤكدة فيحتاج إلى النية۔

(۷۲۸) ماہ محرم میں نکاح کا حکم

سؤال

میرے ایک کزن کی اس سال ماہِ شوال میں شادی ہے۔ موصوف بضد ہیں کہ شادی محرم کے مہینے میں رکھی جائے۔ گھر والے نہیں مانتے۔ ایک تو محرم کے مہینے میں شادی کرنا نہیں چاہیے، دوسرا عموماً محرم میں شہر کے حالات حالتِ جنگ کے ہوتے ہیں لیکن موصوف کا کہنا یہ ہے کہ یہ سب اڑائی ہوئی باتیں ہیں۔ میری شادی محرم میں ہوگی، شوال میں نہیں۔ آپ حضرات جواب مرحمت فرمائیں کہ مسئلہ کیسے حل ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ماہِ محرم برکتوں اور سعادتوں کا مہینہ ہے اس میں شادی کو غیر مناسب سمجھنا انتہائی جاہلانہ اور مشرکانہ سوچ ہے جو لوگ اس ماہ میں شادی کو نامناسب قرار دیتے ہیں وہ اسے سوگ اور ماتم کا مہینہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسلام میں تمام مہینے اور ہر مہینے کا ہر دن یکساں ہے۔ کسی بھی دن اس مبارک عمل کو منعقد کیا جاسکتا ہے لہٰذا آپ کے کزن کا اصرار درست ہے اس کی بات پر عمل

Marfat.com

کر کے معاشرے میں پھیلے اس غلط نظریئے کو ختم کرنا چاہیئے اور جہاں تک معاملہ حالات کا ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ ۹ اور ۱۰ محرم کو خراب ہوتے ہیں ان دونوں کے علاوہ مہینے کے کسی بھی دن بسہولت تقریب منعقد کی جاسکتی ہے۔

لمافی القرآن الکریم (التوبة:۳۶): إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ...الآیة۔

(۷۲۹) عورت جنت میں کون سے شوہر کے ساتھ ہوگی

سؤال

مفتی صاحب! حدیث میں آتا ہے کہ خاوند اور بیوی دونوں جنت میں اکٹھے رہیں گے اور اس کی بیوی حوروں کی سردار ہوگی لیکن اگر خاوند فوت ہوجائے اور اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے تو آیا یہ عورت جنت میں پہلے خاوند کے ساتھ ہوگی یا دوسرے خاوند کے ساتھ؟

الجواب بعون الملک الوهاب

روایات احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خاوند اور بیوی دونوں جنت میں بھی ایک ساتھ اکٹھے رہیں گے البتہ کسی عورت نے طلاق کے بعد یکے بعد دیگرے کئی جگہ نکاح کیا اور آخری مرتبہ طلاق کے بعد کسی اور جگہ نکاح نہیں کیا تو آخرت میں اس کو اختیار حاصل ہوگا کہ جس نیک وصالح مرد کے ساتھ رہنا چاہے تو اس کے ساتھ عقد نکاح کردیا جائے گا۔ اگر شوہر یکے بعد دیگرے فوت ہوئے ہوں یا طلاق دی ہو، لیکن آخری شوہر نے طلاق نہ دی یا عورت آخری شوہر کے عقد نکاح میں فوت ہوگئی یا خاوند فوت ہوگیا اور اس عورت نے کسی اور جگہ نکاح نہ کیا تو قرین قیاس یہی ہے کہ یہ عورت جنت میں آخری خاوند کے ساتھ رہے گی۔

لمافی کنز العمال(۱۶/۴۵۵۸۱): تخیر فتختار أحسنهما خلقا کان معها فی الدنیا فیکون زوجها فی الجنة یا أم حبیبه ذهب حسن الخلق بخیر الدنیا والآخرة۔(طب)

وفی الفتاویٰ الحدیثیة (ص۴۹): وسئل رضی الله عنه :عمن تزوجت أزواجا لمن تکون له منهم فی الآخرة؟ فأجاب بقوله: أخرج الطبرانی عن أم سلمة رضی الله عنها فی صفة أهل الجنة حدیثا طویلا وفیه "قلت یا رسول الله المرأة تتزوج الزوجین والثلاثة والأربعة فی الدنیا ثم تموت فتدخل الجنة ویدخلون معها من یکون زوجها منهم؟ قال ﷺ إنما تخیر فتختار أحسنهم خلقا، فتقول یارب إن هذا کان أحسنهم خلقا فی دار الدنیا فزوجنیه، یا أم سلمة ذهب حسن الخلق بخیر الدنیا والآخرة وأخرج الخرائطی فی مکارم الأخلاق والبزار والطبرانی عن أنس

Marfat.com

أن أم حبيبة رضي الله عنها قالت يارسول الله المرأة يكون لها الزوجان في الدنيا تموت ويموتان فيجتمعون في الجنة لأيهما تكون؟ فقال ﷺ لأحسنهما خلقا كان عندها في الدنيا ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والآخرة ولا يعارض ذلك ما أخرجه ابن سعد عن أبي الدرداء رضي الله عنه سمعت رسول الله ﷺ يقول المرأة لآخر أزواجها في الآخرة لإمكان الجمع بأن الأول فيمن طلقوها ولم تمت في عصمة أحدمنهم والثاني فيمن ماتت في عصمته أومات عنها ولم تتزوج بعده،ثم رأيت مايؤيده وهو ما أخرجه ابن سعدفي طبقاته عن أسماء بنت أبي بكر كانت تحت الزبير بن العوام و كان شديدا عليها فأتت أباها فشكت ذلك إليه فقال لها يا بنية اصبري فإن المرأة إذا كان لها زوج صالح ثم مات عنها ولم تتزوج بعده جمع بينهما في الجنة ولا ينافيه ما أخرجه ابن وهب عن أبي بكر رضي الله عنه أيضاً قال بلغني أن الرجل إذا ابتكر بالمرأة تزوجها في الآخرة لإمكان حمله على ما إذا ماتت معه أو مات ولم تتزوج بعده۔

(۷۳۰) ہر سال یا ہر مہینے تجدید نکاح کرنے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ہر ماہ یا ہر سال نکاح جدید پڑھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا نکاح جدید میں مہر لازم ہے؟ برائے مہربانی مدلل ومفصل جواب سے نوازیں بہت مشکور ہوں گا نیز ہر شخص نکاح جدید کرسکتا ہے یا نہیں؟ میں نے کسی سے سنا ہے کہ جاہل کو ہر سال یا مہینے میں اپنے نکاح کی تجدید کرلینی چاہیئے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں اور نکاح جدید سے پہلے شوہر نے بیوی کو ایک طلاق دی تھی تو نکاح جدید کے بعد شوہر کتنی طلاق کا مالک ہوگا؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب

ہر مہینے یا ہر سال نکاح کی تجدید کرنا شرعاً واجب یا مسنون نہیں ہے اور نہ ہی ہر شخص کیلئے ایسا کرنا ضروری ہے البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں لکھا ہے کہ جاہل شخص کے لئے احتیاط کا تقاضایہ ہے کہ مہینہ میں ایک یا دومرتبہ اپنے نکاح کی تجدید کرلیا کرے، کیونکہ جاہل مردوں سے تو اگرچہ کفریات کم صادر ہوتے ہوں لیکن جاہل عورتوں سے کفریات بہت زیادہ صادر ہوتے ہیں۔تجدید نکاح کرنے کی صورت میں نیا مہر مقرر کرنا لازم ہے۔تجدید نکاح سے پہلے شوہر جتنی طلاقوں کا مالک تھا،تجدید نکاح کے بعد بھی اتنی ہی طلاقوں کا مالک ہوگا،تجدید نکاح کی وجہ سے پہلی دی ہوئی طلاقیں کالعدم نہیں ہوتیں۔

لما في الشامية (۱/۴۲): ولعمري هذا من أهم المهمات في هذا الزمان ؛ لأنك تسمع كثيرا من

Marfat.com

العوام يتكلمون بما يكفر وهم عنها غافلون ، والاحتياط أن يجدد الجاهل إيمانه كل يوم ويجدد نكاح امرأته عند شاهدين في كل شهر مرة أو مرتين ، إذ الخطأ وإن لم يصدر من الرجل فهو من النساء كثير۔

(۷۳۱) تنہا خاتون کا بے دین گھرانے سے الگ رہنے کا حکم

سؤال

اگر کوئی خاتون دین پر چلنا چاہتی ہو اور گھر کا ماحول ایسا نہیں ہے کہ اس ماحول میں اس راستے پر چلا جائے تو کیا شریعت مطہرہ ایسی صورت میں اس کو الگ گھر کی اجازت دیتی ہے کہ الگ گھر میں رہ کر دین پر عمل کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ دونوں کیلئے دین پر چلنا فرض ہے جتنا ان کی وسعت میں ہو، اپنے گھر میں رہ کر دین پر عمل کرے البتہ جو عورت شادی شدہ ہے وہ اپنے شوہر سے ایسے الگ کمرے کا مطالبہ کر سکتی ہے جس کو تالا لگایا جا سکے، کسی اور کا اس میں عمل دخل نہ ہو اور دین پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی گزار سکے لیکن اگر عورت غیر شادی شدہ ہے تو اس پُرفتن دور میں جبکہ ہر طرف فتنوں کا زور ہے اور ان فتنوں میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اس کو الگ گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، وہ اپنے گھر اپنے والدین بھائی بہنوں کے ساتھ رہے اور اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزارے۔ اپنے گھر میں اگر کسی منکر یعنی غیر شرعی امر پر ہاتھ یا زبان سے روکنے کی قدرت ہو تو روک دے ورنہ دل ہی دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ بھی ایمان کے درجات میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله أجر مائة شهيد" (ترغیب ۴۱/۱)

''جس نے میری امت میں فساد کے وقت میری ایک سنت کو مضبوطی سے پکڑا تو اس کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔''

ایسے ماحول میں اگرچہ دین پر چلنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں اسی وجہ سے اس پر اجر بھی زیادہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ایسے شخص کو یعنی دین پر چلنے والے کو شعلہ کو پکڑنے والے کی طرح قرار دیا ہے گویا کہ وہ شخص انگارے کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ اس وقت دین پر چلنے والے کو ۵۰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجر کے برابر اجر ملے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح فہم و سمجھ عطا کرے۔ آمین

لما في القرآن الكريم (البقرة:٢٥٦) لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِيْعٌ

Marfat.com

عَلِيمٌ۔

وفی جامع الترمذی (۱۳۶/۲): عن أبي أمية الشعبانی قال أتيت أبا ثعلبة الخشنی فقلت له كيف تصنع فی هذه الآية قال أية آية قلت قوله (يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من ضل إذا اهتديتم) قال أما والله لقد سألت عنها خبيرا سألت عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال بل ائتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنكر حتى إذا رأيت شحا مطاعا وهوى متبعا ودنيا مؤثرة وإعجاب كل ذی رأی برأيه فعليك بخاصة نفسك ودع العوام فإن من ورائكم أياما الصبر فيهن مثل القبض على الجمر للعامل فيهن مثل أجر خمسين رجلا يعملون مثل عملكم . قال عبد الله بن المبارك وزادنی غير عتبة قيل يا رسول الله أجر خمسين رجلا منا أو منهم قال لا بل أجر خمسين منكم ۔ قال أبو عيسى هذا حديث حسن غريب.

(۷۳۲)ایک ہی کمرے میں بیوی اور بچوں کے ساتھ سونے کا حکم

سوال

شب میں اہلیہ کے ساتھ لیٹنا اس کا حق ہے اور آج کل بچے بہت ہوشیار ہوتے ہیں تو بچوں کے سامنے اہلیہ کے ساتھ لیٹنا کیسا ہے؟ اگر اہلیہ کے ساتھ نہ لیٹے بلکہ علیحدہ لیٹے تو اس میں کوئی گناہ تو نہ ہوگا چونکہ ہمارے گھروں میں ایک ہی کمرہ ہوتا ہے تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ وضاحت فرمایئے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

بچوں کے سامنے اہلیہ کے ساتھ لیٹنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ بچے غیر ممیز (ناسمجھ) ہوں البتہ صحبت نہیں کرنی چاہیئے اور اگر بچے ممیز (سمجھدار) ہوں تو ان کے سامنے نہیں لیٹنا چاہیئے بلکہ کوئی بہتر تدبیر بنالینی چاہیئے۔

لما فی خلاصة الفتاوی (۵۳/۲): فی المنتقى إذا كان الرجل وامرأته فی لحاف لا بأس بأن يدخل عليهما الولد والأخ بعد أن لا ينكشف منها محرم و بعد أن لا تكونا فی المجامعة۔

وفيه أيضا: قال أبو حنيفة و أبو يوسف رحمهما الله لاينبغی للرجل أن يدخل على أمه وبنته وأخته إلا بإذن وكذا كل ذی رحم محرم وكذا العبد على مولاته الخ۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۸۳۶/۹): والمانع الطبيعي: ما يمنع النفس بطبيعتها عن الجماع، مثل وجود شخص ثالث عاقل، ولو كان أعمى أو نائماً أو صبياً مميزاً أو زوجة أخرى. فإن كان هناك

Marfat.com

غير مميز أو مجنون أو مغمى عليه، فالخلوة صحيحة.

(۷۳۳) گھر دامادی کی شرط کی شرعی حیثیت

سوال

ایک لڑکے کا نکاح اس شرط پر ہوا کہ وہ اپنی بیوی سمیت اپنی ساس کے گھر میں رہے گا رخصتی ہوئی تقریباً ایک سال مکمل ہونے والا ہے لڑکا شرط مذکورہ کی وجہ سے ساس کے گھر رہتا رہا لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ ایک رات کو اُن کے گھر پر پتھر پھینکے گئے۔ اب کچھ عرصہ بعد ایسی صورتحال پیش آئی کہ وہ رات گیارہ بجے بچوں سمیت گھر چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ دوسری رات بھی گھر میں نہ رہ سکے تو لڑکے نے اپنی جان اور عزت کی خاطر اور دشمن کے خوف کی وجہ سے یہاں رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ لڑکے نے بذات خود اور اس کے بھائیوں نے اپنے والدین کے ہاں اس لڑکے کی بیوی اور ساس دونوں کیلئے علیحدہ مکان اور دستور کے مطابق تمام تر ضروریات کی یقین دہانی کرائی ہے لیکن اس کے باوجود بھی لڑکی اور اس کی ماں شرط (گھر داماد) مذکورہ کی وجہ سے اس بات پر مصر ہیں کہ ہم قطعاً وہاں جانے کیلئے تیار نہیں ہیں اور لڑکی کے سرپرست نے بھی کہا ہے کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں ہے اور دونوں خاندان کے لوگوں نے ان کو محفوظ مقام کی طرف منتقل کرنے کی کوشش کی لیکن لڑکا اپنی بات پر ڈٹ گیا اور لڑکی اپنی بات پر ڈٹ گئی۔ صورت مذکورہ کے چند جزئیات کے جوابات قرآن وسنت کی روشنی میں مطلوب ہیں:

(۱) ایسی صورت میں لڑکا گناہگار ہوگا یا لڑکی؟

(۲) لڑکا نافرمان شمار ہوگا یا لڑکی نافرمان شمار ہوگی؟

(۳) ایسی صورت میں لڑکے پر عورت کا خرچہ لازم ہوگا یا نہیں؟

(۴) گھر دامادی کی مذکورہ شرط کی وجہ سے لڑکے پر کوئی مالی ادائیگی یا اس کا متبادل بندوبست لازم ہوگا یا نہیں؟

(۵) خدانخواستہ اگر معاملہ جدائی تک پہنچ جائے تو شوہر پر بقیہ زیورات کی ادائیگی لازم ہوگی یا نہیں کیونکہ عورت کا مہر ایک ہزار روپے مقرر ہوا تھا اور ادا کر دیا گیا تھا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح میں ہر وہ شرط جس سے کسی امر مشروع سے ممانعت لازم آئے وہ درست نہیں اور نہ اس شرط کا پورا کرنا واجب ہے اور بیوی پر مہر وصول کرنے کے بعد امور شرعیہ میں شوہر کی اطاعت واجب ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ گھر دامادی کی شرط ایک لغو اور باطل شرط ہے جس کا پورا کرنا شوہر پر واجب نہیں اور اس شرط سے شوہر کا اپنی بیوی کو دوسری جگہ بسانے کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ عذر و مجبوری کے باوجود شوہر کو گھر دامادی کی شرط پورا کرنے پر مجبور کر کے تکلیف دینا بیوی کیلئے جائز نہیں نیز مذکورہ صورت میں چونکہ لڑکی کا سرپرست

Marfat.com

بھی نقل مکانی پر راضی ہے اس لئے لڑکی کی والدہ کو لڑکی کو اپنے شوہر کے ساتھ جانے سے منع کرنا درست نہیں ایسی صورت میں شوہر کے ساتھ نہ جانے پر لڑکی نافرمان شمار ہوگی کیونکہ بیوی پر تابعداری کا سب سے زیادہ حق شوہر کا ہے۔ نیز مذکورہ صورت میں شوہر سے الگ رہنے پر شوہر بیوی کے نان نفقہ کا ذمہ دار نہیں اگر معاملہ جدائی تک پہنچ جائے تو شوہر پر مقررہ مہر کے علاوہ کچھ بھی لازم نہ ہوگا البتہ بقیہ زیورات جن کو دینے کا لڑکے نے وعدہ کیا ہے وہ تبرعاً دے دینا چاہیے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۳۴): الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ۔

(بنی اسرائیل:۳۴): وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا۔

وفی صحیح البخاری (۷۷۴/۲): عن عقبة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج۔

وفی المبسوط للسرخسی (جزء۵، ۱۸۶/۳): قال: وإذا تغيبت المرأة عن زوجها أو أبت أن تتحول معه إلى منزله أو إلى حيث يريد من البلدان وقد أوفاها مهرها فلا نفقة لها لأنها ناشزة ولا نفقة للناشزة۔

وفی التاتارخانية (۱۱۴/۳): وفی الينابيع: وإذا تزوج امرأة على ألف أن لا يخرجها من البلد --- إن قبضت المرأة مهرها فللزوج أن ينقلها إلى حيث شاء وليس لها أن تمنعه من الخروج ---وفی (ص۱۱۶): ولو أراد أن يخرجها من البلد إلى القرية أو من القرية إلى البلد فله ذلك۔

(۷۳۴) قرآن کریم کے قریب ہمبستری کرنا

سؤال

مفتی صاحب! ایک کمرے میں قرآن پاک رکھا ہوا ہے یا اللہ تعالیٰ کے نام وغیرہ کے کتبے لگے ہوں تو اسی کمرے میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایسے کمرے میں جس میں قرآن پاک موجود ہو یا اللہ کے نام وغیرہ کے کتبے موجود ہوں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے لیکن قرآن پاک اور ان کتبوں کو کسی الماری یا کپڑے میں چھپا دیں تو بہتر ہے۔

لما فی الهندية (۳۲۲/۵): يجوز قربان المرأة في بيت فيه مصحف مستور كذا في القنية۔

وفی الدر المختار (۴۲۳/۶): لا بأس بالجماع في بيت فيه مصحف للبلوى۔

Marfat.com

وفی الرد تحتہ: قوله (لا بأس بالجماع في بيت فيه مصحف للبلوى) قيده في القنية بكونه مستورا وإن حمل ما فيها على الأولوية زال التنافي ط۔

(۷۳۵) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ جس عورت پر پڑ جائے اس کے شوہر پر اُسے طلاق دینا واجب ہو جاتا تھا، کیا یہ درست ہے؟

سؤال

میں ایک مسجد میں عصر کے بعد ایک بزرگ کا بیان سن رہا تھا۔ درمیان میں یہ حدیث آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راستے میں ایک عورت پر نظر پڑی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے تعجب میں ڈالا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر آکر سودہ رضی اللہ عنہا سے مقاربت کی الخ .... میں نے اپنے علاقے کے مولوی صاحب (امام) سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا انہوں نے تائید کی لیکن مجھے تردد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اجنبیہ کی طرف کیسے دیکھا؟؟؟ اس کا وہ کوئی شافی جواب تو نہ دے سکے لیکن انہوں نے یہ انکشاف کر کے مجھے حیران وششدر کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی عورت کو دیکھ لیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند آجائے تو اس عورت کے شوہر پر اسے طلاق دینا واجب ہو جاتی تھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ میں بڑا متردد ہوا لیکن کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ الجھن ذہن میں تھی۔ آپ حضرات تحریری جواب دے دیں۔ یہ بھی بتا دیں کہ حدیث کا کیا مطلب ہے؟ نیز کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی کوئی خصوصیت ہے میں نے کبھی نہیں سنی کسی سے یا ایسا کوئی واقعہ ہوا ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مذکورہ واقعہ کتب حدیث میں موجود ہے، واقعہ یہ تھا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر ایک اجنبیہ عورت پر پڑی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ عورت اچھی لگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خواہش کو گھر آکر اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پورا فرمایا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فعل ایک حکم شرعی کا سبب تھا۔ امت کو معلوم ہو جائے کہ اگر کسی کے ساتھ اس طرح کی صورتحال پیش آجائے تو کیا کرے؟ جیسا کہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھول جانا ایک حکم شرعی کا سبب ہوا۔

قرآن کریم کی آیت "ولا تخفی فی نفسك" اور "وامرأة مؤمنة وهبت نفسها للنبی" کی تفسیر میں بعض مفسرین نے اور حدیث مذکورہ کی تشریح میں بعض شارحین نے کمزور روایات کی بنا پر مذکورہ خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے شمار کی ہے، لیکن دوسرے محققین اور محتاط مفسرین اور شراح نے اُن روایات اور اس خصوصیت کی سخت تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی اور نہ کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے۔

Marfat.com

لمافی التعليق الصبيح (۴/۱۱) كتاب النكاح باب النظر فی المخطوبة الفصل الثانی (ط دارالفكر):

[قوله: فأعجبته] بمقتضى الطبيعة كالنظرة الأولى التى لا بأس بها وقد صار ذلك سبباً لحكم شرعى كالسهو فى الصلوة وإنما فعله صلى الله عليه وسلم وآكده بالقول تعليماً وتشريعاً فافهم، وقد يعد من خصائصه صلى الله عليه وسلم وجوب طلاق مرغوبته على الزوج فله صلى الله عليه وسلم شأن ليس لغيره من الأمة ـ الخ ـ

وفى أحكام القرآن لابن العربي (۳/۵۹۹) (تفسير سورة الاحزاب)(ط دارالكتب للعلمية):

العاشر اذا وقع بصره على امرأة وجب على زوجها طلاقها وحل له نكاحها قال القاضى هكذا قال إمام الحرمين وقد بينا الأمر فى قصة زيد بن حارثه كيف وقع ـ الخ ـ

وفيه أيضاً: قال القاضى وما وراء هذه الرواية غيرمعتبر فأما قولهم إن النبى صلى الله عليه وسلم رآها فوقعت فى قلبه فباطل ـ الخ ـ

وفى التفسير المنير (جز۲۲/۴۳) (تفسير سورة الاحزاب)(ط دارالفكر): العاشر إذا وقع بصره على امرأة وجب على زوجها طلاقها ، وحلّ له نكاحها. هذا ما قاله إمام الحرمين. وقد بيّنا في قصة زيد بن حارثة أن هذا لا يليق بمنصب النبوة ، وكل ما روي مما فيه مساس بذلك هو ساقط غير معتبر ولا دليل عليه.

وفيه أيضاً(جز۲۲/۷۷): ظاهر قوله تعالى : وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ ناسخ لما كان قد ثبت له صلّى الله عليه وسلّم من أنه إذا رأى واحدة ، فوقعت في قلبه موقعا كانت تحرم على الزوج ، ويجب عليه طلاقها وهو دليل على منع تبديل زوجات النبي صلّى الله عليه وسلّم اللاتي اخترنه وهن تسع.

وفى التفسير الكبير (۱۳/۲۲۲ جز۲۵) تفسير سورة الاحزاب (ط دارالفكر): ظاهر هذا ناسخ لما كان قد ثبت له صلى الله عليه وسلم من أنه اذا رأى واحدة فوقعت فى قلبه موقعاً كانت تحرم على الزوج ويجب عليه طلاقها ـ الخ ـ

(۷۳۶) عیدین کے درمیان نکاح کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! لانکاح بین العیدین کا کیا مطلب ہے؟ کیا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیان نکاح کرنا صحیح نہیں ہے؟ حدیث

Marfat.com

کس درجے کی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیانی مہینوں (شوال، ذوالقعدہ) میں نکاح اور زفاف دونوں بلا کراہت جائز ہیں، اس لئے کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے محبوب ترین زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شوال ہی میں نکاح کیا اور شوال ہی میں رخصتی ہوئی۔

باقی حدیث **"لانکاح بین العیدین"** اول تو یہ صحیح نہیں ہے اور اگر بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو اس میں عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ نہیں، بلکہ جمعہ اور صلوٰۃ العید مراد ہے اور یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ واقعہ جزئیہ ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ جمعہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے زمانے میں جبکہ دن چھوٹے ہوتے تھے نماز عید سے فارغ ہوئے تو کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح پڑھانے کی درخواست کی، اس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ **"لانکاح بین العیدین"** کہ صلوٰۃ عید اور صلوٰۃ جمعہ کے درمیان میں نکاح نہیں ہے اور یہ اس لئے فرمایا تا کہ جمعہ کا افضل وقت نکاح کی وجہ سے فوت نہ ہو جائے، لہذا اس حدیث سے عدم جواز پر مطلق استدلال صحیح نہیں ہے۔

لمافی الشامية (۸/۳): تنبيه قال في البزازية والبناء والنكاح بين العيدين جائز وكره الزفاف والمختار أنه لا يكره لأنه عليه الصلاة والسلام تزوج بالصديقة في شوال وبنى بها فيه وتأويل قوله عليه الصلاة والسلام لا نكاح بين لعيدين إن صح أنه عليه الصلاة والسلام كان رجع عن صلاة العيد في أقصر أيام الشتاء يوم الجمعة فقاله حتى لا يفوته الرواح في الوقت الأفضل إلى الجمعة اهـ

(۷۳۷) یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بی بی زلیخا سے نکاح

سؤال

مفتی صاحب! انتقال سے قبل بی بی زلیخا مؤمنہ تھیں یا کافرہ؟ بی بی زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مفسرین کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی زلیخا بت پرست تھیں اور ان کا نکاح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے لہٰذا بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔

Marfat.com

لما فی احکام القرآن للقرطبی جزء التاسع (۵/۲۶۵-۲۷۰) وولد لیوسف علیه السلام من امرأة العزیز افراثیم ومنشا ورحمة امرأة أیوب علیه السلام۔

وفی التفسیر روح المعانی (۵/۶۳): وقد ولد له من امرأة العزیز أفراثیم وھو جد یوشع علیه السلام ومیشا ورحمة زوجة أیوب علیه السلام ولقد توارثت الفراعنة من العمالقة بعده مصر ولم یزل بنو إسرائیل تحت أیدیھم علی بقایا دین یوسف وآبائه علیھم السلام إلی أن بعث الله تعالی موسی علیه السلام فکان ما کان۔

(۷۳۸) نکاح میں ایجاب وقبول کتنی مرتبہ ضروری ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! قاضی نکاح خواں نے دولہا سے پہلی مرتبہ پوچھا کہ آپ کو قبول ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ دلہن کے وکیل نے بھی قبول کرلیا لیکن جب قاضی نے دوسری مرتبہ پوچھا تو دولہا نے انکار کر دیا اور اس نے کہا کہ نہیں قبول نہیں۔ اس صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ نیز کیا اس طرح تین بار ایجاب وقبول کرنا شرعاً ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ایجاب وقبول نکاح کے ارکان میں سے ہیں اور ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہونا ضروری ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں جب دولہا نے پہلی مرتبہ قبول کرلیا، اسی طرح دلہن کے وکیل نے بھی قبول کرلیا تو نکاح منعقد ہوگیا۔ اب دولہا انکار نہیں کرسکتا البتہ اگر دولہا اس نکاح سے ناخوش ہو تو طلاق دے سکتا ہے نیز ایجاب وقبول ایک مرتبہ کرنے سے ہی نکاح منعقد ہوجاتا ہے تین مرتبہ ضروری نہیں۔

لمافی الدرالمختار (۴/۵۲۷): (وما لم یقبل بطل الإیجاب إن رجع الموجب) قبل القبول (أو قام أحدھما) وإن لم یذھب (عن مجلسه) علی الراجح نھر وابن الکمال فإنه کمجلس خیار المخیرة وکذا سائر التملیکات فتح (وإذا وجدا لزم البیع) بلا خیار إلا لعیب أو رؤیة۔

(۷۳۹) منہ بولے بیٹے کے احکام

سؤال

اگر کوئی عورت جس کی اولاد پیدا نہ ہوتی ہو، دوسری عورت اپنا بچہ اس عورت کو دیدے تو شریعت کے اعتبار سے یہ بچہ اس عورت

Marfat.com

کو دینا کیسا ہے اور جب وہ گھر میں بڑا ہو جائے تو اس سے پردہ کا کیا حکم ہے؟ اجنبی کی طرح ہوگا یا غیر اجنبی کی طرح ہوگا؟

تنقیح مسئلہ: مذکورہ بچے کی عمر چھ مہینہ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کوئی عورت کسی بچے کو گود لے اور وہ اس بچے کے نسب کو اپنی طرف منسوب نہ کرے تو از روئے شریعت ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اگر وہ اس کے نسب کو اپنی طرف منسوب کرے تو ایسا کرنا جائز نہیں، البتہ دونوں صورتوں میں اگر بچہ غیر محرم ہے تو بلوغت کے بعد اس بچے سے پردہ کرنا لازم ہے۔

اگر کوئی عورت کسی بچے کو گود لے کر یہ چاہتی ہو کہ بلوغت کے بعد اس بچے سے پردہ نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ کسی محرم بچے کو گود لے مثلاً بھتیجا وغیرہ اور اگر وہ بچہ اس عورت کا محرم نہ ہو تو اس بچے کو مدت رضاعت (دو سال) کے اندر اپنا دودھ یا ایسی عورت کا دودھ پلا دے جس کی وجہ سے یہ بچہ اس کا رضاعی محرم بن سکے جیسے ماں، بھانجی، بھتیجی وغیرہ، اس صورت میں وہ اس کی رضاعی محرم بن جائے گی اور رضاعی محرم سے پردہ نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر آپ بچے کو گود لے کر بغیر نسب تبدیل کئے ہوئے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے اور چونکہ بچے کی عمر ابھی ۶ ماہ ہے، اس لئے اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ بلوغت کے بعد آپ کا اس سے پردہ نہ ہو تو آپ دو سال کے اندر اس کو اپنا یا اپنی ماں یا بھتیجی یا بھانجی کا دودھ پلا دیں تو اس صورت میں اس بچے سے پردہ نہیں ہوگا، ورنہ بلوغت کے بعد اس سے پردہ کرنا ضروری ہے، زیادہ بہتر یہ ھیکہ اولاً ہی کسی محرم بچے کو گود لے لیں البتہ بہر صورت رضاعت کی وجہ سے یہ بچہ میراث کا مستحق نہ بنے گا۔

لما فی التفسیر المظہری (۲۸۳/۷): ﴿وَمَا جَعَلَ اللهُ أَدْعِيَاءَكُمْ﴾ أی الذین تبنيتهم ـ ﴿أَبْنَاءَكُمْ﴾ فلا يثبت بالتبني شيء من أحكام البنوة من الإرث وحرمة النكاح وغير ذلك۔

وفی التاتارخانية (۲۲۹/۳): فالرضاع فی إيجاب الحرمة كالنسب والصهرية ـ ـ ـ ويحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا۔

وفی الهندية (۲۷۴/۱): ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الأب المتبني هكذا في محيط السرخسي۔

(۷۴۰) منہ بولے بیٹے کی ولدیت میں حقیقی باپ کا نام لکھنا ضروری ہے

سوال

مفتی صاحب! (۱)......کوئی بچہ مل جائے اور اس کو بیٹا بنا کر پالا جائے اور اس کے باپ کا پتہ نہ ہو کہ کون ہے تو کیا اس بچے کے والد کا نام لکھنا چاہیئے، یا جو پالنے والا ہے اس کو نام لکھا جائے گا؟

Marfat.com

(۲)......منہ بولی بہن اور منہ بولی ماں سے شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳)......عورت کسی بچہ کو منہ بولا بیٹا بنا کر رکھے۔ جب وہ لڑکا بالغ ہوجائے تو اس کو منہ بولے بیٹے سے پردہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

واضح رہے کہ منہ بولا بیٹا شریعت میں اصل بیٹے کی طرح نہیں ہے لہذا (۱)......اس کی ولدیت کے خانے میں اس کے حقیقی باپ کا نام لکھنا ضروری ہے البتہ اگر حقیقی باپ کا نام معلوم نہ ہو تو عبداللہ یا عبدالرحمن کی طرح کے فرضی نام لکھ دے، اپنا نام لکھنا بہرحال جائز نہیں۔

(۲)......اس سے (اگر کوئی اور حرمت کا رشتہ نہ ہو تو) نکاح کرنا جائز ہے۔

(۳)......اور اس کے بالغ ہونے کے بعد (اگر اس سے کوئی اور حرمت کا رشتہ نہ ہو تو) پردہ کرنا لازم ہے۔

لمافی القرآن الکریم (الاحزاب: ۳۶): فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔

وفی فتح الباری (۲۲۰/۸):قوله ان زيد بن حارثة مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كنا ندعوه إلا زيد بن محمد حتى نزل القرآن ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله۔

وفی الشامية (۳۱/۳):وقوله تعالى { وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم } والحليلة الزوجة ---- وذكر الأصلاب لإسقاطه حليلة الابن المتبنى لا لإحلال حليلة الابن رضاعا فإنها تحرم كالنسب بحر وغيره۔

Marfat.com

Marfat.com

رسالة

بیان المعانی

فی

الزواج الثانی

دوسری شادی کی شرائط اور مساوات پر قدرت کے وقت اس کا حکم،

مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا مدلل بیان

Marfat.com

(۷۴۱) بشرط مساوات دوسری شادی کا حکم

سوال

مفتی صاحب! آج سے ۸ سال قبل میری چچازاد بہن سے میری شادی ہوئی ہماری شادی اسلامی تقاضوں کے مطابق کی گئی تھی۔ میں نے شادی کے وقت ہی لڑکی والوں کے کان میں ڈال دیا تھا کہ میں دوسری شادی بھی کروں گا۔ انہوں نے میری بات کو اس وقت کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ یہ ۸ سال بہت اتفاق اور یگانگت سے گزرے۔ ہمارا اتفاق مثالی تھا۔ اب کچھ دن سے ہمارا گھر جھگڑوں کا مرکز بن گیا ہے میں نے دوسری شادی کرنے کا عزم کرلیا اور اس پر میری ۷ سال کی بیٹی اور بیوی دونوں ہی گرم ہیں اور ان کے گھر والے مجھے منع کر رہے ہیں جبکہ میں اس مٹتی ہوئی سنت کا احیاء کرنا چاہتا ہوں۔ شرعی فتویٰ جاری فرمائیں کہ میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ میں اسلام کے اس حکم کے خلاف موجود پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ

پس نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہارے لئے پاک ہیں دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک مرد کیلئے چار تک شادیوں کو حلال قرار دیا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سے زائد نکاح فرما کر اس کی حلت کا عملی ثبوت فراہم کیا ہے لہذا اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن اس کے جواز کی ایک شرط کا لحاظ از حد ضروری ہے اور وہ ہے عدل۔ اللہ تعالیٰ کا اسی آیات میں آگے ارشاد ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوْا

اگر تم کو عدل نہ کرسکنے کا ڈر ہو تو ایک پر اکتفا کرو۔

تفسیر مظہری میں اس آیت سے متعلق تحریر ہے:

"فَإِنْ خِفْتُمْ أی خشیتم أیها الذین تریدون النکاح أَلَّا تَعْدِلُوا بین الأزواج المتعددة فَوَاحِدَةً أی فانکحوا واحدة وذروا الجمع"

"(اگر تم کو ڈر ہو) یعنی اے نکاح کرنے والو! اگر تم ڈر محسوس کرو (کہ تم عدل نہ کرسکو گے) متعدد بیویوں کے درمیان (تو

Marfat.com

ایک ہی کرو) یعنی ایک سے نکاح کرو اور ایک سے زائد کا ارادہ دل سے نکال دو۔" (التفسیر المظہری ۶/۹)

یہ آیت اور مفسرین کی اس سلسلے میں تفاسیر یہ بات مکمل طور پر واضح کر دیتی ہیں کہ ایک سے زائد نکاح اس وقت جائز ہیں جب تمام بیویوں کے درمیان ہر ہر چیز میں مساوات ہو اور ہر ایک کے حقوق برابر اداء کرنا ممکن ہو جن میں ہر ایک کی باری، اس کا خرچہ، رہائش اور دونوں سے پیدا شدہ بچوں کی پدرانہ ذمہ داریاں پوری کرنا سرفہرست ہیں۔

تعدد ازواج کے مسئلے کے مختلف پہلو ہیں ایک پہلو تو یہی جو ذکر ہوا کہ تعدد ازواج شرعاً جائز ہے لیکن اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا جائز ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے یا یہ کوئی مرغوب فیہ چیز ہے؟؟؟ اس سلسلے میں یہ ملحوظ رہے کہ کسی عمل کا جائز ہونا اس کے مرغوب فیہ ہونے کیلئے ضروری نہیں بلکہ بہت سی چیزیں ضرورت کیلئے ضرورت کے وقت جائز ہوتی ہیں مثلاً طلاق، یہ بوقت ضرورت جائز تو ہے لیکن حتی الامکان اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ اسی طرح تعدد ازواج بوقت ضرورت جائز تو ہے لیکن درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر اس سے اجتناب کرنا چاہیئے:

۱)......بیویوں کے درمیان مساوات ممکن نہیں۔ کہیں نہ کہیں کمی بیشی ہوگی جو گناہ کا باعث بنے گی۔

۲)......پہلی بیوی کو تکلیف ہوگی اور اگر وہ نافرمان یا بدچلن نہیں تو خواہ مخواہ اسے تکلیف دینا درست نہیں بلکہ کتب فقہ میں تو یہاں تک درج ہے کہ اگر اسے تکلیف سے بچانے کیلئے یہ مرد دوسری شادی سے احتراز کرتا ہے تو اسے اجر ملے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:

"وإذا كانت له امرأة وأراد أن يتزوج عليها أخرى وخاف أن لا يعدل بينهما لا يسعه ذلك وإن كان لا يخاف وسعه ذلك والامتناع أولى ويؤجر بترك إدخال الغم عليها كذا في السراجية"

"اگر ایک شخص کی بیوی ہو اور وہ دوسری شادی کا ارادہ کرتا ہے لیکن اسے یہ ڈر ہے کہ دونوں کے درمیان برابری نہیں کر پائے گا تو اس کے لئے دوسری شادی کی گنجائش نہیں اور اگر اسے یہ خوف نہ ہو تو اس کے لئے دوسری شادی کی گنجائش تو ہے لیکن نہ کرنا پھر بھی اولی اور بہتر ہے اور پہلی بیوی کو غم پہنچانے کا ارادہ ترک کرنے پر اسے اجر ملے گا۔" (الھندیة ۱/۳۴۱)

اسی طرح درمختار میں ہے:

"لو ترك لئلا يغمها يؤجر لحديث من رق لأمتي رق الله له بزازية"

اگر دوسری شادی فقط اس لئے ترک کر دیتا ہے کہ پہلی بیوی کو تکلیف نہ ہو تو اس پر اسے ثواب ملے گا کیونکہ حدیث میں ہے "جو میری امت پر رحم کرے گا اللہ اس پر رحم کرے گا" (درمختار ۳/۴۸)

۳)......دوسری شادی کرنے سے اس کی پہلی بیوی سے پیدا شدہ بیٹوں کی زندگی اثر انداز ہو یا نہ ہو لیکن بیٹیوں کی زندگی اثر انداز ضرور ہوگی اور سب کی زندگی میں برے اثرات مرتب کرے گی۔

۴)......بلاضرورت دوسری شادی کرنا صرف اس جواز پر عمل کرنے کیلئے عموماً بے انتہاء جھگڑوں کا سبب بنتا ہے اتنے لامتناہی جھگڑے ہوتے ہیں کہ زندگی گزارنا اجیرن ہو جاتی ہے اور کبھی مرد کی جان بھی ان پریشانیوں کو سہتے سہتے چلی جاتی ہے اور اس سب کا سبب

Marfat.com

یہ دوسری شادی بنتی ہے۔

۵)......دوسری شادی کرنا قطع رحمی کا سبب بنتا ہے دو خاندانوں، دو عورتوں میں مستقل قطع رحمی کا سبب یہ دوسری شادی ہے۔ عربی میں سوکن کو "ضرۃ" کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہی تکلیف اور ضرر دینے والی ہے۔ شریعت نے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کو اسی لئے ممنوع قرار دیا ہے کہ یہ سوکن بننا بلاشبہ قطع رحمی تک جائے گا اگرچہ دونوں بہنیں ہوں لہذا شریعت نے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا ممنوع قرار دیا۔ یہ بھی اس طرف مشیر ہے کہ دو شادیاں کرنا بوقت ضرورت تو جائز ہے ورنہ اس سے احتراز بہتر ہے۔

ان مختلف وجوہات کی بناء پر بسے بسائے گھر کو دوسری شادی کرنے کے عمل کے جواز (وہ بھی ایسا جواز جس پر عدل نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کے حق میں عدمِ جواز ہی ہو) اس جواز پر عمل کر کے پورے گھر، خاندان اور اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دینا کوئی عقلمندی نہیں۔

مناسب ہوگا اس ساری مذکورہ بالا بحث سے متعلق حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسلامی شادی" سے چند سطور جو بات کو سمجھنے میں آسانی پیدا کریں گی نقل کر دی جائیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"(ص ۲۳۰) اگر اندیشہ ہو بیوی کے حق ادا نہ کر سکنے کا خواہ نفس کا حق ہو یا مال کا حق تو ایسے شخص کیلئے (ایسی صورت میں) یقینا دوسرا نکاح کرنا ممنوع ہے۔ (ص ۲۳۱) عنوان: عورتوں کی بے اعتدالی کی وجہ سے دوسری بیوی کرنے کی ناپسندیدگی: (اگر مرد سے بے انصافی کا خدشہ نہ ہو) لیکن خود عورتوں کی بے اعتدالیوں کا اندیشہ ہو تو اس وقت تعدد (کئی بیویاں کرنے) سے شرعی ممانعت تو نہ ہوگی لیکن قواعد شرعیہ کے مطابق ایک ہی عورت پر کفایت کرنے کا مشورہ دیا جائے گا اور یہ مشورہ بھی شرعی ہوگا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو یہ مشورہ دیا تھا هلا بكرا تلاعبها وتلاعبك کیا کنواری نہیں تھی کہ تم اس سے جی بہلاتے اور وہ تم سے جی بہلاتی۔

بعض لوگ باوجود ضرورت نہ ہونے کے ہوس ناکی کی وجہ سے کئی کئی بیویاں نکاح میں جمع کر لیتے ہیں اور ان میں عدل ہو نہیں سکتا تو اس وجہ سے کہ مرد میں دین یا وسعت کم ہے یا اس وجہ سے کہ عورتوں میں دین یا عقل کم ہے اور عدل نہ رکھنے کی صورت میں مرد پر شریعت کی مخالفت کا الزام ظاہر ہے جس سے بچنا لازم ہے اور جہاں غالب گمان انصاف نہ ہو سکنے کا ہو وہاں تو تعدد ازواج سے اس بناء پر کہ ناجائز کا مقدمہ ناجائز ہوتا ہے اس تعدد سے بھی احتراز واجب ہوگا۔

اور عدل کرنے کی صورت میں مرد پر یہ الزام تو نہیں لیکن پریشانی میں تو پڑ گیا جس کے بڑھ جانے سے بعض اوقات دین میں خلل پڑنے لگتا ہے اور بعض اوقات صحت وعافیت میں (خلل پڑنے لگتا ہے) اور اس کے واسطے ہے کبھی دین میں بھی خرابی آجاتی ہے جہاں اس کا ظن غالب ہو (یعنی کئی بیویاں کرنے اور ان میں انصاف کرنے کی وجہ سے خود اس کے پریشانی میں پڑ جانے اور دین میں خرابی آجانے کا ظن غالب ہو) ایسی پریشانی سے بچنا ضروری ہے اور پریشانی کے اسباب سے بھی بچنا ہوگا اور وہ تعدد ازواج (کئی بیویاں کرنا) ہے۔ اگر یہ بچنے کا لزوم واجب شرعی نہ بھی ہوتا تاہم عقل کا مقتضی تو ضرور ہے

Marfat.com

کیونکہ بلاوجہ پریشانی مول لینا عقل کے خلاف ہے۔" (اسلامی شادی ص ۲۳۱)

حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

"دو بیویوں میں نباہ کرنا حکومت کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی کسی پر حاکم ہی نہ ہو یا حکومت سے استعفیٰ دے دے اس کو اس صفت کے استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی............ پھر اس (حکومت) کے اجلاس کا کوئی وقت متعین نہیں ہر وقت اس کے لئے آمادہ رہنا چاہیئے پھر استغاثہ کا انتظار ورنہ خود دست اندازی لازم ہے جس طرح قضاء کا عہدہ یعنی حکومت کے قبول کرنے میں حدیث میں نہایت درجہ کی دھمکی ہے یہ بھی اس سے کم نہیں بلکہ میں نے اوپر جو کچھ بیان کیا اس سے تو یہ معلوم ہوگا کہ بعض اعتبار سے یہ قضاء سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(ص ۲۳۴) مجھے دوسری شادی کرنے میں بہت ساری مصلحتیں ظاہر ہوئیں مگر یہ مصلحتیں ایسی ہیں جیسے جنت کے راستے میں پل صراط کو بال سے زیادہ باریک تلوار سے زیادہ تیز جس کو طے کرنا سہل کام نہیں اور جو طے نہ کرسکا وہ سیدھا جہنم میں پہنچا اس لئے ایسے پل پر خود چڑھنے کا ارادہ ہی نہ کرے۔ ان خطرات اور ہلاکت کے موقعوں کو پار کرنے کیلئے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ ارزاں (سستے) نہیں ہیں دین کامل، عقل کامل، نور باطن، ریاضت سے نفس کی اصلاح کرچکنا (یہ سب اس کے لئے ضروری ہیں) چونکہ ان سب کا جمع ہونا شاذ ہے اس لئے تعدد ازدواج (کئی بیویوں) کے چکر میں پڑنا اپنی دنیا کو تلخ اور برباد کرنا ہے یا آخرت اور دین کو تباہ کرنا ہے۔"

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے خود دو شادیاں فرمائی تھیں لہٰذا اپنا تجربہ بیان فرماتے ہیں:

"کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ خود کیوں اس مشورے کے خلاف کیا (اور دو شادیاں کیں) بات یہ ہے کہ خلاف کرنے سے ہی یہ مشورہ سمجھ میں آیا ہے۔ اس فعل سے مجھے تجربہ ہوگیا ہے اور تجربہ کار کا قول زیادہ ماننے کے قابل ہے۔ میں اپنے تجربے کی مدد سے اپنے بھائیوں اور احباب کو اس تعدد سے (کئی بیویاں کرنے سے) منع کرتا ہوں۔ اگر میں اس تعدد کو اختیار نہ کرتا تو میرے اس منع کرنے کی زیادہ وقعت آپ لوگ نہ کرتے لیکن اب اس ممانعت کی خاص وقعت ہوگی لہٰذا اس ممانعت پر عمل کرنا چاہیئے مگر ساتھ ہی احکام شرعیہ میں تحریف نہ کی جائے شرعی حکم تو یہی ہے کہ تعدد ازواج میں نکاح تو منعقد ہر حال میں ہوجاتا ہے خواہ عدل ہو یا نہ ہو لیکن عدل نہ کرنے کے وقت گناہ ہوگا............ بہتر طریقہ یہی ہے کہ تعدد (کئی بیویوں) کو اختیار نہ کیا جائے ایک ہی پر قناعت کی جائے اگرچہ ناپسند ہو "فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا" (اسلامی شادی ص ۲۳۴)

حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مسئلہ زیر بحث میں موقف اور یہ طویل اقتباس اس لئے نقل کیا گیا ہے تاکہ مسئلہ کا یہ دوسرا پہلو واضح اور شفاف ہوجائے کہ بلاوجہ دوسری شادی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور بلاضرورت اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈالا جائے البتہ جب ضرورت ہو مثلاً پہلی بیوی بانجھ ہو یا نافرمان ہو ہمبستری پر قدرت نہ دیتی ہو وغیرہ الغرض کوئی معقول

Marfat.com

وجہ ہو اور یہ شخص دونوں بیویوں میں انصاف کر سکتا ہو تو بہر حال اس شخص کیلئے تعدد ازواج کی گنجائش موجود ہے بلکہ ایسے آدمی کو دوسری شادی کر کے اپنی زندگی کو سکون دینا چاہیئے۔

البتہ اس تعدد ازواج کے مسئلے کا ایک تیسرا پہلو ہے اور وہ ہے "مغرب کا تعدد ازواج کے اسلامی حکم کے خلاف پروپیگنڈہ"......

جی ہاں! مغرب میں عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کیلئے زنا تو کھلے عام کیا جارہا ہے لیکن مرد کیلئے ایک سے زائد شادیاں کرنا ناقابلِ معافی جرم ہے۔ وہاں پر مردوں نے عورتوں کو بیوقوف بنانے کیلئے اور خود ہڈحرام بن کر عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے اور آزادی نسواں کا ملمع ساز نعرہ لگا کر انہیں اپنے جال میں اتارا اور اس کے مقابلے میں انہیں سوکن کی تکلیف سے آزاد کر دیا جبکہ ہر طرف سے فائدہ مرد کا ہی تھا لیکن بھولی عورت سمجھ نہ سکی۔

یہاں تفصیلات کا موقع نہیں، اس موضوع پر لکھے گئے تفصیلی مواد کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے کہ مغرب میں عورت کو کس طرح بیوقوف بنایا گیا لیکن اس سلسلے میں اسلام کے تعدد ازواج کے حکم کو بھی ہدف بنایا گیا اور اسے آزادی نسواں کے خلاف قرار دیا گیا اور عورتوں پر ظلم گردانا گیا جیسے مغرب میں انسانیت کی عقل ماری گئی تھی ویسے ہی مشرق میں بھی چند عقل کے مارے پیدا ہو گئے اور ایسی عورتیں بھی جو تعدد ازواج کو اپنے اوپر ظلم سمجھنے لگیں جبکہ حقیقتاً یہ عورتوں کیلئے ایک انعام تھا۔ بہر حال آج سے کچھ سال قبل ہمارے ملک پاکستان میں بھی ایسے قوانین نافذ کئے گئے جن پر تفصیلی جوابات اور ردّ لکھے گئے ہیں البتہ یہاں صرف اس قانون کی کچھ وضاحت تحریر کی جارہی ہے۔

حضرت اقدس مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"دفعہ ۶: تعدد ازواج: اس دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ ثالثی کونسل سے پیشگی تحریری اجازت لئے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا ساتھ ہی اسے دوسری شادی کرنے کی وجوہ بھی بیان کرنی ہوں گی، ثالثی کونسل یہ تحقیق کرے گی کہ آیا یہ دوسری شادی پہلی بیوی کی رضامندی سے ہو رہی ہے یا نہیں؟

جو شخص اس طرح اجازت لئے بغیر شادی کرے وہ ایک سال تک کی قید یا پانچ ہزار تک کا جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستحق ہوگا نیز اسے پہلی بیوی یا بیویوں کا مہر فوراً دینا پڑے گا خواہ وہ معجل ہو یا مؤجل۔" (ہمارے عائلی مسائل ص ۶۲)

ظاہر ہے ایک اسلامی ملک میں ایسا قانون جاری کرنا مغربی ذہنیت کی عکاسی اور دوسری شادی کرنے کو بذاتِ خود ایک برائی سمجھنا ہے جس کے لئے انتہائی کڑی شرائط اور ان شرائط پر عمل نہ کرنے پر مرد کو سزا کا مستحق قرار دیا جارہا ہے، اس سب کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ کفریہ سوچ کا عکاس ہے۔ اگر اسے مستقل قانون بنالیا جائے تو مغربی معاشرے کی طرح ہمارے معاشرے پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوں گے۔ فحاشی عام ہوگی اور شادی کرنا مشکل ہو جائے گی۔

الغرض تعدد ازواج کے مسئلے کے مختلف پہلو ہیں اس جہت سے کہ مغرب اسے برا سمجھتا ہے اور ایک سے زائد شادی کو مطلقاً ممنوع قرار دینا چاہتا ہے اس عمل کو برا سمجھنا درست نہیں بلکہ حقیقتاً تعدد ازواج کے اپنے فوائد اور مصالح ہیں بہت سی مطلقہ یا بیوہ عورتوں کو تعدد ازواج کا سہارا ہی زندہ رکھتا ہے بانجھ بیوی والے مرد کی اولاد کی خواہش یہی تعدد ازواج پورا کر سکتا ہے۔ غرض بہت سی مصلحتیں ہیں

Marfat.com

جہاں تعدد ازواج معاشرے کو اعتدال پر لاتا ہے اور بے اعتدالی کا قلع قمع کرتا ہے، ظاہر ہے وہاں تعدد ازواج پر عمل ضروری ہوگا اور اس میں نہ پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت ہوگی اور نہ حکومت کو سزا دینے کا اختیار۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تعدد ازواج فرمایا وہ بھی بہت سی مصالح کی بنیاد پر تھا جن میں سے ایک تو یہ کہ مختلف قبائل سے جب ازدواجی رشتہ جڑے گا تو وہ قریب آئیں گے اور اسلام کا ان قبائل میں تعارف ہوگا نیز مختلف شرعی مسائل عورتوں سے متعلق ہوتے ہیں لہذا ان کو سیکھنے اور آگے سکھانے کیلئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں متعدد بیویاں ہونا ضروری تھیں، ایک بیوی پورا بار نہ اٹھا سکتی تھی۔ الغرض بہت سی دینی مصلحتوں کے باعث آپ نے متعدد شادیاں فرمائیں نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عدل پر قدرت حاصل تھی پھر بھی آپ بے اعتدالی کے معاملے میں ڈرتے رہتے تھے۔

دور نبوی میں زیادہ شادیوں کی ایک وجہ مسلمانوں کی تعداد کا بڑھانا بھی مقصود تھا اسی لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کو زیادہ پسند فرمایا ہے لہٰذا جن ممالک میں مسلمانوں کی تعداد کمی کا شکار ہو مثلاً افغانستان، کشمیر وغیرہ یہاں نوجوانوں کی ضرورت ہے لہذا وہاں دوسری شادی کو رواج دینا چاہیئے البتہ جہاں ایسی کوئی ضرورت نہ ہو وہاں اس عمل سے اجتناب بہتر ہے لہٰذا کسی مرد کو ضرورت ہو تو علماء کے مشورے سے دوسری شادی کر سکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن بلا ضرورت شدیدہ ایسا اقدام کرنا درست نہیں کیونکہ ایک تو انصاف نہ ہو پائے گا دوسرا جھگڑا فساد الگ مول لینا پڑے گا۔

صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کو کوئی دینی یا دنیوی ضرورت نہیں بلکہ آپ کا ۸ سال سے بسا بسایا گھر بھی آپ کے فیصلے سے متاثر ہو رہا ہے لہٰذا آپ کو دوسری شادی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے، اسی میں بھلائی کی امید ہے۔ تعدد ازواج اگرچہ سنت عمل ہے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعدد فرمایا تھا لیکن اگر ایک سنت پر عمل دوسری طرف بہت سے منکرات (ناانصافی، حسد، جھگڑے، دینی کمزوریاں وغیرہ) کا سبب بن رہا ہو تو اسے ترک کیا جا سکتا ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے لہٰذا اگر آپ بھی اس نیت سے دوسری شادی سے باز رہیں کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو تو امید ہے اس پر آپ کو ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

Marfat.com

(۷۴۲) آٹھ بچوں والے کیلئے دوسری شادی کرنے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! مجھے ایک مسئلہ کے بارے میں معلوم کرنا ہے کہ ایک شخص جو کہ شادی شدہ ہے اور آٹھ بچوں کا باپ ہے جن میں چار بچے شادی شدہ ہیں اور چار بھی جوان ہیں مکان، دکان، کاروبار بھی ذاتی ہے اب وہ شخص دوسری شادی کرنے کا خواہشمند ہے جبکہ پہلی بیوی حقوق زوجیت اور گھر کے کام کاج کرنے کے بھی قابل ہے اور بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ بیوی، بچے راضی نہیں ہیں، ایسی صورت میں دوسری شادی کا کیا حکم ہے؟ اگر دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے تو ایسے شخص کو شرعی طور پر کیا کرنا چاہیئے اور اگر وہ دوسری شادی سے باز نہ آئے تو بیوی بچوں کو شرعی طور پر ایسے شخص کے متعلق کیا کرنا چاہیئے جبکہ وہ شخص دین سے بھی مکمل تعلق نہ رکھتا ہو؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا واضح حل تفصیل سے بتائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت مطہرہ نے مرد کو چار شادیاں کرنے کا حق دیا ہے بشرطیکہ تمام بیویوں کے مابین عدل وانصاف کے ساتھ پیش آئے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کیلئے دوسری شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ عدل وانصاف قائم کرنے پر قادر ہو اور آج کل چونکہ عدل وانصاف قائم کرنا بہت مشکل ہے چنانچہ ایک شادی پر اکتفاء کرنا چاہیئے اور اسی طرح اس آدمی کے چار جوان بچے بھی موجود ہیں لہٰذا اپنی دوسری شادی کرنے سے پہلے اُن کی شادی کی فکر کرے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء :۳) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

وفی الدر المختار باب القسم (۳/۲۰۱): (يجب) وظاهر الآية أنه فرض نهر (أن يعدل) أي أن لا يجور (فيه) أي في القسم بالتسوية في البيتوتة (وفي الملبوس والمأكول) والصحبة (لا في المجامعة) كالمحبة بل يستحب۔

وفی الرد تحته :(قوله وفی الملبوس والمأكول) أی والسكنی ۔۔۔ قال في البدائع يجب عليه التسوية بين الحرتين والأمتين في المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة وهكذا ذكر الولوالجي۔

Marfat.com

(۷۴۳) چار سے زائد شادیوں کا پچھلی امتوں میں حکم

سوال

مفتی صاحب! چار سے زائد شادیاں نہ کرنے کی پابندی صرف اس امت پر ہے یا اس سے پہلے بھی یہ پابندی تھی؟ اگر پہلے سے تھی تو یہ حکم عام تھا یا بعض کیلئے تھا اور بعض کیلئے نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

چار سے زائد شادیوں پر پابندی اس امت پر عائد کی گئی ہے، اس سے پہلی امتوں کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے البتہ جزوی طور پر اجازت منقول ہے جیسے حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کی سو (۱۰۰) بیویاں اور حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کی ہزار (۱۰۰۰) بیویاں تھیں۔

لمافی التفسیر البغوی (۳۹۱/۱): وهذا إجماع أن أحدًا من الأمة لا يجوز له أن يزيد على أربع نسوة، وكانت الزيادة من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم، لا مشاركة معه لأحد من الأمة فيها، وروي أن قيس بن الحارث كان تحته ثمان نسوة فلما نزلت هذه الآية قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: "طلق أربعا وأمسك أربعا" قال فجعلت أقول للمرأة التي لم تلد يا فلانة أدبري والتي قد ولدت يا فلانة أقبلي . وروي أن غيلان بن سلمة الثقفي أسلم وعنده عشر نسوة فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: "أمسك أربعا وفارق سائرهن"وإذا جمع الحرُّ بين أربع نسوة حرائر يجوز، فأما العبد فلا يجوز له أن ينكح أكثر من امرأتين عند أكثر أهل العلم۔

وفی اعلاء السنن (۶۳/۱۱): عن الزهری عن أبيه أن غيلان أسلم وتحته عشر نسوة فقال النبی ﷺ اختر منهن أربعا وفارق سائرهن: عن ابن عمر رضی الله عنهما قال أسلم غيلان وعنده عشر نسوة فقال رسول الله ﷺ أمسك أربعا وفارق سائرهن: قال المؤلف: قد علمت من هذا الباب أن تحريم الزائدة على الأربع ثابت بدليل قوی وقد صحح حديث غيلان أئمة الفن فلا يجترأ على القول بجواز التزوج من الزائدة على الأربع إلامن اتخذ إلهه هواه وفی النيل قال فی الفتح اتفق العلماء على أن من خصائصه ﷺ الزيادة على أربع نسوة يجمع بينهن۔

وفی قصص الأنبياء لابن كثير (۲۶۱/۲): عن عمر مولى عفرة قال قالت يهود لما رأت رسول الله ﷺ يتزوج النسآء انظروا إلى هذا الذی لايشبع من الطعام ولا والله ماله همة الا إلى النسآء

Marfat.com

حسدوا لكثرة نساءه وعابوه بذلك فقالوا لو كان نبيا ما رغب في النسآء وكان أشدهم في ذلك حي بن أخطب فأكذبهما الله وأخبرهم بفضل الله وسعته على نبيه صلوات الله وسلامه عليه فقال (أم يحسدون الناس على ما آتاهم الله من فضله) يعني بالناس رسول الله ﷺ (فقد أتينا آل ابراهيم الكتاب والحكمة وآتيناهم ملكا عظيما) يعني ما أتى الله سليمان بن داؤد كانت له ألف امرأة سبعمائة مهرية وثلثمائة سرية وكانت لداؤد عليه السلام مائة امرأة منهن امرأة واريا أم سليمان بن داؤد التي تزوجها بعد الفتنة هذا أكثر مما لمحمد ﷺ وقد ذكر الكلبي نحو هذا وانه كان لداؤد عليه السلام مائة امرأة ولسليمان ألف امرأة منهن ثلثمائة سرية۔

(٧٤٤) اسقاط حمل کا حکم

سؤال

میری بیوی کو حمل ٹھہرے ہوئے دس دن سے کچھ زیادہ ہوئے ہیں۔ میرا ایک ڈیڑھ سال کا بچہ ہے۔ ماں کا دودھ پیتا ہے۔ میرے گھریلو مسائل ہیں اور میں اپنے بچوں کی اچھی دینی اور دنیوی تربیت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے کل ۴ بچے ہیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ میں دودھ پیتے بچے کیلئے الگ سے دودھ کا انتظام نہیں کرسکتا ماں کا دودھ ضروری ہے اور حمل کی وجہ سے دودھ کا مسئلہ متاثر ہو رہا ہے۔ کیا میں دس سے پندرہ دن کے اس حمل کو ضائع کرا سکتا ہوں اس دودھ پیتے بچے کی وجہ سے یا میرے مسئلے کا کیا حل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا‌ؕ كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ

”زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق ایسی نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا رزق مہیا کرنا ضروری نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ان سب کے ٹھکانوں کو جانتا ہے۔“ (ھود:۱۱)

اس آیت میں واضح طور پر ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے کہ دنیا کی ہر مخلوق کی رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے لہٰذا انسان کیلئے مالی تنگی یا معاشی مسائل کی وجہ سے کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے بچے کی پیدائش متاثر ہو درست نہیں مثلاً ضبطِ تولید یا اسقاطِ

Marfat.com

حمل اس وجہ سے کرانا کہ زیادہ بچے ہو گئے تو ان کی کفالت کون کرے گا یہ بات درست نہیں۔

حمل کو جب چار ماہ گزر جائیں تو اس میں روح پھونک دی جاتی ہے چار ماہ پورے ہونے سے قبل ابتدائی چالیس دن نطفے کی شکل میں ہوتا ہے پھر دوسرے چالیس دن وہ علقہ (خون کے لوتھڑے) کی صورت میں رہتا ہے اور آخری چالیس دن مضغہ (گوشت کے لوتھڑے) کی شکل میں ہوتا ہے اور پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے لہٰذا گناہ کے اعتبار سے بھی ان کے مراتب مختلف ہیں۔ نطفے کی شکل میں گناہ کم ہے، علقہ میں اس سے زیادہ اور مضغہ کے اسقاط میں گناہ اس سے بھی زیادہ ہے اور روح پھونک دیئے جانے یعنی چار ماہ کے بعد اسقاطِ حمل کا گناہ قتل نفس کے برابر ہے، یعنی گویا اس نے ایک زندہ انسان کو جان سے مار دیا جس کا بدترین گناہ ہونا کسی پر مخفی نہیں۔ الغرض حتی الامکان اس فعل سے اجتناب لازمی ہے البتہ اگر کوئی واقعی شرعاً معتبر عذر ہو تو (چار ماہ سے قبل کے عرصے میں) اسقاط کی گنجائش ہے مثلاً عورت حمل کا بوجھ برداشت نہ کرسکتی ہو جان کا خطرہ ہو یا حمل سے عورت کا دودھ بند ہو جائے جس سے پہلے بچے کا نقصان ہو وغیرہ تو اس صورت میں حمل کو چار ماہ گزرنے سے قبل تک اسقاط کرا دینا جائز ہے۔

صورت مسئولہ میں چونکہ پہلے بچے کے دودھ کا مسئلہ ہے اور حمل کو ابھی چند دن ہی گزرے ہیں لہٰذا آپ کیلئے اس عذر کی بنا پر اسقاطِ حمل کی گنجائش ہے۔

لما فی البخاری(۱۱۱۰/۲)باب قوله تعالى: {ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين} [الصافات]: سمعت عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق: " أن خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوما أو أربعين ليلة، ثم يكون علقة مثله، ثم يكون مضغة مثله، ثم يبعث إليه الملك فيؤذن بأربع كلمات، فيكتب: رزقه، وأجله، وعمله، وشقي أم سعيد، ثم ينفخ فيه الروح، فإن أحدكم ليعمل بعمل أهل الجنة حتى لا يكون بينها وبينه إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار فيدخل النار، وإن أحدكم ليعمل بعمل أهل النار، حتى ما يكون بينها وبينه إلا ذراع، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل عمل أهل الجنة فيدخلها "

وفی الشامية(۱۷۶/۳): مطلب في حكم إسقاط الحمل قوله (وقالوا الخ) قال في النهر بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح ما لم يتخلق منه شيء ولن يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط لأن التخليق يتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة كذا في الفتح وإطلاقهم يفيد عدم توقف جواز إسقاطها قبل المدة المذكورة على إذن الزوج وفي كراهة الخانية ولا أقول بالحل إذ المحرم لو كسر بيض الصيد ضمنه لأنه أصل الصيد فلما كان يؤاخذ بالجزء فلا أقل من أن يلحقها اثم هنا إذا أسقطت

Marfat.com

بغير عذر اھ قال ابن وهبان ومن الأعذار أن ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل وليس لأبي الصبي ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاكه۔

(۷۴۵) اولاد کے اخراجات کے ڈر سے اسقاطِ حمل حرام ہے

سؤال

مفتی صاحب! (۱)......دو ماہ تا چار ماہ کا جائز حمل صفائی کرواسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲)......شوہر صفائی کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اخراجات برداشت نہیں کرسکتا؟

(۳)......حمل کے دوران طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۴)......حمل کے دوران اگر طلاق ہوجاتی ہے تو اس کی عدت کیسے ہوگی اور کتنی مہینے کی ہوگی؟

(۵)......طلاق کے بعد مہر کی رقم شوہر پر واجب ہے یا نہیں؟

(۶)......پہلی بچی کی عمر گیارہ سال، دوسرے لڑکے کی عمر دس سال، تیسری بچی کی عمر نو سال، چوتھے بچے کی عمر چھ سال، پانچویں بچی کی عمر پانچ سال ان تمام بچوں میں سے ماں کو رکھنے کا حق کتنی عمر کے بچوں کا ہے؟

(۷)......اگر شوہر ان پانچوں بچوں کو نہ دے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۸)......شوہر اگر اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور لڑکی اگر اپنے ماں باپ کے گھر آجائے تو لڑکی اپنے شوہر سے شرعی طور پر کیا کیا حق لے سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱)......اگر بچے کی ولادت سے جان کی ہلاکت یا جان لیوا بیماری لگنے کا خوف ہو تو اس صورت میں چار ماہ سے کم مدت کا حمل صاف کروانے کی گنجائش ہے لیکن بالکلیہ طور پر ولادت کی صلاحیت ختم کردینا جائز نہیں۔

(۲)......اولاد کے اخراجات کے ڈر سے اسقاط حمل کرنا بالکل جائز نہیں۔ یہ باطل نظریہ رکھنے والوں کا فلسفہ ہے کہ اگر اولاد بڑھتی جائے گی تو کہاں سے کھائے گی، اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ الخ۔

”اور زمین پر کوئی چوپایا نہیں ہے مگر اللہ پر اس کے رزق کی ذمہ داری ہے“

یعنی اللہ جل شانہ نے ہر ایک کے رزق کا بندوبست فرما رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کیڑے مکوڑے، درندے کو بھوکا نہیں مارتا کیا ان کو اللہ کے علاوہ کوئی اور کھلانے والا ہے؟ بلکہ سب مخلوق کو مساوی طور پر اس کی ضروریات کے بقدر اللہ جل شانہ رزق فراہم کرتے ہیں

Marfat.com

لہذا یہ نظریہ رکھنا کہ اخراجات کے بڑھنے کے ڈر سے اسقاط حمل کرنا اور کروانا جائز ہے بالکل غلط اور باطل ہے بلکہ بلاشرعی عذر کے اسقاط حمل کرنا، کرانا شریعت میں بالکل حرام ہے۔

(۳)......دورانِ حمل طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

(۴)......دورانِ حمل طلاق دی جائے تو اس کی عدت وضع حمل (بچے کی ولادت) تک ہے۔

(۵)......شوہر پر مہر کی ادائیگی بہرصورت فرض ہے، چاہے طلاق کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

(۶)......مذکورہ صورت میں ۶ سالہ بچے کو سات سال تک اور پانچ سالہ بچی کو ۹ سال تک ماں کو حق پرورش حاصل ہے۔ ان کے علاوہ دیگر بچوں سے متعلق ماں کو حقِ پرورش نہیں۔

(۷)......شرعی احکام کو سر تسلیم خم کرنا شان بندگی ہے اور اس سے ترش روئی و بیزار ہونا ہلاکت ہے، جن بچوں پر ماں کو حق پرورش حاصل ہے وہ بچے ماں کو سپرد کردینا شوہر پر لازم ہے وگرنہ گناہگار ہوگا۔

(۸)......شوہر کے گھر پر عدت گزارنا ضروری ہے، اور شوہر پر عدت کے مکمل ہونے تک مطلقہ بیوی کا نفقہ وسکنی لازم ہے (کھانا پینا ورہائش) لیکن اگر شوہر کے گھر پر بلاوجہ عدت نہ گزارے تو شوہر پر عورت کا کوئی حق نہیں البتہ مہر بہرصورت لازم ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۸۶): لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

(الأسراء: ۳۱): وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا۔

(الطلاق:۴): وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔

(البقرة:۲۳۳): وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔

(البقرة: ۲۳۶): وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ

(الطلاق:۶): أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ۔

(النسآء:۴): وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً۔

وفی الدر المختار (۳/۵۷۵): (لا) نفقة لأحد عشر ـــ و (خارجة من بيته بغير حق) وهي الناشزة حتى تعود۔

وفی الرد تحته: قوله (وهي الناشزة) أي بالمعنى الشرعي أما في اللغة فهي العاصية على الزوج المبغضة له۔

وفی الشامية (۶/۴۲۹): (قوله ويكره إلخ) أي مطلقا قبل التصور وبعده على ما اختاره في الخانية كما

Marfat.com

قدمناه قبيل الاستبراء وقال إلا أنها لا تأثم إثم القتل (قوله وجاز لعذر) كالمرضعة إذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها وليس لأبي الصبي ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوما ، وجاز لأنه ليس بآدمي وفيه صيانة الآدمي خانية۔

وفی الدر المختار(۵۶۶/۳):(والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب ـ ـ ـ (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقا زيلعي (وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة كذلك) وبه يفتى لكثرة الفساد زيلعي۔

وفی الشامية :قوله (مشتهاة اتفاقا) بل في محرمات المنح بنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا سائحاني قوله (كذلك) أي في كونها أحق بها حتى تشتهي قوله (وبه يفتى) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل أن الفتوى على خلاف ظاهر الرواية۔

(۷۴۶)ناجائز حمل کے اسقاط کا حکم

سؤال

اگر کسی عورت سے زنا سرزد ہو جائے اور حمل ٹھہر جائے تو آیا ذلت سے بچنے کیلئے اسقاط حمل جائز ہے یا نہیں؟ بالخصوص جبکہ لڑکی کی شادی میں تاخیر ہو تو اس صورت میں آیا ذلت سے بچنے کی شرعاً کیا صورت ہے؟ وضاحت فرمادیں جبکہ شریعت مطہرہ میں گناہ کو چھپانے کی ترغیب دی گئی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اسقاط حمل کرنا، چاہے حمل نکاح سے ہو، یا زنا سے، بچہ میں روح پڑنے سے قبل ضرورت اور عذر کی بناء پر جائز ہے اور جب بچے میں روح پڑ جائے [جس کی مدت تقریباً چار ماہ ہے] تو پھر اسقاط حمل جائز نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں حمل اگر اتنی مدت نہیں رہا جس میں روح پڑ جائے تو پھر ذلت و عار سے بچنے کیلئے اسقاط کی گنجائش ہے اور اگر اتنی مدت گزر گئی جس میں روح پڑ گئی ہو تو پھر اسقاط حمل کرنا بالکل ناجائز ہے۔

لما فی الهداية(۳۱۵/۲): ولأبي حنيفة رحمه الله أن الناس عرفوها بكرا فيعيبونها بالنطق فتمتنع عنه فيكتفي بسكوتها كيلا تتعطل عليها مصالحها۔

Marfat.com

وفی الشامية (١٧٦/٣): مطلب في حكم إسقاط الحمل قوله (وقالوا الخ) قال في النهر بقي هل يباح الإسقاط بعد الحمل نعم يباح ما لم يتخلق منه شيء ولن يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط لأن التخليق يتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة كذا في الفتح ـــ فلا أقل من أن يلحقها إثم هنا إذا أسقطت بغير عذر اھ

(٧٤٧) ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے استقرارِ حمل کا حکم

سوال

زید شادی شدہ ہے کافی عرصہ ہوا لیکن اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ کافی علاج کے بعد ڈاکٹروں نے بتایا ہے کہ ایک مصنوعی طریقہ اختیار کر کے کسی آلے کے ذریعے زید کی منی اس کی بیوی کی بچہ دانی (رحم) میں منتقل کی جا سکتی ہے اور اس سے بچہ پیدا ہونے کی کافی امید ہے لیکن وہ متذبذب ہے کہ کیا شرعاً یہ عمل کرنا جائز ہے؟ از راہِ کرم جلد از جلد مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں ذکر کردہ طریقہ ٹیسٹ ٹیوب کا طریقہ کار کہلاتا ہے اگر میاں بیوی کو فطری طریقے سے اولاد نہ ہو رہی ہو اور یہ طریقہ اختیار کر کے اولاد ہونے کا احتمال ہو تو چند باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے:

(۱) نطفہ شوہر کا ہو اس صورت میں بچہ بھی شوہر کا ہوگا یعنی شوہر کے نطفے کو بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے یا شوہر اور بیوی کے نطفوں کو نکال کر علیحدہ رکھ کر پھر بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے بوقتِ ضرورت عذر کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے اور اس سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہوگی۔

اگر نطفہ شوہر کا نہیں بلکہ کسی اور مرد کا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس غیر مرد کی رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو ایسا کرنا قطعاً حرام اور زنا کے حکم میں ہے چونکہ یہ نطفہ حرام کا ہے اور اس کی کوئی حرمت نہیں لہٰذا اس سے پیدا شدہ بچہ کا نسب اس غیر مرد سے ثابت نہ ہوگا البتہ شوہر سے اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا الا یہ کہ شوہر اس بچے کی اپنے سے نفی کر دے اور گواہوں سے ثابت کر دے کہ عورت نے مصنوعی طریقے سے غیر کا نطفہ اپنے رحم میں داخل کروایا ہے یا عورت خود اس عمل کا اقرار کر لے تو پھر یہ بچہ غیر ثابت النسب ہو جائے گا۔ اس بچے کی نسبت اپنی ماں کی طرف ہوگی۔

نطفہ غیر شوہر کا ہونے کی صورت میں دوسری صورت یہ ہے کہ وہ نطفہ غیر شوہر سے دھوکہ میں رکھ کر حاصل کیا گیا ہو اس صورت میں بچہ کا نسب اس غیر مرد سے ثابت ہوگا مثلاً غیر شوہر کو علاج یا اس کی اپنی بیوی کے رحم میں داخل کرنے کا کہہ کر نطفہ حاصل کیا گیا ہو اور

Marfat.com

کسی اور کی بیوی کے رحم میں داخل کر دیا گیا ہو۔ یہ عمل وطی بالشبہہ کی طرح ہوگا۔ عورت پر شوہر سے ہمبستری سے قبل عدت گزارنا ضروری ہوگی البتہ ڈاکٹر یا شوہر وغیرہ میں سے جو بھی قصداً اس عمل کا مرتکب ہوا ہے وہ ایک کبیرہ گناہ اور حرام فعل کا مرتکب ہوا ہے اسے اس پر سخت توبہ واستغفار کرنی چاہیئے۔

الغرض درست صورت فقط یہ ہے کہ شوہر کے نطفے کو بیوی کے رحم میں ڈال دیا جائے یا دونوں کے مادہ منویہ کو الگ سے اکٹھا کر کے بیوی کے رحم میں رکھ دیا جائے اس کے علاوہ تمام صورتیں شکوک وشبہات والی ہیں، جن پر عمل جائز نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ملحوظ رہے کہ میاں، بیوی کے نطفوں کو مختلط کر کے بیوی کے رحم میں رکھنا ضروری ہے بیوی کے رحم کے علاوہ کسی اور رحم میں انکار رکھنا جائز نہیں، چاہے وہ دوسری بیوی کا رحم ہی کیوں نہ ہو، یہ فعل قطعاً حرام اور گناہِ کبیرہ ہے جس کی کسی صورت میں کوئی گنجائش نہیں۔

(۳) ظاہر ہے اس عمل کیلئے میاں بیوی کو اپنی شرمگاہ برہنہ کرنا پڑے گی تو اس کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ میاں بیوی خود ہی اس فعل کو انجام دیں اور اگر ڈاکٹر کی خدمات لینا ضروری ہوں تو مرد سے متعلق امور کا مرد ڈاکٹر اور عورت سے متعلق امور کا عورت ڈاکٹر کیلئے انجام دینا ضروری ہے۔ کسی نامحرم کے سامنے اپنی شرمگاہ کا کھولنا اس عمل کیلئے قطعاً جائز نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر ان تینوں امور کا لحاظ رکھا جائے یعنی مادہ منویہ شوہر کا ہو اسے بیوی کے رحم میں رکھا جائے اور مرد اور عورت سے متعلق امور ہم جنس ڈاکٹر انجام دیں تو پھر عذر کی بنا پر اس فعل کے کرانے کی گنجائش ہے۔ کسی بھی ایک شرط کے مفقود ہونے کی صورت میں یہ حلت حرمت میں تبدیل ہوجائے گی۔

لما في الشامية (۵۲۸/۳): قوله (أدخلت منيه) أي مني زوجها من غير خلوة ولا دخول أما لو أدخلت مني غيره فقد قدمناه في الموطوءة بشبهة قوله (في البحر بحثا نعم) حيث قال ولم أر حكم ما إذا وطئها في دبرها أو أدخلت منيه في فرجها ثم طلقها من غير إيلاج في قبلها و في تحرير الشافعية وجوبها فيهما ولا بد أن يحكم على أهل المذهب به في الثاني لأن إدخال المني يحتاج إلى تعرف براءة الرحم أكثر من مجرد الإيلاج اه يعني وأما في الأول فلا لأن الوطء في الدبر إن كان في الخلوة فالعدة تجب بالخلوة وإن كان بغير خلوة فلا حاجة إلى تعرف البراءة لأنه سفح الماء في غير محل الحرث فلا يكون مظنة العلوق۔

وفيه أيضاً (۵۰۴/۳): أما الفاسد فلا تجب فيه العدة إلا بالوطء كما مر في باب المهر ويأتي قلت ومما جرى مجراه ما لو استدخلت منيه في فرجها كما بحثه في البحر وسيأتي في الفروع آخر الباب۔

وفيه أيضا (۳۷۱/۶): إذا كان المرض في سائر بدنها غير الفرج يجوز النظر إليه عند الدواء لأنه موضع ضرورة وإن كان في موضع الفرج فينبغي أن يعلم امرأة تداويها فإن لم توجد

Marfat.com

وخافوا عليها أن تهلك أو يصيبها وجع لا تحتمله يستر منها كل شيء إلا موضع العلة ثم يداويها الرجل ويغض بصره مااستطاع إلا عن موضع الجرح اه فتأمل والظاهر أن ينبغي هنا للوجوب۔

وفى المنفصل (٩/٢٩٠): طرق التلقيح الصناعى لإيجاد الأولاد: أولا: يجرى تلقيح بين نطفة مأخوذة من زوج وبيضة مأخوذة من امرأة ليست زوجته ثم تزرع اللقيحة فى رحم زوجته۔

ثانيا: أن يجرى التلقيح بين نطفة رجل غير الزوج وبيضة الزوجة ثم تزرع تلك فى رحم الزوجة۔

ثالثا: أن يجرى تلقيح خارجى بين منى من الزوج وبيضة مأخوذة من الزوجة ثم تزرع اللقيحة فى رحم امرأة متطوعة بحملها۔

رابعا: أن يجرى تلقيح خارجى بين نطفة من رجل أجنبى وبيضة من زوجة وتزرع اللقيحة فى رحم الزوجة۔

خامسا: أن يجرى تلقيح خارجى بين نطفة الزوج وبيضة من الزوجة ثم تزرع اللقيحة فى رحم الزوجة الأخرى لهذا الزوج لأن له زوجتين۔

سادسا: أن تؤخذ نطفة من الزوج وبيضة من الزوجة ويتم التلقيح خارجيا ثم تزرع اللقيحة فى رحم الزوجة۔

سابعا: أن تؤخذ نطفة من الزوج وتحقن فى الموضع المناسب من مهبل زوجته أو رحمها لتلقح تلقيحا داخليا۔

”حكم الشرع فى طرق التلقيح الصناعى“: قرر مجلس الفقه الإسلامى المنعقد فى دورة مؤتمرة الثالث فى عمان من ٨۔١٢ صفر سنة ١٤٠٧ھ بشأن هذه الطرق، طرق التلقيح الصناعى مايأتى: إن الطرق الخمسة الأولى كلها مخرمة شرعا وممنوعة منعا باتا لذاتها أولما يترتب عليها من اختلاط الأنساب وضياع الأمومة وغير ذلك من المحاذير الشرعية أما الطريقان السادس والسابع فقد رأى مجلس المجمع أنه لا حرج من اللجوء إليها عند الحاجة مع التأكيد على ضرورة أخذ كل الاحتياطات اللازمة۔

Marfat.com

(۷۴۸) ٹیسٹ ٹیوب وغیرہ سے لعان اور تعزیر

سؤال

ایک عورت اگر زنا کی مرتکب ہو اور وہ شادی شدہ ہو تو زنا سے پیدا شدہ بچے کی اگر شوہر نفی کر دے تو لعان کی قسمیں اٹھتی ہیں اور بچہ غیر ثابت النسب قرار دے دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح ایک عورت کسی غیر مرد کا نطفہ ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعے اپنے رحم میں ڈلوائے اور اس سے بچہ پیدا ہو جائے اور مرد کہے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں تو کیا اس بچے پر لعان ہوگا؟ یعنی زنا کی طرح جان بوجھ کر غیر کی منی رحم میں ڈلوانے میں لعان کا حکم آئے گا؟

(۲) نیز جو ڈاکٹر یا ہر وہ شخص جو قصداً یا دھوکہ سے غیر شوہر کا نطفہ حاصل کر کے عورت کے رحم میں ڈالے اس ڈاکٹر وغیرہ پر تعزیر آئے گی یا نہیں؟

(۳) نیز ایک شوہر اپنا اور اپنی بیوی کا نطفہ نکال کر کسی تیسری عورت کے رحم میں رکھواتا ہے کیونکہ بیوی حمل کی متحمل نہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ اور ایسا کرنے والے پر تعزیر آئے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) لعان میاں بیوی کے درمیان اس وقت جاری ہوتا ہے جبکہ شوہر بیوی پر ایسی تہمت لگائے کہ جس سے رجوع کی صورت میں شوہر پر حد قذف لگے اور عورت کے اقرار کی صورت میں اس پر حد زنا لگے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے بیوی پر ان الفاظ سے تہمت لگائی ہے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے بلکہ بیوی نے ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ اپنے رحم میں غیر کا نطفہ ڈلوایا ہے تو اس صورت میں میاں بیوی کے درمیان لعان جاری نہیں ہوگا کیونکہ عورت اگر ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ رحم میں اجنبی کا نطفہ ڈلوائے تو اگرچہ یہ حرام تو ہے لیکن اس کی وجہ سے عورت کو حد زنا نہیں لگتی اور نہ ہی اس پر اس بات کی تہمت لگانے والے کو حد قذف لگتی ہے البتہ اگر مرد صراحۃً یہ کہتا ہے کہ اس نے زنا کیا ہے جس کی وجہ سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے یا صرف بچے کی نفی کر رہا ہے اور یہ مقصود بیان نہیں کر رہا ہے کہ ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ ہوا ہے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان کا حکم جاری ہوگا۔

(۲) جو ڈاکٹر یا شخص قصداً یا دھوکہ سے غیر شوہر کا نطفہ حاصل کر کے عورت کے رحم میں ڈالے وہ ڈاکٹر اور شخص قابل تعزیر ہے اسی طرح جس شخص کا نطفہ ہے اگر اس کو بھی معلوم ہے کہ میرا نطفہ نکال کر اجنبیہ کے رحم میں ڈالا جائے گا تو وہ بھی تعزیر کا مستحق ہے البتہ اگر اسے علم نہ ہو تو وہ معذور ہے۔

(۳) اسی طرح میاں بیوی کا نطفہ کسی اجنبی عورت کے رحم میں ڈالنے والا ڈاکٹر یا شخص اور ایسا کروانے والے میاں بیوی سب کے سب تعزیر کے مستحق ہیں البتہ اگر ضرورت کے وقت میاں بیوی کا نطفہ خاص ترکیب سے بیوی کے رحم میں ڈالا جائے تو اس صورت

Marfat.com

میں میاں بیوی تعزیر کے مستحق نہیں ہیں اور اس صورت میں اگر نامحرم ڈاکٹر سے خدمت لی گئی تو اگر چہ یہ بھی گناہ ہے لیکن پہلے سے کم ہے لہٰذا اس صورت میں وہ ڈاکٹر، میاں، بیوی تعزیر کے مستحق نہیں ہوں گے البتہ اس عمل کو نامحرم ڈاکٹر سے کرانے کی وجہ سے تینوں گناہگار ہوں گے۔

لمافی المشكوة المطبوع مع المرقاة (٣٦٤/٦) باب الاستبراء (ط رشيديه): وعن رويفع بن ثابت الأنصاري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين: " لا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقي ماء زرع غيره " يعني إتيان الحبالى "

وفى المفصل فى احكام المرأة والبيت المسلم (٣٩٠/٩): طرق التلقيح الصناعى لإيجاد الأولاد: أولا: يجرى تلقيح بين نطفة مأخوذة من زوج وبيضة مأخوذة من امرأة ليست زوجته ثم تزرع اللقيحة فى رحم زوجته۔

ثانيا: أن يجرى التلقيح بين نفطة رجل غير الزوج وبيضة الزوجة ثم تزرع تلك فى رحم الزوجة۔

ثالثا: أن يجرى تلقيح خارجى بين منى من الزوج وبيضة مأخوذة من الزوجة ثم تزرع اللقيحة فى رحم امرأة متطوعة بحملها۔

رابعا: أن يجرى تلقيح خارجى بين نطفة من رجل أجنبى وبيضة من زوجة وتزرع اللقيحة فى رحم الزوجة۔

خامسا: أن يجرى تلقيح خارجى بين نطفة الزوج وبيضة عن الزوجة ثم تزرع اللقيحة فى رحم الزوجة الأخرى لهذا الزوج لأن له زوجتين۔

سادسا: أن تؤخذ نطفة من الزوج وبيضة من الزوجة ويتم التلقيح خارجيا ثم تزرع اللقيحة فى رحم الزوجة۔

سابعا: أن تؤخذ نطفة من الزوج وتحقن فى الموضع المناسب من مهبل زوجته أو رحمها لتلقح تلقيحا داخليا۔

"حكم الشرع فى طرق التلقيح الصناعى": قرر مجلس الفقه الإسلامى المنعقد فى دورة مؤتمرة الثالث فى عمان من ٨۔١٣ صفر سنة ١٤٠٧ھ بشأن هذه الطرق، طرق التلقيح الصناعى مايأتى: إن الطرق الخمسة الأولى كلها محرمة شرعا وممنوعة منعا باتا لذاتها أولما يترتب عليها من اختلاط الأنساب وضياع الأمومة وغير ذلك من المحاذير الشرعية أما الطريقان السادس

Marfat.com

والسابع فقد رأى مجلس المجمع أنه لا حرج من اللجوء إليها عند الحاجة مع التأكيد على ضرورة أخذ كل الاحتياطات اللازمة۔ فتوى شيخ الازهر فی التلقيح الصناعی ۔۔۔ قال إنه أی التلقيح الصناعی إذا كان التلقيح بماء رجل أجنبی عن المرأة لا يربط بينهما عقد زواج فهو فی هذه الحالة يكون فی نظر الشريعة الإسلامية جريمة منكرة وإثما عظيما يلتقی مع الزنا ۔الخ۔ ولولا قصور فی صورة الجريمة لكان حكم التلقيح فی تلك الحالة هو حكم الزنا۔

وكذا فيه(۲۴۷/۸) المقذوف به هو الزنی فيشرط إذن فی الفعل المقذوف به أن يكون زنی حسب المفهوم الشرعی للزنی وهو الذی يستوجب حد الزنی فإذا لم يوصف الفعل بأنه زنا شرعا أو لم يستوجب الحد الشرعی للزنی فإن القذف به لا يعتبر قذفا بالزنا وبالتالی لا يجب فيه حد القذف ولا يجری به اللعان۔

والقاعدة التی ترجع إليها الشروط فی المقذوف به هی: كل ما يوجب حد الزنی بفعله يجب حد القذف بالقذف به وكل ما لا يجب حد الزنی بفعله لا يجب حد القذف به۔

وفی الشامية (۶۶/۴) باب التعزير: وذكر في البحر أن الحاصل وجوبه بإجماع الأمة لكل مرتكب معصية ليس فيها حد مقدر كنظر محرم ومس محرم وخلوة محرمة وأكل ربا ظاهر اھ قلت وهذه الكلية غير منعكسة لأنه قد يكون في معصية فيها حد كزنا غير المحصن فإنه يجلد حدا وللإمام نفيه سياسة وتعزيرا كما مر في بابه۔

(۷۴۹) ضبطِ تولید کا حکم

سؤال

اگر کوئی عورت بچوں کو ناپسند کرتی ہو اور وہ یہ چاہتی ہو کہ اس کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو اور وہ بذریعہ آپریشن اپنی قوت تولید کو ختم کروالے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے، اگر غلط ہے تو کفارے کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اس عورت کا یہ فعل بالکل غلط ہے اور اس کا یہ فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی خلاف ورزی ہے جس میں اس عورت سے شادی کرنے کا حکم فرمایا ہے جو زیادہ اولاد جننے والی ہو اور اگر اس عورت نے یہ فعل کیا ہے تو سخت گناہ کا کام کیا ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے۔

Marfat.com

لما فی صحیح البخاری (٧٥٩/٢): عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قلت: يا رسول الله إني رجل شاب، وأنا أخاف على نفسي العنت، ولا أجد ما أتزوج به النساء، فسكت عني ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني ، ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني ثم قلت مثل ذلك، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا أبا هريرة جف القلم بما أنت لاق فاختصر على ذلك أو ذر.

وفی الشامية (١٧٦/٣): [تنبيه] أخذ في النهر من هذا ومما قدمه الشارح عن الخانية والكمال أنه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها.

وفی الفتاوىٰ اللجنة الدائمة (٣١٨/١٩): الأصل في تحديد النسل وتنظيمه عدم الجواز؛ لمخالفته لما جاء في الشريعة الإسلامية من النهي عن التبتل المراد به: الانقطاع عن النكاح والتشديد في ذلك، والأمر بتزوج الولود، فيكون تناول حبوب منع الحمل أو غيرها لمنع الحمل غير جائز، إلا في حالات ضرورية نادرة، كأن يحدث الحمل للمرأة أتعابا وأمراضا فوق ما يلحق الحوامل عادة من أمراض الحمل والولادة فعند ذلك يجوز تناول ما يمنع الحمل تداويا، لا فرارا من النسل؛ لقول الله سبحانه: {فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ} وقوله: {لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا} وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

(٧٥٠) بوجہ عذر تولیدی صلاحیت ختم کرانے کا حکم

سؤال

میرے ایک عزیز ہیں ان کے ماشاء اللہ سات بچے ہیں اب ان کی اہلیہ کی طبیعت بہت خراب رہتی ہے بلڈ پریشر بہت لو(low) رہتا ہے۔ کمزوری بھی زیادہ ہے۔ ڈاکٹر نے بھی کہا ہے کہ اب پیدائشی مرحلے سے گزرنے کی صورت میں عورت کی جان کو شدید خطرہ ہے۔ موانع حمل طریقے اپنانے پر عورت کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں نسبندی یا عورت کی بچہ دانی نکلوا دینے کی گنجائش ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

کسی بھی عورت کیلئے اپنی تولیدی صلاحیت کا ختم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"عن سعد بن ابی وقاص ﷺ قال ردّ رسول الله ﷺ على عثمان بن مظعون التبتل ولو أذن له لا

Marfat.com

ختصينا"

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے نکاحی زندگی گزارنے سے منع فرمادیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے تو ہم اپنے آپ کو خصی بنالیتے۔'' (مشکوۃ ص ۲۶۷)

اس فعل میں اللہ عزوجل کی تخلیق کو بدلنا یا فطری امر کو اپنی صفت سے تبدیل کرنا لازم آتا ہے، عام اوقات میں اس کی کوئی گنجائش نہیں چاہے تولیدی صلاحیت ختم کرانے کیلئے رحم کو نکلوایا جائے یا اس کا منہ بند کردیا جائے یا کوئی بھی ایسا طریقہ جو رحم میں استقرارِ حمل سے دائمی طور پر مانع ہو اختیار کرنا جائز نہیں۔

البتہ اگر ضرورت اس امر کی متقاضی ہو اور استقرارِ حمل سے عورت کی جان کو خطرہ لاحق ہونے کا ظن غالب ہو مثلاً ڈاکٹر حضرات یہ تشخیص کردیں کہ اب اس عورت کو حمل ہوا تو اسے مہلک بیماریاں لگ سکتی ہیں یا اب اس میں حمل کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں تو اس صورت میں اگر موانع حمل طریقے (مثلاً کنڈوم یا دیگر طریقہ کار) بھی مضر ہوں تو عورت کیلئے یہ گنجائش ہے کہ وہ اپنی تولیدی صلاحیت کو ختم کردے البتہ اگر موانع حمل طریقے مضر نہ ہوں تو اسی پر اکتفاء کیا جائے تولیدی صلاحیت ختم کرنے کی حاجت نہیں۔

صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کے عزیز کی اہلیہ کے سات بچے ہیں اور ڈاکٹر نے بھی اب پیدائشی مرحلے سے گزرنے پر عورت کی جان کو خطرہ کہا ہے لہٰذا ڈاکٹر اگر مسلمان حاذق ہو نیز موانع حمل طریقے بھی اس عورت کیلئے مضر ہو سکتے ہوں تو آپ کے عزیز کی اہلیہ کیلئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی تولیدی صلاحیت ختم کردیں لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر ان کیلئے اس کی گنجائش نہیں۔

لما في الكلام المجيد (المائدة: ٨٧): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

وفي الدر المختار (١٧٦/٣): وقالوا يباح إسقاط الولد قبل أربعة أشهر ولو بلا إذن الزوج۔

وفي الرد تحته: تنبيه أخذ في النهر من هذا ومما قدّمه الشارح عن الخانية والكمال أنه يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها قلت لكن في البزازية أن له منع امرأته عن العزل اھ نعم النظر إلى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين فما في البحر مبني على ما هو أصل المذهب وما في النهر على ما قاله المشايخ والله الموفق۔

وفي الشامية (٣٢٨/٥): يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاءه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه۔

Marfat.com

(۷۵۱) خاندانی منصوبہ بندی کا شرعی حکم

سؤال

مفتی صاحب! خاندانی منصوبہ بندی کی شرعی حیثیت کیا ہے اور اس سے متعلق ان سوالوں کے جوابات تحریر فرمادیں:

۱)......آج کل حکومت کی طرف سے جو عورتیں مقرر ہیں اور وہ باقاعدہ گھروں پر جاتی ہیں اور دوسری عورتوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

۲)......اجتماعی اور انفرادی طور پر اس پر عمل کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

۳)......کیا ضرورت کی بناء پر جواز کی کوئی صورت ہے؟

ازراہ کرم تحقیقی جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

خاندانی منصوبہ بندی کی دو صورتیں ہیں:

۱)......قطعِ نسل: یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے دائمی طور پر قوت تولید ختم ہوجائے جیسا کہ عورت اپنی نسبندی کرالے یا مرد خصی بن جائے، یہ حرام ہے کسی مسلمان کیلئے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں، اس میں اللہ ﷻ کی تخلیق کو تبدیل کرنا پایا جاتا ہے جو کہ درست نہیں۔

۲)......منع حمل: یعنی کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے عارضی طور پر حمل نہ ٹھہرے، بغیر کسی عذر کے ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے البتہ اگر میاں بیوی کو کوئی عذر لاحق ہو مثلاً دونوں دور دراز کے سفر پر ہوں اور حمل مشکلات کا سبب بن سکتا ہو یا حمل کی وجہ سے پہلے بچے کو دودھ پلانا متاثر ہو رہا ہو تو اس طرح کے اعذار کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے پھر اس میں کوئی کراہت نہیں البتہ کسی غرض فاسد کی وجہ سے مانع حمل طریقہ اختیار کرنا مثلاً بعض لوگ شادی کے بعد اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اولاد کم ہوتا کہ ان کی عیاشی میں مخل نہ ہو اور بعض یہ خیال رکھتے ہیں کہ اولاد پیدا ہو جائے گی تو نعوذ باللہ ان کا خرچہ کون برداشت کرے گا؟ اور بعض لوگ کفریہ خیالات "بچے دو ہی اچھے" کے پروپیگنڈے کے دامِ فریب میں آجاتے ہیں حالانکہ یہ سب شریعت سے متصادم خیالات ہیں۔ اگر ایسی کسی وجہ سے مانع حمل طریقہ اختیار کیا جارہا ہے تو یہ حرام ہے، اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم"

"آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہو کیونکہ (کل بروز قیامت) میں اپنی امت کی کثرت کے بسبب فخر کروں گا۔" (مشکوۃ ۲/ ۲۷۶)

Marfat.com

الغرض مانع حمل کوئی بھی طریقہ عذر کی بناء پر انفرادی طور پر اختیار کرنا جائز ہے البتہ اسے ایک اجتماعی مسئلہ یا تحریک بنا لینا درست نہیں بلکہ یہ شرعی مزاج کے مخالف ہے۔ اولاد اللہ ﷻ کی نعمت ہے اور یہ نعمت جس مقدار میں اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں اس کا حصول موجب سعادت ہے اجتماعی طور پر اولاد کے خلاف تحریک یا خاندانی منصوبہ بندی اختیار کرنا مغربی سازش اور دجل ہے جس سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ انفرادی طور پر ڈاکٹر حضرات سے معلوم کر لیا جائے اگر وہ عورت کی جان یا دیگر کوئی عذر حمل سے مانع قرار دیں تو منع حمل کا کوئی بھی طریقہ اختیار کر لیا جائے لیکن ان گھر گھر آنے والی عورتوں سے اجتناب کیا جائے۔

لما في القرآن الكريم (الاسراء:۳۱): وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا

(التکویر:۹،۸): وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ. بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ.

وفي البخاري (۲/۷۵۹): عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه يقول: رد رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا۔

و في الشامية (۳/۱۷۶): قوله (قال الكمال) عبارته وفي الفتاوى إن خاف من الولد السوء في الحرة يسعه العزل بغير رضاها لفساد الزمان فليعتبر مثله من الأعذار مسقطا لإذنها اه۔۔۔ كأن يكون في سفر بعيد أو في دار الحرب فخاف على الولد أو كانت الزوجة سيئة الخلق ويريد فراقها فخاف أن تحبل وكذا ما يأتي في إسقاط الحمل عن ابن وهبان فافهم۔

(۷۵۲) عارضی مانع حمل طریقے اختیار کرنے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! میاں بیوی کیلئے ایسے طریقے اختیار کرنا جس سے عارضی طور پر حمل نہ ہو کیا یہ درست ہے؟ میاں بیوی چند دن کے سفر پر گئے ہوئے ہیں وہاں حمل کا ٹھہر جانا ان کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے کیونکہ ابتدائی دنوں میں ذرا سی بے احتیاطی حمل کو ضائع کر دیتی ہے لہٰذا اگر یہ مانع حمل کوئی طریقہ اختیار کرتے ہیں مثلاً مرد کنڈوم یا عورت مانع حمل دوائی لیتی ہے تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ ازراہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے عارضی طور پر حمل نہ ٹھہرے بغیر کسی عذر کے مکروہ تنزیہی ہے البتہ اگر کوئی عذر ہو (مثلاً غیر مسلم ملک میں بچہ پیدا ہونے سے بچے کے اخلاق بگڑنے کا خوف ہو یا دور دراز کے سفر پر ہوں یا پہلے بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ ہو

Marfat.com

کیونکہ دوسرے بچے کے حمل سے دودھ متاثر ہوجاتا ہے) تو اس وقت مانع حمل کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا جائز ہے اور اگر کوئی عذر نہ ہو بلکہ کسی غیر شرعی غرض کی وجہ سے مانع حمل طریقے اختیار کئے جائیں مثلاً بچی پیدا ہوئی تو خاندان میں عار ہوگی یا اتنے بچوں کیلئے پیسوں اور کھانے پینے کا بندوبست کون کرے گا اگر ایسی کوئی غرض ہو تو یہ فعل ناجائز اور حرام ہوگا۔

الغرض اگر کوئی معتبر عذر ہو تو یہ مطلقاً جائز ہے بغیر عذر کے مکروہ تنزیہی ہے اور کسی غیر شرعی غرض کے لئے کیا جائے تو حرام ہے۔

صورت مسئولہ میں بھی چونکہ آپ دور کے سفر پر ہیں اور سفر میں استقرار حمل مشکلات پیدا کرسکتا ہے لہٰذا یہ عذر معتبر ہے اور اس کی وجہ سے میاں یا بیوی میں سے جو بھی عارضی مانع حمل کا کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔

لما في القرآن الكريم (الاسراء:۳۱): وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا۔

(التكوير:۹،۸): وَإِذَا الْمَوْءُۥدَةُ سُئِلَتْ ۔ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ۔

وفي الهندية(۳۵۶/۵): المرأة المرضعة ظهر بها حبل وانقطع لبنها وتخاف على ولدها الهلاك وليس لأبي هذا الولد سعة حتى يستأجر الظئر يباح لها أن تعالج في استنزال الدم ما دام نطفة أو مضغة أو علقة لم يخلق له عضو وخلقه لا يستبين إلا بعد مائة وعشرين يوما أربعون نطفة وأربعون علقة وأربعون مضغة كذا في خزانة المفتين وهكذا في فتاوى قاضي خان والله أعلم۔

وفي الشامية (۱۷۵/۳): وأما سفح الماء ففائدته الولد والحق فيه للمولى فاعتبر إذنه في إسقاطه فإذا أذن فلا كراهة في العزل عند عامة العلماء وهو الصحيح ؛ وبذلك تضافرت الأخبار. وفي الفتح : وفي بعض أجوبة المشايخ الكراهة ، وفي بعض عدمها نهر ، وعنهما أن الإذن لها. وفي القهستاني أن للسيد العزل عن أمته بلا خلاف وكذا لزوج الحرة بإذنها ۔۔۔ (قوله قال الكمال) عبارته : وفي الفتاوى إن خاف من الولد السوء في الحرة يسعه العزل بغير رضاها لفساد الزمان ، فليعتبر مثله من الأعذار مسقطا لإذنها اهـ .فقد علم مما في الخانية أن منقول المذهب عدم الإباحة وأن هذا تقييد من مشايخ المذهب لتغير بعض الأحكام بتغير الزمان ، وأقره في الفتح وبه جزم القهستاني أيضا حيث قال : وهذا إذا لم يخف على الولد السوء لفساد الزمان وإلا فيجوز بلا إذنها اهـ .لكن قول الفتح فليعتبر مثله إلخ يحتمل أن يريد بالمثل ذلك العذر ، كقولهم : مثلك لا يبخل . ويحتمل أنه أراد إلحاق مثل هذا العذر به كأن يكون في سفر بعيد ، أو في دار الحرب فخاف على الولد ، أو كانت الزوجة سيئة الخلق ويريد

Marfat.com

فراقها فخاف أن تحبل ، وكذا ما يأتي في إسقاط الحمل عن ابن وهبان فافهم.

(۷۵۳) کنڈوم، ٹیکے اور گولیوں کا استعمال

سؤال

مفتی صاحب! آیا دورِ حاضر میں چھوٹا خاندان، بچوں میں مناسب وقفہ، ماں اور بچے کی صحت کیلئے ضروری ہے، دین اسلام میں اس بات کی کیا حیثیت ہے؟ ٹیکے، گولیاں اور کنڈوم کا استعمال قرآن وسنت کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ بیشتر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جن میں "تحفۂ دلہن"، "بہشتی زیور" اور "میرا جینا میرا مرنا اللہ کیلئے" شامل ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا حق زوجیت ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ آیا یہ بات درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

نبی کریم ﷺ نے زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ میں بروز قیامت تمہاری تعداد کی زیادتی کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

(۱)......اگر کنڈوم، گولیاں اور ٹیکے استعمال کرنے سے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہو اور اسی طرح بچہ دانی نکلوا دینا یہ سب قرآن وحدیث کے صریح نصوص کے خلاف ہے لہذا یہ ناجائز اور حرام ہے، کسی مسلمان کیلئے ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے البتہ اگر ٹیکے، کنڈوم اور گولیاں استعمال کرنے سے مقصود وقفہ ہے تو اس صورت میں اگر عورت کمزور ہے اور حمل کے بوجھ کو برداشت نہیں کرسکتی یا حمل کی وجہ سے بچے کی صحت پر ضرر ونقصان کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں عورت شوہر کی اجازت سے مناسب وقفہ تک ٹیکے اور گولیاں استعمال کرسکتی ہے بشرطیکہ ٹیکے اور گولیاں استعمال کرنے سے بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ختم نہ ہو جاتی ہو۔

(۲)......شریعت مطہرہ نے انسانی ضرورت اور جنسی خواہش کو صحیح طریقے سے پورا کرنے کیلئے نکاح کو مشروع قرار دیا ہے تاکہ انسان اپنی اس خواہش کو جائز طریقے سے پورا کر کے غلط کاریوں اور گناہ کے کاموں سے بچ سکے اور اس کے ساتھ ساتھ انسانیت کی بقاء کیلئے توالد اور تناسل کا سلسلہ بھی چلتا رہے، اسی وجہ سے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب شوہر اپنی بیوی کو ضرورت کیلئے بلائے تو وہ اگرچہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو حاضر ہو جائے (کیونکہ حاضر نہ ہونے کی صورت میں شوہر کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے کہ کہیں شوہر زنا میں مبتلا نہ ہو جائے یا غصے میں آ کر عورت کو طلاق دیدے اور دوسری شادی کرلے جس کی وجہ سے عورت کو سخت پریشانی اٹھانی پڑے) لہٰذا صورت مسئولہ میں جب مرد اپنی خواہش کو پورا کرنے کیلئے عورت کو بلائے تو عورت کو چاہیئے کہ مرد کی خواہش کو پورا کرے چاہے کسی بھی کام میں مشغول ہو۔

Marfat.com

لمافی القرآن الکریم (الاسراء:۳۱): وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا۔

وفی مشکوۃ المصابیح (ص۲۸۱): وعن طلق بن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته وإن كانت على التنور " . رواه الترمذي

وفی مرقاۃ المفاتیح (۶/۲۴۲): [لحاجته] أي المختصة به كناية عن الجماع [فلتأته] أي لتجب دعوته وإن كانت على التنور أي وإن كانت تخبز على التنور مع أنه شغل شاغل لا يتفرغ منه إلى غيره إلا بعد انقضائه قال ابن الملك وهذا بشرط أن يكون الخبز للزوج لأنه دعاها في هذه الحالة فقد رضي بإتلاف مال نفسه وتلف المال أسهل من وقوع الزوج في الزنا رواه الترمذي وكذا النسائي۔

وفی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء (۱۹/۲۹۲):س: ما حكم الزوجين المسلمين في شرب الأدوية والحبوب لمنع الحمل، بحيث كثرة العيال يؤدي إلى مكافحة ومشقات عظيمة والهوان، سواء في الإنسانية والدينية في بعض دول أوربا وما ساواها في أمورها الحيوية؟

ج: يختلف حكم استعمال الأدوية والحبوب لمنع الحمل باختلاف الغرض منه، وباختلاف طبيعة الحبوب ومدى تأثيرها على الزوجة، وموقف الرجل في ذلك والوقت الذي تستعمل فيه هذه الحبوب. فأما بالنسبة للغرض، فقد يكون المقصود هو البقاء على نضارة المرأة، وهذا فيه معارضة لحكمة الله جل وعلا، فإنه تبارك وتعالى شرع النكاح، وحث عليه، ومن المقاصد الشرعية من مشروعية النكاح: حصول الأولاد. فعن معقل بن يسار رضي الله عنه قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني أصبت امرأة ذات حسب ومنصب ومال، إلا أنها لا تلد، أفأتزوجها؟ فنهاه، ثم أتاه الثانية فقال له مثل ذلك، ثم أتاه الثالثة فقال له: "تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم رواه أبو داود والنسائي والحاكم، وقال: صحيح الإسناد. فهذه المرأة التي تستعمل الحبوب والأدوية من أجل البقاء على نضارة جسمها هي بمنزلة المرأة العقيم، وقد نهى صلى الله عليه وسلم عن نكاحها؛ لأنها لا تلد، فهذه المرأة منهية بعموم هذا الحديث عن تعاطي الموانع التي تمنع الحمل، وإذا كان الغرض من استعمال الحبوب والأدوية منع الحمل في حالة تكون المرأة واقعة فيها وهي وجود إجهاد بدني، كالمرأة التي تلد كل سنة ويكون جسمها نحيفا فلا تتحمل متاعب الحمل والولادة، بحيث لو استمرت غلب على ظنها

Marfat.com

وقوع ضرر عظيم عليها، وترى استعمال الحبوب والأدوية لمنع الحمل وقتا محدودا بقدر ما يدفع الضرر فيجوز ذلك، بشرط أن لا يترتب على استعماله ضرر يماثل الضرر الذي يراد فعله. ذلك أن استعمال بعض حبوب منع الحمل ينشأ عنها أحيانا اضطراب في العادة الشهرية. وتليف الرحم، وحصول ضغط في الدم، وخفقان في القلب، وغير ذلك من الآثار السيئة التي يعرفها الأطباء، ويدل لجواز الاستعمال في هذه الحالة عموم أدلة الشريعة الدالة على اليسر والسهولة ودفع المشقة. قال تعالى: {مَا يُرِيدُ اللهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ} وقال صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار وقد أخذ العلماء من هذه الآية وما جاء في معناها من القرآن، وكذلك ما جاء في معنى الحديث من السنة قاعدة: (المشقة تجلب التيسير). وأما اختلاف الحكم باختلاف طبيعة الحبوب والأدوية فبيانه أن يقال: هذه الأدوية والحبوب التي يراد استعمالها لمنع الحمل إن كانت خالية من المؤثرات السيئة المماثلة للضرر المراد دفعه، فيجوز استعمالها كما سبق بيانه، وإن اشتملت على ضرر يماثل الضرر المراد دفعه لم يجز؛ لأن الضرر لا يدفع بالضرر، والمرجع في تقدير ما تشتمل عليه من أضرار إلى أهل المعرفة في ذلك، وذلك بتحليل هذه الحبوب والأدوية وتشخيص ما تشتمل عليه من أضرار ومدى تأثيرها.

(۷۵۴) نکاح کیلئے کنواری لڑکی کو ترجیح دی جائے یا بیوہ کو؟

سؤال

مفتی صاحب! شادی کے معاملے میں کنواری لڑکی کو ترجیح دی جائے یا شادی شدہ مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا کو ترجیح دی جائے؟ میں نے کسی سے سنا تھا کہ کنواری سے نکاح افضل ہے لیکن دوسری طرف ہمارے ہاں معاشرے میں بہت سی لڑکیاں چھوٹی عمر میں ہی شوہر کے انتقال کا غم سہتی ہیں اور پھر ان کا نکاح ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ ہر مرد کنواری لڑکی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہوتا ہے۔ ازراہ کرم مسئلے کے تمام پہلوؤں کی مفصل وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

"عليكم بالأبكار فإنهن أعذب أفواها وأنتق أرحاما وأرضى باليسير" (مشكوة ص۲۶۸)

"کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ کنواری لڑکی شیریں دہن والی، زیادہ بچے جننے اور کم پر راضی ہوجانے والی ہوتی ہیں۔"

Marfat.com

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ثیبہ عورت سے نکاح کا ذکر ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا:

"بکر أم ثیب؟ قلت ثیب قال فهلا جارية تلاعبها وتلاعبك" (بخاری، ۲/۷۶۰)

"[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:] کنواری سے نکاح کیا ہے یا ثیبہ سے؟ میں نے جواب دیا کہ ثیبہ سے۔ فرمایا: کنواری سے کیوں نہ کیا تاکہ وہ تمہارے ساتھ اور تم اس کے ساتھ دل بہلاتے۔"

ان احادیث سے کنواری لڑکی سے نکاح کی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن دوسری طرف جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ سوائے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ثیبہ تھیں۔ ظاہر ہے، کوئی مصلحت تھی تب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی کثرت سے ثیبات سے نکاح فرمائے۔ اسی طرح دیگر روایات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ جواب بھی ملتا ہے کہ میری بہنیں وغیرہ ہیں اس لئے میں نے ثیبہ سے نکاح کیا (کہ وہ تجربہ کار ہوگی ان کی تربیت بھی کرے گی)۔

لہٰذا مسئلہ کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ عام اوقات میں تو کنواری لڑکی کو ہی ترجیح دینا چاہیئے کیونکہ ثیبہ میں بہت سے عوارض ہوتے ہیں جیسا کہ مرقاۃ (۶/ ۲۴۸ ط رشیدیہ) پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ ثیبہ عورت شوہر کے ان اوصاف کو برداشت نہیں کرپاتی جو پہلے شوہر سے مختلف ہوں، اسی طرح کم پر راضی نہیں ہو پاتیں نیز مرد بھی ایسی عورت سے جس کو پہلے بھی کسی نے چھوا ہو طبعاً کھچاؤ محسوس کرتا ہے لیکن مسئلہ کا دوسرا پہلو وہی ہے کہ مصالح کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اور دیگر بزرگانِ دین نے ایسے نکاح فرمائے ہیں لہٰذا اگر مصلحت اس کی متقاضی ہو کہ ثیبہ سے نکاح کیا جائے تو پھر یہ افضل ہوگا۔

بالخصوص ایسی لڑکیاں جو جوانی میں ہی ثیبہ ہوجائیں ان سے نکاح کو رواج دینا شرعاً ضروری ہے کیونکہ ان کا تاحیات بے نکاحی کی حالت میں رہنا خطرناک ہے چنانچہ کسی خاندان یا علاقے میں ایسی صورتحال ہو تو سرپرستوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیئے ان شاء اللہ دنیا و آخرت میں سرخروئی کا باعث بنے گا۔

(۷۵۵) دو بھائیوں یا بہنوں کا ایک ساتھ نکاح کرنے کا حکم

سوال

دو بھائیوں یا دو بہنوں کی شادی ایک ہی دن یا ایک ہی ساتھ کرنا کیسا ہے؟ یہاں اسے نحوست کی علامت سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دو میں سے ایک کا مستقبل خراب ہوگا نیز ایک ساتھ شادی دیگر کئی مفاسد کو جنم دیتی ہے۔ آپ حضرات سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا شرعاً ایسا حکم ہے؟ ازراہِ کرم شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

دو بھائیوں یا دو بہنوں کی شادی ایک ساتھ کرنا جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، اسے منحوس سمجھنا جہالت ہے اور یہ کہنا کہ ایک کا مستقبل خراب ہوگا اپنی طرف سے اٹکل اور توہم پرستی کی بنیاد پر ہے۔ شریعت میں عمل کا جواز اور عدمِ جواز برکت کا باعث ہوتا ہے نہ کہ کوئی دن یا اور کوئی عارض...... لہٰذا اگر نکاح سنت کے مطابق کیا جائے۔ اس میں بے پردگی، فوٹو گرافی، ڈھول باجے اور دیگر منکرات نہ ہوں تو شرعاً یہ شادی بابرکت اور باعثِ ثواب ہے بصورتِ دیگر ایسے عقد کا برکت سے خالی ہونا قابلِ تامل نہیں۔

البتہ مسئلے کا ایک دوسرا پہلو ہے وہ یہ کہ بوقت عقد اگر دو دلہنیں بہنیں ہوں تو لوگ ان میں مقابلہ شروع کر دیتے ہیں اور دیگر غلط قسم کے توازن شروع کر دیتے ہیں اس سے متعلق حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"دولڑکوں یا دولڑکیوں کی ایک ساتھ شادی نہ کرنی چاہیئے اپنے دولڑکوں یا دولڑکیوں کی شادی جہاں تک، ہوسکے ایک دَم (یعنی ایک ساتھ) مت کرو کیونکہ بہوؤں میں فرق ضرور ہوگا خود لڑکوں اور لڑکیوں کی صورت میں بہت باتوں میں فرق ہوجاتا ہے اور لوگوں کی عادت ہے تذکرہ کرنے کی اور ایک کو گھٹانے اور دوسرے کو بڑھانے کی اس سے خواہ مخواہ دوسرے کا جی برا ہوتا ہے۔ بہشتی زیور" (اسلامی شادی ص ۱۱۷)

لہٰذا مذکورہ بالا وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ عقد نہ کئے جائیں تو درست ہے البتہ اسے منحوس سمجھنا یا مستقبل خراب ہونے کی پیشین گوئیاں کرنا درست نہیں۔

(۷۵۶) حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے پیغام نکاح

سؤال

مفتی صاحب! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھیجا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح قبول کیا، کیا تاریخ سے یہ بات ثابت ہے؟ اور اس کی وجہ کیا تھی کہ یہ نکاح کا پیغام رد کر دیا گیا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ مشکوۃ شریف میں حدیث ہے:

وعن بريدة رضي الله عنه قال: خطب أبو بكر و عمر رضي الله عنهما فاطمة رضي الله عنها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنها صغيرة" ثم خطبها علي فزوجها منه. رواه النسائي (مشكوة، ۲/۵۶۵)

"حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا آپ

Marfat.com

ﷺ نے فرمایا: نہیں، فاطمہ چھوٹی ہیں۔"

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے شیخین رضی اللہ عنہما کے پیغامِ نکاح کو قبول نہیں فرمایا اور بظاہر اس کی وجہ عمر کا تفاوت تھا کیونکہ منع کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "إنها صغيرة" فاطمہ چھوٹی ہیں۔

البتہ یہ احتمال ہے کہ قرونِ اولیٰ میں عمر کے تفاوت کے ساتھ شادیوں کا رواج تھا لہٰذا منع کرنے کی کوئی اور وجہ بھی ہو۔ ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عنقریب خلفاء بننا تھا اور ان چاروں کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خصوصی تعلق تھا۔ ان میں سے ابتدائی دو کی صاحبزادیاں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں تھیں اور آخری دو (عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے آپ اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح فرما چکے تھے لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی داماد بننے کے اس شرف سے مشرف فرمانا تھا لہٰذا آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رشتہ قبول فرمالیا۔

(۷۵۷) قادیانی لڑکی سے نکاح میں اولاد کی دعا کرنا

سوال

مفتی صاحب! ایک شخص نے قادیانی لڑکی سے شادی کی۔ ابھی دو سال کا عرصہ گزرا ہے۔ وہ ہمارے علاقے کے پیر صاحب کے پاس آیا اور اولاد کیلئے دعا کا کہا۔ پیر صاحب نے دعا کر دی۔ مجھے یہ تردد تھا کہ قادیانی عورت کیلئے بچے کی دعا کرنا درست ہے یا نہیں؟ وہ شخص خود سنی ہے قادیانی لڑکی کے جال میں پھنس گیا ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب

ایک مسلمان سنی شخص کا نکاح مرتد قادیانی عورت سے منعقد نہیں ہوتا۔ وہ دونوں حرام کاری کے مرتکب ہیں۔ علاقے کے باا ثر لوگوں کو چاہیئے کہ ان کو علیحدہ کریں نیز لڑکے کو اس عمل کی قباحت وشناعت نیز قادیانیت کے مکروفریب سے آگاہ کریں۔

یہ دونوں چونکہ حرام کے مرتکب ہیں اس لئے ان کی یکجائی سے اولاد کیلئے دعا کرنا ایک حرام میں تقویت وتائید ہے جو کہ ناجائز ہے لہٰذا ایسی دعا کرنے سے اجتناب کیا جائے اور ان دونوں کو علیحدگی پر مجبور کیا جائے۔

(۷۵۸) "لم تر للمتحابين مثل النكاح" اس حدیث کا مطلب

سوال

مفتی صاحب! میں ایک دینی مدرسے میں "مشکوۃ شریف" کا طالب علم ہوں۔ ہمارے استاد صاحب نے جب کتاب النکاح

Marfat.com

کی جلد ثانی شروع کروائی تو اس کی ابتداء میں ہی یہ روایت تھی "لم تر للمتحابين مثل النكاح" مجھے اس حدیث کے معنی سمجھ نہ آسکے۔ حاشیہ دیکھا تو وہاں لکھا تھا:

" إذا أحب رجل امرأة بها فالتعشيق ألذ و أزيد فى الألفة والالتيام ويمكن أن يراد القاصدين للتحابب فتزوجه إياها يورث ازدياد المحبّة فالنكاح بعد المحبّة أيضا لمعات"

جناب والا میں سخت پریشان ہوا کیونکہ بظاہر اس تشریح کے مطابق حدیث کا مطلب یہ بنتا ہے کہ جو لڑکا لڑکی پہلے سے عشق مجازی میں مبتلا ہوں اور محبت کرتے ہوں وہ نکاح کرلیں اس سے محبت اور بڑھ جائے گی جبکہ نکاح سے قبل تو لڑکی کا خیال ذہن میں لانا حرام ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا یہ تشریح میں صحیح سمجھا ہوں، ورنہ حدیث کا صحیح مطلب واضح فرما کر میرا خلجان دور فرمائیں اور محشی کیا کہنا چاہتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حدیث کا اصل مصداق محشی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی تشریح ہے کہ نکاح محبت کو بڑھاتا ہے یعنی اگر دو قوموں کے درمیان بغض وعداوت ہو تو نکاح ہوتے ہی دونوں قومیں آپس میں محبت کرنے لگتی ہیں اور میاں، بیوی کے درمیان بھی محبت ہو جاتی ہے اور جو دوسری تشریح ہے وہ علاجیہ ہے کہ اگر کسی مرد کو عورت سے محبت ہو جائے تو اس کا پورا کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنی محبت کو ناجائز طریقے سے پورا کرے جس کی وجہ سے آدمی محرمات میں مبتلا ہوگا، بغض عداوت پیدا ہوگی، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اُس عورت کے ساتھ نکاح کرے جس سے محبت میں اور اضافہ ہوگا لہٰذا حدیث پاک میں اس صورت کی طرف کہ اگر بالفرض کوئی عشق مجازی میں مبتلا ہو گیا تو جائز طریقے سے نکاح کر کے اس محبت میں اضافہ کرے۔ اس کو عشق مجازی کے جواز پر دلیل بنانا قطعاً درست نہیں۔

لمافی حاشية المشكوة (٢/٢٦٨) كتاب النكاح (ط قديمى): قوله "لم تر للمتحابين" خطاب عام أى يزيد وصلة النكاح المحبة وكثيراً مايكون بين قوم تباغض فاذا حصلت وصلة النكاح تحابوا فلا جرم اذا كانت المحبة ثابتة زادت بها وقيل اذا أحب رجل امرأة وعشق بها فالتعشيق ألذو أزيد فى الألفة والالتيام و يمكن أن يراد القاصدين للتحابب فتزوجه إياها يورث المحبة فالنكاح بعد المحبة أيضا۔

وفى فيض القدير (٥/٣٧٦) كتاب النكاح: أى اذا نظر رجل لأجنبية وأخذت بمجامع قلبه فنكاحها يورثه مزيد المحبة كذا ذكره الطيبى وأفصح منه قول بعض الأكابر المراد أن أعظم الأدوية التى يعالج بها التعشيق النكاح فهو علاجه الذى لايعدل عنه لغيره ماوجد إليه سبيلا وهذا هو المعنى الذى أشار إليه سبحانه عقب إحلال النساء الخ۔

Marfat.com

وفی التیسیر شرح الجامع الصغیر (۵/۵۸۴): (للمتحابین مثل النکاح) أراد أن أعظم الأدویة التی یعالج بها العشق) النکاح فهو علاجه الذی لا یعدل عنه لغیره إذا وجد إلیه سبیلا۔

(۷۵۹) یتیم بچوں کی شادی کیلئے سود پر رقم رکھنا

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص کو ۳ سے ۴ یتیم بچوں کی شادیاں کرانی ہیں۔ وہ شخص اپنا پیسہ بینک میں اس نیت سے رکھتا ہے کہ سود آئے گا تو اگرچہ استعمال جائز نہ ہو لیکن ان یتیموں کی شادیوں میں لگادوں گا۔ کیا اس کا یہ طرز عمل درست ہے؟ کیا حرام مال سے یتیموں کی شادیاں کرانا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

شریعت نے انسان کیلئے زندگی گزارنا انتہائی آسان بنایا ہے، خصوصاً شادی کے معاملے میں شریعت کا طریقہ کار بے انتہا سادگی اور بے تکلفی کا ہے۔ دور نبوی میں بہت سے مقربین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شادیاں ہوئیں لیکن انتہائی خاموشی سے حتیٰ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان کا علم نہ ہو پاتا۔ آج ہم نے شادی کو اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ جائز ناجائز، حرام وحلال کسی بھی طریقے سے پیسے جمع کرنا اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کیلئے ضروری ہو گیا ہے۔

یتیموں کی شادیاں کرانا انتہائی ثواب اور برکت کا باعث ہے لیکن صرف مقصد اور انجام کا خوشنما ہونا ہی شرعاً اس عمل کے جواز کیلئے کافی نہیں شرعاً وہ طریقہ بھی حلال اور جائز ہونا ضروری ہے جو مقصد تک پہنچا رہا ہے چنانچہ اس شخص کو چاہیئے کہ یتیموں کے رشتے باشرع شریف گھرانوں میں شرعی طریقے کے مطابق کردے اور یہ مشکوک طریقے اپنانے سے پرہیز کرے لہٰذا صورت مسئولہ میں بالقصد اسی نیت سے پیسے رکھانا اور سود کی رقم حاصل کرنا جائز نہیں اور اس رقم سے شادی کرانا درست نہیں۔

(۷۶۰) غیر شرعی شادی میں عدم شرکت پر ناراضگی

سؤال

مفتی صاحب! میرے ایک دوست کی شادی میں گانا بجانا وغیرہ غیر شرعی امور کا ارتکاب تھا، میں نہیں گیا۔ اب وہ دوست ناراض ہو رہا ہے۔ کیا مجھے شادی میں جانا چاہیئے تھا؟ اور کیا یہ دعوت سنت دعوت کہلائے گی اور کسی کی خوشی کیلئے ایسی تقاریب میں شرکت کی گنجائش ہے؟

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

ملحوظ رہے کہ ہر تقریب میں شرکت مسنون نہیں بلکہ فضول تقاریب میں شرکت بھی فضول اور بے کار ہے۔ آپ کو اپنے دوست سے شادی سے قبل بات کرنی چاہیے تھی اور اسے اسلامی اور شرعی نقطہ نظر سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے مطابق شادی کرنے کی دعوت دینی چاہیے تھی بصورتِ دیگر عدمِ شرکت کی یاددہانی کردیتے۔ اس طرح مسئلہ سلجھ سکتا تھا۔

لیکن اب بھی آپ کیلئے شرکت جائز نہ تھی اور آپ نے شریک نہ ہو کر صحیح اقدام کیا ہے۔ کسی کو خوش کرنے کیلئے اپنے رب کو ناراض کرنا جائز نہیں۔ اپنے دوست کو اپنے موقف سے آگاہ کردیں اگر وہ پھر بھی ناراض ہوتا ہے تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ بہرحال گانے بجانے، فوٹوگرافی والی تقاریب میں (جب پہلے سے معلوم ہو کہ یہ چیزیں محفل میں ہوں گی) شرکت کی گنجائش نہیں۔

Marfat.com

كتاب الرضاع

(رضاعت کے مسائل کا بیان)[1]

(۷۶۱) شرعاً مدت رضاعت کتنی ہے؟

سؤال

مفتی صاحب! قرآن شریف میں "حولین کاملین" مدت رضاعت کے بارے میں آیا ہے جس سے دو سال مدت رضاعت معلوم ہوتی ہے۔ دوسری جگہ "وحمله وفصاله ثلثون شهرا" وارد ہوا ہے، جس سے اڑھائی سال معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں میں وجہ تطبیق کیا ہے اور کس پر عمل کیا جائے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

ان دو آیات میں راجح تطبیق یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت مبارکہ "حولین کاملین" میں صرف مدت رضاعت کا بیان ہے۔ سورت "احقاف" کی آیت مبارکہ میں حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حوالے سے یہ تطبیق بیان کی گئی ہے کہ مدتِ رضاعت سورۃ النساء کی آیت سے معلوم ہوگئی ہے جو کہ دو سال ہے اور چھ مہینے اقل مدت حمل ہے، سورت الاحقاف کی آیت مبارکہ "وحمله وفصاله ثلاثون شهرا" میں دونوں کا ذکر ہے۔

الغرض مدت رضاعت دو سال ہے، جس کا ذکر سورت النساء کی آیت میں ہے اور سورت الاحقاف کی آیت، میں جو ڈھائی سال کا ذکر ہے اس میں دو سال رضاعت اور چھ ماہ اقل مدت حمل دونوں کا ذکر ہے۔ گویا مدت رضاعت فقط دو سال ہے، جس کی تائید احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: "لا رضاع الا ما كان في الحولين" کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔

---

[1] یہاں "**كتاب الرضاع**" میں ان مسائل کا ذکر مقصود ہے جن صورتوں میں رضاعت کا ثبوت ہو جاتا ہے اور جن صورتوں میں ثبوت نہیں ہوتا۔ نجم الفتاوی جلد رابع ۴/ ۱۵۴ پر جو "**فصل في المحرمات بالرضاع**" گزری ہے اس کا مقصد ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے رضاعت کے بسبب نکاح حرام ہو جاتا ہے، یہ دونوں مستقل عنوان ہیں اور یہی فقہی ترتیب ہے لہذا نجم الفتاوی کی ترتیب میں بھی اسی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ از مرتب

Marfat.com

لما فی التفسير المنير (٢٦/٢٣): وَحَمْلُه وَفِصالُه ثَلاثُونَ شَهْرًا أي إن مدة حمله وفطامه ثلاثون شهرا۔۔۔۔ وفي الآية أيضا إيماء إلى أن أقل الحمل ستة أشهر (نصف عام) وكان علي رضي الله عنه أول من استدل بهذه الآية وآية لقمان. وَفِصالُهُ فِي عامَيْنِ وقوله تعالى: وَالْوالِداتُ يُرْضِعْنَ أَوْلادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كامِلَيْنِ لِمَنْ أَرادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضاعَةَ [البقرة] على أن أقل مدة الحمل ستة أشهر، لأن أكثر مدة الرضاع والفطام حولان كاملان، فبقي للحمل من الثلاثين شهرا ستة أشهر. وهو استنباط صحيح، وافقه عليه عثمان وجماعة من الصحابة۔

وفی التفسير المظهری(٢/٥٩): قوله تعالى وَالْوالِداتُ يُرْضِعْنَ أَوْلادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كامِلَيْنِ لِمَنْ أَرادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضاعَةَ جعل الله تعالى التمام بهما ولا مزيد على التمام وقوله تعالى وَحَمْلُهُ وَفِصالُهُ ثَلاثُونَ شَهْراً وادنى مدة الحمل ستة أشهر فبقى للفصال سنتان وقوله تعالى وفصاله فى عامين وقوله صلى الله عليه وسلم لارضاع الّا ما كان فى الحولين رواه الدارقطني من حديث ابن عباس رضى الله عنهما۔

وفی الدر المختار(٣/٢٠٩۔٢١٠): (حولان ونصف عنده وحولان) فقط (عندهما وهو الأصح) فتح وبه يفتى كما في تصحيح القدوري عن العون۔

وفی الشامية (٣/٢١٠): قوله (لتوزيعهم) أي العلماء كالصاحبين وغيرهما الأجل أي ثلاثون شهرا على الأقل أي أقل مدة الحمل وهو ستة أشهر والأكثر أي أكثر مدة الرضاع وهو سنتان فالثلاثون بيان لمجموع المدتين لا لكل واحدة ۔۔ قوله (والأصح أن العبرة لقوة الدليل) قال في البحر ولا يخفى قوة دليلهما فإن قوله تعالى { والوالدات يرضعن } سورة البقرة الآية يدل على أنه لا رضاع بعد التمام۔۔۔ وأما استدلال صاحب الهداية للإمام بقوله تعالى { وحمله وفصاله ثلاثون شهرا } سورة الأحقاف الآية بناء على أن المدة لكل منهما كما مر فقد رجع إلى الحق في باب ثبوت النسب من أن الثلاثين لهما للحمل ستة أشهر والعامان للفصال اهـ۔

(٧٦٢) رضاعت ثابت ہونے کیلئے شرعاً دو گواہ ضروری ہیں

سوال

مفتی صاحب! عمر النساء کہتی ہے کہ میں کہیں دور گئی تھی جب واپس آئی تو روشن جان نے کہا کہ میں نے تمہاری بچی کو دودھ پلایا

Marfat.com

ہے۔اب کئی سال بعد روشن جان کہتی ہے کہ مجھے یادنہیں کہ دودھ پلایا ہے یا نہیں اور یہ بھی یادنہیں کہ میں نے عمرالنساء سے کہا ہے کہ میں نے تمہاری بچی کودودھ پلایا تھا کیونکہ کافی عرصہ پرانی بات ہے۔

نیز ایک اور عورت زینب بھی کہتی ہے کہ روشن جان نے اس کی بچی کودودھ پلایا ہے لیکن روشن جان کہتی ہے مجھے یادنہیں۔کیا اس سے رضاعت ثابت ہوگی یانہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

رضاعت کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ رضاعت کی گواہی دینے والے دوعادل مردہوں یا دوعورتیں اور ایک مرد عادل ہو، تو پھران کی گواہی معتبر ہوگی لہٰذا صورت مسئولہ میں روشن جان کے بارے میں کہاجارہاہے کہ روشن جان نے عمرالنساء کی بچی کودودھ پلایا ہے جبکہ روشن جان خود کہہ رہی ہے کہ مجھے یادنہیں۔دوسری عورت زینب کہتی ہے کہ روشن جان نے عمرالنساء کی بچی کودودھ پلایا ہے اورروشن جان اس کی بات کاانکار کررہی ہے کہ مجھے یادنہیں لہٰذامذکورہ صورت میں رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

نوٹ:اگر یہ شبہ نکاح سے پہلے ہوا ہے تو احتیاطاً نکاح نہ کیاجائے لیکن اگر شبہ نکاح کے بعد ہوا ہے تو اس صورت میں ثبوت رضاعت کیلئے شرعی گواہوں کاہوناضروری ہے جوکہ موجودنہیں لہٰذارضاعت کاحکم نہیں لگے گا۔

لمافی الدرالمختار (۲۲۴/۳) كتاب الرضاع : وإن ثبت عليه فرق بينهما (و) الرضاع (حجته حجة المال) وهي شهادة عدلين أو عدل وعدلتان.لكن لا تقع الفرقة إلا بتفريق القاضي لتضمنها حق العبد (وهل يتوقف ثبوته على دعوى المرأة ؛ الظاهر لا) لتضمنها حرمة الفرج وهي من حقوقه تعالى (كما في الشهادة بطلاقها) ولو شهد عندها عدلان على الرضاع بينهما أو طلاقها ثلاثا وهو يجحد ثم ماتا أو غابا قبل الشهادة عند القاضي لا يسعها المقام معه ولا قتله به يفتي،ولا التزوج بآخر.وقيل لها التزوج ديانة شرح وهبانية.۔۔[فروع] : قضى القاضي بالتفريق برضاع بشهادة امرأتين لم ينفذ.

وفي الرد تحته:قوله (وهي شهادة عدلين الخ) أي من الرجال وأفاد أنه لا يثبت بخبر الواحد امرأة كان أو رجلا قبل العقد أو بعده وبه صرح في الكافي والنهاية تبعا لما في رضاع الخانية لو شهدت به امرأة قبل النكاح فهو في سعة من تكذيبها لكن في محرمات الخانية إن كان قبله والمخبر عدل ثقة لا يجوز النكاح وإن بعده وهما كبيران فالأحوط التنزه وبه جزم البزازي معللا بأن الشك في الأول وقع في الجواز وفي الثاني في البطلان والدفع أسهل من الرفع۔

Marfat.com

(۷۶۳) شک کی بنا پر رضاعت کا حکم

سؤال

ایک عورت کہتی ہے کہ میں سو رہی تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو دیکھتی ہوں کہ ایک کم سن بچہ (جو کہ اس کی بہن کا بیٹا تھا) میری پستان کو منہ میں لئے ہوئے تھا۔ اب مجھے یہ معلوم نہیں کہ اس نے کتنا دودھ پیا؟ پیا بھی یا نہیں؟ سوال یہ ہے کہ کیا وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس بچے سے کرا سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

رضاعت کے ثبوت کیلئے بچہ کے دودھ پینے کا یقین ہونا ضروری ہے صرف شک کی بناء پر رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں رضاعت ثابت نہیں ہوئی البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ عورت اپنی بیٹی کا نکاح اس بچے سے نہ کرائے۔

لمافی الھندیة(۱/۳۴۴): المرأة إذا جعلت ثديها في فم الصبي ولا تعرف أمصّ اللبن أم لا ففي القضاء لا تثبت الحرمة بالشك وفي الاحتياط تثبت۔

وفیه أیضاً(۱/۳۴۵): وكذا الصغيرة إذا جاءت إلى الكبيرة وهي نائمة فأخذت ثديها وارتضعت منها بانتا منه ولكل واحدة منهما نصف الصداق ولا يرجع به على أحد كذا في السراج الوهاج۔

(۷۶۴) دو سال کے بعد تک بچے کو دودھ پلانے کا حکم

سؤال

ایک عورت کے پانچ بچے ہیں۔ تین بچوں کی عمریں تین سال سے زائد ہیں اور دو بچوں کی عمر دو سال سے کم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کو عورت دودھ پلاتی ہے۔ ساتھ ساتھ بڑے بچے بھی آ کر دودھ پی لیتے ہیں۔ عورت ان کو روکتی نہیں ہے جبکہ میں نے سنا ہے کہ فقط دو سال تک دودھ پلانا چاہیئے، تو کیا اس عورت کا یہ عمل جائز ہے؟ کیا عورت بڑے بچوں کو دودھ پینے سے روکے؟ اگر نہ روکے تو گناہ گار ہوگی یا نہیں؟ کیا دودھ چھوٹے بچوں کا حق ہے؟ میرے ایک جاننے والے کہتے ہیں کہ قیامت کے دن چھوٹے بچے اپنی ماں سے اپنا حق مانگیں گے کہ ہم چھوٹے تھے تو ہمارا دودھ بڑے پی جاتے تھے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ دلائل کے ساتھ جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بچوں کو دودھ پلانے کی مدت جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال ہے۔ یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ مدت رضاعت کے بعد بچوں کو دودھ

Marfat.com

پلانا جائز نہیں البتہ اگر دو سال پورے ہونے پر بھی بچہ دودھ کے علاوہ کوئی اور غذا نہ کھائے تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی گنجائش ہے۔ ڈھائی سال کے بعد دودھ پلانا بہرصورت بالاتفاق ناجائز ہے لہذا اس عورت کو چاہیئے کہ وہ اپنے بڑے بچوں کو روکے، نہ روکنے کی صورت میں گناہ گار ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ بچے کیلئے دودھ کا انتظام کرنا باپ پر واجب ہے البتہ اگر باپ انتظام پر قادر نہ ہو تو پھر ماں پر واجب ہے کہ دودھ پلائے۔ ظاہر بات ہے کہ ترک واجب بغیر عذر کے ہو تو عند اللہ اس کی پکڑ ہوگی، لیکن یہ بات درست نہیں ہے کہ بچے ماں سے دودھ کے متعلق اپنا حق مانگیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری عورت اس بچے کو دودھ پلائے اور ماں بالکل بھی نہ پلائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں نیز اگر باپ انتظام پر قادر ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب ہی نہیں، لہذا بچوں کا قیامت کے دن سوال کرنا بے معنی بات ہے جو کسی روایت سے بھی ثابت نہیں ہوتی۔

لمافي الدر المختار(٢٠٩/٣): باب الرضاع ـ (هو) لغة بفتح وكسر مص الثدي وشرعا (مص من ثدي آدمية) ولو بكرا أو ميتة أو آيسة وألحق بالمص الوجور والسعوط (في وقت مخصوص) هو (حولان ونصف عنده وحولان) فقط (عندهما وهو الأصح) فتح وبه يفتى كما في تصحيح القدوري عن العون لكن في الجوهرة أنه في الحولين ونصف ولو بعد الفطام محرم وعليه الفتوى ـــ ثم الخلاف في التحريم أما لزوم أجر الرضاع للمطلقة فمقدر بحولين بالإجماع ـــ (ولم يبح الإرضاع بعد مدته) لأنه جزء آدمي والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح شرح الوهبانية ـ

وفي الرد تحته: قوله (لكن الخ) استدراك على قوله وبه يفتي وحاصله أنهما قولان أفتي بكل منهما ط ـــ (٢١١/٣) قوله (ولم يبح الإرضاع بعد مدته) اقتصر عليه الزيلعي وهو الصحيح كما في شرح المنظومة بحر لكن في القهستاني عن المحيط لو استغنى في حولين حل الإرضاع بعدهما إلى نصف ولا تأثم عند العامة خلافا لخلف بن يعقوب اه ونقل أيضا قبله عنه إجارة القاعدي أنه واجب إلى الاستغناء ومستحب إلى حولين وجائز إلى حولين ونصف اه

وفي الدر المختار (٦١٨/٣): (وليس على أمه إرضاعه) قضاء بل ديانة (إلا إذا تعينت) فتجبر كما مر في الحضانة وكذا الظئر تجبر على إبقاء الإجارة بزازية (ويستأجر الأب من ترضعه عندها) لأن الحضانة لها والنفقة عليه ـ

وفي الرد تحته: قوله (إلا إذا تعينت) بأن لم يجد الأب من ترضعه أو كان الولد لا يأخذ ثدي غيرها وهذا هو الأصح وعليه الفتوى خانية ومجتبى وهو الاصوب، فتح ـــ وفيه عن الخانية

Marfat.com

وإن لم يكن للأب ولا للولد مال تجبر الأم على إرضاعه عند الكل اهـ۔

(٧٦٥) عذر کی وجہ سے دو سال سے قبل دودھ چھڑانے کا حکم

سؤال

ایک عورت ہے اس کی ایک بچی ہے، جو کہ ایک سال کی ہے اور دودھ پینے والی ہے۔ اب اس دوران اس عورت کو حمل ہوا جو کہ چار مہینے کا ہے تو کیا اس حمل کے دوران یہ عورت اس ایک سالہ بچی کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قرآن وسنت نے بچے کا یہ حق مقرر کیا ہے کہ اس کو دو سال تک ماں کا دودھ ملتا رہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس مدت میں اس کو یہ حق ملتا رہے چاہے مدتِ حمل ہی کیوں نہ ہو البتہ حمل کی وجہ سے اکثر دودھ میں تغیر آجاتا ہے لہذا اگر بچے کیلئے ماں کا دودھ پینا مضر صحت ہو یا ماں کو حمل کی وجہ سے بچے کو دودھ پلانے میں تکلیف ہو تو مقررہ وقت سے پہلے بھی بچے کا دودھ چھڑایا جاسکتا ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة: ٢٣٣) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ. الآية.

وفي مشكوة المصابيح (٢/٢٧٦): وعن جذامة بنت وهب رضي الله عنها قالت: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم في أناس وهو يقول: " لقد هممت أن أنهى عن الغيلة فنظرت في الروم وفارس فإذا هم يغيلون أولادهم فلا يضر أولادهم ذلك شيئا " . ثم سألوه عن العزل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ذلك الوأد الخفي وهي (وإذا الموؤودة سئلت)۔

وفي مرقاة المفاتيح (٦/٢٣٨): وفي النهاية الغيلة بالكسر الاسم من الغيل وبالفتح هو أن يجامع الرجل زوجته وهي مرضعة وكذلك إذا حملت وهي مرضع وقيل كلاهما بمعنى وقيل الكسر للاسم والفتح للمرة وقيل لا يصح الفتح إلا مع حذف التاء اه قال يحيى قال مالك الغيلة أن يمس الرجل امرأته وهي ترضع اه تابعه الأصمعي وغيره من أهل اللغة وقال ابن السكيت أن ترضع وهي حامل۔

Marfat.com

(۷٦٦) شوہر کی اجازت کے بغیر کسی بچے کو دودھ پلانا

سؤال

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی شیر خوار بچے کو دودھ پلایا تو یہ بچہ بھی کیا اس کے خاندان کا محرم ہو گیا یا نہیں اور کیا عورت اس طرح گناہ گار ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عورت کیلئے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر کسی بچے کو بلا ضرورت دودھ پلانے کو فقہاء کرام **رحمھم اللہ** نے مکروہ لکھا ہے۔ جب بچہ اس قابل ہو کہ اس کے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہو (یعنی دو سال سے چھوٹا ہو) تو دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کے اصول وفروع اس بچے کیلئے محرم ہوں گے۔ اصول سے دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کے والدین وغیرہ اور فروع سے ان کی اولاد وغیرہ مراد ہیں۔

لما في الهندية (۲/۳۴۳): يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا حتى أن المرضعة لو ولدت من هذا الرجل أو غيره قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت رضيعا أو ولد لهذا الرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت امرأة من لبنه رضيعا فالكل إخوة الرضيع وأخواته وأولادهم أولاد إخوته وأخواته وأخو الرجل عمه وأخته عمته وأخو المرضعة خاله وأختها خالته وكذا في الجد والجدة وتثبت حرمة المصاهرة في الرضاع حتى أن امرأة الرجل حرام على الرضيع وامرأة الرضيع حرام على الرجل وعلى هذا القياس۔ الخ۔

وفي الشامية (۳/۲۱۲): وفي البحر عن الخانية يكره للمرأة أن ترضع صبيا بلا إذن زوجها إلا إذا خافت هلاكه۔

(۷٦۷) دودھ پیتے بچے کی خاطر مانع حمل ادویات استعمال کرنا

سؤال

بچے کو دو سال تک دودھ پلانا شریعت کا حکم ہے لیکن اگر نفاس کے ختم ہونے کے بعد بیوی دوبارہ حاملہ ہو جائے تو پہلے بچے کیلئے

Marfat.com

دودھ پلانے کے دوسال پورے نہیں ہوسکتے لہذا احتیاط کرنا پڑتی ہے، چنانچہ اس غرض سے کوئی شخص اگر بچے کی ولادت کے بعد حمل کو نہ ٹھہرنے دے اور مانع حمل دوائیں استعمال کرے تو اس کے لئے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ماں کو چاہیئے کہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کو دوسال تک خود دودھ پلائے لیکن اگر ماں خود نہ پلاسکتی ہو تو باپ کو چاہیئے کہ کسی اور خاتون کو دودھ پلانے کیلئے مقرر کرلے لہٰذا صورت مسئولہ میں بہتر صورت یہ ہی ہے کہ کسی خاتون کو دودھ پلانے کیلئے مقرر کرلیں البتہ اگر ماں بچہ کو دودھ پلانے کیلئے عارضی طور پر مانع حمل ادویہ شوہر کی اجازت سے استعمال کرے تو شرعاً گنجائش ہے، لیکن مستقل طور پر حمل ٹھہرنے کی صلاحیت کو ختم کرنا جائز نہیں۔

لمافی البخاری (۲/۷۸۲): عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال أصبنا سبيا فكنا نعزل فسألنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال أوإنكم لتفعلون قالها ثلاثا ما من نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلا هي كائنة۔

وفی الشامية (۳/۱۷٦): [تنبيه] أخذ في النهر من هذا ومما قدمه الشارح عن الخانية والكمال أنه يجوز لها سد رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عزله بغير إذنها قلت لكن في البزازية أن له منع امرأته عن العزل اهـ نعم النظر إلى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين فما في البحر مبني على ما هو أصل المذهب وما في النهر على ما قاله المشايخ والله الموفق۔

وفی الفقه الاسلامی (۴/۲٦۴۴): ولا خلاف بين العلماء ما عدا ابن حزم الظاهري أنه يجوز العزل عن الزوجة، بشرط إذنها، بدليل قول جابر رضي الله عنه: كنا نعزل على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلم، فبلغه ذلك، فلم ينهناودليل اشتراط الإذن مارواه أحمد وابن ماجه عن عمر رضي الله عنه: أن النبي صلّى الله عليه وسلم نهى عن أن يعزل عن الحرة، إلا بإذنها۔

إلا أن الشافعية والحنابلة وقوماً من الصحابة قالوا بكراهة العزل؛ لأن الرسول صلّى الله عليه وسلم في حديث مسلم عن عائشة رضى الله عنها سماه الوأد الخفي، فحمل النهي على كراهة التنزيه. وأجاز الغزالي العزل لأسباب منها كثرة الأولاد وبناء عليه يجوز استعمال موانع الحمل الحديثة كالحبوب وغيرها لفترة مؤقتة، دون أن يترتب عليه استئصال إمكان الحمل، وصلاحية الإنجاب، قال الزركشي: يجوز استعمال الدواء لمنع الحبل في وقت دون وقت

Marfat.com

كالعزل، ولايجوز التداوي لمنع الحبل بالكلية. أو ربط عروق المبايض إذا ترتب عليه امتناع الحمل في المستقبل، والعبرة في ذلك لغلبة الظن، أي احتمال مافوق 50%. وكذلك الحكم في تعقيم الرجل.

(۷۶۸) عورت کا دودھ کھانے میں ملا کر دینے سے رضاعت کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک بچہ کو مدت رضاعت میں کھانے میں اجنبیہ عورت کا دودھ ملا کر دیا گیا، بچہ نے وہ کھانا کھالیا، تو کیا اس صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اگر کسی عورت کے دودھ کو کھانے کے ساتھ ملایا جائے پھر وہ کھانا کسی بچہ کو مدت رضاعت میں کھلایا جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں جس بچہ کو اجنبیہ کا دودھ کھانے میں ملا کر دیا گیا ہے اور بچے نے وہ کھانا کھالیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوئی۔

لمافي الهندية (۳۴۴/۱) :وإذا اختلط اللبن بالطعام فإن كانت النار قد مست اللبن وأنضجت الطعام حتى تغير فلا يحرم سواء كان اللبن غالبا أو مغلوبا وإن كانت النار لم تمسه فإن كان الطعام غالبا لم تثبت الحرمة به أيضا وإن كان اللبن غالبا فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى لأنه إذا خلط المائع بالجامد صار المائع تبعا فخرج من أن يكون مشروبا حتى قالوا لو كان الطعام قليلا وبقي اللبن مشروبا تثبت به حرمة الرضاع وقيل هذا إذا كان لا يتقاطر اللبن من الطعام عند حمل اللقمة وأما إذا كان يتقاطر منه اللبن تثبت به الحرمة عنده لأن القطرة من اللبن إذا دخلت حلق الصبي تكفي لثبوت الحرمة والأصح أنها لا تثبت بكل حال عنده كذا في الكافي وهو الصحيح لأن التغذي بالطعام هكذا في الهداية۔

(۷۶۹) کسی عورت کا دودھ پیالے میں پی لینے سے حرمت کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! کیا حرمت رضاعت کے ثبوت کیلئے بچہ کا مدت رضاعت میں اجنبیہ عورت کے پستانوں کو منہ لگا کر دودھ

Marfat.com

پینا ضروری ہے؟ اگر کوئی بچہ کسی اجنبیہ عورت کا دودھ جو کہ پیالے میں ہے، پی لے تو اس صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

حرمت کی اصل علت جزئیت ہے اور جزئیت مدتِ رضاعت میں فقط دودھ پینے سے ثابت ہوجاتی ہے کیونکہ دودھ مدتِ رضاعت میں گوشت اور ہڈیوں کی نشوونما کا ذریعہ ہے۔ یہ عام ہے کہ وہ دودھ بچہ عورت کے پستانوں کو منہ لگا کر پیئے یا پیالے میں نکالا ہوا پیئے۔ جزئیت کے ثابت ہوجانے کی بناء پر حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی لہٰذا پیالے میں نکلے دودھ کو مدت رضاعت میں پی لینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی۔

لمافی الهندية (۱/۳۴۴) : وكما يحصل الرضاع بالمص من الثدي يحصل بالصب والسعوط والوجور كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفى الدر المختار(۳/۲۱۸): (وكذا) يحرم (لبن ميتة) ولو محلوبا۔

وفى الرد تحته: قوله (ولو محلوبا) سواء حلب قبل موتها فشربه الصبي بعد موتها أو حلب بعد موتها بحر۔

وفى الشامية (۳/۲۰۹) : وجعل الوجور والسعوط ملحقين بالمص۔

وفيه أيضا(۲/۲۲۰): قوله (وكذا لو أوجره) أي لبن الكبيرة رجل في فيها أي الصغيرة وأشار إلى أن الحرمة لا تتوقف على الإرضاع بل المدار على وصول لبن الكبيرة إلى جوف الصغيرة فتبين كلاهما منه۔

(۷۷۰) دودھ کے ساتھ کچھ ملا دیا گیا ہو تو اعتبار اغلب کا ہوگا

سوال

مفتی صاحب! ایک عورت نے اپنی سہیلی کے بیٹے کو اپنا دودھ پلایا۔ اس طرح کہ فیڈر (بچوں کی دودھ پینے کی شیشی) میں اپنا دودھ نکالا اور بازار میں ملنے والے خشک دودھ کے دو چمچے اور تھوڑا سا پانی بھی اُس میں ملا دیا۔ آیا یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں کہلائے گی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اگر اس عورت کا دودھ، خشک دودھ سے مقدار میں زیادہ ہو تو رضاعت ثابت ہوجائے گی اور یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں کہلائے گی اور اگر عورت کا دودھ، خشک دودھ سے کم ہو تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

Marfat.com

لمافی الهندیة (۱/۳۴۴): ولو خلط لبن المرأة بالماء أو بالدواء أو بلبن البهيمة فالعبرة للغالب كذا في الظهيرية۔

وفی الشامیة (۳/۲۱۸): قوله (ومخلوط) عطف على لبن ميتة أي وكذا يحرم لبن امرأة مخلوط بماء الخ اھ ح ومثل الماء كل مائع بل والجامد كذلك ھ أفاده في النهر ط۔

(۱۷۷)مخلوط دودھ میں اغلب اور خالص میں ایک قطرے سے رضاعت پر شبہ کا جواب

سؤال

ایک عورت نے بکری کے دودھ کے ساتھ اپنا دودھ ملا کر ایک بچے کو پلایا۔اب اس لڑکے کے ساتھ وہ عورت اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتی ہے تو کرسکتی ہے؟ میں نے سنا ہے کہ اگر ماں کا دودھ غالب ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں پر اگر عورت کا دودھ، بکری کے دودھ کے مقابلہ میں کم ہو تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، جبکہ دوسری جگہ اگر بچہ ایک قطرہ بھی پی لے تو رضاعت ثابت ہوجاتی ہے دونوں میں فرق کیوں ہے؟ کیا یہ درست ہے؟ تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مذکورہ میں اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ پر غالب یا اس کے مساوی تھا تب تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی اور اس لڑکے کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ سے کم تھا تو پھر جائز ہے۔

عورت کے دودھ کا خالص ایک قطرہ پینے کی صورت میں حرمت اس لئے ثابت ہوتی ہے کہ وہ دودھ خالص عورت ہی کا ہوتا ہے جس سے بچہ کی نشوونما ہوتی ہے۔ مخلوط ہونے کی صورت میں غالب کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کے اجزاء زیادہ اور غالب ہوتے ہیں وہی معتبر شمار ہوتا ہے اور اسی سے نشوونما ہوتی ہے لہذا یہ غلبہ والی بات درست ہے کیونکہ مغلوب مستھلک کی طرح ہوتا ہے اور اس سے نفع اٹھانا باقی نہیں رہتا، یعنی یہ کالعدم ہے لہٰذا اس کے استعمال کو عورت کے دودھ کا استعمال نہیں کہیں گے بلکہ اقل کالعدم ہوگا اور رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

لمافی الخلاصة (۲/۱۱): ولو خلط لبن امراة بلبن الشاة أو بالدواء أو بالماء فالعبرة للغالب ان كان اللبن غالبا يثبت الرضاع والا فلا۔

وفی الهندية (۱/۳۴۴) ولو خلط لبن الآدمي بلبن الشاة ولبن الآدمي غالب تثبت الحرمة۔

وفی الدرالمختار (۳/۲۱۸): (ومخلوط بماء أو دواء أو لبن شاة إذا غلب لبن المرأة وكذا إذا استويا) إجماعا لعدم الأولوية جوهرة۔

Marfat.com

(۷۷۲) بوڑھی عورتوں کا پستان بچے کے منہ سے لگانے اور دودھ کا علم نہ ہو تو رضاعت کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ہمارے یہاں ایک خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ خاندان کی بڑی بوڑھی عورتیں چھوٹے بچوں کو چپ کروانے کے لئے اپنا پستان بچے کے منہ میں ڈال دیتی ہیں اور اس سلسلے میں کوئی امتیاز بھی روا نہیں رکھا جاتا بلکہ بچہ جس کا بھی ہو اور جہاں بھی ہو اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ نیز خاندان میں بچوں کی آپس میں شادیاں بھی کی جاتی ہیں۔ اب آپ شرعاً ان عورتوں کے اس عمل کا حکم بیان فرمائیں اور بچوں کی جو آپس میں شادیاں کی جاتی ہیں اس کا بھی حکم بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر بچہ نے عورت کا دودھ پیا ہو اور یقین بھی ہو تو اس عورت کے اصول و فروع سے نکاح کرنا بچہ کیلئے حرام ہے۔ اگر بچہ کے دودھ پینے میں شک ہو یا عورت کے پستان میں دودھ نہ ہو یا یہ معلوم نہ ہو کہ کس عورت نے دودھ پلایا ہے، ان تمام صورتوں میں بچہ کیلئے نکاح کرنا جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ مشکوک جگہ میں نکاح نہ کیا جائے اسی طرح عورتوں پر واجب ہے کہ بلاضرورت ہر بچہ کے منہ میں پستان ڈالنے سے اجتناب کریں شوہر کی اجازت کے بغیر تو ایسا کرنا مکروہ بھی ہے اور اگر کسی بچہ کو بوجہ ضرورت دودھ پلائیں تو اس کی تشہیر کریں یا لکھ کر محفوظ کرلیں۔

لمافی الهندية (۳۴۴/۱): المرأة إذا جعلت ثديها في فم الصبي ولا تعرف أمص اللبن أم لا ففي القضاء لا تثبت الحرمة بالشك وفي الاحتياط تثبت۔

وفيه أيضاً(۳۴۵/۱): صبية أرضعها بعض أهل القرية لا يدرى من أرضعتها منهن فتزوجها رجل من أهل تلك القرية فهو في سعة من المقام معها في الحكم كذا في المضمرات وإن تنزهوا عن ذلك فهو أفضل كذا في الذخيرة في كتاب الاستحسان والواجب على النساء أن لا يرضعن كل صبي من غير ضرورة وإن فعلن ذلك فليحفظن أو يكتبن كذا سمعت من مشايخي رحمهم الله تعالى كذا في المضمرات۔

وفي الشامية (۲۱۲/۳): وفي القنية امرأة كانت تعطي ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن ألقمتها ثديي ولم يعلم ذلك إلا من جهتها جاز لابنها أن يتزوج بهذه الصبية اهـ ط۔

Marfat.com

(۷۷۳) چھاتی سے نکلتے پانی سے رضاعت کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! اگر عورت کی چھاتی سے کسی بیماری کی وجہ سے یا دودھ خشک ہونے کی وجہ سے پانی نکلتا ہو، بہر دو صورت اگر کوئی بچہ اس کو پی لے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

بچہ کی غذائیت کیلئے دودھ پلایا جاتا ہے اسی سے بچہ پروان چڑھتا ہے لہذا اگر کوئی بچہ کسی عورت کی چھاتی سے خالص پانی پی لے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ اگر دودھ کے ساتھ پانی کی آمیزش ہو تو غالب کا اعتبار کیا جائے گا، پس اگر دودھ غالب ہے تو حرمت ثابت ہوگی اور اگر پانی غالب ہے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

لمافي الهندية (۱/۳۴۴) ولو خلط لبن المرأة بالماء أو بالدواء أو بلبن البهيمة فالعبرة للغالب كذا في الظهيرية وكذا بكل مائع أو جامد كذا في النهر الفائق وتفسير الغلبة أن يرى منه طعمه ولونه وريحه أو أحد هذه الأشياء وقيل الغلبة عند أبي يوسف رحمه الله تعالى تغير اللون والطعم وعند محمد رحمه الله تعالى إخراجه من اللبنية كذا في السراج الوهاج۔

وفي الدرالمختار(۳/۲۱۸):(وكذا) يحرم۔۔۔(ومخلوط بماء أو دواء أو لبن شاة إذا غلب لبن المرأة)۔

وفي الرد تحته : قوله (ومخلوط) عطف على لبن ميتة أي وكذا يحرم لبن امرأة مخلوط بماء الخ ح۔ و مثل الماء كل مائع بل والجامد كذلك أفاده في النهر ط قوله (إذا غلب لبن المرأة) أي على أحد المذكورات وفسر الغلبة في أيمان الخانية من حيث الاجزاء وقال هنا فسرها محمد في الدواء بأن يغيره عن كونه لبنا وقال الثاني إن غير الطعم واللون لا إن غير أحدهما. نهر ونحوه في البحر ووفق في الدر المنتقى فقال تعتبر الغلبة بالاجزاء في الجنس وفي غيره بتغيير طعم أو لون أو ريح كما روي عن أبي يوسف اهـ۔

Marfat.com

(۷۷۴) عورت اور بکری کا ملا دودھ پینے سے حرمت رضاعت

سؤال

میری شادی کو سولہ سال ہو چکے ہیں۔ اللہ رب العزت نے شادی کے دوسرے سال لڑکا دیا اس کی پیدائش کے تین ماہ بعد میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو ہم نے اس لڑکے کو بکری کا دودھ پلانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی تو ڈاکٹروں نے کہا بکری کے دودھ کے ساتھ کسی عورت کا دودھ ملا کر پلائیں۔ ایک عورت نے مہربانی کی اور کچھ دودھ نکال کر دے دیتی تھی۔ ہم اس کو بکری کے دودھ کے ساتھ ملا کر اس کو پلاتے رہے۔ اب یہ بالغ ہو چکا ہے۔ ہم شادی کیلئے سوچ رہے ہیں۔ اس عورت نے کہا اس کو میں اپنی لڑکی دوں گی۔ تین لڑکیوں میں سے جس لڑکی سے یہ شادی کرنا چاہے میں دینے کیلئے تیار ہوں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ میرے لڑکے کیلئے اس عورت کی کسی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر بکری کے دودھ کے ساتھ عورت کا دودھ ملا کر کسی بچے کو پلایا جائے تو اس میں اعتبار غالب کا ہوگا۔ اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور اگر عورت کا دودھ غالب ہو یا بکری کے دودھ کے برابر ہو تو اس صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی چنانچہ صورت مسئولہ میں چونکہ یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ کس کا دودھ غالب تھا نیز کئی دفعہ یہ عمل وقوع پذیر ہوا ہے لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اپنے لڑکے کا اس عورت کی لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہ کرایا جائے۔

لمافي الهندية (۱/۳۴۴): ولو خلط لبن الآدمي بلبن الشاة ولبن الآدمي غالب تثبت الحرمة۔

وفي الدر المختار (۳/۲۱۸): (وكذا) يحرم۔۔۔(ومخلوط بماء أو دواء أو لبن شاة إذا غلب لبن المرأة وكذا إذا استويا) إجماعا لعدم الأولوية جوهرة۔

(۷۷۵) دولہا اور دلہن کے ایک ہی گلاس میں دودھ پینے سے نکاح کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! کل ہم ایک جگہ شادی میں گئے وہاں دودھ پلائی کی رسم میں دودھ پلایا گیا۔ آدھا دودھ دلہا نے پیا اور آدھا دودھ دلہن نے پیا۔ لوگوں نے کہا کہ نکاح ٹوٹ گیا۔ اس کے بارے میں آپ سے فتویٰ چاہیئے۔

Marfat.com

الجواب بعون الملک الوھاب

مدت رضاعت (ابتدائی دو سال) کے بعد عورت کا دودھ پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی نیز کسی جانور (مثلا بھینس، بکری وغیرہ) کا دودھ پینے سے دو انسانوں کے مابین حرمت رضاعت کسی عمر میں بھی ثابت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ دولہا، دلہن کا ایک ہی گلاس کے دودھ کو پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوئی اور نکاح نہیں ٹوٹا۔

لمافي الجوهرة النيرة (۱۵۶/۲): قوله (وإذا شرب صبيان من لبن شاة فلا رضاع بينهما) ؛ لأن لبن الشاة لا حرمة له بدليل أن الأمومة لا تثبت به ولا أخوة بينه وبين ولدها ولأن لبن البهائم له حكم الطعام۔

وفي الشامية(۲۰۹/۳): قوله (آدمية) خرج بها الرجل والبهيمة، بحر۔

وفي الدر المختار (۲۱۱/۳): (ويثبت التحريم) في المدة فقط۔

وفي الرد تحته: قوله (في المدة فقط) أما بعدها فإنه لا يوجب التحريم، بحر۔

(۷۷۶) نکاح کے بعد والدہ کا یہ دعوی کہ لڑکی اس کی دودھ شریک بہن ہے

سؤال

ابھی چند دن پہلے میرا نکاح ہوا ہے اور رخصتی تین مہینے بعد ہے۔ جس لڑکی سے میرا نکاح ہوا ہے وہ میری والدہ کی رضاعی بہن لگتی ہے۔ نکاح کے وقت تو کسی کو خیال نہیں آیا۔ جب نکاح کے بعد ایک ہفتہ گذر گیا اس وقت میری والدہ کو یاد آیا کہ جس عورت سے میں نے دودھ پیا تھا اس لڑکی نے بھی اسی سے پیا ہے۔ اب میں بڑا پریشان ہوں۔ مفتی صاحب آپ بتائیں شریعت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر آپ کو اپنی والدہ کی بات پر یقین ہو کہ وہ سچ کہہ رہی ہیں تو آپ کا مذکورہ لڑکی سے نکاح نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ شریعت میں رضاعی خالہ سے نکاح کرنا درست نہیں اور مذکورہ لڑکی آپ کی رضاعی خالہ ہے لہذا آپ اس عورت سے علیحدہ ہوجائیں اور اگر آپ کو اپنی والدہ کی بات پر یقین نہ ہو اور ان کی بات پر دو گواہ بھی نہ ہوں تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی اور آپ کا اس عورت کے ساتھ رہنا درست ہے۔

لمافي الهندية (۳۴۷/۱): ولا يقبل في الرضاع إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين عدول كذا في المحيط ولا تقع الفرقة إلا بتفريق القاضي كذا في النهر الفائق وإذا شهد رجلان عدلان أو

Marfat.com

رجل وامرأتان وفرق بينهما فإن كان قبل الدخول بها فلا شيء لها وإن كان بعد الدخول بها يجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل ولا تجب النفقة والسكنى كذا في البدائع ---

وإن كان المخبر واحدا ووقع في قلبه أنه صادق فالأولى أن يتنزه ويأخذ بالثقة وجد الإخبار قبل العقد أو بعده ولا يجب عليه ذلك كذا في المحيط۔

وفي الشامية(۲۲۴/۳): قوله (وهي شهادة عدلين الخ) أي من الرجال وأفاد أنه لا يثبت بخبر الواحد امرأة كان أو رجلا قبل العقد أو بعده وبه صرح في الكافي والنهاية تبعا لما في رضاع الخانية۔

(۷۷۷) دوعورتوں کا مخلوط دودھ پینے سے حرمت رضاعت کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ایک بچہ (زید) نے دوعورتوں کا مخلوط دودھ پیا تو کیا اس سے رضاعت ثابت ہوگی؟ اور رضاعت دونوں سے ثابت ہوگی یا ایک عورت سے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

اگر بچے (زید) نے مدت رضاعت میں دوعورتوں کا مخلوط دودھ پی لیا ہے تو اس میں اغلب کا اعتبار نہیں بلکہ دونوں عورتوں سے رضاعت ثابت ہوجائے گی۔

لما في الشامية (۲۱۸/۳): قوله (ومخلوط) عطف على لبن ميتة أي وكذا يحرم لبن امرأة مخلوط بماء الخ اهـ ومثل الماء كل مائع بل والجامد كذلك أفاده في النهر ط قوله (إذا غلب لبن المرأة) أي على أحد المذكورات---- قوله (لعدم الأولوية) علة لاستواء لبن المرأتين وأفاد به ثبوت التحريم منهما وأما علة استواء لبن المرأة مع الباقي فهي أن لبنها غير مغلوب فلم يكن مستهلكا كما في البحر قوله (وعلق محمد الخ) مقابل لما أفاده كلام المصنف من أنه لو كان لبن إحدى المرأتين غالبا تعلق التحريم به فقط ولو استويا تعلق بهما قوله (مطلقا) أي تساويا أو غلب أحدهما لأن الجنس لا يغلب الجنس ح قوله (قيل وهو الأصح) قال في البحر وهو رواية عن أبي حنيفة قال في الغاية وهو أظهر وأحوط وفي شرح المجمع قيل إنه الأصح اهـ وفي الشرنبلالية ورجح بعض المشايخ قول محمد وإليه مال صاحب الهداية لتأخيره دليل محمد كما في الفتح اهـ ح۔

Marfat.com

(۷۷۸) بڑی بہن کا اپنے سگے بھائی کو دودھ پلانے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! کیا بڑی بہن اپنے سگے بھائی کو دودھ پلاسکتی ہے؟ اس سے رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ضرورت کے وقت شوہر کی اجازت سے عورت کسی بھی بچے کو دودھ پلاسکتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر ضرورت ہے تو بہن شوہر کی اجازت سے اپنے شیر خوار بھائی کو دودھ پلاسکتی ہے لیکن یہ بھائی اب اس کا رضاعی بیٹا بھی بن جائے گا اور اس پر رضاعی بیٹے والے احکام جاری ہوں گے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۳) وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۔الآية۔

وفی الفتاوىٰ اللجنة الدائمة (۱۰۶/۲۱): س: هل يجوز للمرأة ان ترضع اخاها؟

ج: يجوز للمرأة أن ترضع أخاها الصغير إذا احتاج إلى ذلك ويكون ابناً لها من الرضاعة هذا اذا أرضعته ۔۔۔ حال كونه فی الحولين۔

(۷۷۹) نند کو دودھ پلانے سے کیا وہ رضاعی بیٹی بن جائے گی؟

سؤال

مفتی صاحب! زید نے سعیدہ سے شادی کی تو کیا سعیدہ زید کی بہن کو اپنا دودھ پلاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر پلا دے تو کیا زید کی بہن اس کی رضاعی بیٹی بن جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

ضرورت کے وقت شوہر کی اجازت سے عورت کسی بھی بچے کو دودھ پلاسکتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی شوہر کی بہن کو دودھ پلاسکتی ہے اور اگر مدت رضاعت میں دودھ پلایا تو وہ اس کی رضاعی ماں بن جائے گی۔

لمافی الشامية (۲۱۲/۳): وفي الفتح لو أدخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك ثم قال والواجب على النساء أن لا يرضعن كل صبي من غير ضرورة وإذا أرضعن

Marfat.com

فليحفظن ذلك وليشهرنه ويكتبنه احتياطا اه وفي البحر عن الخانية يكره للمرأة أن ترضع صبيا بلا إذن زوجها إلا إذا خافت هلاكه۔

وفى الفتاوىٰ اللجنة الدائمة (۱۰۶/۲۱): س: هل يجوز للمرأة ان ترضع اخاها؟

ج: يجوز للمرأة أن ترضع أخاها الصغير إذا احتاج إلى ذلك ويكون ابناً لها من الرضاعة هذا اذا أرضعته ۔۔۔ حال كونه فى الحولين۔

(۷۸۰) کافرہ عورت سے بچے کو دودھ پلوانے کا حکم

سؤال

میرے ماموں انگلینڈ میں مقیم ہیں۔اس دفعہ جب ان کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی تو اس میں ہماری ممانی کا انتقال ہوگیا۔ وہاں ان کو کوئی مسلمان عورت دودھ پلانے کیلئے نہیں ملی۔اس لئے انہوں نے ایک کافرہ عورت سے اس سلسلہ میں بات کی تو وہ راضی ہوگئی کیونکہ وہ ان کے پڑوس ہی میں رہتی ہے۔اس نے میرے ماموں کے بیٹے کو دودھ پلانا شروع کردیا ہے۔

جب انہوں نے ہم کو انٹرنیٹ پر بتایا تو میری والدہ پریشان ہوئیں کہ آیا اس طرح کافرہ عورت کا مسلمان بچے کو دودھ پلانا صحیح ہے یا نہیں؟لہذا میری والدہ نے کہا کہ کل کسی دن مفتی صاحب کے پاس جاؤ اور معلومات کر کے آؤ،اب مفتی صاحب آپ براہ کرم اس مسئلہ کا حل تحریری طور پر دیں۔آیا اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟اگر جائز ہے تو کافرہ عورت کا دودھ پینے سے بچے پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے ماموں کو چاہیئے کہ اول تو وہ کسی مسلمان عورت کو دودھ پلانے کے لئے تلاش کریں اگر کوئی مسلمان عورت دودھ پلانے کے لئے نہ ملے تو پھر ڈبے کا دودھ پلائیں۔اگر ڈبے وغیرہ کا دودھ بچے کے لئے مضر ہو تو پھر کافرہ عورت سے دودھ پلانے کی گنجائش ہے۔بچے پر اس کافرہ عورت کا دودھ پینے کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

لمافى الدرالمختار(۵۳/۶): (وللمستأجر فسخها بحبلها و مرضها وفجورها) فجورا بينا ونحو ذلك من الأعذار (لا بكفرها) لأنه لا يضر بالصبي۔

وفى الرد تحته:قوله (لا بكفرها) لأن كفرها في اعتقادها، زيلعي قال ط ويخالفه في الخانية إذا ظهرت الظئر كافرة أو مجنونة أو زانية أو حمقى فلهم فسخ الإجارة۔

وفى الموسوعة الفقهية(۲۵۵/۲۲): إن ارتضع مسلم من ذمية رضاعا محرما حرمت عليه بناتها

Marfat.com

وفروعها كلهن وأصولها كالمسلمة ؛ لأن النصوص لم تفرق بين مسلمة وكافرة ، وقد صرح بذلك المالكية والحنابلة ولا تأبى ذلك قواعد المذاهب الأخرى۔

وفي اللجنة الدائمة (۶۱/۲۱): يجوز للمسلمة أن ترضع طفلا نصرانيا ، ويجوز للنصرانية أن ترضع طفلا مسلما ؛ لأن الأصل في مثل ذلك الإباحة ، ولم يوجد دليل ينقل عنها ، بل ذلك من باب الإحسان۔

(۷۸۱) رضاعت کے ثبوت میں دودھ کی رنگت کے اعتبار کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! اُم نذیر نے انتقال سے پہلے خود کہا کہ میری چھاتی میں دودھ نہ تھا۔ میرا پوتا جاوید اور پوتی شاہینہ ناز مدت رضاعت میں جب روتے تو میں بچوں کو چپ کرانے کی خاطر اپنی چھاتی ان کے منہ میں دیدیتی تو یہ بچے خاموش ہوجاتے تھے۔ کسی نے یہ بتایا کہ زرد رنگ کا پانی ہوتب بھی حرمت ثابت ہوجاتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر ہاں تو اُم نذیر کے انتقال کے بعد مذکورہ بات کی تفتیش ناممکن ہونے کی وجہ سے اب جاوید اور شاہینہ ناز کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

اُمّ نذیر کے مذکورہ قول کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ البتہ یہ بات کہ زرد رنگ کے پانی سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے اگر زرد رنگ کا پانی غیر شادی شدہ لڑکی کی چھاتی سے نکلے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور اگر یہ پانی شادی شدہ عورت کی چھاتی سے نکلے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے لیکن اُمّ نذیر کو زرد رنگ کا پانی آتا تھا یا نہیں، اس کی تصدیق اسی سے ممکن تھی۔ اب اس کے انتقال کے بعد عدم تصدیق کی بنا پر محض شک کی وجہ سے حرمت رضاعت تو اس سے ثابت نہیں ہوگی، البتہ مدت رضاعت میں بچوں کے منہ میں دودھ یا زرد رنگ کے پانی جانے کے احتمال کی وجہ سے احتیاط اسی میں ہے کہ ان کا آپس میں نکاح نہ کیا جائے۔

لما في الهندية (۳۴۴/۱) وكذا لو نزل للبكر ماء أصفر لا يثبت من إرضاعه تحريم هكذا في فتح القدير۔

وفيه أيضاً(۳۴۴/۱): المرأة إذا جعلت ثديها في فم الصبي ولا تعرف أمص اللبن أم لا ففي القضاء لا تثبت الحرمة بالشك وفي الاحتياط تثبت دخل في فم الصبي من الثدي مائع لونه أصفر تثبت حرمة الرضاع لأنه لبن تغير لونه كذا في خزانة المفتين۔

Marfat.com

وفی الشامیۃ (۲۱۲/۳): وفي القنية امرأة كانت تعطي ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن في ثديي لبن ألقمتها ثديي ولم يعلم ذلك إلا من جهتها جاز لابنها أن يتزوج بهذه الصبية اهـ ط وفي الفتح لو أدخلت الحلمة في في الصبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك۔

(۷۸۲) کنواری لڑکی کا پستان بچے کے منہ میں دینے سے رضاعت کا حکم

سؤال

ایک غیر شادی شدہ لڑکی نے ایک بچی جس کی والدہ فوت ہو چکی تھی اسے اٹھا کر اپنی چھاتی کے ساتھ لگالیا اور وہ بچی بہت دیر تک اس لڑکی کی چھاتی کے ساتھ پستان منہ میں لئے ہوئے سوگئی۔ آیا اس طرح رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ ہم نے سنا ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی کا دودھ نہیں ہوتا۔ کیا یہ بات بھی درست ہے یا محض غلط افواہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

عورت کو عموماً شادی کے بعد حمل ٹھہرنے سے دودھ اترتا ہے لیکن کسی باکرہ کو بھی دودھ اتر جائے یہ ممکن ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر یقین سے معلوم ہو جائے کہ باکرہ کو دودھ اتر گیا ہے تو رضاعت ثابت ہوگی ورنہ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

لما فی الکلام المجید (النساء :۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفی الهندیۃ (۳۴۴/۱) : المرأة إذا جعلت ثديها في فم الصبي ولا تعرف أمص اللبن أم لا ففي القضاء لا تثبت الحرمة بالشك وفي الاحتياط تثبت۔

وفی الدر المختار (۲۲۴/۳) : (و) الرضاع (حجته حجة المال) وهي شهادة عدلين أو عدل وعدلتين لكن لا تقع الفرقة إلا بتفريق القاضي۔

وفی الرد تحته: قوله (حجته الخ) أي دليل إثباته وهذا عند الإنكار لأنه يثبت بالإقرار مع الإصرار كما مر قوله (وهي شهادة عدلين الخ) أي من الرجال وأفاد أنه لا يثبت بخبر الواحد امرأة

Marfat.com

كان أو رجلا قبل العقد أو بعده وبه صرح في الكافي والنهاية تبعا لما في رضاء الخانية۔

(۷۸۳) بچے کا سوتی عورت کے پستان سے دودھ پی لینے کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! ایک عورت سورہی تھی۔ایک بچے نے اس کے پستان سے منہ لگا کر دودھ پینا شروع کردیا۔جب عورت کی آنکھ کھلی تو اس نے فوراً اس کو علیحدہ کردیا۔آپ حضرات سے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس سے رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر کسی بچے نے مدت رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پی لیا، خواہ ایک گھونٹ کیوں نہ ہو اور عورت سورہی ہو تب بھی اس سے رضاعت ثابت ہوجاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بچہ کی عمر دو سال سے کم ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی۔

لمافی الهندية(۳۴۲/۱):قليل الرضاع وكثيره إذا حصل في مدة الرضاع تعلق به التحريم،كذا في الهداية۔

وفی الدرالمختار(۲۰۹/۳): باب الرضاع (هو) لغة بفتح وكسر مص الثدي ۔ وشرعا (مص من ثدي آدمية) ولو بكرا أو ميتة أو آيسة وألحق بالمص الوجور والسعوط (في وقت مخصوص) هو (حولان ونصف عنده وحولان) فقط (عندهما وهو الأصح)۔

(۷۸۴) مرد کے منہ میں عورت کا دودھ چلے جانے سے نکاح کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! شوہر نے اپنی بیوی کے پستان پر منہ لگایا، عورت کا دودھ مرد کے حلق میں چلا گیا۔کیا اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ اگر نہیں تو عورت کے دودھ کو کوئی بطور غذا استعمال کرے اور اس سے گوشت و ہڈی بھی نشوونما پا جائیں تو پھر بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں بہر صورت حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی لیکن عمداً ایسی حرکت کرنا جائز نہیں کیونکہ شیر خوارگی کے زمانے میں [یعنی دو سال کی عمر تک] تو بچہ کیلئے عورت کا دودھ پینا جائز ہے، مدت شیر خوارگی کے بعد بچے کیلئے بھی عورت کا دودھ پینا جائز نہیں لہٰذا

Marfat.com

شوہر احتیاط کرے اور اگر دودھ منہ میں آجائے تو اسے تھوک دے۔

لمافی الشامیة(۲۰۹/۳): قوله (في وقت مخصوص) قد يقال إنه لا حاجة إليه للاستغناء عنه بالرضيع وذلك أنه بعد المدة لا يسمى رضيعا نص عليه في العناية، نهر وفيه نظر والذي في العناية أن الكبير لا يسمى رضيعا ذكره ردا على من سوى في التحريم بين الكبير والصغير۔

(۲۱۱/۳) قوله (في المدة فقط) أما بعدها فإنه لا يوجب التحريم۔

(۲۲۵/۳)(قوله: مص رجل) قيد به احترازا عما إذا كان الزوج صغيرا في مدة الرضاع فإنها تحرم عليه۔

(۷۸۵) رضاعت سے حرمتِ نکاح کی تفصیل

سؤال

زید، عمر کا چچازاد بھائی ہے اور زید نے عمر کی بڑی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا ہے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں کا تو ایک دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، لیکن ان کے علاوہ بہن بھائیوں کا کیا حکم ہے؟ ان کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

مستفتی نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ زید اور عمر کی بڑی بیٹی نے کس کا دودھ پیا ہے لہٰذا اس مسئلہ میں کل تین صورتیں بنیں گی:

(۱) زید اور عمر کی بڑی بیٹی نے عمر کی بیوی کا دودھ پیا۔

(۲) زید اور عمر کی بڑی بیٹی نے زید کی ماں کا دودھ پیا۔

(۳) زید اور عمر کی بڑی بیٹی نے زید کی ماں اور عمر کی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ پیا۔

ان تینوں صورتوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔پہلی صورت میں زید کا عمر کی کسی بھی بیٹی سے نکاح جائز نہیں جبکہ عمر کی تمام بیٹیوں کا زید کے دیگر بھائیوں سے نکاح جائز ہے نیز زید کی بہنوں کا عمر کے بیٹوں سے نکاح جائز ہے۔حرمت رضاعت یہاں صرف زید اور عمر کی بیٹیوں کے درمیان ثابت ہورہی ہے، کیونکہ عمر کی بیوی زید کی رضاعی ماں ہے جبکہ عمر کی بیٹیاں زید کی رضاعی بہنیں ہیں۔

دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ عمر کی بڑی بیٹی کیلئے زید اور زید کے تمام بھائیوں سے نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ زید کی ماں عمر کی بڑی بیٹی کی رضاعی ماں ہے اور زید کے بھائی عمر کی بڑی بیٹی کے رضاعی بھائی ہیں لیکن زید کے بھائی عمر کی بڑی بیٹی کے علاوہ دیگر بیٹیوں سے نکاح کرسکتے ہیں، اسی طرح عمر کے بیٹے زید کی تمام بہنوں سے نکاح کرسکتے ہیں۔

تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ زید کیلئے عمر کی بڑی بیٹی کے علاوہ دیگر بیٹیوں سے نکاح جائز ہے، اور عمر کی تمام بیٹیوں کا زید کے

Marfat.com

دیگر بھائیوں سے نکاح جائز ہے، اسی طرح عمر کی بڑی بیٹی کا زید کے علاوہ تمام بھائیوں سے نکاح جائز ہے، یعنی اس صورت میں صرف زید اور عمر کی بڑی بیٹی کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

لمافي الهندية (۱/۳۴۳): يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا حتى أن المرضعة لو ولدت من هذا الرجل أو غيره قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت رضيعا أو ولد لهذا الرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت امرأة من لبنه رضيعا فالكل إخوة الرضيع وأخواته وأولادهم أولاد إخوته وأخواته وأخو الرجل عمه وأخته عمته وأخو المرضعة خاله وأختها خالته --- وتحل أخت أخيه رضاعا كما تحل نسبا مثل الأخ لأب إذا كانت له أخت من أمه يحل لأخيه من أبيه أن يتزوجها كذا في الكافي۔

وفي الدرالمختار (۳/۲۱۷): (وتحل أخت أخيه رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

(۷۸۶) نسبی بہن کی رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال

مفتی صاحب! زید کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے اور عمر کی دو بیٹیاں ہیں۔ زید کی بیٹی نے عمر کی بیوی کا دودھ اس کی چھوٹی بیٹی کے ساتھ مدت رضاعت میں پیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے بیٹے کا نکاح عمر کی بیٹیوں کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب

جب کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیتا ہے تو یہ بچہ دودھ پلانے والی کا رضاعی بیٹا یا بیٹی کہلاتا ہے۔ اس کا نکاح دودھ پلانے والی کی اولاد کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ یہ سب اس کے رضاعی بہن بھائی ہیں البتہ اس بچے کے نسبی بہن بھائیوں کا نکاح اس کے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ جائز ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں (اگر کوئی اور وجہ حرمت نہ ہو تو) زید کے بیٹے کا نکاح عمر کی بیٹیوں کے ساتھ جائز ہے۔

لمافي القرآن الكريم (النساء:۲۳): حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔الآية.

Marfat.com

وفی الدرالمختار (۲۱۷/۳): (وتحل أخت أخيه رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔ (و) كذا (نسبا) بأن يكون لأخيه لأبيه أخت لأم فهو متصل بهما لا بأحدهما للزوم التكرار كما لا يخفى۔

وفی الشامية (۲۱۷/۳): فرع في البحر عن آخر المبسوط لو كانت أم البنات أرضعت أحد البنين وأم البنين أرضعت إحدى البنات لم يكن للابن المرتضع من أم البنات أن يتزوج واحدة منهن وكان لإخوته أن يتزوجوا بنات الأخرى إلا الابنة التي أرضعتها أمهم وحدها لأنها أختهم من الرضاعة ۔۔الخ۔

(۷۸۷) رضیع کے بھائی پر مرضعہ کے اصول وفروع حرام نہیں

سؤال

میرے بھائی نے میری والدہ کے ماموں کی بیٹی (شاہینہ) کے ساتھ دودھ پیا ہے۔اب میں شاہینہ کے علاوہ اس کی دوسری بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔آیا میرے لئے شاہینہ کے علاوہ اس کی دوسری بہن سے نکاح کرنا درست ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب

شرعاً اگر کوئی بچہ مدت رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس بچے کے اصول وفروع اس دودھ پلانے والی عورت پر اور اس عورت کے اصول وفروع اس بچے پر حرام ہوجاتے ہیں لیکن اس دودھ پینے والے بچے کے بھائی کے لئے اس عورت اور اس کے اصول وفروع سے نکاح کرنا جائز ہوتا ہے، ان میں کوئی حرمت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں کیونکہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے آپ کے لئے شاہینہ کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

لمافی الهندية (۳۴۳/۱): وتحل أخت أخيه رضاعا كما تحل نسبا مثل الأخ لأب إذا كانت له أخت من أمه يحل لأخيه من أبيه أن يتزوجها كذا في الكافي۔

وفی الدرالمختار(۲۱۷/۳):(وتحل أخت أخيه رضاعا)يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

Marfat.com

(۷۸۸)ایک عورت کادودھ پینے سے اس کی تمام اولاد سے نکاح حرام ہوگا

سؤال

مفتی صاحب!درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱)ایک لڑکے نے کسی عورت کا دودھ پیا،اس زمانے میں جس زمانے میں اس عورت کے بچوں میں سے کوئی دودھ پینے والانہیں تھا۔ کیایہ لڑکااس عورت کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی کرسکتا ہے؟

(۲)ایک لڑکے نے کسی عورت کا دودھ پیا،اس وقت اس عورت کی ایک بیٹی نے بھی دودھ پیا۔کیااس لڑکے کااس لڑکی کی بڑی یا چھوٹی بہن سے نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟

(۳)بڑے سگے بہن بھائی نے اپنی مامی کادودھ پیاتھا۔کیاان کے چھوٹے بہن بھائی مامی کی اولاد سے شادی کرسکتے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱،۲)۔بچے نے اگر مدت رضاعت (دوسال کی عمر) کے اندر کسی عورت کادودھ پیاتواس عورت کی تمام اولاد سے اس بچے کا نکاح جائز نہیں،خواہ اس بچے کے ساتھ دودھ پیاہو یااس سے پہلے یااس سے بعد،کیونکہ یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں ہے اوراس کی اولاداس بچے کے رضاعی بہن بھائی بن گئے۔

(۳)اگرچھوٹے بہن،بھائی نے مامی کادودھ نہیں پیاتومامی کی اولاد سے ان کا نکاح جائز ہے۔

لمافی الھندیة (۱/۳۴۳):أرضعت امرأة من لبنه رضیعا فالکل إخوة الرضیع وأخواته وأولادھم أولاد إخوته وأخواته وأخو الرجل عمه وأخته عمته وأخو المرضعة خاله وأختها خالته۔

وفی الدر المختار(۳/۲۱۷):(ولا حل بین رضیعي امرأة) لکونهما أخوین وإن اختلف الزمن والأب ۔۔۔(۳/۲۱۷):تحل اخت أخیه رضاعاً ۔۔۔(۳/۲۰۹):(حولان ونصف عنده وحولان) فقط (عندهما وهو الأصح) فتح وبه یفتی کما في تصحیح القدوري عن العون۔

(۷۸۹)بہن نے بیوی کادودھ پیاہوتواس کے بیٹے کااپنی بیٹی سے نکاح کاحکم

سؤال

مفتی صاحب!میری بہن نے میری بیوی کادودھ پیاتھا۔اب میری بہن کے لڑکے کا نکاح میری لڑکی کے ساتھ جائز ہے یا

Marfat.com

نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

اگر آپ کی بہن نے مدت رضاعت میں آپ کی بیوی کا دودھ پیا ہو تو آپ کی لڑکی اس لڑکے کی رضاعی خالہ بنتی ہے لہٰذا ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہیں ہے۔

لمافی الشامية (۲/۲۱۵): وبيان ذلك أن الحديث دل على أن كل ما يحرم من النسب يحرم نظيره من الرضاع فيقال تحرم الأم نسبا فكذا تحرم الأم رضاعا وتحرم البنت نسبا فكذا تحرم البنت رضاعا وهكذا إلى آخر المحرمات النسبية۔

(۷۹۰) خالہ نے بہن اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا ہو تو ان کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! میری ایک خالہ ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ میری بڑی بہن کو دودھ پلایا ہے۔ اب خالہ کی بیٹی سے میرے نکاح کی بات ہو رہی ہے۔ کیا خالہ کی بیٹی سے نکاح کرنا میرے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

آپ کے لئے خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنے میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں لہٰذا آپ کا خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے البتہ آپ کی بہن چونکہ خالہ کی رضاعی بیٹی ہے لہذا آپ کی بہن کا نکاح اس خالہ کے کسی بھی لڑکے سے جائز نہیں۔

لمافی الهندية (۱/۳۴۳): وتحل أخت أخيه رضاعا كما تحل نسبا مثل الأخ لأب إذا كانت له أخت من أمه يحل لأخيه من أبيه أن يتزوجها كذا في الكافي وتحل أم أخيه وأم عمه وعمته وأم خاله وخالته من الرضاع هكذا في شرح الوقاية۔

وفي الدر المختار (۲/۲۱۳): (فيحرم منه) أي بسببه (ما يحرم من النسب) رواه الشيخان --- (إلا أم أخيه وأخته) --- (و) قس عليه (أخت ابنه) وبنته (وجدة ابنه) وبنته (وأم عمه) ـ الخ۔

وفيه أيضاً (۲/۲۱۵): (وتحل أخت أخيه رضاعا) يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية وبالمضاف إليه كأن يكون لأخيه رضاعا أخت نسبا وبهما وهو ظاهر۔

Marfat.com

Marfat.com

نجم الفتاوی جلد خامس میں موجود مدلل و مفصل فتاوی کے نام

نجم الفتاوی کی یہ طبع جدید جہاں اور خصوصیات کی حامل ہے وہاں اس کی زینت وہ تحقیقی اور تفصیلی فتاوی بھی ہیں جو ان چھ جلدوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عنوانات کی ان تحقیقات کو [جو کہ فتاوی کا حسن ہوتی ہیں] متعلقہ ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔ اہل علم، صاحب نظر، فقہ وتفقہ کا ذوق رکھنے والوں اور تحقیق کے شناوروں کیلئے ان فتاوی میں انتہائی قابلِ قدر مواد موجود ہے۔
ہر جلد کی تفصیلی فہرست میں ان فتاوی کو نمایاں کر دیا گیا ہے نیز ''نجم الفتاوی جلد اول'' کے آخر میں مکمل چھ جلدوں میں موجود ان تمام محقق فتاوی کی فہرست مع مختصر تعارف کے موجود ہے۔ ہر جلد کے آخر میں صرف اس جلد میں موجود فتاوی کے نام مع صفحات نمبر درج کئے جا رہے ہیں۔ درج ذیل نام اس پانچویں جلد میں موجود تفصیلی فتاوی کے ہیں۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

۱	کسر الزجاج فی انعقاد الحفلة عند الزواج	۳۵
۲	استنارة القمرين فی جواب السؤال "هل تزويج الولد لازم على الابوين"	۴۷
۳	القضية السالبة اذا أنكح الجدُّ فی غير الكفوء البالغة	۵۳
۴	الجواب المختار فی كفاءة الرجل عند سوء الاختيار	۷۳
۵	الجبيرة عن نكاح الصغيرة	۹۳
۶	إعلام الاذكياء بأن عدم استحقاق الفسخ لنكاح الأب ثابت من الاحاديث الصحاح	۱۱۱
۷	الرسالة البيضاء فی ردّ الاحتجاج على نقض اجازة المكرهة من حديث خنساء	۱۲۵
۸	أداء الامانة ببيان أن الكفاءة تعتبر فيها عند الامام الديانة	۱۶۵
۹	الدليل الجاذب على أن نكاح المرأة فی غير الكفوء نكاح فاسد	۱۷۵

Marfat.com

١٠	أداء الفريضة ببيان أن مسئلة الكفاءة لا تصادم الشريعة	١٨٩
١١	ضوء الدار فى أن علة الكفاءة هى دفع العار	١٩٦
١٢	إعلاء السافل بأن العالم العجمى يكون كفؤا للعربى العالم والجاهل	٢١٩
١٣	الجواب المفصل لمن سئل عن تعيين مدة المهر المؤجل	٢٦٣
١٤	القول بالمساواة فى أن الفتوى على ظاهر الرواية فى نفقة الزوجات	٣٨١
١٥	فلاح الدارين فى حقوق الزوجين	٤٣٩
١٦	أقوال الفقهاء فى استمتاع الزوجين عن فرج الآخر عند الجماع	٤٧٩
١٧	بيان المعانى فى الزواج الثانى	٥٢٧

دار الإفتاء دار العلوم ياسين القرآن

Marfat.com

(۷۱۰)	متعدد بیویوں والے کے لئے سفر میں برابری کرنا	۴۹۴
(۷۱۱)	عدم ادائیگی حقوق سے بیوی حرام نہیں ہوتی	۴۹۵
	فصل فی المتفرقات (نکاح کے متفرقات کا بیان)	۴۹۶
(۷۱۲)	صاحب استطاعت حج پہلے کرے گا یا شادی؟	۴۹۶
(۷۱۳)	نکاح کے بعد رخصتی میں تاخیر کرنا	۴۹۷
(۷۱۴)	منگنی کی رسم کے بعد رشتے ٹوٹ جانا	۴۹۸
(۷۱۵)	ابتداءِ جوانی میں نکاح کا حکم	۴۹۹
(۷۱۶)	بیوی سے جماع کرتے وقت اجنبیہ کا خیال دل میں لانا	۵۰۰
(۷۱۷)	مشت زنی اور غیر ذی روح میں دخول کا حکم	۵۰۱
(۷۱۸)	حاملہ من الزنا سے متعلق چند جزئیات کا حکم	۵۰۲
(۷۱۹)	حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور اس کے گواہ	۵۰۳
(۷۲۰)	بچوں والی عورت کیلئے دوسری شادی کا حکم	۵۰۵
(۷۲۱)	بیٹی کے انتقال کے بعد داماد سے پردہ کرنا	۵۰۶
(۷۲۲)	شادی سے پہلے تمام لڑکیوں کو بہن کہہ دینے کا حکم	۵۰۷
(۷۲۳)	بیوی کو بیٹی کہہ کر پکارنے کا حکم	۵۰۷
(۷۲۴)	چھوٹے آلہ تناسل والے کیلئے نکاح کا حکم	۵۰۸
(۷۲۵)	نکاح ختم کرنے کیلئے ارتداد کا حیلہ	۵۰۹
(۷۲۶)	رخصتی سے قبل آپس کے تعلقات کا حکم	۵۱۰
(۷۲۷)	شادی میں تاخیر کی وجہ سے روزہ رکھنے کا حکم	۵۱۲
(۷۲۸)	ماہ محرم میں نکاح کا حکم	۵۱۳

Marfat.com

(۵۸۶) مہر کا جہیز کے بدلے تبادلہ کرنا

سؤال

مفتی صاحب! لڑکے کے گھر والوں نے مہر کی رقم کا جہیز کے سامان کے ساتھ تبادلہ کرلیا یعنی لڑکی والوں سے کہا کہ آپ جہیز کا سامان لڑکی کو نہ دیں اور اس کے بدلے میں مہر کی رقم کو ساقط سمجھ لیں تو آیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایسا کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب

عقد نکاح کی وجہ سے شوہر کے ذمے بیوی کے لئے مہر کی ادائیگی شرعاً واجب ہوتی ہے اور بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ بیوی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اگر مہر معجّل ہو تو جب تک شوہر مہر ادا نہیں کرتا اس کے پاس جانے سے انکار کردے، بخلاف جہیز کے، جہیز لڑکی کے گھر والوں پر شرعاً واجب نہیں اور نہ ہی شوہر کا جہیز کے ساتھ کسی قسم کا حق متعلق ہوتا ہے بلکہ یہ تو لڑکی کے والدین وغیرہ اپنی صوابدید اور خوشی سے اپنی بیٹی کے لئے کرتے ہیں اور لڑکی کو دینے کے بعد اس پر ملکیت لڑکی کی ہوتی ہے یہاں تک کہ شوہر کیلئے اس کی اجازت کے بغیر جہیز میں تصرف جائز نہیں لہٰذا شوہر کے گھر والوں یا شوہر کے لئے جائز نہیں کہ وہ جہیز کے عوض جس سے ان کا کوئی حق ہی متعلق نہیں مہر کے ساقط ہونے کا مطالبہ کریں لیکن اگر کسی نے مذکورہ طریقہ پر مہر کے سقوط کی شرط لگا کر نکاح کرلیا تو مہر ساقط نہ ہوگا بلکہ شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

لما في الهندية (۱/۳۰۴): وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها۔

وفيه أيضاً (۱/۳۰۸): ولو قال تزوجتك على أن تعطيني هذا الثوب لها مهر المثل ولا يلزمها الثوب۔

وفيه أيضاً (۱/۳۱۷): الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها بمهرها والتأجيل في المهر وما يتعلق بهما: في كل موضع دخل بها أو صحت الخلوة وتأكد كل المهر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستيفاء المعجل لها ذلك عنده--- وقبل تسليم النفس لها ذلك بالإجماع۔

وفي الدرالمختار (۳/۱۰۲): (وتجب) العشرة (إن سماها --- ويتأكد (عند وطء أو خلوة صحت) من الزوج۔

وفي الردالمحتار: (ويتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقبيلها ابنه أو تنصفه بطلاقها قبل الدخول وانما يتأكد لزوم

Marfat.com

مچھلی کھالو، مجھے نہیں پتہ تھا، کہ یہ میرے بچے کو مروا رہی ہے اور اس عمل سے بچہ مرجائے گا۔ یہ بات مجھے اب پتا چلی جب میں میکے آکے بیٹھ گئی ہوں۔ (مجھے آئے ہوئے ۱۰ مہینے ہوگئے ہیں) خیر میں نے انڈے کھائے تھوڑے دن بعد انہوں نے صفائی کروادی۔

اب جو بات میں آپ سے کہنے جارہی ہوں، یہ بات کہتے ہوئے ہر عورت شرمسار ہوتی ہے۔ پتہ نہیں ایسی بات کہنے سے قبل مجھے موت کیوں نہ آئی "میرے شوہر نے میرے ساتھ زبردستی کی، مجھے بہت زیادہ مارا اور میرے ساتھ غیر قانونی سلوک کیا (یعنی میرے منہ میں اپنی گند ڈالی)'' آپ سمجھ گئے ہوں گے، اگر عورت بدکردار ہو تو اسے سنگسار کرنے کا حکم ہے لیکن اگر آدمی ایسی گندی حرکات کرے تو اسلام میں اس بات کی کیا سزا ہے؟ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ میرے شوہر نے مجھے بہت مارا پیٹا ہے، میں نے اسے اللہ اور رسول کا بہت واسطہ دیا لیکن یہ نہیں مانے، کیا مجھے ایسے آدمی کے ساتھ رہنا چاہیئے، جو میرا ایمان خراب کرتا ہے؟ میں ان سے چھٹکارا چاہتی ہوں۔ خدا کیلئے اس مسئلے پر غور کریں۔

میرے والدین بوڑھے ہیں، اتنے وسائل نہیں ہیں کہ ہم عدالت میں جائیں اس لئے میں خدا کے دربار میں فیصلہ کروانا چاہتی ہوں۔ مجھے ایسی باتیں لکھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ اگر لکھنے میں کوئی غلطی ہوگئی ہو تو میں معذرت چاہتی ہوں لیکن اس میں لکھی ہوئی ہر بات سچی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

برتقدیر صحت واقعہ صورت مسئولہ میں آپ کے شوہر کے بھابھی کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں جو بالکل حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ولا تقربوا الزنا (بنی اسرائیل: ۳۲) زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ باتفاق مفسرین جس طرح زنا حرام ہے اسی طرح اس کے اسباب (ناجائز تعلقات) حرام ہیں چونکہ عموماً گھروں کے اندر دیور اور بھابھی کو ایک گھر میں ساتھ رہنا پڑتا ہے اس لئے شریعت میں دیور سے پردے پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الحمو الموت (بخاری ۲/۷۸۷) (دیور موت ہے)۔ اسی طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ "رحمن کے بندوں" کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (۶۸) يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا (۶۹)

(الفرقان: ۶۸)

"(رحمن کے بندے) زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کام کرے گا تو سزا سے اسے سابقہ پڑے گا، کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جاوے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔" (بیان القرآن ۲/۷۲۰)

لہذا آپ کے شوہر کو ان تمام کئے ہوئے افعال سے توبہ کرنی چاہیئے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا چاہیئے۔

(۲) بیوی کو بلاوجہ مارنا اور اس کے حقوق ادا نہ کرنا ناجائز اور حرام ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

Marfat.com